ظہیر الدین محمد بابر
مسلمان و ہندو مورخین کی نظر میں
www.KitaboSunnat.com
سید صباح الدین عبد الرحمن
مکتبہ قاسم العلوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

مسلمان و ہندو مورخین کی نظر میں

اس میں ہندوستان کے مغلیہ سلطنت کے بانی ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ
کے جنگی، سیاسی، علمی، تمدنی اور تہذیبی کارنامے اور دور جدید
کے مسلمان اور ہندو مورخین کی اصلی تحریروں
کی روشنی میں پیش کیے گئے ہیں۔

سید صباح الدین عبد الرحمن

نام کتاب

ظہیر الدین محمد بابر

مسلمان و ہندو مورخین کی نظر میں

مصنف

سید صباح الدین عبد الرحمن

اہتمام ———— ملک اسد علی قاسمی

مطبع ———— نوید حفیظ پریس

ناشر ———— مکتبہ قاسم العلوم

ڈسٹری بیوٹرز

ملک اینڈ کمپنی

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، پاکستان

042-37231119 , 0321-4021415

فہرست مضامین

ظہیر الدین محمد بابر

دیباچہ

ناظرین کے ہاتھوں میں اس وقت جو تاریخ ہے، اس کی نوعیت اور تاریخوں سے کچھ مختلف ہے، ہندوستان کی جو تاریخیں لکھی جاتی ہیں، ان میں مؤرخین تحقیقات کی آڑ میں اپنی رائے سے ناظرین کو متاثر کرنا چاہتے ہیں لیکن زیر نظر تاریخ میں ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے بانی ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ سے متعلق تزک بابری کے علاوہ اس دور سے اب تک مسلمان اور ہندو مورخین نے فارسی، اردو اور انگریزی میں جو کچھ لکھا ہے، ان کے اقتباسات ناظرین کے سامنے پیش کر دیے گئے ہیں، تاکہ وہ خود اپنی رائے قائم کر سکیں، اسی طرح بابر سے اورنگزیب تک کی تاریخ مرتب کرنے کا ایک نقشہ بنایا گیا ہے، جو بارہ جلدوں پر مشتمل ہے، ان میں سے کچھ جلدیں تیار ہو گئی ہیں اور کچھ زیر ترتیب ہیں، ناظرین سے استدعا ہے کہ دعا فرمائیں کہ اس ناچیز کے ہاتھوں ان تمام جلدوں کی تکمیل ہو جائے، اس طرز کی تاریخ نویسی کی افادیت کا اندازہ اسی وقت ہو سکے گا جب تمام جلدیں شائع ہو کر سامنے آجائیں گی لیکن جب تک یہ تمام جلدیں منظر عام پر نہیں آتی ہیں، زیر نظر کتاب کی خامیوں اور خوبیوں کا اندازہ لگانا ناظرین کے ذوق پر چھوڑ دیا جاتا ہے، خود مرتب کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتا لیکن اس کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں بعض باتوں کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے۔

بابر کے تمام حالات کا اصلی ماخذ اس کی خودنوشتہ سوانح عمری ہے، جو ترکی زبان میں ہے، اردو میں اس کا صحیح اور درست ترجمہ نصیر الدین حیدر گورگانی نے ترکی، فارسی اور انگریزی

نسخوں سے مقابلہ کر کے کیا، تمام مورخوں کے معلومات کا سرچشمہ یہی ہے، اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ اس کے زیادہ سے زیادہ اقتباسات دیے جائیں لیکن اس طرح کتاب کا زیادہ تر حصہ درج کرنا پڑتا، مگر خیال یہ ہوا کہ جب اردو میں یہ کتاب موجود ہی ہے تو اس کے اقتباسات کو زیادہ سے زیادہ درج کرنا محض کتاب کی ضخامت کو بڑھانا ہوگا، اس لیے شروع میں تو ناظرین کے معلومات کے لیے اس کا خلاصہ مختصر طریقہ پر دیا گیا ہے لیکن آگے چل کر اہم واقعات کی جابجا تفصیلات بھی لکھ دی گئی ہیں تاکہ جن ناظرین کو ان کی تلاش ہو وہ ان سے استفادہ کریں، اس ترتیب میں کچھ اپنے ذاتی ذوق کو بھی دخل ہے جس کے لیے ناظرین سے معذرت خواہ ہوں۔

ہندوستان سے باہر بھی بابر کی جو سرگرمیاں رہیں، ان کا مختصر حال اس کی خودنوشتہ سوانح عمری ہی سے لے کر پیش کر دیا گیا ہے اور تمام تاریخوں سے اقتباسات لیتے وقت اس حصہ کو حذف کر دیا گیا، کیوں کہ خیال رہا کہ ہندوستان کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کو وسط ایشیا میں بابر کی سیاسی اور جنگی سرگرمیوں سے کوئی دل چسپی نہ ہوگی، اگر تھوڑی بہت دل چسپی ہوئی بھی تو اس کی خودنوشتہ سوانح عمری سے لے کر جو مختصر اقتباسات دیے گئے ہیں وہ کافی ہوں گے، اگر اس حصہ سے ہمارے ناظرین کو زیادہ دل چسپی ہو تو میرزا حیدر دوغلت کی تاریخ رشیدی میں بھی وسط ایشیا میں بابر کی سرگرمیوں کے مستند معلومات ہیں، اس سے بھی اقتباسات لے کر ضمیمہ کے طور پر کچھ اور اضافہ کر دیا گیا ہے۔

فارسی اور انگریزی اقتباسات کے اردو ترجمے بالکل لفظی نہیں کیے گئے ہیں، اگر بالکل لفظی کیے جاتے تو ناظرین کے لیے اقتباسات کی عبارتیں شاید گراں ہو جاتیں لیکن ہر موقع پر مفہوم کو برقرار رکھا گیا ہے، بعض مواقع پر فارسی کی عبارتیں کچھ ایسی پیچیدہ اور مغلق تھیں کہ ان کو اردو میں منتقل کرنے میں مشکل ضرور پیش آئی ہے۔

مختلف مورخین کے اقتباسات میں جو مختلف رائیں نظر آئیں گی، ان میں سے ہر ایک رائے سے خاکسار کا متفق ہونا ضروری نہیں، ناظرین کو خود اندازہ ہوگا کہ بعض جزئیات کو درج کرنے میں مورخین نے احتیاط سے کام نہیں لیا ہے، ان کی نشان دہی خود کر سکتے ہیں۔

اس کتاب کو پیش کرتے وقت اس کی خوشی ہو رہی ہے کہ استاذی المحترم علامہ سید

سلیمان ندوی نے، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت نعیم عطا فرمائیں، دارالمصنفین کے لیے تاریخ ہند کے لیے مختلف جلدوں کی جو اسکیم بنائی تھی، اس سلسلہ کی یہ بیسویں جلد ہے، ناظرین دعا فرمائیں کہ اور جلدیں بھی لکھ کر یہ خاکسار استاد مرحوم کی وصیت کو پورا کرنے کی مزید توفیق حاصل ہو، آمین۔

ہیچمدان
سید صباح الدین عبدالرحمٰن

بابر اور ہندوستان کی کہانی

خود بابر کی زبانی

(ماخوذ از تزک بابری مرتبہ ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ)

میری عمر بارہ برس کی تھی کہ ۵ر رمضان ۸۹۹ر ہجری (مطابق ۱۴۹۳ ر عیسوی) میں فرغانہ کا بادشاہ ہوا، میں عمر شیخ میرزا کا بیٹا ہوں، یہ سلطان ابوسعید میرزا کے چوتھے بیٹے تھے، سلطان ابوسعید میرزا، سلطان محمد میرزا کے بیٹے تھے، سلطان محمد میرزا سلطان میران شاہ میرزا کے فرزند تھے اور میران شاہ میرزا حضرت امیر تیمور گورگاں کے منجھلے بیٹے تھے۔

خاندان: میرے والد شیخ میرزا حنفی مذہب اور خوش اعتقاد آدمی تھے، پانچوں وقت کی نماز پڑھتے تھے، بیش تر قرآن شریف پڑھا کرتے تھے، وہ سخی بھی بہت تھے، شیریں کلام اور بہادر آدمی تھے، ان کے قبضہ میں یہ ملک تھے، سلطان ابوسعید میرزا نے تو فرغانہ کا علاقہ دیا تھا، تاشقند، سیرام اور اتیبہ ان کے بڑے بھائی سلطان احمد میرزا نے دیے تھے۔

ان کی اولاد میں تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں، بیٹوں میں سب سے بڑا بیٹا میں ظہیر الدین محمد بابر ہوں، میری ماں قتلغ نگار خانم تھیں، مجھ سے دو برس چھوٹا دوسرا بیٹا جہاں گیر میرزا تھا، اس کی ماں قوم مغل کے گروہوں کے سرداروں میں سے تھی، اس کا نام فاطمہ سلطان تھا، تیسرا بیٹا ناصر میرزا تھا، اس کی والدہ اندجان کی تھی، اس کا نام امیہ تھا، ناصر میرزا مجھ سے چار برس چھوٹا

تھا، سب بیٹیوں میں بڑی خان زادہ بیگم میری سگی بہن تھی، مجھ سے پانچ برس بڑی۔

ماں کا نسب: میری ماں قتلغ نگار خانم، یونس خاں کی دوسری بیٹی تھی، یونس خاں چغتائی خاندان کی نسل سے تھا، جو چنگیز خان کا دوسرا بیٹا تھا، سلسلۂ نسب اس طرح ہے، یونس خاں بن ویس خاں بن شیر علی اوغلان بن محمد خاں بن خضر خواجہ خاں بن تغلق تیمور خاں بن ایس بوغا خاں بن دوا خاں بن براق خاں بن ملسوان تواں مواتو کان بن چغتائی خاں بن چنگیز خاں۔

۸۹۹ھ-۱۴۹۳ء کے واقعات تخت نشینی کا بیان: جب عمر شیخ کا انتقال ہوا تو میں اندجان کے چار باغ میں تھا، رمضان شریف کی پانچویں تاریخ منگل کے دن مجھے اندجان میں یہ خبر پہنچی، گھبرا کر میں سوار ہوا اور جس قدر ملازم میرے پاس تھے، ان کو لے کر قلعہ کی جانب روانہ ہوا، میں میرزا دروازہ کے قریب پہنچا تھا کہ شبرم طغائی جلّاد مجھے عید گاہ کی طرف لے چلا، اس کو یہ خیال گذرا ہوگا کہ میرا چچا سلطان احمد میرزا بڑا بادشاہ ہے اور فوج کثیر کے ساتھ اس نے چڑھائی کی ہے، ایسا نہ ہو کہ امرا مجھ کو اور ملک کو حوالیں کر دیں، اس نے مناسب سمجھا کہ وہ مجھے اور کند اور اس کے پہاڑوں کی طرف لے جائے، اس لیے کہ اگر ملک گیا تو کیا میں تو بچ جاؤں گا لیکن میں عید گاہ تک پہنچا ہی تھا کہ امرا مجھ کو پھیر لائے، میں محل میں آیا اور سب سردار میرے پاس حاضر ہوئے، جنہوں نے یہ مشورہ کیا کہ قلعہ کی فصیل اور برج کو مضبوط بنا کر اس کو بچایا جائے، اس عرصہ میں سلطان احمد میرزا اندجان سے چار کوس کے فاصلہ پر آ کر مقیم ہو گیا، میں نے اس کو کہلا بھیجا کہ اس ملک میں آپ اپنا کوئی آدمی ضرور مقرر کریں گے، میں آپ کا ملازم بھی ہوں، فرزند بھی ہوں، اگر یہ خدمت فدوی کو عطا کی جائے تو بہتر ہے لیکن سلطان احمد میرزا کے امرا نے اس پر التفات کرنے نہ دیا، مگر اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے میرے ہر موقع پر میری بگڑی کو بے منتِ خلق بنا دیتا ہے، یہاں بھی اس نے کئی اسباب ایسے پیدا کر دیے کہ دشمن اس طرف آئے اور تنگ اور پشیمان ہو کر بے نیل مرام واپس ہو گئے۔

دریائے خجند کے شمال کی طرف سے سلطان محمود خاں نے حملہ کر دیا اور اس نے آخشی کو گھیر لیا، آخشی کے سرداروں نے جان توڑ کر مقابلہ کیا، لڑائی کے دوران میں سلطان محمود خاں بیمار ہو گیا اور اپنے ملک کی طرف پھر گیا۔

ابا بکر دوغلت ختن اور کاشغر کا حاکم تھا، اس نے بھی حملہ کیا لیکن میرے باپ کے پسماندہ امرا نے بہادری اور جاں بازی میں کسر نہیں کی اور وہ بھی ناکام واپس گیا۔

نظم ونسق: ان جھگڑوں کے ختم ہونے کے بعد ملک کے نظم ونسق کی طرف توجہ کی، اندجان کی حکومت کی مدار المہامی پر حسن یعقوب کو مقرر کیا، اوش کا صوبہ دار قاسم قوچین کو کیا، آخشی ومرغینان پر حسن اور علی دوست طغائی متعین ہوئے اور دوسرے امرا کو ان کے لائق زمینیں، تنخواہیں اور چراگاہیں دیں۔

سلطان احمد میرزا کی وفات کے بعد اس کا بھائی سلطان محمود میرزا جانشین ہوا لیکن وہ جلد ہی وفات پا گیا، اس کے بعد امرا نے اس کے بیٹے بایسنغر میرزا کو سمرقند کے تخت پر بٹھایا، اس وقت اس کی عمر اٹھارہ برس کی تھی۔

مخالفت: ابراہیم سارو میرے والد کے زمانہ کا ایک امیر تھا، وہ کسی جرم میں نکال دیا گیا تھا، اس نے قلعہ اسفرہ آ کر بایسنغر میرزا کے نام کا خطبہ پڑھوایا اور میری مخالفت اختیار کی لیکن میرے سپاہیوں نے بہادری سے اس کا مقابلہ کیا اور بالآخر وہ گلے میں ترکش اور تلوار ڈال کر حاضر ہوا اور اُس نے شہر ہمارے سپرد کر دیا۔

خجند پر قبضہ: اس کامیابی سے فائدہ اٹھا کر میں نے خجند پر قبضہ کر لیا تھا، یہ مدت سے میرے باپ کی عمل داری میں تھا لیکن سلطان میرزا دبا بیٹھا تھا۔

اسی سال اندجان کی ایک صحرائی قوم چکرک سے بیس ہزار بھیڑیں اور پندرہ سو گھوڑے لشکریوں کے لیے وصول کیے اور ایتبہ پر چڑھائی کی لیکن وہاں سے مراجعت کرنی پڑی۔

۹۰۰ھ/ ۷-۹۵-۱۴۹۴ء کے واقعات، سمرقند پر ناکام حملہ: بخارا کے سلطان علی میرزا نے سمرقند کے خلاف لشکر کشی کی تو میں بھی لشکر لے کر سمرقند لینے کے لیے روانہ ہوا لیکن اہل سمرقند کیل کانٹے سے درست تھے، اس لیے میں اندجان کی طرف پلٹ آیا اور سلطان علی میرزا بخارا چلا گیا۔

۹۰۲ھ/ ۷-۱۴۹۶ء کے واقعات، ارکٹ پر قبضہ: میں گرمی کے موسم میں پھر سمرقند کی طرف بڑھا، سلطان علی میرزا بھی بخارا سے روانہ ہوا، میں اندجان سے قلعہ شیراز پہنچا تو داروغہ شیراز نے یہ قلعہ میرے حوالہ کر دیا، پھر عید کی نماز پڑھنے کے بعد سمرقند کی طرف روانہ

ہوا، قوروغ، ابیار اور بام ہوتا ہوا یورت خاں میں جا اترا، یہاں سے ارکٹ پر قبضہ کر لیا۔

۹۰۳ھ/ ۹۸-۱۴۹۷ء کے واقعات، سمرقند پر قبضہ: ہماری فوج نے قلبہ کے مرغزار میں اتر کر سمرقند کا محاصرہ کیا، کچھ دنوں کے بعد بایسنغر میرزا سمرقند چھوڑ کر قندز خسرو شاہ کے پاس چلا گیا، پھر تو عنایتِ الٰہی سے ربیع الاول کے آخر میں شہر سمرقند مع توابعات مفتوح و مسخر ہو گیا، امیر تیمور نے سمرقند کا حاکم اپنے بیٹے جہانگیر میرزا کو کیا تھا، جہانگیر مرزا کے مرنے کے بعد اُس کے چھوٹے بیٹے کو حاکم کیا، اس کے انتقال کے بعد اس کے بڑے بیٹے محمد سلطان کو یہاں کی حکومت دی، شاہ رخ میرزا نے سارا ملک ماوراء النہر اپنے لڑکے الغ میرزا کو دیا تھا، الغ بیگ میرزا سے اس کے بیٹے عبداللطیف میرزا نے لے لیا، عبداللطیف کے بعد عبداللہ میرزا (الغ بیگ کا داماد) تخت پر بیٹھا، اس کے بعد سمرقند کو سلطان ابوسعید میرزا نے لے لیا اور اپنے بیٹے احمد میرزا کو دے دیا تھا، سلطان احمد میرزا کے بعد سلطان محمود میرزا تخت نشین ہوا، سلطان محمود میرزا کے بعد بایسنغر میرزا کو تخت پر بٹھایا، ترخانیوں نے میرزا کو تخت سے اتار دیا اور اس کے چھوٹے بھائی سلطان علی میرزا کو دو ایک دن کے لیے بٹھا دیا، اس کے بعد پھر وہی بایسنغر میرزا بادشاہ ہو گیا۔

میں نے سمرقند فتح کیا تو سارا ملک میرا مطیع ہو گیا لیکن خبر ملی کہ اوزون حسن اور تنبل نے جہانگیر میرزا کے ساتھ اندجان کو آ گھیرا ہے، اندجان سے میری ماؤں اور خواجہ قاضی کے پاس سے برابر خطوط آئے کہ ہم بے طرح گھر گئے ہیں، اگر تم نہ آئے تو کام بگڑ جائے گا، سمرقند کو اندجان کے طفیل میں لیا ہے، اگر اندجان پاس ہے تو خدا چاہے گا تو سمرقند پھر ہاتھ آ سکتا ہے۔

اندجان پر دشمنوں کا قبضہ: بس چند روز کے بعد رجب کے مہینے میں ہفتہ کے دن اندجان کی طرف روانہ ہونے کے لیے سمرقند سے چلا، اس مرتبہ سمرقند میں کچھ دن بادشاہت کر لی، دوسرا ہفتہ تھا کہ خجند میں جا پہنچا، اسی دن ایک شخص یہ خبر لایا کہ اندجان دشمنوں کے حوالہ کر دیا گیا۔

اندجان کے لیے سمرقند چھوڑا تھا، اندجان بھی ہاتھ سے نکل گیا، نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے، میرے ساتھ والے امرا اور سپاہی مجھ سے علاحدہ ہو گئے، اس وقت مجھے بڑا ہی صدمہ ہوا، بے اختیار ہو گیا اور خوب رویا، میں خجند چلا آیا اور پانچ چھ ہزار فوج جمع کر کے سمرقند

پر بار دگر چڑھائی کی لیکن پھر خجند لوٹ آنا پڑا، جب سلطنت لینے کا خیال اور ملک گیری کا دعویٰ ہو تو ایک دو مرتبہ کے ناکام رہنے سے دل نہیں چھوڑا جاتا۔

۹۰۴ھ/ ۹۹-۱۴۹۸ء کے واقعات، اندجان پر دوبارہ قبضہ: اس سال سمرقند اور اندجان لینے کے لیے دوبارہ توجہ ہوئی لیکن کام نہ بنا، بشاغرج کی طرف مراجعت کی اور کچھ دنوں ایتبہ کے نواح میں حیران پریشان بے ٹھکانے سرگرداں پھر کر کچھ دن گذارے، پھر مرغنیان کی طرف چلا گیا، اس اثنا میں اندجان والے میرے طرف دار ہو گئے اور جونہی میں نے یہ خبر سنی مرغینان سے چل نکلا اور دو برس کے بعد اللہ کی عنایت سے ذی قعدہ ۹۰۴ھ/ ۹۹-۱۴۹۸ء میں یہ آبائی وطن پھر فتح ہو گیا۔

۹۰۵ھ/ ۱۵۰۰-۱۴۹۹ء کے واقعات، اوش میں فتح و شکست: یہاں سوار اور پیادوں کو جمع کر کے تنبل کے خلاف اوش پر چڑھائی کی، اوش کے قلعوں میں ایک قلعہ مادو ہے، یہاں ایک سخت لڑائی ہوئی اور قلعہ فتح کر لیا، پھر ہماری فوج آبخان میں پڑی رہی اور پھر آبخان سے کچھ دور موضع خوبان میں تنبل سے لڑائی ہوئی اور فتح پائی لیکن جب ہم سمرقند کی طرف جانے کو تیار ہوئے تنبل کے چھوٹے بھائی قنبل نے اوش کا قلعہ چوری سے چھین لیا، میں مجبوراً کیش کی طرف چلا گیا۔

۹۰۶ھ/ ۱۵۰۰ء کے واقعات، سمرقند کا ہاتھ سے نکلنا اور پھر قبضہ: ازبکوں نے سمرقند پر قبضہ کر لیا تو میں کیش سے حصار کی طرف چلا گیا، ایک بار پھر شہر اور ملک سے محروم ہو گیا اور میرے رہنے کا کہیں ٹھکانا نہ رہا اور کچھ دنوں سرہ اتاق، ایائی، نوند اک اور دریائے کوہک اور یار بیلاق کے نواح میں گھومتا رہا، پھر آدمی اکٹھا کر کے قلعہ وسمند پہنچا اور وہاں سے سمرقند پر ہلا کر دیا اور اس کو پھر فتح کر لیا، اس کے بعد شادوار وغیرہ کے لوگ میرے طرف دار ہو گئے اور میں نے اپنی ماؤں اور اہل وعیال کو ایتبہ سے سمرقند بلا لیا، ان ہی دنوں میری پہلی بیوی عائشہ سلطان بیگم سے جو سلطان احمد میرزا کی بیٹی تھی، ایک لڑکی پیدا ہوئی، جس کا نام فخر النساء بیگم رکھا، یہ میری پہلوٹھی اولاد تھی، اس وقت میری عمر انیس برس کی تھی لیکن کچھ دنوں کے بعد شیبانی خاں ازبک نے سمرقند پر حملہ کر دیا، ہم سمرقند میں محصور ہو کر لڑے لیکن شکست کھا گئے، سمرقند

چھوڑنا پڑا۔

۹۰۷ھ/۲-۱۵۰۱ء کے واقعات، تنگی و بدحالی: سمرقند چھوڑ کر تاشکند چلا گیا، جتنے دن تاشکند میں رہا، اتنے دن میں نے بے حد تنگی اور مصیبت میں گذارے، نہ ملک قبضہ میں تھا، نہ پھر اس کے ملنے کی امید تھی، نوکر چاکر اکثر چلے گئے تھے، جو کچھ پاس رہ گئے تھے، وہ مفلسی کے سبب سے میرے ساتھ ساتھ پھر نہ سکتے تھے، میں نے دل میں کہا کہ ایسی سختی کے ساتھ جینے سے کیا فائدہ، جدھر سینگ سمائے ادھر چلا جاؤں اور ایسا چھپ جاؤں کہ کسی کی نظر نہ پڑے، جو لوگوں کے سامنے ایسی ذلت و بدحالی میں رہنے سے بہتر ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اتنی دور نکل جاؤں، جہاں مجھے کوئی نہ پہچانے، یہ سوچ کر خطا جانے کا ارادہ مصمم کر لیا۔

۹۰۸ھ/۳-۱۵۰۲ء کے واقعات، فتح قبا داوش: لیکن میری ملاقات میرے چھوٹے ماموں یکچک خاں سے تاشکند اور سیرام کے درمیان یغما ایک گاؤں میں ہوگئی اور وہ مجھ کو لے کر تاشکند کی طرف آئے جہاں میرے بڑے ماموں پیشوائی کے لیے آئے، یہاں پہنچ کر بڑے دونوں خان یعنی بڑے اور چھوٹے ماموں نے سلطان احمد تنبل پر فوج کشی کی، کچھ فوج میرے ساتھ بھی کر دی گئی اور میں نے دریائے خجند کو عبور کر کے قبا کو فتح کر لیا، پھر اوش پر چڑھائی کر دی، اوش والے کچھ نہ بن پڑا تو اوش ہمارے حوالہ کر دیا اور کند والوں نے بھی میری اطاعت قبول کر لی، دریائے خجند سے اندجان کے جانب جتنے قصبے تھے، اندجان کے سوا سب میرے مطیع ہو گئے اب مجھ کو اندجان لینے کی فکر ہوئی اور اندجان پر چڑھائی کر دی، اس لڑائی میں ایک تیر میری سیدھی ران میں لگا اور آر پار ہو گیا، میرے سر پر لوہے کی ٹوپی تھی، دشمن نے جھپٹ کر تلوار کا ایک ہاتھ ایسا اس پر مارا کہ میرا سر سُن ہو گیا، اگرچہ ٹوپی کا تو ایک تار نہ کٹا، مگر میرا سر اچھی طرح زخمی ہو گیا، اب ٹھہرنے کا موقع نہ تھا، میں نے گھوڑے کی باگ الٹی پھیری اور بچ نکلا، اس کے بعد میرے بڑے ماموں نے وہ مقامات جو میرے قبضہ میں تھے، مجھ سے لے لیے اور چھوٹے ماموں کو دے دیے اور مجھ سے وعدہ کیا کہ سمرقند فتح کر کے مجھ کو دیں گے، میں کیا کر سکتا تھا، خواہ مخواہ راضی ہو گیا۔

قلعۂ پاپ پر قبضہ اور پریشانی: چند روز کے بعد میں نے دونوں ماموں کے مشورے سے نوکند اور کاشان پر چڑھائی کی اور قلعہ پاپ پر قبضہ کر لیا پھر آخشی پہنچ گیا، جہاں میرے والد کا

قلعہ سنگین میں محل تھا، وہیں ایک کمرہ میں جا اترا لیکن تنبل نے آخشی پر حملہ کر دیا اور بہت لڑنے کے بعد مجھ کو چھوڑنا پڑا اور کرنان میں جا کر چھپا۔

۹۱۰ھ/ ۵-۱۵۰۴ء کے واقعات، کابل اور غزنی کی تسخیر: اب ملک فرغانہ سے نکلا تو خراسان کی طرف جانے کا ارادہ کیا، اب میرے ساتھ تین سو سے کم آدمی تھے، ان میں اکثر پیدل تھے، بہت سوں کے پاس صرف لاٹھیاں تھیں، کوئی ننگے پاؤں تھا، کسی کے پاؤں میں موزے نہ تھے، مفلسی اس درجہ کی تھی کہ ہمارے پاس فقط دو خیمے تھے، میرا خیمہ میری والدہ کے لیے لگا دیتے، میرے لیے پڑاؤ پر ایک چھولداری کھڑی کر دیتے، میں اس میں ہو بیٹھتا تھا، ہم قبادیان، کھمرود، بانیاں، درۂ سجد، قوروق ہوتے ہوئے کابل کی طرف بڑھے، مرغزار چالاک میں ٹھہر کر کابل کا محاصرہ کرنے کی تجویز قرار پائی اور جب ہم کابل کے پاس پہنچے تو کچھ لوگ مقابلہ کے لیے آئے لیکن وہ بھاگ نکلے اور قلعہ میں جا گھسے، قلعہ والے بہت ہی ڈرے اور دل چرانے لگے اور ربیع الآخر کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے کابل اور غزنی کے توابعات کو بے لڑے بھڑے مسخر کرا دیا، کابل ان ہی امرا میں جو مہمان تھے، تقسیم کر دیا، یہ لوگ میرے ساتھ تکلیفوں اور مصیبتوں میں مارے پھرتے تھے، ان میں سے کسی کو گاؤں، کسی کو زمین وغیرہ دی گئی اور ملک کسی کو نہیں دیا، حصار، سمرقند اور قندز سے بہت سے قبیلے آ گئے تو یہ طے پایا کہ کابل چھوٹی سی جگہ ہے، اطراف میں لشکر کشی کی جائے، اسی لیے ہزارہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا اور خاطر خواہ لوٹ کے بعد وہاں سے الٹا پھر آیا۔

ہندوستان کی جانب پہلا حملہ: کابل میں رہ کر اطراف و جوانب کا حال دریافت کیا، بعض نے تو دشت کی طرف چلنے کی صلاح دی، کسی نے بنگش کی طرف چلنے کو کہا، کسی نے ہندوستان کی صلاح دی، آخر ہندوستان پر یورش کرنے کی ٹھہری اور جب کابل سے ہندوستان کا رُخ کیا تو ادینہ پور پہنچے، پھر مقام قوس گنبد میں اترے، خیبر سے دو تین کوچ کے بعد جام میں اترنا ہوا، جہاں بکرم کی سیر کی، پشاور میں کاکیانی افغان تھے، ہمارے لشکر کے خوف سے وہ پہاڑ کے دامن میں جا چھپے اور ان کے سرداروں نے ہماری ملازمت حاصل کر لی، ہماری ایک فوج کے ایک دستہ نے دریائے سندھ کے کنارے کو جا مارا، پھر یہ بات قرار پائی کہ بنون اور بنگش کی نواح کو لوٹتے ہوئے نغز یا فرمل

کے راستہ سے پلٹ جانا چاہیے۔

۹۱۱ھ/ ۶-۱۵۰۵ء کے واقعات، قلات پر یورش: اس سال قندھار پر یورش کرنے کا ارادہ کیا لیکن ابھی کوہ صحرا میں فوج نہ بڑھی تھی کہ قلات پر یورش کرنے کی ٹھہری اور بے سرو سامانی کے ساتھ حملہ کر دیا تو قلعہ والوں نے پناہ مانگی اور قلعہ حوالہ کر دیا اور پھر ہم کابل کی طرف لوٹ آئے۔

میں جو کابل سے چلا گیا تھا تو میرے آنے تک ہزارہ ترکمانوں نے بہت سر اٹھایا تھا، ان کو سزا دینے کے لیے شہر میں آیا اور اچھی طرح سزا دی۔

۹۱۲ھ/ ۷-۱۵۰۶ء کے واقعات، ہرات میں شراب نوشی: ماہ محرم میں ازبک کے دفع کرنے کے لیے خراسان جانے کا قصد ہوا، کوتل، کنبدک، کوتل دنداں شکن، کھمرود، کزرواں، المار، قیصار اور ہر چکنو سے ہوتے ہوئے بادغیش کے توابع درۂ جام میں ٹھہرا، ملک میں ایک غدر مچ رہا تھا، میں نے بھی اس نواح کے ترکوں اور قبیلوں پر زور ڈال کر تحصیل کرنی شروع کی، پھر ہرات پہنچا، ہرات کی سیر کی، وہاں کے میرزاؤں سے ملا، یہاں میرے لیے بہت سی مجلسیں گرم ہوئیں، جن میں اہل بزم جام شراب کو آب حیات کی طرح پیتے تھے، میرا دل بھی للچانے لگا، لڑکپن میں مجھے شوق نہ تھا، بلکہ شراب کے نشہ اور اس کی حالت کو بھی نہ جانتا تھا، والد کبھی فرماتے تو میں انکار کر دیتا تھا، پیتا نہ تھا، والد کے انتقال کے بعد مولانا خواجہ قاضی کے قدم کی برکت سے میں زاہد اور پرہیزگار رہا، مشتبہ کھانے تک سے بچتا تھا، چہ جائیکہ شراب پی لوں، اس کے بعد جو یہ لت لگی تو جوانی کے تقاضے اور نفس کی شامت سے لگی۔

برفستانی علاقے میں کوچ: ہرات سے کابل کی طرف مراجعت کی، تو راستہ میں برابر برف پڑتی رہی، گھوڑوں کی پیٹھوں سے بھی اونچی برف ملتی تھی، اکثر جگہوں پر گھوڑے کا پاؤں زمین پر نہ پہنچتا تھا، تقریباً ہفتہ بھر برف کاٹتے ہوئے چلے، کوس ڈیڑھ کوس سے زیادہ نہ چلتے، ہر قدم پر کمر اور سینے تک برف میں دھنس جاتے تھے، برف کھودتے تھے، بمشکل تمام اولانگ میں آن اترے تو موٹی موٹی بکریاں ذبح کر کے کھائیں، گھوڑوں کے لیے دانہ گھاس فراہم کیا، پھونس اور اُپلے جلا کر آگ روشن کی لیکن ہم کچھ آگے بڑھے تو ہزارہ لوگوں نے ہم کو ہر طرف سے گھیر لیا، میرے

ہمراہیوں نے بھاگنا شروع کیا، میرے پاس ترکش اور کمان کے سوا کچھ نہ تھا، مگر میں نے اپنا گھوڑا مقابلہ کے لیے ڈال دیا، جب لوگوں نے مجھے جاتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی ساتھ ہو لیے، ہم نے دشمنوں کے نیزوں کی ذرا پرواہ نہ کی اور اوپر چڑھتے گئے، یہاں تک کہ دشمن بھاگ نکلے، جو پکڑے گئے ان کا مال واسباب چھین لیا گیا۔

اسی یورش کے موقع پر سننے میں آیا کہ محمد حسین دوغلت اور سلطان سنجر برلاس نے ان مغلوں کو جو کابل میں رہ گئے تھے، اپنے سے ملا اور خان میرزا کو بادشاہ بنا کر کابل کا محاصرہ کرلیا ہے، کابل کی طرف ہم بڑھے تو سارے راستہ میں برف پڑی تھی، بڑی مشکل سے کابل پہنچے اور محاصرین سے سخت مقابلہ ہوا لیکن وہ شکست کھا کر بھاگ نکلے۔

۹۱۳ھ/ ۸-۱۵۰۷ء کے واقعات، قندھار میں فتح و شکست: اس سال قوم غلجی پر چڑھائی کی اور قبا قبود اولا بہ پہنچ کر ان کی سرزنش کی، یہاں ایک لاکھ بکریاں ہاتھ لگیں، پھر وہاں سے ہم قندھار کی طرف روانہ ہوئے اور شاہ بیگ اور مقیم سے لڑائی لڑ کر اُن پر فتح پائی اور وہاں کا خزانہ ترازو میں تول تول کر اپنے ہمراہیوں کو دینا شروع کیا، امیروں، سرداروں، سپاہیوں اور خدمت گاروں نے تھیلے اور طباق بھر بھر کے اپنی تنخواہوں کے روپیے لے لیے اور لاد کر لے گئے، غرض بے انتہا مال ومتاع اور عزت وآبرو کے ساتھ کابل واپس ہوا اور سلطان احمد میرزا کی بیٹی معصومہ سلطان بیگم سے نکاح کیا لیکن آنے کے ساتھ ہی خبر ملی کی شیبانی خاں نے قندھار کو گھیر لیا ہے اور قندھار ہاتھ سے نکل گیا، ازبک نے جو قندھار گھیرا تو میرا آدمی عبدالرزاق قلات میں نہ ٹھہر سکا اور اس کو چھوڑ کر میرے پاس کابل چلا آیا، اس طرح قلات بھی ہاتھ سے نکل گیا۔

ہندوستان کی طرف کوچ: ماہ جمادی الاول میں کابل سے ہندوستان کی طرف کوچ کیا اور درۂ برائین تک پہنچے، جہاں لشکر والوں نے خوب دھان لیے، وہاں ہندوستان جانے کی صلاح نہ ٹھہری، اس لیے کابل واپس آیا، ناصر میرزا کو غزنی دیا اور عبدالرزاق میرزا کو تومان نیکعہار، مندار درۂ نور کو کونر اور نوا گل عطا کیا اور اس موقع پر بادشاہ کا لقب اختیار کیا، اسی سال کے آخر میں کابل میں ہمایوں پیدا ہوا، جس کی خوشی میں بڑا جشن منایا گیا، زرسفید کا ڈھیر لگ گیا، اس سے پہلے کبھی اتنے روپیوں کا ڈھیر دیکھنے میں نہ آیا تھا۔

۹۱۵ھ/ ۱۰-۱۵۰۹ء کے واقعات: باجور کا قلعہ فتح ہوا، بھیرہ پر قبضہ کیا اور اس کو چار سرکاروں میں منقسم کیا، ۲ر شعبان کو ہندال پیدا ہوا، چونکہ اس تسخیر ہند کے موقع پر یہ خبر آئی تھی، اس لیے بطریق شگون مولود کا نام ہندال رکھا، بھیرہ کو ہندو بیگ کے سپرد کیا اور حسین انکرک کو چناب کا حاکم بنایا، پھر بھیرہ سے کابل کی طرف مراجعت کی، نیلاب و بھیرہ کے بیچ میں جو پہاڑ کشمیر کے پہاڑوں سے ملے ہوئے ہیں، ان میں قوم جودہ اور جنجوہہ کے علاوہ جٹ اور گجور کی قومیں بھی آباد ہیں، ان قوموں کی حکومت تاتار، کھکر اور ہائی کھکر سے متعلق تھی، جو ایک ہی دادا کی نسل سے تھے، وہاں کے لوگوں نے شکایت کی کہ ہائی کھکر بڑا بدذات ہے، مسافروں کو سخت پریشان کرتا ہے، میں نے اس پر چڑھائی کی اور فتح پائی، اس کے بعد افغانوں کے سرغنہ عبدالرحمٰن کی سرکوبی کی، وہ کردیز کی سرحد پر رہتا تھا، محصول وغیرہ سیدھے ہاتھوں نہ دیتا تھا اور اس طرف آنے جانے والوں کو ستاتا بھی تھا، اس کی سرکوبی کر کے کابل آیا تو قوم یوسف زئی پر یورش کرنے کی خاطر سوات کی طرف رُخ کیا، خبر ملی تھی کہ وہاں غلہ کثرت سے ملے گا، اس لیے خیال ہوا کہ وہاں سے غلہ لے کر پشاور کے قلعہ میں ذخیرہ کیا جائے لیکن وہاں غلہ امید سے کم ملا، اس لیے آفریدیوں پر یورش کی تجویز ہوئی، مقام بہار اور مسیح کرام پہنچے، تو بہت سے آدمیوں کا مال واسباب لوٹ لیا اور ان کے بال بچے گرفتار کر لیے گئے، پھر کابل کی طرف مراجعت کی۔

۹۳۲ھ/ ۲۶-۱۵۲۵ء کے واقعات: صفر کی پہلی تاریخ ۹۳۲ھ میں ہندوستان کی طرف چلنے کا قصد کیا، کوچ کر کے ہم جب دریائے بار بک پر آ کر ٹھہرے تو خواجہ حسین دیوان لاہور نے چوبیس ہزار شاہ رخی کے برابر سونا، کچھ اشرفیاں اور روپے جو بھیجے وہ پہنچے، پھر آگے بڑھ کر باغ وفا میں اترے، وہاں سے جالہ آئے، جالہ سے بکرام کے پاس خیمے ڈالے، یہاں امیروں، بخشیوں، دیوانی والوں کو چھ سات حصے کر کے ان کو نیلاب کے گھاٹ پر کشتیوں میں اترنے والے لشکر کے جائزہ لینے اور گنتی کرنے کے لیے مقرر کر دیا، پھر دریائے سندھ کے کنارے پر لشکر اترا لیکن سندھ چھوڑ کر دریائے کچھ کوٹ سے عبور کیا اور پانچ منزل چل کر چھٹی منزل میں کوہ جودہ سے ملا ہوا جو بال ناتھ جوگی کا پہاڑ ہے، اس کے نیچے ندی کے کنارے پر لشکر اترا، وہاں سے کوچ کیا تو دریائے بہت سے جہلم کے نیچے کی طرف عبور کیا، وہاں سے ہم پر سرور میں آ کر مقیم ہوئے،

پھر میں کلانور کے قریب دریا سے پار ہوا اور قلعہ بلوت والے درہ کے دامن میں آن اترا، یہاں ہندوستانی امرا میں دولت خاں کا پوتا علی خاں کا بیٹا اور اسماعیل خاں دولت کا بڑا بیٹا حاضر ہوا، ان کو قلعہ کی طرف بھیجا اور قلعہ غازی خاں کے قبضہ میں تھا، وہ چھوڑ کر بھاگا، اس طرف اور قلعے تھے، کوتلہ، کنکوتہ، ہندور اور کھلور، ان کو بھی فتح کیا، پھر کوچ کر کے اوپر آئے اور وہاں سے چلے تو سرہند کے نزدیک تالاب پر خیمہ زن ہوئے، ایک منزل اور طے کر کے دیہور دستور میں اترے۔

پانی پت کی پہلی لڑائی: اس میں مجھے معلوم ہوا کہ سلطان ابراہیم دلی سے کوس بھر آگے آگیا ہے اور حصار اور فیروزہ کا حاکم حمید خاں بھی فوج لے کر آگے بڑھ رہا ہے، ہم انبالہ سے کوچ کر کے ایک تالاب کے کنارے اور ہمایوں کو حمید خاں پر دھاوا کرنے کو بھیجا، ہمایوں کا مقابلہ حمید خاں نہ کرسکا، وہ بھاگ کھڑا ہوا، ہمایوں کی یہ پہلی لڑائی تھی، شگون اچھا ہوا، اس لیے میں نے حصار، فیروزہ مع توابعات اور ایک کرور زر نقد ہمایوں کو انعام دیا، کوچ کر کے ہم شاہ آباد آئے، جہاں خبر ملی کہ ابراہیم آگے بڑھ رہا ہے لیکن ایک ایک دو دو کوس کوچ کرتا ہے اور ہر منزل میں دو دو تین تین دن قیام کرتا ہے، ہم بھی آگے بڑھے، شاہ آباد سے سرسادہ کے مقابل میں دریائے جمنا کے کنارہ خیمہ زن ہوئے، یہاں سے ایک لشکر غنیم کی طرف بھیجا جو ایسا جا دھمکا کہ غنیم کی فوج بھاگی تو ابراہیم کی فرودگاہ کے قریب جا کر ٹھہری، پھر فوج کی صفیں آراستہ کر کے ہم آگے بڑھے اور جمعرات کے دن جمادی الاخریٰ کی سلخ ہم پانی پت آئے غنیم کا لشکر جتنا سامنے تھا، اُس کا تخمینہ ایک لاکھ کیا جاتا تھا اور ہزار کے قریب ہاتھیوں کی تعداد بیان کی جاتی تھی، ابراہیم لودی جوان آدمی تھا لیکن ناتجربہ کار، نہ اس نے آتے وقت معقول بندوبست کیا نہ ٹھہرنے اور بھاگنے کا ٹھکانا کیا، لڑائی شروع ہوئی تو لقمہ والے غنیم کے دست راست اور دست چپ سے پھر کر تیر مارنا شروع کردیا اور غنیم کے پیچھے پلٹ کر تیروں کا مینہ برساتے تھے، استاد علی قلی بھی قول کے آگے آکر فیر کرنے لگا، مصطفیٰ توپچی دست چپ سے خوب گولے مارنے لگا، تو لقمہ والوں نے چاروں طرف سے غنیم کو گھیر لیا اور ہنگامۂ پیکار گرم کردیا، دوپہر ہوتے ہی دشمن پست ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک ایسا مشکل کام ہم پر آسان کردیا کہ وہ بے شمار لشکر دوپہر کے عرصہ میں خاک میں مل گیا، ابراہیم کی لاش بھی بہت سی لاشوں میں پڑی ہوئی ملی، میں نے ہمایوں مرزا، خواجہ کلاں

وغیرہ کو حکم دیا کہ فوراً آگے بڑھ کر آگرہ پر قبضہ کرلو اور خزانے ضبط کرلو، میں خود دہلی کی طرف بڑھا، یہاں آکر حضرت شیخ نظام الدین اولیا کے مزار کی زیارت کی، پھر دلی کے قلعہ کی سیر کی، خواجہ قطب الدین قدسرہ کے مزار مبارک کی زیارت سے مشرف ہوا اور دوسری عمارتوں کی سیر کی، دلی بیگ مرملی کو دلی کا صوبہ دار اور دوست بیگ کو دلی کا دیوان مقرر کیا، دلی کی جامع مسجد میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا، پھر کوچ در کوچ آگرہ چلے اور جمعہ کے دن بائیسویں رجب کو نواح آگرہ میں پہنچے اور ستائیس رجب ہفتہ کے دن دوپہر کو شہر آگرہ میں داخل ہوا اور سلطان ابراہیم کے محل میں اترا، سلطان ابراہیم کی ماں کو سات لاکھ نقد کا پرگنہ عنایت کیا اور آگرہ سے کوس بھر کر فاصلہ پر دریا کے اُس طرف رہنے کو ایک مکان دیا۔

خدائے تعالیٰ نے میری محنت اور کوشش ضائع نہ کی اور ہندوستان جیسا وسیع ملک فتح کرادیا، میں اس دولت کے حاصل کرنے کو اپنی تاب وطاقت پر محمول نہیں کرتا اور اس سعادت کے نصیب ہوجانے کو اپنی کوشش وہمت کی بدولت نہیں جانتا، بلکہ محض خدا تعالیٰ کی عنایت سمجھتا ہوں۔

تقسیم انعامات: رجب کی انتیسویں تاریخ کو خزانے بانٹنے شروع کیے، ہمایوں کو ستر لاکھ کئی امیروں کو دس دس لاکھ اور آٹھ آٹھ لاکھ مرحمت کیے، لشکر میں افغان، ہزارہ عرب اور بلوچ تھے، ان کو بھی نقد انعام دیا، کامراں کو ستر لاکھ، محمد زماں میرزا کو پندرہ لاکھ، عسکری ہندال بلکہ سارے چھوٹے بڑے عزیزوں کو روپے، اشرفیاں، جواہرات اور غلام سوغات بھیجے، سمرقند، خراسان، مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ بھی نذرانے بھیجے گئے، کابل کے ہر زن ومرد کو فی آدمی ایک شاہ رخی انعام میں دی گئی۔

ہم جو آگرہ میں پہلے پہل آئے تو ہمارے لوگوں اور یہاں والوں میں بے حد نفرت اور غیرت تھی، رعایا اور سپاہی ہمارے آدمیوں کی آواز سے کوسوں بھاگتے تھے، سنبھل، بیانہ، میوات، دھولپور، گوالیار، راپری، اٹاوہ، کالپی، قنوج سب پٹھانوں کے قبضہ میں رہے، یہاں کی گرمی سے ہمارے ساتھیوں کا دل ہندوستان میں رہنے کو نہ چاہتا تھا، بلکہ یہاں سے کھسکنے لگے، میں نے امرا کو جمع کرکے ایک تقریر کی کہ جس ملک کو اتنی جانکاہی سے لیا ہے اس کو یونہی چھوڑ کر

کابل جانا مناسب نہیں، اس تقریر کا اچھا اثر ہوا لیکن پھر بھی کچھ لوگ ہندوستان چھوڑ کر کابل چلے گئے اور پھر اپنے امرا کو پورب کے باغیوں کی سرکوبی کے لیے مقرر کیا اور جب ان کی بغاوت فرو ہوگئی تو تمام علاقے امرا میں تقسیم کردیے اور نواحِ آگرہ میں باغ اور مکانات بنانے شروع کیے۔

۹۳۳ھ/ ۲۷-۱۵۲۶ء کے واقعات، بیانہ و گوالیار کی تسخیر: اس سال بیانہ پر چڑھائی کی، گوالیار پر قبضہ کیا، حصار فیروزہ کے باغیوں کا استیصال کیا، اسی سال رانا سانگا سے خانوا (کھنواہہ) میں جنگ ہوئی جو سیکری سے پانچ کوس پر ہے، میں نے شہید ہونے کا ارادہ کرلیا تھا، مگر خدا کا احسان ہے کہ میں غازی ہوگیا، اس لڑائی کے بعد میوات پر یورش کی، پھر ہمارے سرداروں نے چنداور پر قبضہ کیا اور راپری کی طرف رخ کیا، اس نواح کی جاگیریں مختلف امرا میں تقسیم کردیں۔

۹۳۴ھ/ ۲۸-۱۵۲۷ء کے واقعات: چندیری پر یورش کی، قنوج اور اس کے نواح کی بغاوت فرو کی۔

۹۳۵ھ/ ۲۹-۱۵۲۸ء کے واقعات، ڈاک چوکی: ڈاک چوکی کے لیے حکم دیا کہ آگرہ سے کابل تک جریب سے پیمائش کرائی جائے اور ہر نو کوس پر ایک مینار بنایا جائے، جس کی بلندی بارہ گز کی ہو، اس مینار پر چودری بنائی جائے، ہر اٹھارہ کوس پر چھ گھوڑوں کی ڈاک بٹھائی جائے، ان گھوڑوں کے لیے دانہ گھاس خالصہ کے پرگنے یا جاگیردار مہیا کریں، گز نو مٹھی کا، جریب چالیس گز کی، کوس سو جریب کا معین کیا۔

پورب کا سفر: اسی سال پورب کی طرف روانہ ہوا اور دریاپور، فتح پور، دادوسر، دیرہ پور (کالپی) چیرہ گڑھ، آدم پور، فتح پور ہنسوہ، مہیند اسرائے، وکدہوتا ہوا اور دریا ٹونس اور کرمناس کو پار کرتا ہوا بہار میں آگیا، بہار میں مخالفت زیادہ نہ ہوئی اور بہار قبضہ میں آگیا، محمد زماں میرزا کو بہار کی حکومت عطا کی اور وہاں کی دیوانی مرشد عراقی کے سپرد کی، آگے بڑھ کر اری کے علاقے میں اترتا ہوا پھر منیر دیکھتا ہوا آگے بڑھا اور جہاں دریائے گنگ و سرود ملتے ہیں وہاں ہلدی گھاٹ پر ایک میدان میں بنگالیوں سے مڈبھیڑ ہوئی اور ان کو شکست دی لیکن ان سے صلح کرلی کیوں کہ یہ یورش باغی افغانیوں کے لیے تھی، ان میں سے بعض نے خودسری کرکے مزہ چکھا اور بعض نے

اطاعت قبول کی، کچھ جو رہ گئے بنگالیوں کے دست نگر ہو گئے، میں نے بہار میں ایک کروڑ کا ملک شامل خالصہ کر کے پچاس لاکھ کا علاقہ جلال خاں کو دے دیا، واپسی میں شیخ بایزید اور بین کی بغاوت فرو کی، جو پرگنہ جھوپہ سے بھاگ گئے۔

۹۳۶ھ/ ۳۰-۱۵۲۹ء کے واقعات: رحیم داد نے گوالیار میں بغاوت کی، اس کو فرو کرنے کے لیے لشکر کشی کرنے کا ارادہ کیا تو شیخ محمد غوث گوالیاری اس کی سفارش کے لیے آئے، میں نے اس کو معاف کر دیا اور شیخ گھورن اور نور بیگ کے حوالہ گوالیار کر دیا۔

یہاں پر آ کر بابر کی خود نوشتہ سوانح عمری ختم ہو جاتی ہے لیکن تاریخوں میں ہے کہ ۹۳۷ھ/ ۱۵۳۰ء میں بادشاہ بیمار پڑا، مرض روز بہ روز بڑھنے لگا، علاج نے الٹا اثر کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ اس کو اپنی زندگی سے مایوسی ہوگئی، شہزادہ ہمایوں ان دنوں قلعہ کالنجر کی مہم میں گیا ہوا تھا، بابر نے شہزادہ کو کالنجر سے بلا کر اپنا جانشین مقرر کیا اور پانچویں جمادی الاول ۹۳۷ (۲۶ر دسمبر ۱۵۳۰ء) کو دوشنبہ کے دن اس جہان فانی سے رحلت کی، اس کی وصیت کے مطابق لاش کابل میں لائی گئی اور قدم گاہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں پیوند خاک کر دی گئی ''بہشت روزی باد'' تاریخ وفات ہے، بارہ برس کی سن میں تخت حکومت پر بیٹھا اور اڑتیس سال حکمرانی کی، جس میں صرف پانچ سال ہندوستان میں رہا، پچاس سال کی عمر میں وفات پائی، تاریخ فرشتہ میں ہے:

> ''سخاوت اور مروت اس کی سرشت میں داخل تھی، اس کے نوکروں نے بار بار اس کے ساتھ بے وفائیاں کیں، بلکہ بعض مرتبہ اس کی جان کے بھی درپے ہوئے لیکن اس صاحب مروت تاج دار نے ان پر قابو پا کر بھی ان سے بدلہ نہ لیا، بلکہ ان کو انعام واحسان سے مالا مال فرمایا، وہ حنفی المذہب مجتہد تھا، اس نے نماز کبھی قضا نہیں کی، ہر جمعہ کو روزہ رکھتا تھا، علم موسیقی، شاعری، املا وانشا میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا، اپنے عہد حکومت کے واقعات ایسی شستہ اور فصیح ترکی زبان میں لکھے ہیں کہ اس زبان کے بڑے بڑے ماہرین نے اس کی انشا پردازی کا لوہا مان لیا ہے، اکبر کے عہد میں خانخاناں عبدالرحیم خاں ولد بیرم خاں نے اسی ترکی نسخہ کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا جو آج تک اسی طرح رائج ہے.........اس کے انصاف کا یہ عالم تھا

کہ ایک مرتبہ ملک خطا کا ایک قافلہ شہراندجان میں وارد ہوا، قافلہ پر بجلی گری اور دو آدمیوں کے سوا سارا مجمع ہلاک ہوگیا، بادشاہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی، بادشاہ نے اپنے ملازمین کے ایک گروہ کو حکم دیا کہ قافلہ کا تمام ساز وسامان جمع کیا جائے، باوجودیکہ کہ اہل قافلہ کا کوئی وارث اس وقت موجود نہ تھا، بادشاہ نے تمام مال کو احتیاط سے اپنے پاس رکھا اور اطراف وجوانب میں لوگوں کو بھیج کر مردوں کے وارثوں کو اپنے پاس بلایا، یہ وارث دو سال کے بعد بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے، جس نے مال ان کے سپرد کردیا۔

پیمائش کی وہ طناب جس سے بادشاہ کے پیچھے شکار اور سفر میں زمین کو ناپتے ہوئے ساتھ لیے چلتے ہیں، اسی بادشاہ کی بےنظیر یادگار ہے، اس نے سو طناب کی ایک طناب بنائی تھی اور ہر طناب چالیس گز اور ہر گز نو مٹھی کا ہوتا تھا، یہی بابری گز نورالدین جہاں گیر کے ابتدائی زمانہ تک جاری رہا۔ (تاریخ فرشتہ جلد ا، ص ۲۱۱)

طبقات اکبری میں ہے:

''اس بادشاہ کی خصوصیات میں یہ بھی ہے کہ موزے پہنے ہوئے وہ قلعہ کے کنگروں کو پھاند پھاند کر دوڑتا پھرتا اور کبھی کبھی دونوں بغل میں دو آدمیوں کو دبا کر ایک کنگرہ سے دوسرے کنگرہ تک پھاند جاتا، اس نے ایک خط بھی ایجاد کیا جس کا نام خط بابری ہوا، اسی خط میں اس نے کلام پاک لکھ کر مکہ معظمہ بھیجا، فارسی اور ترکی شاعری بھی خوب کرتا، علماء وفضلا کی سرپرستی بھی بہت کی۔'' (جلد دوم، ص ۲۷)

بابر نے ہندوستان آکر اس کی ہر چیز کا بہت گہرا مطالعہ کیا تھا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا مشاہدہ کتنا تیز، باریک اور صحیح تھا، اس نے اپنی تزک میں ہندوستان کی مختلف چیزوں کا جو تفصیلی اور اجمالی ذکر کیا ہے، اس کے پڑھنے سے سیاسی اور تاریخی معلومات کے علاوہ ہندوستان کے نباتات اور حیوانات کے متعلق کچھ ایسی تفصیلات معلوم ہوں گی جو ممکن ہے ماہر حیوانات ونباتات کے لیے بھی کارآمد ہوں، ان تحریروں کو لکھے ہوئے ایک عرصہ گزرا لیکن ان میں جو تازگی محسوس ہوتی ہے، اس کے مطالعہ سے ہمارے ناظرین ضرور محظوظ ہوں گے، اس لیے ان کے اقتباسات یہاں پر درج کیے جاتے ہیں۔

ہندوستان کا جغرافیہ: ہندوستان بہت وسیع آباد اور سیر حاصل ملک ہے، اس کے جنوب بلکہ کسی قدر مغرب میں بھی دریا اور سمندر ہے، شمال میں ایک پہاڑ ہے جو کوہ ہندوکش کہلاتا ہے، یہ کافرستان اور کوہستان کشمیر سے ملا ہوا ہے، اس کے مغرب وشمال میں کابل، غزنی اور قندھار ہے، ہندوستان کا دارالملک آج تک دلی ہے، سلطان شہاب الدین غوری کے بعد سے سلطان فیروز شاہ کے آخیر زمانہ تک ہندوستان کا تقریباً سارا ملک شاہان دہلی کے زیر نگیں رہا ہے۔

مختلف حکومتیں: اب جب کہ میں نے اس کو فتح کیا ہے تو پانچ مسلمان بادشاہ اور دو ہندو راجہ یہاں حکومت کرتے ہیں، گو چھوٹے چھوٹے رائے اور راجے پہاڑوں اور جنگلوں میں بہتیرے ہیں، مگر مقتدر اور مستقل بھی ہیں، ان میں سے ایک پٹھان تھے، جن کا تسلط بھیرے سے بہار تک تھا، ان افغانوں سے پہلے جونپور سلطان حسین شرقی کے پاس تھا، ان کو پوربی کہتے ہیں، ان کے بزرگ سلطان فیروز شاہ کے دربار کے امرا میں سے تھے، فیروز شاہ کے بعد جونپور کے بھی مستقل بادشاہ ہوگئے، دلی سلطان علاء الدین کے قبضہ میں رہی، یہ لوگ سید تھے، امیر تیمور نے دلی فتح کر کے ان کو دیدی تھی، سلطان بہلول لودی اور اس کے بیٹے سکندر نے دلی سے جون پور تک قبضہ کرلیا تھا، دونوں دارالسلطنتوں میں ایک ہی بادشاہ ہوگیا، دوسرا سلطان مظفر گجرات میں تھا، ابراہیم سے چندروز پہلے اُس کا انتقال ہوگیا، وہ بڑا متشرع بادشاہ تھا، عالم تھا، محدث تھا اور ہمیشہ قرآن شریف لکھا کرتا تھا، اس خاندان کو ناتک کہتے ہیں، ان کے بزرگ بھی سلطان فیروز شاہ کے اہل خدمت میں سے شراب دار تھے، فیروز شاہ کے بعد گجرات دبا بیٹھے، تیسرا دکن میں بہمنی، آج کے زمانہ میں بہمنی سلطنت میں دم نہیں رہا اس کا سارا ملک اس کے بڑے بڑے امرا میں منقسم ہوگیا ہے، بادشاہ وقت امرا کا محتاج تھا، چوتھا مالوہ میں جس کو مندو بھی کہتے ہیں، سلطان محمود تھا، اس خاندان کو خلجی کہتے ہیں، اس کو رانا سانگا نے زیر کرلیا ہے اور اس کے ملک کے اکثر حصے چھین لیے ہیں، یہ سلطنت اب بودی ہوگئی ہے، ان کے باپ دادا بھی فیروز شاہی امیر تھے، مالوہ کے حاکم بن بیٹھے، پانچواں نصرت شاہ بنگالہ میں تھا، اس کا باپ بنگالہ کا بادشاہ ہوا تھا جس کا نام سلطان علاء الدین تھا اور جس کی قوم سید تھی، نصرت شاہ کو سلطنت ترکہ میں ملی ہے.......... یہ تو مسلمانوں کے پانچ بادشاہوں کا حال ہے، ان کے علاوہ مسلمان سردار صاحبِ ملک وفوج اور

بہت سے ہیں تو جو خود مختار اور ذی اقتدار ہیں، ہندوؤں میں سب سے بڑا راجہ آج کل ایک بیجا نگر والا ہے اور دوسرا رانا سانگا ہے، جس نے اپنی چالاکی اور جرأت سے اقتدار حاصل کیا ہے، اس کا اصلی ملک چتوڑ ہے، ہندو کے بادشاہوں کی کمزوری کے زمانہ میں رنتھبور، بھلسا اور چندیری کے علاقے اس کے قبضہ میں آ گئے، ان دونوں کے علاوہ ہندوستان میں رائے اور راجہ بہتیرے ہیں، بعض تو مطیع الاسلام ہیں اور کچھ اس سبب سے کہ راستے دور ہیں اور ان کے مقامات مستحکم ہیں، مسلمان بادشاہوں کی ذرہ اطاعت نہیں کرتے۔

دریا اور پہاڑ: ہندوستان اقلیم اول، دوم اور سوم میں ہے، اقلیم چہارم میں اس کی کوئی جائے واقع نہیں ہے، یہ ایک اجنبی ملک ہے، ہماری ولایت سے دوسری دنیا ہے، پہاڑ، دریا، جنگل، نباتات، آدمی، زبان، ہوا اور مینھ سب اور ہے، اگرچہ کابل کے علاقہ جات میں سے گرم سیر ملک بعض چیزوں میں ہندوستان سے مشابہ ہے اور بعض میں نہیں ہے، مگر دریائے سندھ کے آتے ہی زمین اور درخت، پتھر، قومیں اور ان کی راہ و رسم سب ہندوستانی طریق کی ہیں، شمال کی طرف دریائے سندھ کے پار ہوتے ہی سارے پہاڑ میں آبادی ہے اور وہ ملک کشمیر کے علاقہ میں گنا جاتا ہے، جیسے پکلی اور سہنک وغیرہ کے علاقے ان علاقوں میں سے ایک زمانہ میں بہت سے علاقے کشمیر کے تعلق سے نکل گئے ہیں لیکن پہلے داخلِ کشمیر ہی تھے، کشمیر سے بنگالہ تک بڑا وسیع ملک ہے، گاؤں کے گاؤں آباد ہیں اور بے شمار قومیں ہیں، ایک پہاڑ کو ہندو سوالک پربت کہتے ہیں، ہندوستان میں سوا ربع کو، لک سو ہزار کو اور پربت پہاڑ کو کہتے ہیں، یعنی سوا لاکھ پہاڑ، اس پہاڑ پر ہمیشہ برف رہتی ہے، ہندوستان کے بعض قطعات جیسے لاہور سرہند اور ڈیرہ اسمٰعیل خاں سے یہ پہاڑ سفید برف کا معلوم ہوتا ہے، کابل کے علاقہ میں اسی پہاڑ کا نام ہندوکش ہے، یہی پہاڑ کابل سے مشرق کی طرف مائل بہ جنوب چلا گیا ہے، اس پہاڑ کے جنوب میں سارا ہندوستان ہے اور شمال میں ملک تبت ہے، اسی پہاڑ میں سے بہت سے دریا نکل کر ہندوستان میں بہتے ہیں، سرہند کے شمال میں چھ دریا ہیں، سندھ، چناب، راوی، بیاس اور ستلج، یہ سب دریا اس پہاڑ سے نکل کے ملتان کے نواح میں جمع ہوتے ہیں اور وہاں سے دریائے سندھ کے نام سے مشہور ہو کر مغرب کی طرف ملک ٹھٹھ میں بہتے ہوئے دریائے عمان میں گرتے ہیں، ان کے علاوہ جیسے جمنا گنگا، رہپ

گومتی، گھاگرہ، سرو، گنڈک اور بہت سی ندیاں اور دریا اسی پہاڑ سے نکل کر گنگا میں ملتے ہیں اور گنگا کے نام سے مشرق کی جانب ملک بنگالہ میں بہتے ہوئے سمندر میں جا گرتے ہیں، غرض ان سارے دریاؤں کا منبع سوالک ہی ہے اور بہت سے دریا ہیں جو وسط ہند کے پہاڑوں سے نکلتے ہیں، جیسے چنبل، بناس، بن بوئی اور سون وغیرہم، یہ بھی گنگا کے ہمراہ ہو جاتے ہیں، وسط ہند کے پہاڑوں پر برف نہیں پڑتی، ہندوستان میں بہت پہاڑ ہیں، ان میں سے ایک پہاڑ شمال سے جنوب میں جاتا ہے، یہ پہاڑ دلی کے علاقہ سے شروع ہوتا ہے، اسی لیے دلی کا جائے وقوع پتھریلی پہاڑی کا ہے، جس پر سلطان فیروز شاہ کا محل موسوم بہ جہاں نما بنا ہوا ہے، یہاں سے یہی پہاڑی دلی کے نواح میں جا بجا چھوٹی چھوٹی سنگین پہاڑیوں کی صورت میں ہوتی ہوئی ملک میوات میں جاتی ہے اور میوات میں بڑی ہو جاتی ہے، میوات سے بیانہ کے علاقہ میں جاتی ہے، سیکری، اباڑی اور دھول پور کے پہاڑ اسی کی شاخیں ہیں، مگر مسلسل نہیں ہیں، گوالیار کا پہاڑ جس کو کالپور کہتے ہیں اسی پہاڑ کا شعبہ ہے رن تنبھور، چنور، مندو اور چندیری کے پہاڑ بھی اسی کی شاخیں ہیں، ان میں کہیں کہیں سات آٹھ کوس کا فاصلہ ہو گیا ہے، یہ پہاڑ نیچے نیچے ہموار اور پتھریلے ہیں اور ان میں جھاڑیاں ہیں ان میں برف مطلق نہیں پڑتی۔

زراعت اور باغات کی آب پاشی: ہندوستان کے اکثر قطعات میدانوں اور ہموار زمینوں میں واقع ہیں، اتنے شہر اور اتنے ملک جتنے ہندوستان میں ہیں، کسی ولایت میں نہیں ہیں، یہاں نہریں کہیں جاری نہیں ہیں، ہاں دریا بہتے ہیں، بلکہ بعض دریا بہت بڑے ہیں کسی کسی شہر میں نہر بھی لے آئے ہیں، اسی سبب سے وہاں کی زراعت اور باغات سرسبز رہتے ہیں، پانی کی ضرورت نہیں ہوتی خریف تو برسات ہی سے ہو جاتی ہے یہ بڑی بات ہے کہ مینھ بھی نہ برسے تو بھی ربیع کی فصل ہو جاتی ہے۔

رہٹ: بڑے بڑے درختوں کی پودھ کو برس دو برس رہٹ یا چرس سے پانی دیا جاتا ہے، جہاں وہ بڑے ہو گئے، پھر پانی دینے کی احتیاج مطلق نہیں رہتی، البتہ ترکاریوں وغیرہ میں پانی دیتے رہتے ہیں، لاہور، دیالپور اور سرہند وغیرہ کے نواح میں رہٹ سے پانی دینے کا دستور ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ کنویں کے گہراؤ کے برابر رسی کے دو حلقے بناتے ہیں، ان دونوں میں لکڑیوں کے

ٹکڑے یوں باندھتے ہیں کہ لکڑی کا ایک سرا ایک حلقہ کی رسی میں، دوسرا دوسرے کی رسی میں، ان لکڑیوں کے ٹکڑوں میں لٹیا باندھ دیتے ہیں، لکڑیوں اور لٹیوں بندھے ہوئے اس حلقہ کو اس چرخ میں ڈال دیتے ہیں، جو کنویں کے منہ پر ہوتا ہے، اس چرخ کے سرے پر ایک چرخی دندانہ دار ہوتی ہے، اس چرخی کے پاس اور چرخ دندانہ دار ہوتا ہے، جس کے دندانے چرخی کے دندانوں سے ٹکراتے ہیں اور جس کا شہتیر سیدھا کھڑا ہوتا ہے، اس میں بیل جوتتے ہیں، جب بیل اس چرخ کو پھراتا ہے تو اس کے دندانے اس چرخی کے دندانے سے ٹکرا کر اس کو چکر دیتے ہیں، چرخی کے چکر سے وہ حلقہ والا چرخ پھرتا ہے، اس کے پھرنے سے حلقہ کو گردش ہوتی ہے، حلقہ کی گردش سے لٹیاں اوپر نیچے آتی ہیں اور پانی گراتی ہیں اس پانی کے لیے نالی بنادیتے ہیں نالی سے جہاں چاہتے ہیں پانی لے جاتے ہیں۔

چرس: دلی، آگرہ و بیانہ وغیرہم کے نواح میں چرس سے زراعت کو پانی دیتے ہیں، اس میں محنت بہت پڑتی ہے اور گنداپن بھی ہے، اس کی وضع یہ ہے کہ کنوئیں کے منہ پر ایک کنارہ کے پاس دوشاخہ لکڑی مضبوط کر کے گاڑتے ہیں، دونوں شاخوں کے بیچ میں چرخی پھنسا دیتے ہیں، پھر ایک بڑا موٹا گاؤدم رسا اس چرخی پر ڈالتے ہیں، رسے کے ایک سرے پر بڑا ڈول بندھا ہوا ہوتا ہے، دوسرا سرا بیلوں کے جوؤں میں اٹکاتے ہیں، ایک آدمی کنوئیں کے پاس کھڑا ہو کر ڈول میں سے پانی بہاتا ہے، ایک آدمی بیلوں پر ہوتا ہے، بیل ہر مرتبہ رسا کھینچ کر ڈول کنوئیں سے نکالتا ہے، ڈول کو خالی کر کے، پھر کنوئیں میں ڈال دیتے ہیں، بیل دوسری جانب سے پھر آتا ہے۔

ڈھیکی: ایسی بھی کھیتیاں ہیں کہ ان کو پانی دینے کی بہت ضرورت ہوتی ہے، ان کو عورتیں اور مرد ڈھیکی سے پانی دیتے ہیں۔

شہر اور دیہات: ہندوستان کے دیہات بلکہ شہر بہت جلد بس اور اجڑ جاتے ہیں، بڑے سے بڑے شہر والے جہاں برسوں سے بود و باش کرتے ہوں، اگر بھاگنے پر آئیں تو ایک دن یا دوپہر میں ایسے وہاں سے کافور ہو جاتے ہیں کہ نشان تک نہیں رہتا، اگر لوگ بسنا چاہیں تو نہر وغیرہ کھودنے یا بند باندھنے کی احتیاج نہیں ہوتی، لوگ جمع ہو گئے، تالاب بنا لیا، کنواں کھود لیا

اور فارغ ہو گئے، نہ مکان بنائیں نہ دیواریں چنیں، ڈھیروں پھونس اور بے شمار درختوں سے جھونپڑیاں بنا لیتے ہیں، بس آن کی آن میں گاؤں یا شہر خاصہ آباد ہو جاتا ہے۔

جانور: ہندوستان کے مخصوص چند جانوروں میں سے ایک ہاتھی ہے، ہاتھی کالپی کی سرحد کے قریب ہوتا ہے، جتنا مشرق کی جانب اوپر کو چلتے جاؤ اتنا ہی ملتا جائے گا، اسی جنگل میں ہاتھی پکڑے جاتے ہیں، آگرہ اور ناگ پور کے علاقہ کے تیس چالیس گاؤں والوں کا یہی کام ہے، اگر چہ ہاتھی بڑے جسم کا جانور ہے مگر ایسا سدھ جاتا ہے کہ جو کہو وہ کرتا ہے، ہاتھی کی قیمت اس کے چھوٹے بڑے ہونے پر مقرر ہے، جیسا ہاتھی ویسی قیمت، جتنا بڑا ہوگا اتنی قیمت زیادہ ہوگی، یہاں چار گز سے زیادہ اونچا دیکھنے میں نہیں آیا، کہتے ہیں کہ اور جزیروں میں ہاتھی ہوتا ہے اور بڑے قد کا ہوتا ہے، ہاتھی سونڈ کے ذریعہ کھاتا پیتا ہے، اس کے منہ میں اوپر کی جانب دو بڑے دانت نکلے ہوتے ہیں، ان دانتوں سے وہ دیواروں اور درختوں کو زور کر کے گرا دیتا ہے، ان ہی دانتوں سے ضرب وحرب کا کام لیتا ہے، ہندوستانی ان دانتوں کی بہت قدر کرتے ہیں اور جانوروں کی طرح ہاتھی کے جسم پر بال اور رواں نہیں ہوتا، ہندوستانیوں کے نزدیک ہاتھی بڑی عزت کی چیز ہے، ہر سردار کے لشکر میں کئی کئی ہاتھی ہوتے ہیں، ہاتھی کام بھی بہت دیتا ہے، بڑے بڑے پاٹ دار اور تیزی سے بہتے ہوئے دریاؤں سے ڈھیروں اسباب پیٹھ پر لاد کر آسانی سے پار لے جاتا ہے، جس چھکڑے کو چار سو پانچ سو آدمی کھینچ سکیں اس کو دو تین ہاتھی بے تکان کھینچ لے جاتے ہیں، البتہ پیٹ اس کا بہت بڑا ہوتا ہے، دو تین چار اونٹوں کا دانہ اکیلا چٹ کر جاتا ہے۔

گینڈا: ایک جانور گینڈا ہے، یہ بھی بڑا جانور ہے، دو تین بھینسوں کے برابر ہوتا ہے، دوسرے ملکوں میں مشہور ہے کہ گینڈا ہاتھی کو اپنے سینگ سے اٹھا لیتا ہے، مگر یہ غلط ہے، اس کے ماتھے پر ایک سینگ بالشت بھر سے کچھ زیادہ کا ہوتا ہے، دو بالشت کا نہیں دیکھا، ایک بڑے سینگ سے آب خورے کی کشتی اور طاس بنا لیتے ہیں، شاید کسی سے تین چار کشتیاں بھی بن جائیں، گینڈے کی کھال بہت دبیز ہوتی ہے، اگر کڑی کمان کو اتنا کھینچ کر کہ بغل کھل جائے تیر مارا جائے تو تین چار انگل تیر گھس جائے، مشہور ہے کہ بعض جگہ اس کی کھال میں تیر اچھی طرح گھس جاتا ہے، اس کے دونوں کاندھوں اور دونوں رانوں کے کنارے خالی ہوتے ہیں، دور سے وہ مثل پردے کے نظر

آتے ہیں اور حیوانوں کی نسبت گھوڑے اور اس میں زیادہ مشابہت ہے، جیسا گھوڑے کا پیٹ چھوٹا ہے، ویسا ہی اس کا پیٹ چھوٹا ہوتا ہے، جس طرح گھوڑے کی گاچی میں ایک ہڈی ہوتی ہے، اسی طرح اس کے ہوتی ہے، گھوڑے کے ہاتھوں میں گٹے ہوتے ہیں، اس کے بھی ہوتے ہیں، ہاتھی سے یہ زیادہ درندہ ہوتا ہے، ہاتھی کے برابر فرماں بردار بھی نہیں ہوتا، گینڈا پیشاور اور ہشتغر کے جنگلوں میں بہت ہوتا ہے اور دریائے سرود کے جنگل میں بھی پایا جاتا ہے، ہندوستان پر جب یورشیں کی ہیں تو پیشاور اور ہشتغر کے جنگلوں میں دیکھا ہے اور اکثر سینگ مارتا ہے، شکاروں میں بہتوں کے سینگ مارے ہیں۔

بھینسا: ایک بڑا جانور بھینسا ہوتا ہے، اس کے سینگ معمولی بھینس کی طرح پیچھے کو الٹے ہوئے ہوتے ہیں، مگر چپکے نہیں ہوتے، طاقت ور، مرکھنا جانور ہے۔

نیل گائے: ایک نیل گائے ہے، گھوڑے کے برابر قد مگر جسم اس سے دبلا پتلا، اس کا سر بالکل نیلا ہوتا ہے اور مادہ بارہ سنگھا کے رنگ کی ہوتی ہے، شاید نر کے نیلا ہونے سے اس کو نیل گائے کہتے ہیں، اس کے دو چھوٹے چھوٹے سینگ ہوتے ہیں، گردن میں بالشت بھر سے زیادہ لمبے تھوڑے سے بال ہوتے ہیں، گائے کا سا کوہان ہوتا ہے۔

کوتہ پا: ایک کوتہ پا ہے، یہ سفید ہرن کے برابر ہوتا ہے، چاروں ہاتھ پاؤں چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں، اسی لئے کوتہ پا کہتے ہیں، اس کے سینگ بارہ سنگھے کی طرح شاخ دار ہوتے ہیں لیکن چھوٹے چھوٹے، بارہ سنگھے کی طرح اس کے سینگ بھی ہر سال جھڑتے ہیں، یہ دوڑتا نہیں، اسی باعث سے جنگل سے نہیں نکلتا۔

کلہرہ: ایک قسم کا ہرن مونہ زجران جیسا ہوتا ہے، اس کی پیٹھ کالی ہوتی ہے اور پیٹ سفید ہوتا ہے، مونہ کے سینگ سے اس کا سینگ زیادہ لمبا اور سخت ہوتا ہے، ہندوستانی اس کو کلہرہ کہتے ہیں، اصل میں کالا ہرن ہے، تخفیف کر کے کلہرہ کر دیا ہے، اس کی مادہ سفید رنگ کی ہوتی ہے، اس کلہرہ کو پال کر اس سے جنگلی کلہرہ پکڑتے ہیں، پکڑنے کی ترکیب یہ ہے کہ پالے ہوئے ہرن کے سینگ میں ایک جال کا حلقہ مضبوط باندھتے ہیں اور گیند سے بڑا پتھر پاؤں میں باندھ کر لٹکا دیتے ہیں، جب اس کو چھوڑ دیتے ہیں تو وہ کہیں جا نہیں سکتا، پھر وہ جنگلی کلہرہ کو جہاں دیکھتے ہیں اس پر

اس کو چھوڑتے ہیں، یہ قسم لڑاکا بہت ہے، فوراً دونوں سینگوں سے لڑنے لگتے ہیں، ایک دوسرے کو ڈھکیلتا ہے، اس دھکا پیل میں جنگلی ہرن کا سینگ اس جال کے حلقہ میں پھنس جاتا ہے، جو خانگی ہرن کے حلقہ سینگ میں بندھا ہوا ہوتا ہے، اب اگر جنگلی ہرن بھاگنا چاہتا ہے تو نہیں بھاگ سکتا، غالباً وہ پتھر نہیں بھاگنے دیتا جو خانگی ہرن کے پاؤں میں بندھا ہوتا ہے، اس ڈھنگ سے بیسیوں ہرن پکڑے جاتے ہیں، پکڑے ہوؤں کو سدھاتے ہیں پھر ان سے اور پکڑتے ہیں، اس سدھے ہوئے ہرنوں کو گھروں میں بھی لڑاتے ہیں، یہ خوب لڑتے ہیں۔

پہاڑوں کے دامنوں میں ایک چھوٹا ہرن ہوتا ہے، بڑے سے بڑا ایک سالہ بوقلی کے برابر ہوگا، اس کا گوشت بڑا ہی ملائم اور مزہ کا ہوتا ہے۔

گائے: ایک گائے ہوتی ہے، چھوٹی، بہت بڑی ہو تو ولایت کے توچقار کے برابر ہوتی ہے۔

بندر: ایک جانور میمون ہے، ہندوستانی اس کو بندر کہتے ہیں، یہ کئی قسم کا ہوتا ہے، ایک قسم ہے جس کو ان ملکوں میں لے جاتے ہیں اور وہاں کے بازی گر اس کو ناچنا اور تماشا کرنا سکھاتے ہیں، یہ قسم درہ نور کے پہاڑوں، درہ خیبر کے دامنوں اور ادھر تمام ملک ہند میں ہوتی ہے، ان مقاموں سے اوپر مقاموں پر نہیں ہوتی ہے، اس کے بال زرد، منھ سفید ہوتے ہیں، دم لمبی نہیں ہوتی۔

لنگور: ایک قسم کا بندر ہے، جو بجور اور اس کے نواح میں نظر نہیں آتا ہے، یہ قسم اس قسم سے جسے ولایت میں لے جاتے ہیں، بہت بڑی ہے، اس کی دم بڑی لمبی ہوتی ہے، بال سفید ہوتے ہیں اور منھ بالکل سیاہ ہوتا ہے، اس کو لنگور کہتے ہیں، ہندوستان کے پہاڑوں اور پہاڑی جنگلوں میں بہ کثرت ہوتا ہے۔

ایک قسم ہے کہ اس کے بال، سارے اعضا اور منھ کالے ہوتے ہیں، اس قسم کے بندر بعض جزائر سے آتے ہیں۔

ایک اور قسم کا بندر جزائر میں ہوتا ہے، جس کا رنگ زرد نیلاہٹ لئے ہوئے پوستین جیسا ہوتا ہے، اس کا سر چوڑا، جسم اور بندروں سے بڑا ہوتا ہے، اس قسم کا بندر کٹکھنا ہوتا ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ ہر وقت خر خر کرتا رہتا ہے، کبھی چپکا نہیں رہتا۔

نیولا: ایک جانور نیولا ہے، چھوٹے کیس سے چھوٹا، درخت پر چڑھ جاتا ہے، بعض اس کو موش

خرما کہتے ہیں اور اس کو مبارک سمجھتے ہیں۔

گلہری: ایک جانور چوہے جیسا ہے، اس کا نام گلہری ہے، یہ ہمیشہ درختوں پر رہتی ہے، درختوں پر عجب پھرتی سے چڑھتی اور اترتی ہے۔

مور: پرندہ جانوروں میں مور ہے، نہایت رنگین اور زینت دار، اس کا ڈیل ڈول اس کے رنگ اور زینت کے لائق نہیں ہے، جسم کلنگ کے برابر ہوتا ہے مگر قد کلنگ سے ٹھگنا، نر کے سر پر دو تین انگل اونچا کئی پروں کا تاج ہوتا ہے، مادہ کے سر پر تاج نہیں ہوتا اور نہ وہ خوب صورت ہوتی ہے، نہ اس کے پر رنگین ہوتے ہیں، نر کا سر سوسنی اور چمکتا ہوا ہوتا ہے، گردن نیلی، خوش رنگ، گردن سے نیچے پشت ساری زرد اور نیلی ہوتی ہے، دم کے پر منقش ہوتے ہیں، پشت کے گل چھوٹے چھوٹے پیٹھ سے دم کے آخر تک رنگین اور منقش بڑے بڑے گل ہوتے ہیں، بعض مور سر سے دم تک آدمی کے قد کے برابر ہوتا ہے، ان منقش اور گل دار پروں سے نیچے چھوٹے چھوٹے پر اور جانوروں کی دم جیسے بھی ہوتے ہیں، یہ دم کے چھوٹے پر اور بازو سرخ سرخ ہوتے ہیں، بجور اور اس کے نیچے کے ملکوں میں یہ جانور رہتا ہے، اوپر کی جانب لمغانات وغیرہ میں نہیں ہوتا، اس کی اڑان بہت کم ہے، دو ایک بار سے زیادہ نہیں اڑ سکتا، اس کم پروازی کے سبب سے اکثر پہاڑوں میں رہتا ہے، امام ابوحنیفہؒ کوفی کے مذہب میں حلال ہے، اس کا گوشت مزے کا ہوتا ہے، تیتر کے گوشت جیسا تو ہوتا ہے مگر اونٹ کے گوشت کی طرح ذرا کراہت سے کھایا جاتا ہے۔

طوطی: ایک طوطی ہے، موسم بہار میں جب شہتوت پکتا ہے تو نیگنہار اور لمغانات میں یہ جانور آجاتا ہے، پھر نظر نہیں آتا، طوطی کئی قسم کا ہوتا ہے، ایک قسم ہے کہ اس کو وہاں والے پالتے اور بولیاں سکھاتے ہیں، دوسری قسم کا طوطی اس سے چھوٹا ہوتا ہے، اس کو بھی بولیاں سکھاتے ہیں، اس کو جنگلی کہتے ہیں، یہ قسم بجور اور سوات کے نواح میں بہت ہے، ایک اور قسم کا طوطی ہوتا ہے جو اس جنگلی طوطی سے چھوٹا ہوتا ہے، اس کا سر لال ہوتا ہے اور پر بھی سرخ ہوتے ہیں، دم کا سر دو انگلی کے قریب سفید ہوتا ہے، ان ہی میں سے بعض کی دم بھی سرخ ہوتی ہے، یہ طوطی بولیاں نہیں بولتا، اس کو طوطی کشمیر کہتے ہیں، ایک قسم کا طوطی جنگلی طوطی سے کسی قدر چھوٹا ہوتا ہے، اس کی چونچ سرخ

ہوتی ہے جو بولی سکھاؤ سیکھ جاتا ہے میں نے غور سے دیکھا کہ طوطی اور مینا کو جو بولی سکھا دو وہ بولنے لگتے ہیں، اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کر سکتے.........ایک قسم کا طوطی ہوتا ہے، نہایت شوخ رنگ، سرخ رنگ کے علاوہ اور رنگ بھی ہوتا ہے، اس کی پوری ہیئت مجھے یاد نہیں، اسی سبب سے اس کا مفصل حال نہیں لکھا، یہ طوطی بہت خوبصورت ہوتا ہے، باتیں بھی کرتا ہے، اتنا عیب ہے کہ آواز بھونڈی ہے ایسی ہے جیسے چینی کے ٹکڑے کو تابنے کے برتن پر گھسیٹنے سے آواز نکلتی ہے۔

مینا: ایک جانور مینا ہے، لمغانات میں مینا بہت ہوتی ہے، اس سے نشیبی ملک میں جو ہندوستان ہے کثرت سے ہے، یہ کئی قسم کی ہوتی ہے، ایک قسم ہے کہ اس کا سر سیاہ اور کچھ پر سفید ہوتے ہیں، جثہ حل پک چھری سے بڑا ہے، باتیں دیر میں سیکھتی ہے، ایک اور قسم کی ہوتی ہے، اس کو پنڈاولی کہتے ہیں، بنگالہ میں ہوتی ہے، اس کا رنگ کالا ہوتا ہے، جسم یہاں کی مینا سے چھوٹا، چونچ اور پاؤں زرد، دونوں کانوں میں پردے لٹکے ہوتے ہیں، جو بدنما معلوم ہوتے ہیں، مذکورہ بالا میناؤں سے ذرا نازک، اس کی آنکھیں سرخ ہوتی ہے، میں نے جن دنوں گنگا کا پل بندھوا کر مخالفوں کو بھگایا اور میں لکھنؤ اور اودھ آیا تو یہاں ایک طرح کی مینا دیکھی جس کا سینہ سفید، سر ابلق اور پیٹ سیاہ ہے، اس قسم کی مینا پہلے نہ دیکھی تھی، غالباً یہ مینا باتیں کرنی نہیں سیکھتی۔

نوحہ: ایک جانور نوحہ ہے، اس کو بوقلموں بھی کہتے ہیں، سر سے دم تک پانچ چھ طرح کے صاف رنگ ہوتے ہیں، ایسے جیسے کبوتر کی گردن میں، قد و قامت کبک دری کے برابر، عجب نہیں کہ ہندوستان کی کبک دری یہی ہو، جس طرح کبک دری پہاڑوں پر پھرتی ہے، یہ بھی پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھیرا کرتی ہے، یہ جانور کابل کے علاقوں میں نجراد اور اس کے نیچے کے تمام پہاڑوں میں ہوتا ہے، اوپر کی طرف نہیں ہوتا، اس کا عجیب حال سننے میں آیا ہے، کہتے ہیں کہ جب جاڑا پڑتا ہے تو پہاڑ کے دامنوں میں یہ آجاتا ہے، ہنکانے سے یا اڑانے سے اتنا بھی اس سے نہیں اڑا جاتا کہ انگور کے درختوں پر سے اڑ جائے، آخر لوگ پکڑ لیتے ہیں، اس کا گوشت حلال اور مزے دار ہے۔

تیتر: ایک جانور تیتر ہے، ہندوستان ہی کے ملک پر منحصر نہیں بلکہ سب گرم سیر ولایتوں میں ہوتا ہے، البتہ بعض کا قسم سوائے ہندوستان کے دوسرے ولایتوں میں نہیں ہوتا، اس واسطے اس

کا بیان یہاں لکھا گیا، اس کا قد کلنگ یعنی کبک کے برابر ہوتا ہے، پیٹھ کے پروں کا رنگ جنگلی مرغ جیسا، گردن اور سینہ کالا، اس پر سفید چتیاں، دونوں آنکھوں کے دونوں طرف سرخ ڈورے پڑے ہوئے، ایک طرح کی فریاد کرتا رہتا ہے، اس کی آواز سے یہ الفاظ نکلتے ہیں ''سر دارم شکرک'' استرآباد وغیرہ کے تیتر کے بولنے میں یہ لفظ معلوم ہوتے ہیں ''بےتوئی لار'' عرب کے تیتر ''بالشکر تدوم النعم'' کہا کرتے ہیں، اس کا مادہ رنگ قرغاول جیسا ہوتا ہے، یہ جانور نجراد سے نشیبی ملکوں میں ہوتا ہے۔

کنجل: ایک قسم کا تیتر ہوتا ہے، اس کو کنجل کہتے ہیں، معمولی تیتر کے برابر جسم میں، آواز کبک کی، آواز میں بہت ملتی جلتی بلکہ کبک کی آواز سے بھاری، اس کو مادہ اور نر کے رنگ میں یونہی سا فرق ہوتا ہے، پشاور، ہشتغر اوران سے نشیبی ملکوں میں ہوتا ہے، بالائی ملکوں میں نہیں ہوتا۔

یل بکار: ایک جانور یل بکار ہے، جسم اور رنگ مرغی کا سا، ماتھے سے سینہ تک سرخ رنگ، یہ جانور ہندوستان کے پہاڑوں میں ہوتا ہے۔

جنگلی مرغی: ایک جنگلی مرغی ہوتی ہے، اس میں اور خانگی مرغی میں اتنا ہی فرق ہے کہ یہ قرغاول کی طرح پرواز کرتی ہے، ایک خانگی مرغی ہوتی ہے، ہر رنگ کی، یہ مرغی بجور اور امان کے پہاڑوں سے نیچے اور اوپر کے ملکوں میں نہیں ہوتی۔

شام: ایک شام جانور ہے، مرغ خانگی کے برابر، اس کا رنگ یکساں ہے، بجور کے پہاڑوں میں ہوتا ہے۔

پودنہ: ایک جانور پودنہ ہے، جو اور ملکوں میں بھی ہوتا ہے لیکن ہندوستان میں اس کی چار پانچ قسمیں ہیں، ایک پودنہ بڑا اور موٹا تازہ ہوتا ہے، جس کو اور ملکوں میں بھی لے جاتے ہیں، ایک اس سے کچھ چھوٹا ہوتا ہے، اس کے پروں اور دم کا رنگ لال ہوتا ہے، خرچل کی طرح اڑتا ہے، ایک پودنہ اور بھی چھوٹا ہے، جس کے سینہ اور گردن میں سیاہی زیادہ ہوتی ہے، ایک اور پودنہ چھوٹا لیکن قارجہ سے بڑا ہوتا ہے، کابل میں اس کو کوراتو کہتے ہیں۔

خرچل: ایک جانور خرچل ہے، بڑے سے بڑا بوغداق کے برابر، کیا عجب کہ یہ ہندوستان کا بوغداق ہو، اس کا گوشت بڑے مزے کا ہوتا ہے، کسی کی صرف ران اور کسی کے تمام اعضا کا

گوشت لذیذ ہوتا ہے۔

حرر: ایک جانور حرر ہے، اس کا جسم تو غدری سے ذرا دبلا ہوتا ہے، نر کی پیٹھ تو غداق جیسی ہوتی ہے، اس کا سینہ کالا ہے، مادہ ایک رنگ کی ہوتی ہے، حرر کا گوشت بھی مزے کا ہوتا ہے، جیسا خرچل تو غداق کا مشابہ ہے، ویسا ہی حرر تو غدری سے مشابہ ہے۔

باغری قراے: ایک جانور باغری قراے ہندوستان ہے، یہ ولایت کے باغری قرا سے چھوٹا اور پتلا ہے۔

وتنگ: اور جانور ہیں، جو دریا کے کنارے پر رہتے ہیں، ان میں سے ایک وتنگ ہے، یہ جسیم جانور ہے، اس کے پروبال آدمی کے قد برابر ہوتے ہیں، اس کے سر اور گردن پر پر نہیں ہوتے، گردن میں ایک تھیلی سی لٹکتی ہوتی ہے، پیٹھ کا رنگ کالا اور سر کا سفید ہے، یہ جانور کابل میں بھی آجاتا ہے ایک سال لوگ پکڑ لائے تھے، خوب سدھ گیا تھا گوشت کی بوٹی پھینکتے تھے تو جھٹ چونچ سے لپک لیتا تھا، ایک دفعہ چھ فعلی جوتی نعلی جوتی لے اڑا تھا، ایک بار ایک جنگلی مرغ کو پروں سمیت نگل گیا تھا۔

سارس: ایک جانور سارس ہے، یہ جتنا بڑا ہندوستان میں ہوتا ہے کہیں نہیں ہوتا، کہتے ہیں نوربہ سے کسی قدر یہ چھوٹا ہوتا ہے، اس کو پالا کرتے ہیں، خوب ہل مل جاتا ہے۔

سکسار: ایک سکسار ہے، قد سارس کے برابر اور جسم اس سے چھوٹا، جسم لکلک جیسا مگر اس سے بہت بڑا، چونچ لکلک سے بڑی اور کالی، سر سوسنی گردن سفید، اس کا سر اور اعضا سب کالے ہیں، اس کو غیر ملکوں میں لے جاتے ہیں، لکلک سے یہ بہت چھوٹا اس کو ہندوستانی یک وبیک کہتے ہیں۔

لکلک: لکلک دوسرا جانور ہے، جس کا رنگ اور وضع اس لکلک کا سا ہے جس کو ان ولایتوں میں لے جاتے ہیں، اس کی چونچ سیاہ وسفید ہوتی ہے، اس لکلک سے یہ چھوٹا ہے۔

ایک اور جانور ہے جو بگلے اور لکلک دونوں سے مشابہ ہے، اس کی چونچ بگلے سے بڑی اور لمبی اور جسم، لکلک سے چھوٹا ہے۔

برک کلاں: ایک جانور برک کلاں ہے، بڑائی میں سمار کے برابر، اس کی پیٹھ بازوؤں سے

اونچی ہوتی ہے، ایک اور برک کلاں کا سر سفید اور بازو سیاہ ہوتا ہے، اس کو بھی اور ملکوں میں لے جاتے ہیں، ہندوستان کے برک سے یہ چھوٹا ہوتا ہے۔

مرغابی: ایک مرغابی ہوتی ہے جس کو مرغیائی کہتے ہیں، اس کے نر و مادہ کا ایک رنگ ہے، مشغر میں تو یہ ہمیشہ ہوتی ہے اور لمغانات میں کبھی چلی جاتی ہے، برک سے بہت اونچی ہوتی ہے اور ہندوستان کی برک سے بہت چھوٹی، اس کی ناک اونچی، سینہ سفید، پیٹھ کالی اور گوشت مزے کا ہے۔

رخ: ایک رخ ہے، لورکوٹ کے برابر ہوتا ہے اور رنگ کا کالا۔

سارادر: ایک سارادر ہے، اس کی پیٹھ اور دم سرخ ہے۔

ایک الہ قرغہ ہند ہے، اس ولایت کے الہ قرغہ سے بہت دبلا پتلا، گردن میں ذرا سفیدی ہوتی ہے۔

یراغ بغکہ: ایک اور جانور ہے، یراغ بغکہ جیسا لمغانات میں اس کو مرغ جنگلی کہتے ہیں، اس کا سینہ اور سر سیاہ، بازو اور دم بہت سرخ ہے، اس میں اڑان کم ہے، اسی لیے جنگل سے کم نکلتا ہے اور اسی سبب سے اس کو مرغ جنگل کہتے ہیں۔

چمگادڑ: ایک بڑی شپرہ ہے، جس کو چمگادڑ کہتے ہیں، ایک اور چمگادڑ پاپالاغ کے برابر ہوتی ہے، اس کا سر سور اور کتے کے سر جیسا ہوتا ہے، عجیب بات ہے کہ جس درخت میں یہ رہتی ہے، اس کی شاخ میں الٹی لٹکتی ہے۔

منیا: ایک جانور ہندوستان کا غکہ ہے، اس کو منیا کہتے ہیں، غکہ سے کچھ چھوٹا، غکہ سیاہ اور سفید رنگ کا ابلق ہوتا ہے، منیا ملگجے اور سیاہ رنگ کی ابلق ہے۔

ممولہ: ایک اور جانور ارک ہے، بسامد اور لاخ ممولہ کے برابر، اس کو ممولہ کہتے ہیں، خوش رنگ سرخ ہے، بازو کے پر کسی قدر سیاہی لیے ہوئے۔

مکر کرچہ: ایک جانور مکر کرچہ ہے، قالدغاج قرا سے بہت مشابہ مگر اس سے بڑا ہوتا ہے، ایک رنگ کالا ہے۔

کوئل: ایک جانور کوئل ہے، لسبان میں کوے کے برابر، کوے سے بہت دبلی، بولتی خوب ہے،

گویا بلبل ہندوستان یہی ہے، ہندوستانی اس کو بلبل سے کم نہیں سمجھتے، جن باغوں میں درخت بہت ہوتے ہیں، اُن میں رہتی ہے۔

ایک جانور ہے شقراق جیسا، درختوں پر چمٹا رہتا ہے، شقراق کے برابر بڑا ہوتا ہے، طوطی کا سا سبز رنگ۔

آبی جانور: آبی جانوروں میں ایک شیرابی ہے، جس کا گزر بڑے بڑے دریاؤں پر رہتا ہے، کیلیش کی سی صورت ہوتی ہے، کہتے ہیں کہ آدمی بلکہ بھینسے کو بھی پکڑ لیتا ہے۔

سیسار: ایک سیسار ہے، اس کی وضع بھی کیلش جیسی ہوتی ہے، یہ ہندوستان کے سب دریاؤں میں ہوتا ہے، اس کو پکڑ کر لائے تھے چار پانچ گز لمبا تھا اس سے بھی لمبا ہوتا ہے، اس کی تھوتھنی آدھ گز سے زیادہ لمبی ہوتی ہے، اوپر اور نیچے کے جبڑے میں مہین مہین دانتوں کی قطار ہوتی ہے، دریا کے کنارے پر پڑا انڈا کرتا ہے۔

دریائی سور: ایک دریائی سور ہے، یہ بھی ہندوستان کے سب دریاؤں میں ہوتا ہے، اس کو پکڑ کر لائے تھے، چار پانچ گز کا لمبا ہوگا، اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے، اس کی تھوتھنی آدھ گز کے قریب دفعۃً پانی سے باہر نکلتی ہے، سر پانی سے باہر نہیں ہوتا کہ پھر پانی میں چلی جاتی ہے، اس کی دم باہر دکھائی دیتی رہتی ہے، اس کا جبڑا بھی سیسار کے جبڑے کے برابر لمبا ہے اور اسی طرح دانتوں کی قطاریں ہیں۔

تتہ: ایک جانور تتہ ہے، مچھلی جیسا آپس میں کھیلتے وقت ایسا ہو جاتا ہے جیسے مشک، آبی سور جو دریائے سرود میں ہوتے ہیں کھیلتے وقت دریا سے باہر آجاتے ہیں، یہ مچھلی کی طرح دریا میں رہتا ہے۔

گھڑیال: ایک جانور گھڑیال ہے، یہ بہت بڑا ہے، دریائے سرود میں ہمارے لشکر میں بہت لوگوں نے اس کو دیکھا ہے، یہ آدمی کو پکڑ لیتا ہے، جب ہم دریائے سرود کے کنارے پر خیمہ زن تھے تو دو ایک آدمیوں کو اس نے پکڑ لیا تھا، غازی پور اور بنارس کے درمیان میں بھی لشکر کے تین چار آدمی پکڑ لیے تھے، میں نے اسی نواح میں گھڑیال کو دور سے دیکھا ہے لیکن اچھی طرح تمیز نہیں ہوئی۔

کلکہ: ایک کلکہ ماہی ہے، اس کے دونوں کانوں کے پاس دو ہڈیاں، انگلی بھر کی نکلی ہوئی ہوتی ہے، اس کو پکڑو تو دونوں ہڈیوں کو ہلاتا ہے، جس سے نئی طرح کی آواز نکلتی ہے، شاید اسی وجہ سے لوگ اس کو کلکہ کہتے ہوں۔

مچھلیاں: ہندوستان کی مچھلیوں کا گوشت بڑا لذیذ ہوتا ہے، کانٹے بھی کم ہوتے ہیں، بڑی چالاک مچھلیاں ہیں، ایک بار دریا میں دو طرف جال ڈالے، جال ہر طرف دریا سے گز بھر اونچے تھے، مچھلیاں جال سے گز گز بھر اچھل کر نکل گئیں، ہندوستان کے بعض دریاؤں میں چھوٹی مچھلیاں بھی ہوتی ہیں، اگر کوئی دھما کا ہو یا پاؤں گھنگھولے کی آواز ہو تو ایک بار آٹھ گز پانی سے اچھل جاتی ہیں۔

مینڈک: ایک جانور مینڈک ہے، یہاں کے مینڈک پانی میں سات آٹھ گز دوڑتے ہیں۔

پھل آم: ہندوستان کے خاص میووں میں سے ایک انبہ (آم) ہے، اکثر ہندوستانی اس کی بے کو ساکن بولتے ہیں، چونکہ وہ تلفظ برا معلوم ہوتا ہے، اس لیے بعض اس کو نغزک کہتے ہیں، چنانچہ امیر خسرو فرماتے ہیں:

نغزک ما نغزکن بوستاں　　　　نغز ترین میوۂ ہندوستان

اس میں خوشبو ہوتی ہے اور یہ خودرو بھی ہوتا ہے، مگر خودرو عمدہ نہیں ہوتا، اکثر کچی کیریاں توڑ لیتے ہیں اور پال ڈال کر پکاتے ہیں، گدری کیریاں ترشی لیے ہوتی ہے، گدری کیریوں کا مربہ خوب بنتا ہے، سچ یہ ہے کہ آم ہندوستان کے عمدہ میووں میں سے ہے، اس کا درخت بہت بڑھتا ہے، بعض تو آم کو اتنا پسند کرتے ہیں کہ سوائے خربزہ کے سب میووں سے بہتر کہتے ہیں، ایسا تو نہیں ہے، ہاں شفتالوے کا روی سے ملتا جلتا ہے، برسات کے موسم میں پکتا ہے، اس کو ایک تو اس طرح کھاتے ہیں کہ نیچے کی طرف کو پلپلاتے ہیں، پھر اس کے منھ میں سوراخ کرتے ہیں اور رس چوستے ہیں دوسرے یوں کھاتے ہیں کہ شفتالوے کا روی کی طرح پوست کو علاحدہ کر کے کھاتے ہیں، اس کا پتا شفتالو کے پتے سے کچھ کچھ مشابہ ہے، تنہ بے ہنگم اور بے ڈول ہوتا ہے، بنگالہ اور گجرات میں اس کی کثرت ہے۔

کیلا: ایک میوہ کیلا ہے، جس کو اہل عرب موز کہتے ہیں، اس کا درخت بہت اونچا نہیں ہوتا،

بلکہ اس ڈھنگ کا ہوتا ہے کہ جس کو درخت نہیں کہہ سکتے، گو گھاس اور درخت کے بین بین ایک چیز ہے، پتا امان قراء کے پتے کی صورت کا ہوتا ہے، مگر کیلے کا پتا تقریباً دو گز لمبا ہوتا ہے اور ایک گز چوڑا، پتے اور درخت کے بیچ میں سے ایک شاخ دل کی شکل کی نکلتی ہے، اسی شاخ کے منہ پر غنچہ ہوتا ہے، اس غنچہ کی وضع بکرے کے دل جیسی ہوتی ہے، غنچہ کی جو پنکھڑی کھلتی ہے، اس کی جڑ میں سے چھ سات کلیوں کی قطار پھوٹتی ہے یہی کلیاں کیلا ہو جاتی ہیں، جو شاخ دل کی صورت کی تھی، وہ پریشان ہو جاتی ہیں اور اس بڑے غنچہ کی پنکھڑی کھل کر کیلے کی گیل بن جاتی ہے، کیلے میں دو لطافتیں ہیں، ایک یہ کہ اس کا چھلکا آسانی سے اتر جاتا ہے، دوسرے یہ کہ اس کے اندر بیج یا اور کوئی چیز نہیں ہوتی، اکیلا بینگن سے لمبا اور پتلا ہوتا ہے، میٹھا خوب ہوتا ہے، بنگالے کے کیلے بہت ہی میٹھے ہوتے ہیں، اس کا درخت بھی خوش نما ہوتا ہے، اس کے چوڑے چوڑے اور ہرے ہرے پتے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔

املی: ایک املی ہے، خرمائے ہندی اسی کو کہتے ہیں، اس کے پتے میں چھوٹی چھوٹی پتیاں ہوتی ہیں، کسی قدر ریویا کے پتے سے مشابہ ہے لیکن اس کے پتے یویا کے پتے سے چھوٹے ہیں، درخت بہت خوبصورت ہے اور بڑھتا بھی بہت ہے۔

مہوہ: ایک مہوہ ہے، اس کا درخت خوش نما اور سایہ دار ہے، ہندوستانیوں کے مکانوں میں اکثر مہوہ کی لکڑی کام آتی ہے، مہوہ کے پھولوں کا عرق کھینچا جاتا ہے، اس کے پھول کو مویز کی طرح سکھا کر کھاتے ہیں اور اس کا عرق بھی کھینچتے ہیں، کشمش جیسا ہوتا ہے، مزہ بھی برا نہیں ہوتا اور بو بھی اچھی ہوتی ہے، ایسا ہوتا ہے کہ کھا سکتے ہیں، مہوہ جنگلی اور بستانی دونوں طرح کا ہوتا ہے۔

کھرنی: ایک کھرنی ہے، اس کا درخت اگر بہت اونچا نہیں ہوتا تو چھوٹا بھی نہیں ہوتا، اس کا پھل زرد ہوتا ہے، سنجد سے نیلا ہوتا ہے، مزہ کچھ انگور سے ملتا ہے، آخر میں ذرا کسیلا پن ہوتا ہے، غرض برا نہیں ہے، کھا سکتے ہیں، اس کا پوست چمٹا ہوا ہوتا ہے۔

جامن: ایک میوہ جامن ہے، اس کا پتا تال کے پتے سے کچھ ملتا ہے، یہ پتا گول اور سبز زیادہ ہے، اس کا درخت بدشکل نہیں ہے، پھل ایسا ہے جیسا کالا انگور، مزہ میں زیادہ اچھا نہیں ہے، کسی قدر ترشی لیے ہوئے ہوتا ہے۔

کمرک: ایک کمرک ہے، اس کے پانچ پہلو ہوتے ہیں، بڑائی میں عین آلو کے برابر ہوگی، لمبائی میں چار انگل کی، پکنے کے بعد زرد ہو جاتی ہے، اس میں گٹھلی نہیں ہوتی۔ اگر کچی توڑو تو بہت کڑوی ہوتی ہے، پک کر اس کی ترشی مزے کی ہو جاتی ہے، اچھا اور لطیف میوہ ہے۔

کٹھل: ایک کٹھل ہے، یہ بڑا ہی بدصورت اور بدمزہ ہوتا ہے، صورت بعینہٖ بکرے کی اوجھڑی جیسی، کپی کی طرح پھولتا رہتا ہے مزہ میٹھا ہے اور اس کے اندر فندق کے سے دانے ہیں، جو کسی قدر خرما سے مشابہ ہوتے ہیں، مگر اس کے دانے گول ہوتے ہیں لمبے نہیں ہوتے، ان دانوں میں کھجور سے زیادہ نرم گودا ہوتا ہے، اس کو کھاتے ہیں بہت چپچپا ہوتا ہے، چپچپاہٹ کے سبب سے اکثر لوگ ہاتھ اور منہ میں چکنائی مل کر کھاتے ہیں، یہ درخت کی شاخ میں بھی لگتا ہے اور تنہ میں بھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا درخت میں کپیاں لٹکی ہوئی ہیں۔

بڑہل: ایک بڑہل ہے، سیب کے برابر ہے، اس کی بو اچھی ہوتی ہے، عجب بےمزہ چیز ہے، ایک بیر ہے، فارسی میں اس کو کنار کہتے ہیں، یہ کئی قسم کا ہوتا ہے آلوچہ سے ذرا بڑا ایک قسم کا بیر انگور حسینی کے برابر ہوتا ہے، اس قسم کا اکثر برا ہوتا ہے، باندے میں ایک قسم کا بیر میں نے دیکھا، وہ بہت عمدہ تھا، ثور اور جوزا میں اس کی پت جھڑ ہوتی ہے، سرطان میں جو جیٹھ برسات ہے، پتے پھوٹ کر ہرا بھرا ہو جاتا ہے، جب آفتاب دلو اور حوت میں آتا ہے، تو پھل پک جاتا ہے۔

کروندہ: ایک کروندہ ہوتا ہے، ہمارے ملک کے چکہ کی طرح لبوترہ گول، چکہ پہاڑوں میں ہوتا ہے اور یہ میدانوں میں، اس کا مزہ مرمی خواں جیسا ہے، مگر اس سے اس میں مٹھاس بڑھی ہوتی ہے اور تراوٹ کم ہے۔

پنیالہ: ایک میوہ پنیالہ ہے، ادھ کچرے سرخ سیب کے مشابہ، مزہ میں چاشنی دار لذیذ میوہ ہے، اس کا درخت انار کے درخت سے اونچا اور پتا بادام کے پتے جیسا، مگر ذرا اس سے لمبا۔

گولر: ایک گولر ہے، اس کا پھل درخت کے گدے میں لگتا ہے، انجیر سے مشابہت رکھتا ہے، عجب بےمزہ پھل ہے۔

آملہ: ایک آملہ ہے، اس کی پانچ پھانکیں ہوتی ہیں، یہ ادھ کچرا ہی رہتا ہے، سخت اور بےمزہ چیز ہے، اس کا مربہ برا نہیں ہوتا ہے، بڑا مفید میوہ ہے، درخت خوب صورت ہوتا ہے، پتے

چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔
چرونجی: ایک چرونجی ہے، اس کا درخت پہاڑی ہے، اس کا مغز برا نہیں ہوتا، گٹھلی میں سے چار مغز اور بادام کی سی گری نکلتی ہے، چھوٹی ہوتی ہے اور بڑی نہیں ہوتی، چرونجی کی گری گول ہے۔
کھجور: ایک کھجور ہے، یہ لمغانات میں بھی ہوتی ہے، شاخیں درخت کے سر ایک ہی جگہ ہوتی ہیں، پتے ٹہنی کی جڑ سے سر تک دو طرفہ ہوتے ہیں، تنا کھردرا اور بدرنگ ہوتا ہے، پھل انگور کی شاخ کی طرح لگتا ہے، مگر اس کا خوشہ انگور کے خوشہ سے کہیں بڑا ہوتا ہے، کھجور میں دو باتیں حیوان جیسی ہیں، ایک یہ کہ جس طرح حیوان کا سر کاٹ ڈالو تو وہ مرجاتا ہے، اسی طرح اس درخت کا سر تراش دو تو یہ خشک ہوجاتا ہے، دوسری یہ کہ جیسے حیوانات میں بغیر نر کے مادہ کے یہاں بچہ نہیں پیدا ہوتا ہے اسی طرح مادہ کھجور کے پھول میں نر کھجور کا پھول نہ رکھا جائے تو پھل نہیں لگتا ہے، اس بیان کی پوری حقیقت معلوم نہیں ہے، شاید اس نرہی سے سر مراد ہو......۔
ناریل: ایک نارگیل ہے، اہل عرب اس کو معرب کر کے نارجیل کہتے ہیں، ہندوستانی ناریل غالباً غلط العام ہے، ناریل جوز ہندی ہے، اس کو پھوڑتے ہیں تو کالے کالے ٹکڑے ہوجاتے ہیں، بڑے ٹکڑے کا کاسہ عجک بنالیتے ہیں، اس کا درخت بعینہٖ کھجور کے درخت جیسا ہوتا ہے، ساری شاخ میں پتے ہوتے ہیں، پتے کا رنگ کھلا ہوا ہوتا ہے، جس طرح چار مغز پر سبز پوست ہوتا ہے، اسی طرح اس کے پھل پر ہوتا ہے لیکن ناریل کا پوست ریشہ دار ہوتا ہے، جہازوں اور کشتیوں کے رسے اور رسیاں اسی پوست سے بناتے ہیں، جب ناریل کے پوست کو چھیل ڈالتے ہیں تو اس کے ایک طرف تین کھونٹے ہوتے ہیں اور اس میں تین چار سوراخوں کے نشان ہوتے ہیں، دو سخت ایک نرم، نرم نشان کو ذرا سا کو چادینے سے سوراخ ہوجاتا ہے، مغز کی بیٹا بننے سے پہلے اندر بالکل پانی ہوتا ہے، سوراخ سے پانی نکال کر پیتے ہیں، پانی بدمزہ نہیں ہوتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کھجور کے پنیر کو پانی کرلیا ہے۔
تاڑ: ایک تاڑ ہے، تاڑ کی شاخیں بھی درخت کے سر پر ہوتی ہیں، تاڑ سے بھی کھجور کی طرح رس نکالتے اور پیتے ہیں، جس کو تاڑی کہتے ہیں، کھجور کے رس سے اس میں زیادہ نشہ ہوتا ہے، تاڑ کی شاخ میں گز ڈیڑھ گز تک پتا نہیں ہوتا، گز ڈیڑھ گز کے بعد تیس چالیس پتے شاخ پر برابر ملے

ہوئے نکلتے ہیں ان پتوں کی لمبائی تقریباً گز بھر کی ہوتی ہوگی، ہندی تحریریں دفتر کے طور پر اکثر ان ہی پتوں پر لکھی جاتی ہیں، جن کے کانوں میں سوراخ ہوتے ہیں، وہ اس پتے کے بالے بنا کر پہنتے ہیں، تاڑ کے پتے کے بالے بنے ہوئے بازاروں میں بکتے ہیں، اس کا گدا کھجور کے گدے سے خوب صورت اور صاف ہوتا ہے۔

نارنج: ایک میوہ نارنج ہے، لمغانات میں چھوٹا اور ناف دار ہوتا ہے، نہایت لطیف، نازک، خراسان کے نارنج کو اس سے نسبت نہیں، نزاکت اتنی ہوتی ہے کہ لمغانات کابل سے تیرہ چودہ فرسنگ ہے، وہاں سے یہاں تک لانے میں بہت نارنج بگڑ جاتے ہیں۔

بجور کا نارنج بہی کے برابر ہوتا ہے، بہت رسیلا اور نارنجوں سے زیادہ کھٹا ہوتا ہے، خواجہ کلاں کا بیان ہے کہ بجور میں ایک درخت سے سات ہزار نارنج توڑے تھے، مجھے مدت سے خیال تھا کہ نارنج نارنگ کا معرب ہے، آخر وہی بات نکلی، بجور اور سوات والے نارنج کو نارنگ کہتے ہیں۔

ایک لیمو ہے، کثرت سے ہوتا ہے، مرغی کے انڈے کے برابر بڑا اور اسی صورت کا، اگر اس کے ریشہ کو جوش دے کر زہر خوردہ کو پلاؤ تو زہر کا اثر جاتا رہتا ہے۔

ترنج: ایک ترنج ہے، نارنج کے مشابہ، بجور اور سوات والے اسے بالنگ کہتے ہیں، اسی لیے اس کے مربے کو مربائے بالنگ کہتے ہیں، ترنج دو قسم کا ہوتا ہے، ایک میٹھا بے مزہ اور دل شور، اس کو کھاتے نہیں، اس کے مربے ڈالتے ہیں، لمغانات میں اسی قسم کا ہوتا ہے، دوسرا ترنگ ہندوستان میں کھٹا ہوتا ہے، اس کا شربت بڑے مزے کا ہوتا ہے، ترنج اتنا بڑا ہوتا ہے جتنا چھوٹا خربوزہ، پوست کھردرا، چھلکا پتلا، رنگ نارنج کے رنگ سے زرد، درخت کا گدا بڑا نہیں ہوتا، پتا نارنج کے پتے سے بڑا۔

سنگترہ: ایک پھل مثل نارنج کے ہے، وہ سنگترہ کہلاتا ہے، وضع اور رنگ نارنج سے ملتا جلتا، اس کا پوست صاف ہوتا ہے اور ذرا ترنج سے چھوٹا، درخت زرد آلو کے برابر، کھٹا بہت ہوتا ہے جو شیریں ہوتا ہے وہ مزے کا ہوتا ہے، لیمو کی طرح یہ بھی مقوی معدہ ہے، نارنج کی طرح مضعف معدہ نہیں۔

کلکل: ایک میوہ ہے نارنج جیسا، یہ بڑا لیمو ہے، اس کو ہندوستان میں کلکل کہتے ہیں، بالکل قاز کا انڈا معلوم ہوتا ہے، اتنا فرق ہے کہ انڈے کی طرح دونوں سرے پتلے نہیں ہوتے، اس کا پوست سنگترے جیسا شفاف ہوتا ہے، بہت ہی رسیلا ہوتا ہے۔

ایک اور پھل ہے جو نارنج کے مشابہ ہے، مگر رنگ نارنجی نہیں ہوتا، زرد ہوتا ہے اور بو نارنج کی سی، یہ بھی بڑا کھٹا ہوتا ہے، ایک اور قسم نارنج جیسی اندام میں امرود کے برابر، رنگ بہی کے رنگ کا سا، مزے میں میٹھا مگر نارنج کی طرح مٹھاس ناگوار نہیں۔

کرنا: ایک کرنا ہے، یہ بھی نارنج سے ملتا جلتا ہے، کلکل لیموں کے برابر ہوتا ہے، ذائقہ میں کھٹا۔

امل بید: نارنج سے مشابہ ایک پھل امل بید ہے، لوگوں کا بیان ہے کہ اگر سوئی اس میں ڈال دو تو پانی ہو جاتی ہے، عجب نہیں کہ یہ اس کی کھٹاس کی تیزی سے ہو، یا اس کی خاصیت ہی ایسی ہو، اس کی ترشی نارنج اور لیمو کی ترشی کے برابر ہوتی ہے۔

کملہ: اس کی عمدہ قسم کملہ ہے، کملہ حاجی پور میں ہوتا ہے، وہ مزے میں میٹھا چاشنی دار ہے، بہت ہی خوش گوار ہوتا ہے، پر ہالہ وغیرہ کے علاقوں میں بھی کملہ ہوتا ہے مگر اس کی سی لطافت نہیں ہے۔

ایک نارنگی ہے، حاجی پور وغیرہ میں بہت عمدہ ہوتی ہے، اس میں ترشی مٹھاس لئے ہوئے ہے، بلکہ مٹھاس اور کھٹاس دونوں کانٹے کی تول ہیں۔

پھول: ہندوستان میں پھول طرح طرح کے اور عمدہ ہوتے ہیں۔

گرہل: ایک پھول جاسون ہے، اس کو بعض ہندوستانی گرہل کہتے ہیں، اس کا درخت شان دار ہوتا ہے گھاس کی صورت کا نہیں ہوتا اور گلاب کے درخت سے بڑا ہوتا ہے، اس کا رنگ انار کے پھول سے زیادہ کھلا ہوا اور گلاب کے پھول کے برابر بڑا ہے، فرق اتنا ہے کہ گلاب کی کلی ایک ہی دفعہ کھل جاتی ہے اس کی کلی پہلے ایک بار کھلتی ہے، پھر اسی کھلی ہوئی کلی سے ایک چیز دل کی شکل کی نکلتی ہے اور اس کی پتیاں کھل کر پھول ہو جاتی ہیں، یہ دونوں اگرچہ ایک ہی پھول ہیں مگر اس کے بیچ میں پہلی پتیوں میں سے دل کی صورت کی ایک چیز کا نکلنا اور دوسرا پھول بن جانا ایک نادر بات ہے، یہ پھول درخت میں لگا ہوا بڑی بہار دیتا ہے، زیادہ پائے دار نہیں ہوتا،

ایک ہی دن میں مرجھا کر پتیاں جھڑ جاتی ہیں، برسات کے چار مہینے کثرت سے کھلتا ہے، کیا عجب ہے کہ سارے برس کھلتا رہتا ہو، مگر کثرت نہیں ہوتی۔

کنیر: ایک کنیر ہے، یہ سفید رنگ کا ہوتا ہے اور سرخ رنگ کا بھی، اس کی جڑ اور پتے شفتالو جیسے سرخ، پھول ہو بہو شفتالو کا پھول ہے، مگر کنیر کے پھول چودہ پندرہ اکٹھے ایک جگہ اس طرح کھلتے ہیں کہ دور سے ایک بڑا پھول معلوم ہوتا ہے، اس کے درخت کا پھیر گلبن کے درخت کے پھیر سے زیادہ ہے، سرخ پھول میں بھینی بھینی بو ہوتی ہے، یہ بھی برسات کے موسم میں چار مہینے تک برابر کھلتا ہے اور اکثر سال بھر رہتا ہے۔

کیوڑا: ایک کیوڑا ہے، اس کی بو نہایت لطیف ہے، اہل عرب اس کو کاوی کہتے ہیں، اتنا عیب ہے کہ ذرا خشک ہوتا ہے، اس کو مشک تر کہہ سکتے ہیں، بو تو اچھی ہے مگر صورت عجب طرح کی ہے، پھول کی لمبائی ڈیڑھ بالشت کے قریب، پتیاں لمبی لمبی خاردار، یہ پتے اوپر نیچے اس طرح لپٹے ہوئے کہ غنچہ معلوم ہو، اوپر کے پتے سبز اور تازہ خاردار، اندر کے پتے نرم اور سفید، اندر کے پتوں میں گلی سے اور پتے سے لپٹی ہوئی ایک چیز معلوم نہیں کیا ہے، خوش بو اسی سے آتی ہے، درخت کی ہیئت ایسی جیسے بانس کا درخت ہو، جس کا ابھی تنہ نہ ہوا ہو، پتے بہت چوڑے، خاردار، تنہ بے ڈھنگا، ادھر ادھر شاخیں پھیلی ہوئی۔

کیتکی: ایک کیتکی ہے، کیوڑے سے ملتی ہوئی، مگر پھول اس سے بہت چھوٹا، رنگ زیادہ زرد اور بو ہلکی، اکثر پھول جو ولایت میں ہوتے ہیں جیسے گلاب اور نرگس وغیرہ، ہندوستان میں ہوتے ہیں۔

چنبیلی: سفید یاسمن بھی ہوتی ہے، اس کو چنبیلی کہتے ہیں، ہمارے ملک کی یاسمن سے کہیں بڑی، خوش بو خوب تیز۔

چمپا: ایک چمپا ہے، اس کا درخت بڑا اونچا اور خوب صورت ہوتا ہے، اس پھول کی بو نہایت اچھی ہوتی ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنفشہ یا نرگس کا بنا ہے، رنگ اس کا زرد ہوتا ہے، صورت سوسن میں ملتی ہوئی، مگر سوسن کا پھول بڑا ہوتا ہے۔

موسم: ہمارے یہاں چار فصلیں ہوتی ہیں، ہندوستان میں تین، چار مہینے گرمی، چار مہینے

برسات اور چار مہینے جاڑا، مہینوں کی ابتدا ماہ ہلالی کے وسط سے ہوتی ہے، ہر تیسرے برس ایک مہینہ بڑھا دیتے ہیں، پہلے تیسرے برس برسات میں، پھر جاڑے میں پھر گرمی میں، ان کا کبیسہ یہی ہے۔

مہینوں کے نام یہ ہیں: چیت، بیساکھ، جیٹھ، اساڑھ، گرمی کے مہینے، حوت، حمل، ثور، جوزا کے موافق ساون، بھادوں، کوار، کاتک (برسات) مطابق سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، اگہن، پوس، ماگھ، پھاگن (جاڑا موافق عقرب، قوس، جدی دلو)

دنوں کے نام: انھوں نے دنوں کے نام رکھ لیے ہیں، وہ یہ ہیں سنیچر اتوار، سوموار، منگل بدھ وار، برہسپت اور سکروار۔

وقتوں کی تقسیم: ہمارے ہاں رات دن کو چوبیس حصوں پر تقسیم کیا ہے اور ہر حصہ کو گھنٹہ کہتے ہیں، ہر گھنٹہ ساٹھ پر تقسیم کر کے ہر حصہ کو دقیقہ کہتے ہیں، جو رات دن میں ایک ہزار چار سو چالیس ہوتے ہیں، اہل ہند نے رات دن کے ساٹھ حصے کیے ہیں، ہر حصہ کو گھڑی کہتے ہیں، پھر رات کے چار اور دن کے چار حصے کیے ہیں، اس ہر حصہ کو پہر کہتے ہیں، جو فارسی میں پاس کہلاتا ہے، اس ملک میں پاس اور پاسبان سنتے تھے، اس کی حقیقت اب کھلی، اس کام کے لیے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں لوگ مقرر ہیں، ان کو گھڑیالی کہتے ہیں۔

گھڑیال کا بجانا: پیتل کی ایک چوڑی گول چیز بنائی ہے، طباق کے برابر، دو انگل موٹی، اس کا نام گھڑیال ہے، اس گھڑیال کو کسی اونچی جگہ لٹکاتے ہیں، نیچے ایک نندولا ہوتا ہے، اس میں پانی بھر دیتے ہیں، ایک کٹورے کے پیندے میں چھید کر کے نندولے میں ڈال دیتے ہیں، یہ کٹورا گھڑی بھر میں نیچے والے سوراخ کے ذریعہ سے بھر جاتا ہے، گھڑیالی ہر وقت اس طاس پر آب کو دیکھتے رہتے ہیں، جب کٹورا بھر جاتا ہے تو الٹ دیتے ہیں اور گھڑیال بجا دیتے ہیں، بجانے کا ڈھنگ یہ ہے کہ مثلاً صبح سے ایک نندولہ بھر کر کٹورا ڈال دیا، پہلا کٹورا بھرا اور موگری سے گھڑیال کو ایک دفعہ بجا دیا دوسری بار بھرا، دو بجا دیے، اسی طرح پہر کے تمام ہونے تک بجاتے، پھر جب تمام ہوتا ہے، تو متواتر یعنی گجر بجا دیتے ہیں، یہ پہر تمام ہونے کی علامت ہے، اگر دن کا پہلا ہے تو گجر بجانے کے بعد ذرا ٹھہر کر ایک بجا دیتے ہیں، دوسرا پہر ہوتا ہے تو دو، تیسرے پر تین

اور چوتھے پر چار، بس دن تمام ہوا، اب رات کا پہر اسی طرح ایک سے شروع کیا اور چار پر تمام کر دیا، اس سے پہلے گھڑیالوں کا دستور تھا کہ بطریق مذکور رات دن میں جس وقت پہر تمام ہوتا، اس وقت پہر کی علامت بجاتے تھے، رات کو جن کی آنکھ کھل جاتی وہ یہ نہ پہچان سکتے تھے کہ دوسرا پہر ہے، یا تیسرا پہر، میں نے حکم دیا کہ رات اور دن میں گھڑیوں کے بجانے کے بعد بھی پہر کی علامت بجا کرے، مثلاً پہلے پہر کی تین گھڑیاں بجانے کے بعد ذرا ٹھہر کر ایک پہر کی علامت بجا دو، جس سے معلوم ہو جائے کہ یہ تین گھڑی پہلے پہر کی ہے، اسی طرح تیسرے پہر کی چار گھڑیاں بجانے کے بعد توقف کیا جاوے اور پہر کی علامت تین دفعہ بجائی جائے تا کہ معلوم ہو کہ تیسرے پہر کی گھڑیاں گذری ہیں، یہ بات اچھی ہوگئی، رات کو جس وقت جس کی آنکھ کھل جائے گی اور کان میں گھڑیال کی آواز آئے گی، وہ جان جائے گا کہ کون سے پہر کی گھڑیاں بجی ہیں، ہر گھڑی کے بھی ساٹھ حصے کیے ہیں، اس حصہ کا نام پل رکھا ہے، رات دن کے تین ہزار چھ سو پل ہوئے، پل کی مقدار ایک بار آنکھ بند کرنے اور کھولنے کے برابر بیان کرتے ہیں، اس حساب سے آنکھ کا کھلنا اور بند ہونا، رات دن میں ستر ہزار دو سو مرتبہ ہوا۔

وزن: ہندیوں نے وزن اس طرح مقرر کیا ہے، آٹھ رتی کا ایک ماشہ، چار ماشہ کا ایک ٹانک، (۳۲ رتی) پانچ ماشے کا مثقال (۴۰ رتی) ۱۲ ماشہ کا ایک تولہ، ۱۴ تولے کا ایک سیر، ۴۰ سیر کا ایک من، ۱۲ من کی ایک مانی، سو من کا ایک مینا سا ہوتا ہے، جواہر اور موتی کو ٹانک سے تولتے ہیں۔

عدد: ہندوستانیوں نے عدد کی مقدار بھی خوب معین کی ہے، سو ہزار کو ایک لاکھ، سو لاکھ کو ایک کرور، سو کرور کو ارب، سو ارب کو کھرب، سو کھرب کو نیل، سو نیل کو پدم، سو پدم کو سانک کہتے ہیں، عددوں کا ایک تعداد پر مقرر کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ اہل ہند بہت مالدار ہیں۔

اقوام: ہندوستانی اکثر بت پرست ہوتے ہیں یہ لوگ ہندو کہلاتے ہیں، ہندو لوگ بیشتر مسئلہ تناسخ کے قائل ہیں، ہندو نوکری پیشہ، ٹھیکے دار اور پورے کار گذار ہیں، ہمارے ملک میں صحرا گرد لوگوں میں ہر قبیلہ کا نام جدا ہے، یہاں مختلف قطعات اور مختلف دیہات میں بھی قوموں کے نام الگ الگ ہیں، ہر حرفت والا اپنا پیشہ جدا کرتا ہے۔

ہندوستان کی عام خوبیاں: عام ہندوستان کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وسیع ملک ہے، اس میں

سونا چاندی، بہت ہے برسات کی ہوا نہایت اچھی ہوتی ہے، برسات میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دن بھر میں دس پندرہ اور بیس دفعہ مینہ برس جاتا ہے، بارش کے موسم میں ایک بارہی رو آجاتی ہے اور ایسی آتی ہے، کہ جہاں پانی کی بوند نہیں ہوتی ہے، وہاں دریا بہنے لگتے ہیں، مینہ برسنے میں اور مینہ برسنے کے بعد بڑے مزے کی ہوائیں چلتی ہیں، چنانچہ ہوا ٹھنڈی ہوتی ہے اور اعتدال کے ساتھ چلتی ہے اتنا عیب ضرور ہے کہ مرطوب بہت ہے، یہاں کی برسات میں ہمارے ملک کی کمان سے تیراندازی نہیں ہوسکتی، تیر بیکار ہو جاتا ہے، کمان ہی پر کیا منحصر ہے، بلکہ جینہ، کتاب، لباس اور اسباب وغیرہ ہم سب میں سیل دوڑ جاتی، مکان سارے چوڑھا ہو جاتے ہیں، علاوہ برسات کے جاڑے اور گرمی میں بھی مزے کی ہوائیں ہوتی ہیں، شمالی ہوا ہمیشہ چلتی رہتی ہے، جس کے ساتھ گرد وغبار اڑتا رہتا ہے، کہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتا اسی کو یہاں آندھی کہتے ہیں، ثورا اور جوزا میں گرمی ہوتی ہے، مگر اس قدر بے اعتدال گرمی نہیں، جیسے بلخ اور قندھار میں، یہاں کی گرمی کی مدت بھی وہاں سے آدھی ہوگی، ہندوستان میں ایک عمدگی یہ بھی ہے کہ ہر فرقہ اور حرفت کا آدمی کثرت سے ہے اور ہر کام اور ہر چیز کے لیے ہزاروں آدمی موجود ہیں، جن کے باپ دادا کے وقت سے وہی کام ہوتا آیا ہے، ظفر نامہ میں ملا شرف الدین یزدی نے لکھا ہے کہ حضرت امیر تیمور نے جب سنگین مسجد بنوائی ہے تو آذربیجان، فارس، ہندوستان وغیرہ ملکوں کے دو سنگ تراش کام کرتے تھے اور اس تعداد کو وہ بہت خیال کرتے تھے، میں نے جو عمارت آگرہ میں بنوائی ہے، اس میں آگرہ کے چھ سو اسی سنگ تراش لگے ہوئے ہیں، اس کے علاوہ سیکری، بیانہ، دولت پور، گوالیار اور کول میں ایک ہزار چار سو اکیانوے سنگ تراش روزانہ میرے مکانوں میں کام کرتے ہیں، اسی پر قیاس کر لینا چاہیے کہ ہر کام اور پیشہ کا آدمی ہندوستان میں بے شمار ہے۔

مجموعی آمدنی: بھیرے سے بہار تک اب جتنا ملک میرے قبضہ میں ہے باون کروڑ روپے کا ہے، اس میں بائیس کروڑ کے علاقے ان راجاؤں اور رئیسوں کے تصرف میں ہیں جنھوں نے ہمیشہ اطاعت کی ہے اور یہ جاگیریں نسلاً بعد نسلٍ ان کو گذاشت کردی گئی ہیں۔ (یہ اقتباسات زیادہ تر تزک بابری کے اردو ترجمہ میں ۲۰۷ تا ۲۹۰ سے لئے گئے ہیں، انگریزی ترجمہ از اے ایس بیورج اور فارسی ترجمہ سے بھی مدد لی گئی ہے۔)

بابر
از
پروفیسر سری رام شرما[1]

وی اے اسمتھ نے بابر کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اپنے عہد میں ایشیا کا سب سے زیادہ تیز اور ممتاز حکمراں گذرا ہے اور وہ اس کا مستحق ہے کہ ہر دور اور ملک کے حکمرانوں کی صف میں نمایاں جگہ پائے، ہیول رقمطراز ہے کہ بابر اپنی دل آویز شخصیت، پر کیف مزاج اور عجیب وغریب حالات زندگی کی وجہ سے اسلامی تاریخ کا ایک بہت ہی دل کش کردار ہے، الیٹ لکھتا ہے کہ بابر بڑا ہی بذلہ سنج، بہادر، فیاض، عالی حوصلہ اور بالکل کھرا تھا، اگر اس کی پرورش یورپ میں ہوتی تو وہ ہنری چہارم ہوتا، لین پول نے لکھا ہے کہ بابر اس حیثیت سے تاریخ میں ایک مستقل جگہ رکھتا ہے، کہ اس نے ہندوستان کو تسخیر کر کے ایک شاہی خاندان کی بنیاد ڈالی لیکن سوانح نگاری اور ادب میں بھی اس کی حیثیت اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس نے اپنی سوانح عمری لکھی اور اپنے ابتدائی واقعات زندگی اور عجیب وغریب کارناموں کو بہت ہی خوش گوار اور دل آویز انداز میں قلم بند کیا، وہ ایک سپاہی تھا، جس کی اس کی قسمت نے بڑی یاوری کی لیکن ایک عمدہ علمی ذوق اور مبصرانہ و ناقدانہ صلاحیت رکھنے والا اہل قلم بھی تھا، اس کی بزمیہ اور رزمیہ دونوں تحریروں میں ایک شاعرانہ فضا ہے، فرشتہ لکھتا ہے کہ وہ شکل وشمائل کے لحاظ سے بڑا خوبصورت اور ہنس مکھ تھا، گفتگو کرنے میں بہت ہی شگفتہ رو ہوتا اور اپنے فہم و ادراک میں غیر معمولی تیز تھا، بابر کے چچازاد بھائی میرزا

---

[1] پروفیسر سری رام شرما، ولنگڈن کالج، سانگلی، نے اپنی کتاب "کریسنٹ ان انڈیا" اور "مغل امپائر ان انڈیا" میں بابر کی زندگی اور سیرت کا ایک ناقدانہ مطالعہ کیا ہے، ان دونوں کتابوں کے بعض حصے کی تلخیص اس باب میں درج ہے جس سے بابر کے کردار کے روشن پہلو سامنے آجائیں گے۔

دوغلت نے تاریخ رشیدی میں لکھا ہے کہ بابر ایک بادشاہ تھا، جو گوناگوں قسم کے فضائل اور اوصاف حمیدہ سے آراستہ و پیراستہ تھا، سب سے نمایاں چیز اُس میں یہ تھی کہ وہ بہت ہی بہادر تھا، بامروت شخص تھا اور حقیقت تو یہ تھی کہ اتنے اوصاف کا کوئی حکمراں اس سے پہلے اس کے خاندان میں نہیں گذرا اور نہ اس کے قبیلہ میں کسی نے ایسے عجیب و غریب کارنامے انجام دیے، ترکی زبان میں امیر علی شیر کے بعد اسی کا درجہ تھا، اس نے ایک دیوان بھی مرتب کیا، جس میں بڑی فصیح اور مستند ترکی شاعری ہے، اس نے ایک نظم مبین کے نام سے لکھی، فقہ میں ایک مفید رسالہ بھی قلم بند کیا، جو بہت مقبول ہوا، اس نے ترکی شاعری کے عروض پر بھی لکھا ہے، اس سے پہلے کسی نے اس فن پر اتنی وضاحت کے ساتھ نہیں لکھا تھا، ایک منظوم رسالہ والدیہ بھی اس کی طرف منسوب ہے اور وقایع کے نام سے اپنی ایک خودنوشت سوانح عمری بھی مرتب کی ہے، جس میں بڑی رواں، صاف پاکیزہ اور عام فہم ترکی زبان ہے، وہ موسیقی اور دوسرے فنون کا بھی بڑا ماہر تھا۔

بابر واقعی ایک غیر معمولی ذہن و دماغ کا آدمی تھا، وہ فنون لطیفہ کا شائق تھا، فطرت اور قدرت کے رموز کو جاننے اور پہچاننے کی بڑی صلاحیت رکھتا تھا، وہ انسان کا گہرا مطالعہ کرسکتا اور اشیا کی قدر پہچان سکتا تھا، اس کا نام صرف اس لیے زندہ جاوید نہیں ہے کہ وہ ایک بہت ہی شاندار خاندان کا بانی ہے، بلکہ اس لیے بھی کہ خودنوشت سوانح عمری لکھنے میں اس کی حیثیت بہت ہی بلند ہے اور اُس نے تزک لکھ کر اپنی آیندہ نسلوں کو ایک عجیب و غریب چیز دی، اس میں اُن تمام ملکوں کے حالات ہیں، جہاں وہ گیا، اُن کے مناظر، ان کی آب و ہوا، پیداوار اور صنعت و حرفت سے متعلق ایسی صحیح اور مفصل معلومات ہیں کہ موجودہ زمانہ کا کوئی سیاح اُن سے بہتر معلومات فراہم نہیں کرسکتا اور جس عجلت میں بابر نے یہ سب کچھ لکھا ہے اُن کو پڑھ کر اور تعجب ہوتا ہے، الفنسٹن نے بہت صحیح لکھا ہے کہ بابر کی سوانح عمری کا سب سے دل کش پہلو خود اُس کی سیرت ہے، وہ بڑی بڑی آزمایشوں میں مبتلا رہا لیکن ہر حال میں اس کے دل میں وہی مہر و محبت اور اس کے مزاج میں وہی نرمی اور ملنساری باقی رہی جن سے اس نے اپنی زندگی شروع کی، اس کی شوکت و حشمت اور سطوت سے اُس کے ذوق کی لطافت و نفاست میں کوئی فرق نہیں آیا اور نہ اس نے کبھی فطری اور ذہنی مسرتوں سے حظ و لطف اٹھانے میں کبھی کوئی کمی محسوس کی۔

ارسکن نے لکھا ہے کہ بابر کی سب سے قابل تعریف چیز اس کی عام انسان دوستی اور مروت ہے، اگر اس کی تزک میں اس کی ظالمانہ روش کا ذکر آتا ہے تو یہ اُس عہد کا اقتضا تھا، اس کی وجہ سے اس کے متعلق کوئی بری رائے قائم کرنا مناسب نہیں، اس کے عہد کے مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب کبھی اس کا کوئی امیر یا بھائی اس کے خلاف باغیانہ یا معاندانہ روش اختیار کرتا اور پھر وہ اپنے جرم کا اعتراف کر لیتا تو جیسا کہ خافی خان نے لکھا ہے کہ ایران، عرب اور ہندوستان کے رواج کے خلاف بابر اس کو صرف معاف ہی نہیں کر دیتا بلکہ مطلق کینہ نہیں رکھتا۔

بابر ایک مذہبی آدمی بھی تھا، وہ کہا کرتا تھا کہ خداوند تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا، ہم کو اسی پر بھروسہ کر کے آگے بڑھنا چاہیے، اس کو جو بھی کامیابی ہوتی، اس کو وہ فضل الٰہی ہی سمجھتا، ابراہیم لودی پر فتح پانے کے بعد وہ اس وقت تک دہلی میں داخل نہیں ہوا، جب تک کہ دہلی کے نواح کے صوفیوں اور بزرگوں کے مزار کی عقیدت مندانہ زیارت نہیں کر لی، کنواہہ کی جنگ کے موقع پر اس نے جس طرح شراب چھوڑی ہے، وہ اس کی صحیح انابت کی دلیل ہے۔

بابر کی زندگی ایک شاندار سپہ گری کی تاریخ ہے، وہ بہت ہی اعلیٰ قسم کا شہسوار عمدہ قسم کا نشانہ باز، تیز دست شمشیر باز اور بڑا ہی قوی شکاری تھا، وہ اپنے سپاہیانہ اوصاف کے سبب اپنے سپاہیوں کی نظروں میں بڑا محبوب رہا اور قیادت کی جتنی خوبیاں ایک ساتھ جمع ہو سکتی ہیں، وہ سب اس میں فطری طور پر موجود تھیں، وہ اپنے ہمراہیوں کے رنج و راحت میں برابر کا شریک رہتا اور اپنے لشکر کے بڑے چھوٹے عہدیدار اور ادنیٰ فوجی کو جاننے اور پرکھنے میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔

اپنی ابتدائی زندگی کے حالات میں بعض ایسے واقعات لکھے ہیں جن سے اس کی قائدانہ سیرت پر پوری روشنی پڑتی ہے، مثلاً وہ ۹۱۲ھ میں ایک موقع پر لکھتا ہے:

> ''تقریباً ہفتہ بھر میں برف کاٹتے ہوئے چلے اور کوس ڈیڑھ کوس سے زیادہ نہ چل سکے، میں دس پندرہ مصاحبوں سمیت جس میں قاسم بیگ مع اپنے دونوں بیٹوں کے اور قنبر علی اپنے دو تین نوکروں کے ساتھ تھے، پیدل ہو گئے ہم سب مل کر برف کاٹتے تھے، ہر قدم پر کمر اور سینہ تک برف میں دھنس جاتے تھے اور برف کھودتے تھے، چند قدم چلنے کے بعد جو آگے ہوتا

تھا، وہ تھک کر اور چل کر کھڑا ہو جاتا تھا، دوسرا آگے بڑھتا تھا، ہم ہی دس پندرہ آدمی برف کھودنے والے تھے، یہ حال تھا کہ ایک خالی گھوڑے کو کھینچ لاتے تھے، رکاب اور خوگیر تک وہ برف میں دھنسا رہتا تھا، دس پندرہ قدم پر چل کر ٹھہر جاتا تھا، اس کو کونے میں کھڑا کر دیتے تھے اور دوسرے کو بڑھالاتے تھے، اسی مصیبت سے یہ دس پندرہ آدمی برف کاٹتے تھے اور اپنے گھوڑے گھسیٹ لاتے تھے، باقی تمام اچھے سپاہی اور وہ لوگ جو سردار کہلاتے تھے، گھوڑوں پر سے کھسکتے نہ تھے، کھدے ہوئے اور صاف راستہ سے سر جھکائے ہوئے چلے آتے تھے، یہ موقع ایسا نہ تھا کہ کسی کو تکلیف دی جائے، جس کو ہمت ہو وہ خود پل پڑے، خیر اسی طریق سے برف کاٹتے ہوئے اور راستہ بناتے ہوئے تین چار روز میں کوتل زریں کے آخری خوال قولی کے نام سے ایک مقام ہے، وہاں آئے، اس دن بڑی پریشانی ہوئی، ایسی برف پڑی کہ سب کو موت دکھائی دینے لگی، یہاں والے غار اور کھو کو خوال کہتے ہیں، اس خوال کے پاس جو پہنچے تو اور بھی پریشانی پیدا ہوئی، اس خوال کے پاس ٹھہر گئے، برف بلند، راستہ چھپا ہوا، کھودی ہوئی راہ میں بھی گھوڑے دقت سے چلتے، دن تھوڑا رہ گیا، آگے چلنے والے دن میں خوال کے پاس جا پہنچے، مغرب سے عشا تک تو لوگ آگئے پھر نہ آسکے، جو جہاں تھا، وہیں رہ گیا، بہتیروں نے تو گھوڑوں کی پیٹھ پر رات گذاری، خوال بھی چھوٹی معلوم ہوئی، میں نے خوال کے منہ کے پاس برف ہٹا کر تکیہ نمد کے برابر اپنے لیے جگہ نکالی اور وہیں سمٹ کر میں ہو بیٹھا، سینہ تک برف کھودی تھی، پھر بھی نہ نکلی، البتہ ہوا کا بچاؤ ہو گیا، میں وہیں بیٹھا رہا، کئی آدمیوں نے کہا کہ اندر چلے جائیے، میں نے دل میں کہا کہ سب تو برف اور پریشانی میں ہیں اور میں اندر مکان میں چلا جاؤں اور آرام کروں، ساری قوم مصیبت و پریشانی میں مبتلا رہے اور میں لمبے پاؤں پسار کر سوؤں، یہ تو مروت اور یک جہتی سے بعید ہے، جو تکلیف گزرے میں بھی اس کا مزہ چکھوں، جس طرح اور خدا کے بندے مصیبتیں سہیں، میں بھی سہوں، فارسی مثل مشہور ہے "مرگ بہ یاران عید است" اسی ٹھنڈ اور گڑھے میں جو کھود لیا تھا، میں بیٹھا رہا، عشا کے وقت اتنی برف پڑی کہ میں گھٹنوں پر سر رکھے ہوئے بیٹھا تھا لیکن میری پیٹھ پر میرے سر پر اور کانوں پر چار چار انگل برف تھی، اسی رات میرے کانوں میں سردی بیٹھ گئی، عشا کے وقت کچھ لوگوں نے غار کو ٹٹولا، وہ

چلائے کہ کھو بہت فراخ ہے، سب کو جگہ مل جائے گی، یہ سن کر سر سے منہ سے برف جھاڑ کر میں بھی کھو کے اندر چلا گیا، جو لوگ کھو کے باہر اردگرد سردی کھا رہے تھے، ان کو بھی بلا لیا، چالیس پچاس آدمیوں کو فراغت سے جگہ مل گئی۔[1]

لیکن جہاں سختی کرنے کی ضرورت ہوتی، بابر اس میں پس وپیش بھی نہیں کرتا، فرشتہ لکھتا ہے، کہ زیادتی کو روکنے کی خاطر وہ تشدد پر بھی آمادہ ہو جاتا ہے دولت خاں کے خاندان کے ساتھ بابر کے لشکری جس طرح پیش آئے اور ان کے ساتھ خود بابر نے جو سخت رویہ اختیار کیا، وہ بابر ہی کی زبانی سننے کے لائق ہے بابر لکھتا ہے:

"لوگوں نے عرض کی کہ کچھ سپاہیوں نے بھیرہ والوں کو ستایا ہے اور ان پر ہاتھ ڈالا ہے، فوراً ان سپاہیوں کو گرفتار کر کے بعض کو سزائے موت کا حکم دیا اور بعض کی ناکیں کٹوا کر لشکر میں تشہیر کر دیا، اس ملک کو تو ہم اپنا ہی جانتے تھے، اسی وجہ سے اس کو بالکل محفوظ و مامون رکھا۔"

ایک سپہ سالار کے لیے جو ضروری اوصاف ہونے چاہئیں وہ بابر میں موجود تھے، وہ اپنے دشمنوں کی طاقت اور کمزوری دونوں کا بہت صحیح اندازہ لگاتا تھا اور پھر ہمت کے ساتھ پختہ اور غیر متزلزل عزم بھی رکھتا تھا اور اس کے حوصلے کی تو کوئی انتہا نہ تھی۔

بابر کی سلطنت بدخشاں سے بنگال تک پھیلی ہوئی تھی، ہندوستان کے پچھم میں بھیرہ، پورب میں بہار، اتر میں ہمالیہ اور دکھن میں چندیری تک اس کے علاقے تھے لیکن وہ اتنا عدیم الفرصت رہا کہ مختلف پرگنوں اور علاقوں کے نظم ونسق کے لیے مناسب آدمی متعین نہیں کر سکا، اس کی زندگی میدانِ جنگ میں زیادہ تر گذری، اس لیے اپنی وسیع سلطنت کے انتظامی امور کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکا لیکن وہ جس علاقہ کو تسخیر کرتا وہاں پہنچ کر اس کی پہلی خواہش یہ ہوتی کہ وہ صلح اور امن برقرار ہو جائے اور اس میں اپنے سپاہیانہ اوصاف اور عمدہ فوج کی بدولت کامیاب رہتا لیکن انتظامی امور میں جو صلاحیت شیر شاہ اور اکبر نے دکھائی وہ بابر میں موجود نہ تھی۔

بابر نے ہمایوں کو جو پند ونصائح برابر کیے ہیں، وہی اُس کی حکمرانی کے کل رموز ہیں،

---

[1] پروفیسر سری رام شرما نے تزک بابری کے انگریزی ترجمہ کا اقتباس دیا ہے، میں نے اس اقتباس کا ترجمہ کرنے کے بجائے تزک بابری کے اردو ترجمہ بابر نامہ ۱۹۸-۱۹۷ سے پوری عبارت نقل کر دی ہے۔ "مرتب"۔

یعنی ضرورت کے وقت خطرہ مول لینا اور غیر معمولی مشقت کا ثبوت دینا، تن آسانی اور راحت پسندی سے باز آنا، بیگ اور وزرا سے مشورہ کرتے رہنا، روزانہ دو مرتبہ دربار منعقد کرنا اور فوج کا نظم و نسق اور کارکردگی کو برقرار رکھنا۔

بابر کو سب سے بڑی فکر یہ دامن گیر رہتی کہ ملک کو قزاقوں کی غارت گری سے محفوظ رکھا جائے چنانچہ اپنی تزک میں ایک جگہ لکھتا ہے:

"جب جب ہم ہندوستان گئے ہیں تو یہ دیکھا ہے کہ گائیں اور بھینسیں لوٹنے کے لیے سیکڑوں جاٹ اور گوجر پہاڑ اور جنگل سے آئے، یہ بدبخت آکر بڑا ظلم و ستم ڈھاتے، پہلے پنجاب کا یہ علاقہ پرایا تھا اور یہاں برابر شورش رہتی اور بہت کم آمدنی وصول ہوتی، اس مرتبہ سارا علاقہ مطیع ہوگیا تھا، بہت سے بھوکے ننگے غریب اور محتاج فریاد کرتے ہوئے آتے کہ جاٹوں اور گوجروں نے ہم کو لوٹ لیا، جن لوگوں نے لوٹ مار کی تھی ان کی تلاش کی گئی اور دو تین کو پکڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کرادیا۔"

احمد یادگار نے بھی کچھ واقعات ایسے لکھے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے، کہ بابر قتل و غارت گری کو کس تشدد کے ساتھ روکا کرتا تھا ایک بار وہ سرہند پہنچا تو سمانہ کے قاضی نے فریاد کی کہ موہن منداہیر نے اس کے علاقہ پر یورش کر کے اس کو جلادیا ہے، سارے مال و اسباب کو بھی لوٹ لیا ہے اور اس کے لڑکے کو بھی تہ تیغ کردیا، بابر نے علی قلی ہمدانی کو تین ہزار سواروں کے ساتھ منداہیروں کو سر کرنے کے لیے متعین کیا، علی قلی ہمدانی نے اس حکم کی تعمیل میں ایک ہزار منداہیر کو موت کے گھاٹ اتار دیا، ان ہی باتوں سے لشکر کا رعب ایسا رہتا کہ پھر کسی کو بغاوت یا نافرمانی کی ہمت نہیں ہوتی۔

بابر نے اس کا بھی انتظام کر رکھا تھا کہ اس کی سلطنت کے ایک علاقے سے دوسرے علاقہ تک آمد و رفت اور رسل و رسائل بڑی آسانی اور عجلت سے ہو، اس نے آگرہ سے کابل تک کی شاہراہ کو برقرار رکھا اور پندرہ میل کے فاصلے پر ڈاک چوکی مقرر کی، جہاں چھ چھ گھوڑے اور حکام متعین رہتے، فرشتہ رقم طراز ہے کہ جب وہ اپنی فوج کے ساتھ کوچ کرتا تو وہ راستے کی برابر پیمائش کا حکم دیتا اور یہ رواج ہندوستان کے بادشاہوں میں اب تک باقی ہے اور

پیمائش کے جو ضابطے اس نے بنائے، وہ بھی اب تک قائم ہیں، گز سکندری کے بجائے بابری گز کا استعمال شروع ہوا اور جہانگیر بادشاہ کے اوائل حکومت تک اسی کا استعمال جاری رہا۔

بابر کا جمالیاتی ذوق بھی بڑا بلند تھا، اس کو خوبصورت باغ لگوانے، خوبصورت عمارتیں بنوانے اور پھر نہر و پل کی تعمیر سے بڑی خوشی ہوتی، وہ لکھتا ہے کہ صرف آگرہ کے محل میں ۶۸۰ آدمی روزانہ کام کرتے تھے، آگرہ، سیکری، بیانہ، دھول پور، گوالیار اور کوئل میں روز ۱۴۹۱ سنگ تراش کام میں مشغول رہتے، احمد یادگار بھی لکھتا ہے کہ بابر نے اپنی حکومت کے دوسرے سال جمنا کے ساحل پر ایک خوبصورت باغ لگوایا، یہاں اپنے دوستوں اور رفیقوں کے ساتھ بزم نشاط منعقد کرتا[1]، جس

---

[1] اس باغ کی تعمیر کا حال بابر خود اپنی تزک میں اس طرح لکھتا ہے:

''بہت دن سے دل میں تھا کہ ہندوستان میں بڑا عیب یہ ہے کہ نہر نہیں ہے، جہاں موقع کی جگہ ہو وہاں چرخ لگا کر پانی جاری کیا جائے اور خوش قطع جگہ بنائی جائے، آگرہ میں آنے کے بعد اسی کام کے لیے جمنا کے پار باغ لگانے کے واسطے مقامات ملاحظہ کیے، ایسے اجاڑ اور گندے مقامات تھے کہ بڑی کراہیت اور ناخوشی کے ساتھ وہاں سے عبور کیا، گو ایسی جگہ چار باغ لگانے کو دل نہ چاہتا تھا، مگر آگرہ کے قریب کوئی اور جگہ بھی دل خواستہ نظر نہ آئی، اس واسطے ضرور ہوا کہ اسی کو درست کرلیا جائے، پہلے ایک بڑا کنواں جس سے حمام میں پانی لیا جائے، بنوایا، پھر وہ قطعہ زمین کا جہاں املی کے درخت اور مثمن حوض ہے، درست کرایا، اس کے بعد بڑا حوض اور اس کی سیڑھی بنی، پھر بارہ دری بنائی گئی، یہ بن چکے تو خلوت خانہ کا باغیچہ اور اس کے مکان بنے، پھر حمام تیار ہوا، غرض اسی بے ڈھنگی اور خراب جگہ پر ہندوستانی وضع کے خوب صورت باغ اور عمارتیں تیار ہوگئیں، ہر ٹکڑے میں معقول چمن بن گیا، ہر چمن میں طرح طرح کے گل بوٹے لگائے گئے، ہندوستان کی تین چیزوں سے مجھے نفرت ہے، ایک گرمی، دوسرے آندھی اور تیسری گرد سے، حمام سے ان تینوں کا علاج ہوگیا، پھر حمام کے لیے کیا چاہیے، گرمی کی شدت میں ایسا ٹھنڈا ہوتا ہے کہ سردی کے مارے کانپنے کی نوبت ہو جاتی ہے، ایک حجرہ، حمام اور حوض تینوں سنگین بنے ہیں، اجارہ سنگ مرمر کا ہے، باقی کل فرش اور چھت سنگ سرخ کی ہے، جو بیانہ کا پتھر ہے، اس کے علاوہ خلیفہ شیخ زین اور یونس علی نے دریا کے کنارے پر خوش قطع اور وضع دار باغات اور حوض بنوائے، لاہور اور دیپال میں جیسے رہٹ ہیں، ویسے رہٹ کنوؤں پر لگائے اور پانی جاری کیا۔'' (بابر نامہ اردو ترجمہ، ص ۲۹۶)

''مرتب نے اس اقتباس کا اضافہ کیا ہے۔''

میں حسین رقاصائیں اپنے رقص وسرود سے سب کو محظوظ کرتی تھیں......مرزا کامران نے لاہور میں اسی طرح کا ایک شان دار باغ لگوایا تھا۔

بابر ایک ایسے ملک میں آیا جہاں دولت کی فروانی کی حد نہ تھی، بابر خود لکھتا ہے کہ ہندوستان ایک بڑا ملک ہے، جہاں چاندی سونا بکثرت ہے، اسی وجہ سے بابر کو بڑی آمدنی حاصل ہوتی رہی، گو اس کی وصولی کے لیے اس کو کوئی نیا انتظام نہ کرنا پڑا، بابر نے لکھا ہے: بھیرہ سے بہار تک کے علاقہ میرے تسلط میں ہیں اور ان سے باون کرور تنکے کی آمدنی ہوتی ہے، اس میں ١٩ کرور کی آمدنی ان پرگنوں سے ہے جو راجاؤں اور رئیسوں کے تصرف میں ہیں، جنھوں نے ہمیشہ سے اطاعت کی ہے اور یہ جاگیریں نسلاً بعد نسلٍ ان کو گذاشت کردی گئی ہیں۔

بابراور مسلمان مؤرخین

''تزک بابری کے بعد میرزا حیدر دوغلت کی تاریخ رشیدی میں وسط ایشیا کے مغلوں کے مستند حالات ملتے ہیں، اس کا مصنف بابر کا خالہ زاد بھائی تھا، اس نے بابر کے بھی کچھ حالات لکھے ہیں لیکن وہ بہت مختصر ہیں، اس کے بعد بابر کے حالات جاننے کے لیے مستند تاریخیں اکبر نامہ از ابوالفضل، طبقات اکبری از خواجہ نظام الدین احمد اور منتخب التواریخ از ملا عبدالقادر بدایونی ہیں، جو عہد اکبری میں لکھی گئیں، ان میں سے ہم پہلے منتخب التواریخ کے اقتباسات پیش کررہے ہیں، تاکہ تزک بابری سے ہٹ کر بابر کی زندگی کے واقعات جس نقطۂ نظر سے دیکھے گئے وہ بھی ناظرین کے سامنے آجائیں، اس کے بعد تاریخ فرشتہ اور پھر اکبر نامہ کے اقتباسات پیش کیے جائیں گے جو امید ہے کہ دلچسپی سے پڑھے جائیں گے۔''

عبدالقادر بدایونی مصنف منتخب التواریخ

امرا پر سلطان ابراہیم لودی کی بے اعتمادی: سلطان ابراہیم لودی کو اپنے اخیر زمانے میں پرانے امرا پر اعتماد نہیں رہ گیا تھا، اس نے اس میں سے اکثر کو قید کر دیا تھا، یا مختلف جگہوں پر قید کر کے اپنے یہاں نکال دیا تھا، جلال خاں مالوہ کے سلطان محمود کے ساتھ تھا، وہاں جلال خاں اور سلطان محمود میں نہ بنی تو جلال خاں بھاگ کر کرہ کنکہ چلا آیا لیکن گونڈوں کے ہاتھ گرفتار ہو گیا، انھوں نے اس کو سلطان ابراہیم کے پاس بھیج دیا، جس نے اس کو اپنے بھائیوں کے ساتھ ہانسی میں قید کر دیا، جلال خاں وہاں جارہا تھا کہ راستہ میں شربت شہادت نوش کیا۔

شربت سلطنت وجاہ چناں شیریں است   کہ شہاں از پے آں خونِ برادر ریزند

خونِ آزردہ دلاں راز پے ملکِ مزید   کہ ترا نیز ہماں جرعہ بساغر ریزند

کچھ دنوں کے بعد سلطان ابراہیم کے حکم سے اعظم ہمایوں سردانی اور اپنے لڑکے فتح خاں کے ساتھ آگرہ بلالیا گیا اور دونوں قید کردیے گئے، اعظم ہمایوں سردانی گوالیار کے محاصرہ میں مشغول تھا اور اس کو تسخیر کرنے کے قریب تھا، اعظم ہمایوں کے لڑکے اسلام خاں نے کرہ میں اپنے باپ کی دولت سے ایک فوج جمع کرلی اور وہاں کے امرا کو اپنایا اور کرہ کے حاکم احمد خاں سے جنگ کرکے اس کو شکست دی، سلطان ابراہیم نے اعظم ہمایوں لودی کے بھائی کو ایک بڑا لشکر دے کر ان امرا کے خلاف بھیجا، جو لشکر سے بھاگ کر اسلام خاں سے مل گئے تھے، اس فوج کے ساتھ ممتاز خواتین مثلاً خانخاناں فرملی وغیرہ بھی بھیجے گئے، بانگرمو (نواح قنوج) کے پاس ایک جنگ ہوئی .... بڑی ہولناک لڑائی تھی، باغیوں کو شکست ہوئی، اسلام خاں مارا گیا اور سعید خاں لودی گرفتار ہوا اور فتنہ فرو ہوا۔

مکن چوں ابر کافر نعمتی با منعم و مکرم — کہ یابد نعمت از بحر و زند بر سینہ پیکانش
چوں دریا تا توانی حق گذاری رسم و عادت بیں — کہ بدہد ابر را بحری پئے یک قطرہ بارانش

اس فتح کے باوجود سلطان ابراہیم کا دل امرا کی طرف سے صاف نہ تھا، امرا بھی بد دل ہوکر ہر جگہ مخالفت کرنے لگے اور بڑے امرا مثلاً اعظم ہمایوں سردانی میاں بھوہ وزیر سلطان سکندر ابھی تک قید خانہ میں پڑے تھے۔

چندیری میں سلطان ابراہیم کے اشارے سے میاں حسین فرملی کو اس جگہ کے اوباش شیخ زادوں نے قتل کردیا، دریا خاں حاکم بہار اور خان جہان لودی نے ہراساں ہوکر روگردانی کی، دریا خاں کی تو وفات ہوگئی لیکن اس کا لڑکا بہادر خاں باغی ہوگیا اور اپنے کو باپ کا قائم مقام کرلیا اور دوسرے امرا اس کے ساتھ ہوگئے، اس نے بہار کے نواح میں ایک لاکھ سوار جمع کرلیے اور سلطان محمد کا خطاب اختیار کرکے اپنا خطبہ اور سکہ جاری کردیا، اس کی فوج سنبھل تک پھیل گئی اور اس علاقہ کو تصرف میں لے آئی۔

دولت خاں کی سازش: دولت خاں لودی کا لڑکا خانخاناں لاہور سے آگرہ سلطان ابراہیم کے پاس آیا لیکن مشکوک ہوکر وہاں سے بھاگا اور اپنے باپ کے پاس چلا آیا، دولت خاں نے سلطان ابراہیم سے اپنی گلوخلاصی کی امید نہیں دیکھی، تو اس نے اپنے لڑکے کو کابل بھیجا کہ وہ فردوس مکانی

ظہیرالدین بابر بادشاہ خدمت میں حاضر ہوکراس کو ہندوستان بلائے خانخاناں نے فردوس مکانی بابر بادشاہ سے اپنے باپ کی بھی شکایت کی جس سے بابر بادشاہ کا مزاج اس سے منحرف ہوگیا، خانخاناں شیرشاہ کے زمانہ تک زندہ تھااورآخرقید خانہ میں مرگیا۔

امرا نے سلطان ابراہیم سے جابجا روگردانی کی، ملک میں بڑافتور پیدا ہوگیا، ارکان سلطنت بذب میں تھے، اس اثنا میں بابر بادشاہ کی حکومت کا جھنڈا بلند ہورہا تھا، مختصر یہ کہ دولت ا ،غازی خاں اس کے لڑکے اور دوسرے امرا نے عالم خاں لودی کو کابل بھیج کر ظہیرالد بن بابر بادشاہ کو ہندوستان کی تسخیر کی ترغیب دی، بابر بادشاہ نے اپنے امرا کی ایک جماعت عا م خاں کے ساتھ بھیجی کہ وہ آگے بڑھ کر کچھ علاقے تسخیر کریں، انھوں نے سیالکوٹ لاہوراو اس ، کے مضافات کو فتح کر کے بابر بادشاہ کو صورتِ حال سے آگاہ کیااور پھر تاریخ ہند کی فتح کا یہ قصعہ ہ ا گیا۔

ظہیر الدین محمد شاہ بابر سکندر دولت و بہرام صولت
بدولت کرد فتح کشور ہند کہ تاریخ آمدش فتح بدولت

بابر بادشا، کا حملۂ ہند: بابر بادشاہ مسلسل کوچ کر کے سندھ دریا کے پاس پہنچا، اس وقت اس کے پاس دس ہزار سوار تھے، اس اثنا میں دولت خاں اور غازی خاں دونوں بابر سے برگشتہ ہوگئے افغانوں مٰں سے تیس ہزار سوار جمع کر کے کلانور پر قبضہ کرلیااور بابر کے امرالاہور میں لڑنے کو تیار ہوگئے، سیالکوٹ کے قلعہ کا نگراں امیر خسرو (کوکلتاش) تھا اس نے قلعہ کو بہت مضبوط کررکھا تھا لیکن غازی خاں کے پہنچنے سے اس کو خالی کر کے بھاگ گیااور غازی خاں کے لشکر سے ملحق ہوگیا، چندروز کے بعد بابر بادشاہ سیالکوٹ پہنچااوراس کو ویران کر کے دھولپور آباد کیا۔

بابر بادشاہ کی طرف سے عالم خاں دہلی کی طرف روانہ ہوااور سلطان ابراہیم کا مقابلہ کیا، اس نے سلطان کے لشکر پر شبخون مارا، جلال خاں اور دوسرے امرا کے ساتھ عالم خاں سے آکرمل گیا، سلطان ابراہیم نے اپنے خیمہ سے صبح تک حرکت نہیں کی، عالم خاں کی فوج مال غنیمت حاصل کرنے میں منتشر ہوگئی، تھوڑے سے آدمی عالم خاں کے پاس رہ گئے، سلطان ابراہیم نے ایک ہاتھی پر چڑھ کر دشمن کے قلب یعنی مرکزی حصہ پر حملہ کیا، ان کے پاؤں اکھڑ گئے، بے وفا عالم

خاں دوآب ہو کر سہرند پہنچا اور وہاں ملوت کے توابع میں قلعۂ گنگونہ میں پناہ لی جو ایک پہاڑ کے دامن میں تھا، دلاور خاں لوحانی اس سے علاحدہ ہو کر بابر بادشاہ کے پاس آیا اور اس سے منسلک ہوگیا، کچھ دنوں کے بعد عالم خاں بھی بابر بادشاہ کے پاس آیا، بابر بادشاہ اس کے ساتھ بدستور سابق تعظیم سے پیش آیا، خلعت اور دوسری عنایتوں سے سرفراز کیا۔

جب بابر بادشاہ کا لشکر کلانور پہنچا تو سلطان میرزا اور دوسرے امرا لاہور سے آکر اس کے ساتھ ہو گئے، وہاں سے لشکر ملوت آیا تو غازی خاں نے جنگ کی لیکن وہ فرار ہوگیا، دولت خاں پھر ملازمت میں داخل ہوگیا اور اس کے قصوروں کو پہلے کی طرح معاف کر دیا گیا، وہ اپنی گردن میں دو تلواریں ڈال کر سامنے آنا چاہتا تھا لیکن حکم ہوا کہ اس کو اس حال میں نہ لایا جائے، وہ عزت کے ساتھ لایا گیا اور بابر بادشاہ نے اپنے پاس اس کو جگہ دی۔

کرم آنست کہ احسان بگنہگار کنی ورنہ بادوست جز احسان نکند اہل کرم

لیکن اس کے مال واسباب سپاہیوں میں تقسیم کر دیے گئے، قلعہ ملوت بادشاہ بابر کے تصرف میں آگیا، چندروز کے بعد دولت خاں قید خانہ ہی میں وفات پاگیا۔

بابر بادشاہ غازی خاں کے تعاقب میں کوہ سوالک کی طرف روانہ ہوا اور کوہ نادون کے دامن میں اترا لیکن غازی خاں ہاتھ نہ آیا، وہاں سے پلٹ کر کوچ کرتا ہوا سہرند کے نواح میں پہنچا اور دریائے کھکر کے پاس لشکرزن ہوا، وہاں سے سامانہ اور سنام آیا۔

یہاں اس نے امیر کتہ بیگ کو سلطان ابراہیم کے لشکر کے پاس پہنچ کر وہاں کی خبر لانے کا حکم دیا، اسی منزل میں بین خاں افغان بابر سے آکر ملا، وہ باغی تھا، یہاں سے شاہزادہ ہمایوں میرزا کو خواجہ کلاں بیگ اور دوسرے امرا کے ساتھ سلطان ابراہیم کے خاص خیل کے مقابلہ کے لئے بھیجا گیا، جو حصار فیروزہ سے لڑائی لڑنے کے لئے آگے بڑھ رہا تھا، ایک سخت لڑائی ہوئی، حمید خاں ہارا، اس کے آدمی یا تو مارے گئے یا قید ہوئے، حصار فیروزہ کی آمدنی دو کروڑ تھی، یہ انعام کے طور پر شاہزادہ ہمایوں کے لئے مقرر ہوئی، وہاں سے بابر بادشاہ شاہ آباد سے دو منزل طے کر کے جمنا کے کنارے مقیم ہوا، یہاں سے اس نے سید مہدی، خواجہ محمد سلطان میرزا اور سلطان جنید برلاس کو سلطان ابراہیم کی ایک فوج کے مقابلہ کے لئے بھیجا، جو

داؤد خاں اور دوسرے امرا کی سربراہی میں پانچ چھ ہزار سوار کی تعداد میں جمنا عبور کر چکی تھی، چنانچہ جمنا کے پار لڑائی ہوئی اور افغانوں کو سزا ملی، بہت سے مارے گئے اور قید ہوئے اور جو تلوار سے بچے وہ سلطان ابراہیم سے جا ملے۔

پانی پت کی جنگ: یہاں سے بابر بادشاہ نے کوچ کیا تو اپنی فوج کے لئے جرانغار، برانغار اور قول کو دیکھا اور آٹھ سو توپ خانے کی گاڑیاں (عرابہ) ایک روز میں تیار کی گئیں، استاد علی قلی آتش باز نے...... رومی توپ خانہ کی طرح گاڑیوں کو لوہے کی زنجیر اور گائے کے کچے چمڑے سے (جوار تیجی کی صورت میں تھے) ایک دوسرے میں باندھ دیا اور دو گاڑیوں کے بیچ میں چھ سات مٹی کے توبڑے ڈال دیے، تاکہ لڑائی کے روز توپچی گاڑیایوں اور مٹی کے توبڑوں کے پیچھے پناہ لے کر اطمینان سے تفنگ اندازی کر سکیں، تجویز یہ ہوئی کہ کوچ کر کے پانی پت کے شہر کو لشکر کے عقب میں کر دیا جائے اور توپ خانے کی گاڑیوں کی صف کو پناہ لینے کے لئے آگے کر دیا جائے، تاکہ سوار اور پیادہ فوجیں گاڑیوں کے پیچھے رہ کر تیر اور تفنگ چلائیں اور دوسرے سوار دونوں طرف سے بڑھ کر مدافعہ اور مجادلہ کریں اور ضرورت کے وقت گاڑیوں کے پیچھے چلے آئیں۔

جمعرات کے روز ماہ جمادی الآخر ۹۳۲ھ میں سلطان ابراہیم کا لشکر پانی پت کے قریب چھ کوس کے فاصلہ پر اترا، اس کی فوج میں ایک لاکھ سوار اور ایک ہزار ہاتھی تھے، بابر کے لشکر میں پندرہ ہزار سوار اور پیادے تھے، بابر بادشاہ کے سپاہی روز آنہ کسی نہ کسی طرف سے افغان سپاہیوں پر حملہ کرتے اور ان کے سر لے آتے لیکن سلطان ابراہیم اور اس کے لشکر والوں نے حرکت کرنے کی جرأت نہیں کی، ایک رات مہدی خواجہ محمد سلطان میرزا اور دوسرے امرا نے پانچ ہزار سپاہیوں کے ساتھ سلطان ابراہیم کے لشکر پر شب خون مارا اور وہ بہت سے آدمیوں کو ہلاک کر کے واپس آئے لیکن غنیم اس پراگندگی کے باوجود متنبہ نہیں ہوا، جمعہ کے روز آٹھویں رجب کو سلطان ابراہیم نے اپنی بڑی فوج کو سد روئیں سکندر کی طرح آگے بڑھایا جو آہنی لباس میں تھی۔

بابر بادشاہ نے بھی اپنی فوج کو پوری عظمت و شوکت کے ساتھ ترتیب دیا اور ایک مضبوط محاذ پر جم کر حکم دیا کہ جرانغار (بائیں جانب) کی طرف سے امیر قراقورچی، امیر شیخ علی اور دوسرے امرا برانغار (دائیں جانب) کی طرف سے ولی قزل اور بابا قشقہ مغلوں کے دو دو

حصوں میں دشمن کے لشکر کے عقب پر حملہ کریں، پھر بائیں اور دائیں بازو کے تمام امرا اور افواج خاصہ میں سے امیر محمدی کوکلتاش، امیر یونس علی، امیر شاہ منصور برلاس اور دوسرے ممتاز امرا آگے بڑھیں، افغان زیادہ تر برانغار (دائیں بازو) پر زور دے رہے تھے، اس لئے امیر عبدالعزیز کو دائیں بازو کی مدد پہنچانے کے لئے حکم دیا گیا اور جب وہ دشمن کے قریب ہوا تو دشمن کا جسم بازو کے ساتھ اڑنے لگا اور ان کی روح ان کے قالب قفس سے پرواز کرنے لگی، ان کے پروبال شمشیر کی مقراض سے دونوں طرف قلم ہونے لگے:

چناں خوں رواں شد بدشت نبرد　　که چوں سیل بردی ز جا پائے مرد
نسیمی کی آید سحر زاں مقام　　دہد بوئے خون جگر در مشام

جنگ کی ہول ناکی: کشتوں کے پشتے لگ گئے اور جو بچ گئے زاغ وزغن کی خوراک بنے، اس لڑائی کو اس منتخب التواریخ کے لکھتے وقت تک دو قرن گزر گئے لیکن اب تک وہاں رات کو اس میدان سے دہ، ستان، بکش اور بزن کی آوازیں سنائی دیتی ہیں، ۹۹۷ھ میں ان اوراق کا جامع صبح کے وقت لاہور سے فتح پور کی طرف آرہا تھا، اس میدان سے گزرا تو یہی ہول ناک صدائیں کان میں آئیں، جو لوگ ہم راہ تھے، وہ سمجھے کہ شاید دشمن آگئے اور جو سنا تھا وہ خود دیکھا، خدا کی قدرت خدا کے حوالے کر کے ہم سب آگے بڑھ گئے۔

سلطان ابراہیم کو اس کے ساتھیوں کے ساتھ ایک اجنبی مقام پر لے جایا گیا اور اس کو تہ تیغ کر کے اس کا سر بابر بادشاہ کے سامنے پیش ہوا، اس جگہ پانچ چھ ہزار آدمی قتل کئے گئے جو سلطان ابراہیم کے ساتھ تھے:

روشنت گشت کہ ایں تیرہ جہاں دام بلاست　　خبرت شد کہ جہاں عشوہ دہ داد دغاست
آنکہ در آب نمی رفت کسے از نمکش　　غرقۂ بحر محیط است کہ بس ناپہنانست

اس عظیم فتح کے بعد بابر بادشاہ اسی روز دلی آیا اور اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا اور شہزادہ ہمایوں میرزا اور دوسرے بڑے بڑے امرا کو آگرہ کی طرف جانے کا حکم ہوا، ابراہیم کا خزانہ بہت بڑا تھا، وہ ہاتھ آیا اور سپاہیوں میں تقسیم کیا گیا۔

کسے کو کند جاں بمیداں نثار　　بروز رکن ازروی احساں نثار

اگر چند باشد جگر دار مرد چو بے برگ باشد بخوید نبرد

یہ واقعہ ۹۳۲ھ کا ہے، ہندوستانیوں نے ''شہید شدن ابراہیم'' کی تاریخ نکالی، اس وقت سے افغان لودیوں کے خاندان سے سلطنت منتقل ہو کر دودمان امیر تیمور صاحب قراں کے یہاں آ گئی، سلطان ابراہیم کی حکومت کی مدت نو سال رہی۔

بابر کی تخت نشینی: اس کے بعد ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ غازی تخت پر بیٹھا اور دنیا کو اپنی داد ودہش سے نوازا، سمرقند، عراق، خراسان اور کاشغر انعامات بھیجے گئے، مکہ، مدینہ اور دوسرے متبرک مقامات میں نذرانے ارسال کئے، ہندوستان کے خزانے سے بدخشاں اور کابل کے تمام لوگوں کو علاحدہ علاحدہ بے اندازہ قیمت کا سونا بھیجا اور جہاں کو گلستاں بنا دیا۔

ہندوستانی امرا کی نافرماں برداری: بابر کی اس صلح پسندی کے باوجود ہندوستان کے امرا اطاعت گزار نہیں ہوئے اور وحشیانہ حرکت کر کے اپنے اپنے قلعے اور جاگیریں مضبوط کرنی شروع کر دیں، قاسم سنبھلی نے سنبھل، نظام خاں نے بیانہ، حسن میواتی نے الور، تاتار خاں سارنگ خانی نے گوالیار میں اپنے اپنے قلعوں میں پناہ لی، اٹاوہ قطب خاں اور کالپی عالم خاں کے قبضہ میں تھے، قنوج اور مشرقی علاقے ان افغانوں کے تصرف میں رہے جنہوں نے سلطان ابراہیم کی اطاعت نہیں کی تھی اور بہار خاں کے لڑکے کو سلطان بنا کر سلطان محمد کا لقب دے رکھا تھا، اس کے قبضہ میں بہار تک کا علاقہ تھا، نصیر خاں لوحانی، معروف فرملی اور دوسرے بڑے امرا اس کے ساتھ ہو گئے تھے، سلطان ابراہیم کا ایک غلام مرغوب قصبہ مہاون میں جم کر اطاعت سے انکار کر رہا تھا، یہ قصبہ آگرہ سے بیس کروہ پر جمنا کے ساحل پر واقع تھا۔

افغانوں کی پسپائی: بابر نے ان علاقوں کی تسخیر کے لئے لشکر مقرر کئے، فیروز خاں، سارنگ خاں، مصطفےٰ کے بھائی بایزید اور دوسرے افغانوں نے آ کر بابر کی ملازمت اختیار کر لی اور انہوں نے جاگیریں پائیں، شیخ گھورن ہندوستان کے امرا میں تھا، فن موسیقی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا، اس نے اپنی پوری جماعت کے ساتھ دوآب میں آ کر بابر بادشاہ سے ملاقات کی۔

سنبھل کی جاگیر شاہزادہ محمد ہمایوں میرزا کو دی گئی، امرا نے قاسم سنبھلی کو گرفتار کر کے بابر بادشاہ کے پاس بھیجا، دوسری فوج بیانہ بھیجی گئی، جہاں نظام خاں کا محاصرہ کیا گیا،

اسی سال رانا سانگا نے رنتھبور کے نواح کا قلعہ کہندھار کو حسن ولد مکھن سے لے کر اپنے تصرف میں کرلیا، لوحانی افغان بھی پچاس ہزار فوج کے ساتھ قنوج سے آگے بڑھ گئے تھے، محمد ہمایوں میرزا کو امرا کی ایک جماعت کے ساتھ دھول پور کی فتح کے لئے روانہ کیا گیا تھا لیکن اس کو لوحانی افغانوں کے خلاف بھیجا گیا، سید محمدی خواجہ اور محمد سلطان میرزا بھی جو اٹاوہ کی تسخیر کے لئے بھیجے گئے تھے، شاہزادہ کے ساتھ کردیے گئے اور شاہزادہ نے مشرقی علاقہ کو جون پور تک افغانوں سے خالی کرالیا۔

اسی اثنا میں رانا سانگا اور حسن خاں میواتی نے سلطان سکندر لودی کے ایک لڑکے کو بادشاہ بنایا اور ایک بڑی فوج لے کر بابر بادشاہ کے علاقوں کی طرف متوجہ ہوئے اور بساور کی راہ سے فتح پور عرف سیکری کے نواح میں پہنچے۔

بیانہ کے حاکم نظام خاں نے بابر بادشاہ کے پاس ایک عرضی بھیجی اور متوسل ہوا، رفیع الدین صفوی بلخ کے ممتاز سید اور بہت بڑے محدث تھے، وہ سلطان سکندر لودی کے زمانے میں ہندوستان آئے تھے اور حضرت مقدمہ کا خطاب پایا تھا، وہ بھی بابر بادشاہ کے پاس آکر اس سے منسلک ہوگئے، رانا سانگا نے قلعہ کہندھار پر قبضہ کرلیا، تو تاتار خاں سارنگ خانی نے بھی بابر بادشاہ کو عرضی بھیجی کہ وہ قلعہ گوالیار اس کے سپرد کرتا ہے لیکن خواجہ رحیم داد، شیخ کھورن اور دوسرے لوگ پہنچے تو وہ شرمندہ ہوا، شیخ محمد غوث جو یگانہ زمانہ تھے اور دعوت اسماء کے علم میں مشہور تھے، قلعہ کے اندر مناسب تدبیر سے داخل ہوئے اور قلعہ کو تاتار خاں سے لے کر اس کو بابر بادشاہ کے پاس بھیجوایا، اسی طرح زیتون، افغان اور دھول پور کے قلعہ کو شاہی امرا کے حوالے کر کے بابر بادشاہ سے ملنے آیا۔

رانا سانگا سے جنگ: اسی اثنا میں رانا سانگا نے بیانہ کے حدود میں آکر لوٹ مار شروع کردی اور وہاں کچھ روز کے بعد فتح پور پہنچا، بابر بادشاہ کے پاس دارالسلطنت میں جو تھوڑی فوج رہ گئی تھی، اسی کو لے کر لڑائی لڑنے آگرہ سے چلا، اس نے شاہزادہ محمد ہمایوں میرزا کو فرمان بھیجا کہ جون پور کو امرا کے سپرد کر کے لڑائی میں شرکت کرنے کے لئے جلد پہنچ جاؤ، شاہزادہ اس وقت تک نصیر خاں لوحانی سے حرند اور بہار لے چکا تھا، اس نے جون پور کی حکومت خواجہ امیر شاہ حسن

اور امیر جنید برلاس کے حوالہ کی اور چل کر کالپی پہنچا تو جنگ اور صلح کر کے عالم خاں کو بابر بادشاہ کے ملازموں سے منسلک کرلیا، پھر تیزی سے بادشاہ کے پاس پہنچا، جہاں اس کے ساتھ بڑی شاہانہ نوازشیں کی گئیں، اسی روز کابل سے قدوۃ الاعاظم والا کابر خواجہ خاوند نقشبندی بھی پہنچے۔

امرا مشورے کے لئے جمع ہوئے، ان میں اکثریت کی یہ رائے ہوئی کہ چوں کہ رانا سانگا کی فوج کی تعداد چیونٹیوں اور ٹڈیوں سے زیادہ سنی جاتی ہے، اس لئے مصلحت یہی ہے کہ آگرہ کے قلعہ کو مستحکم کر کے اس کو ایک فوج کے حوالے کر دیا جائے اور بادشاہ پنجاب کی طرف چلا جائے اور پھر غیب سے کیا ہوتا ہے اس کا انتظار کرے، بادشاہ نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا اور جہاد کی نیت کر کے لڑائی کے لئے کمر باندھی اور شہادت کی خاطر فتح پور کے میدان کی طرف بڑھا اور اس مضمون کو سامنے رکھ کر ہمت باندھی[1]:

چوں جاں آخر از تن ضرورت رود ہماں بہ کہ باری بہ عزت رود

سرانجام گیتی ہمیں است و بس کہ نامی پس ازمرگ ماند بکس

امرا نے بھی کلام مجید پر ہاتھ رکھ کر لڑائی لڑنے کے عہد کی تجدید کی اور اعلائے کلمہ اور شریعت کی ترویج کرنے کی قسم کھائی اور اس رزم کو بزم سمجھ کر، ایسی داد مردانگی دی کہ زمانہ کی آنکھوں نے نہ دیکھی ہوگی اور بہت بڑی لڑائی کے بعد اسلام کا جھنڈا بلند ہوا، اس لڑائی میں حسن خاں کی پیشانی پر جو کافر کلمہ گو تھا، ایک تیر لگا، سپاہیوں نے اس کو ایک کنوئیں میں ڈال دیا اور اس طرح وہ دوزخ کے کنوئیں میں چلا گیا، ۹۶۰ھ میں سلیم شاہ افغان سور کی وفات کے بعد ایک میواتی جوگی میوات میں نمودار ہوا، وہ اپنے کو حسن خاں کہتا تھا اور میواتیوں کو کچھ پوشیدہ نشانیاں ایسی بتائیں کہ بہت سے لوگ اس کے ساتھ ہو گئے، میں نے بھی اس کو آگرہ میں ۹۶۵ھ میں دیکھا تھا، اس میں سرداری اور نجابت کی کوئی نشانی نہیں تھی، مگر خان خاناں بیرم خاں مرحوم کہا کرتا تھا کہ اس میں شاہانہ نشانی تھی، اسی لئے لوگ اس کے اردگرد جمع ہو گئے، وہ اشعار بھی موزوں کرتا تھا، جو لوگوں میں مشہور تھے لیکن اس کی صورت مسخ ہوگئی تھی اور وہ ہرگز حسن خاں

---

[1] اس موقع پر بابر بادشاہ نے یہ تقریر کی تھی وہ خاکسار کی کتاب "ہندوستان کے عہد وسطیٰ کے فوجی نظام" ص ۹۲-۲۹۱ میں پڑھی جا سکتی ہے۔

میواتی نہ تھا، کچھ روز میوات کے خان زادوں نے حمیت اور غیرت میں آ کر اس کو قتل کر دیا۔

وفات بابر بادشاہ: اس فتح کے کچھ دنوں کے بعد بادشاہ غازی ایک مرض میں مبتلا ہوا اور ۹۳۷ھ میں اس عالم فانی سے ملک جاودانی کو سدھارا۔

تاریخ وفات ''شاہ بابر درنہصد وسی وہفت بود'' شش شوال سے بھی اس کی وفات کی تاریخ نکلتی ہے، اس کی ولادت کی تاریخ اس شعر سے ظاہر ہے:

چوں در شش محرم آمد شہ مکرم   تاریخ سال او ہم آمد شش محرم

ماوراءالنہر، بدخشاں، کابل، کاشغر اور ہندوستان میں اس کی حکومت کی مدت اڑتیس سال رہی، بارہ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا، خواجہ کلاں بیگ نے اس کے مرثیہ میں یہ کہا ہے:

بے تو زمانہ و فلک بیمدار حیف   باشدزمانہ و تو نباشی ہزار حیف

دربار کے فضلا: اس زمانہ کے فضلا میں شیخ زین خانی تھے، جنہوں نے بابر بادشاہ کی لکھی ہوئی کتاب واقعات بابری کا بہت ہی بلیغ ترجمہ کیا تھا، یہ اشعار ان ہی کے ہیں:

آرمیدی بر رقیباں درمیدی از ما   ماچہ کردیم و چہ دیدی چہ شنیدی از ما

بہر دل بردن ما حاجت بے دادنبود   می سپردیم اگر می طلبیدی از ما

بس کہ گشتم تنگ دل درآرزوے آں دہن   تنگ شد بر جان من راہ بروں رفتن زتن

ہست شعر من زعقل ونقل خواہم بشنود   جامع المعقول والمنقول مولانا حسن

دوسرے مولانا بقائی تھے، انہوں نے بحرمخزن میں ایک مثنوی لکھی، ان کا کوئی شعر اس وقت یاد نہیں۔

ایک اور مولانا شہاب الدین معمائی تھے، ان کی معمادانی کی وجہ سے [illegible] کے دوسرے علوم کے فضائل پر پردہ پڑ گیا ہے، جس زمانہ میں شاہ اسمٰعیل صفوی حسینی کی طرف [illegible] میش خاں خراسان کا حاکم تھا قدوۃ المحدثین میر جمال الدین محدث نے ایک روز اپنے وعظ میں اس آیت کریمہ اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ [illegible] بے شک تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا) اور اس حدیث صحیح میں ہے کہ اس نے

اس دنیا کو سات یوم میں پیدا کیا، جو ظاہری منافات ہیں، ان کی توجیہ دو طرح سے کی، مولانا شہاب الدین نے ان کی تردید کی اور اچھے وجوہ بتا کر دونوں میں تطبیق کی، اس پر ایک رسالہ بھی لکھا، جس پر اس زمانہ کے فضلا نے دستخط بھی کیے، اس سلسلہ میں ان اوراق کے جامع نے کچھ نثر و نظم لکھی جس میں ایک رباعی یہ ہے:

این نسخہ کہ آمدہ است چوں سحر حلال — نظم ونثرش پاک تر از آب زلال
نوریست ز انوار شہاب ثاقب — کز منقبتش زبان فکرت شدہ لال

حسب ذیل معما کاشف کے نام سے ان ہی کا ہے:

از بہر فریب دل ما خستہ دلاں — ہر لحظہ ز ناز آں صنم غنچہ دہاں
بر صفحۂ گل کرد رقم آں سر زلف — وانگہ رخ مہ کرد زیک گوشہ عیاں

ان کی وفات اس وقت ہوئی جب جنت آشیانی محمد ہمایوں بادشاہ گجرات کے سفر سے ۹۴۲ھ میں مراجعت کر رہے تھے، امیر مورخ میر اخوند نے ''شہاب ثاقب'' تاریخ وفات کہی۔

بابر کے فضائل: اس بادشاہ مغفرت پناہ کے جملہ اختراعات میں خط بابری کی ایجاد تھی، اس نے اس خط میں ایک مصحف لکھ کر مکہ معظمہ بھیجا، ترکی اور فارسی اشعار کا اس کا دیوان مشہور ہے، اس نے حنفی فقہ پر ایک کتاب مبین لکھی، جس کی شرح شیخ زین نے مبین کے نام سے لکھی، اس کا ایک رسالہ عروض پر بھی ہے۔

آسماں را کہ بجز جور نباشد ہنری — کارش اینست کہ ہر لحظہ کند خون جگری
لالہ را ندہد تاج شرف تا نہ کند — پائے مال اجل از جور سر تا جوری

تاریخ فرشتہ

''اس کا مصنف محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ ہے، اس کا خاندان استر آباد سے ہندوستان آیا اور دکن میں احمد نگر کے حکم راں مرتضٰی نظام شاہ سے وابستہ ہوا، اس کا باپ غلام علی ہندو شاہ مرتضٰی نظام شاہ کے لڑکے میران حسین کا معلم مقرر ہوا، باپ کی وفات کے بعد فرشتہ بھی اس دربار کا ملازم ہوگیا، میران حسین تخت نشین ہونے کے بعد مارا گیا تو فرشتہ بیجاپور کے حکم راں عادل شاہ کے یہاں چلا آیا اور یہیں آخر وقت تک رہا، وہ بیجاپور کے دربار سے اکبر کے جانشین جہاں گیر کے دربار میں ایلچی بن کر بھی گیا، فرشتہ نے ہندوستان کی جتنی مبسوط تاریخ لکھی، کسی اور مورخ نے نہیں لکھی، اس نے یہ تاریخ ۱۶۰۶ء میں لکھنی شروع کی اور ۱۶۱۱ء میں مکمل کیا، اس کی تاریخ ولادت ۱۵۷۰ء اور ۱۵۵۰ء بتائی جاتی ہے اور اس نے تہتر برس سے کچھ زیادہ ہی عمر پائی، اس کی تاریخ سے بابر کے حالات کے اقتباسات اس لحاظ سے قابل غور ہیں کہ وہ مغلوں کے دربار کا مورخ نہیں تھا، ہندوستان سے باہر بابر کی جو سرگرمیاں ہیں وہ حذف کردی گئی ہیں۔''

سلطان سکندر لودی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابراہیم لودی اس کا جانشین ہوا، افغان امرا بڑے قوی تھے جو نفاق برتتے تھے، جیسا کہ چاہیے ابراہیم لودی کی اطاعت نہ کرتے، اس سے سلطنت کے نظام میں ابتری تھی، فردوس مکانی[1] نے ان حالات کی خبر پاتے ہی ہندوستان کی تسخیر کا ارادہ کیا، چار بار لشکر کشی کی، پانچویں بار گوہر مقصود کو اپنے ہاتھ میں لائے اور دارالملک دہلی کے بادشاہ ہوگئے۔

بابر کا پہلا حملہ: ۹۲۵ھ/۱۵۱۹ء میں دریائے سندھ کے کنارے تک جو آج کل نیلاب کے نام سے مشہور ہے، فاتحانہ سیر کی، جن باشندوں نے اطاعت سے انکار کیا ان کو قتل یا قید کیا، بادشاہ دریائے نیلاب سے گزر کر بھیرہ آیا، جو پنجاب کا ایک مشہور پرگنہ ہے، یہ علاقے زیادہ تر

---

[1] آئندہ فردوس مکانی کے بجائے بادشاہ لکھا جائے گا۔ ''مرتب''۔

امیر تیمور صاحب قراں کے تصرف میں تھے، اس لئے وہاں کی رعیت مطیع ہو کر تاخت و تاراج سے محفوظ ہو گئی اور اس کے شکرانے میں چار لاکھ شاہ رخی خزانے میں جمع کئے، بادشاہ نے سلطان ابراہیم کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ یہ علاقے صاحب قراں گورگانی کی اولاد یا ان کے دولت خواہوں کے قبضے میں رہے ہیں، اس لئے وہ بھیرہ اور اس کے توابع کو اس کے حوالے کردے تاکہ وہ اور جگہ تعرض نہ کرے۔

ہندال کی پیدائش: اسی زمانہ میں بادشاہ کے یہاں ایک لڑکے کے پیدا ہونے کی خبر پہنچی، ہند کی تسخیر درپیش تھی، اس لئے اس کا نام ہندال رکھا گیا۔

کھکروں پر حملہ: بادشاہ نے چناب کا علاقہ تو حسین بیگ اتکہ کے حوالے کیا اور خود کھکروں کی طرف متوجہ ہوا، ہاتی کھکر نے پرہالہ میں محصور ہو کر لڑائی شروع کی، بالآخر ایک دن قلعہ سے باہر نکل کر ایسے مقام پر صف آرا ہوا جہاں پر ایک سوار بھی کھڑا نہ ہو سکتا تھا لیکن اس نے ایک سردار دوست بیگ سے شکست کھائی، اس کو قلعہ کے اندر جانے کا موقع نہ ملا، اس لئے وہ کوہستان کی طرف بھاگ گیا، قلعہ کا خزانہ اور دفینہ بادشاہ کے قبضہ میں آ گیا، اس نے سندھ اور بھیرہ کے درمیانی علاقہ کو محمد علی خنگ جنگ کے سپرد کیا اور کابل کی طرف مراجعت کی۔

دوسرا حملہ: ۹۲۵ھ کے آخر میں لاہور کی تسخیر کا ارادہ کیا، کابل سے روانگی ہوئی، راستے میں یوسف زئی قبیلے کی تنبیہ ضروری سمجھی گئی، اس لئے ان کو تاخت و تاراج کر کے ان کی زراعت کو برباد کیا، پشاور پہنچ کر ایک قلعہ تعمیر کرنا چاہا تاکہ دریائے سندھ کو عبور کر سکے، یکایک خبر پہنچی کی سلطان سعید کاشغر سے چل کر بدخشاں کی تسخیر کرنا چاہتا ہے، اسی لئے لاہور کی فتح کا ارادہ فسخ کر دیا اور میرزا محمد سلطان بن سلطان اویس ملیقرای بن منصور بن عمر شیخ بن امیر تیمور صاحب قراں کو چار ہزار سواروں کے ساتھ لاہور بھیجا اور خود کابل کی طرف رخ کیا، اثنائے راہ میں معلوم ہوا کہ سلطان سعید اپنے وطن واپس گیا، بادشاہ نے اطمینان کے ساتھ خضر خیل افغانیوں پر حملہ کیا جنہوں نے راہ زنی کو اپنا پیشہ بنا لیا تھا، اس سلسلہ میں بہت مال غنیمت حاصل ہوا۔

تیسرا حملہ: ۹۲۶ھ/۱۵۱۹ء میں پھر ہندوستان کا رخ کیا، اس سفر میں بادشاہ ہر منزل پر سرکش افغانوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر سزا دیتا تھا، یہاں تک کہ وہ سیال کوٹ پہنچا، وہاں کے لوگوں نے

عاجزانہ امان چاہی اور اس طرح جان و مال سے محفوظ ہوئے اور جب لشکر کے اژدہا پیکر جھنڈے کا سایہ سید پور کے پرگنہ میں پڑا تو وہاں کے لوگوں نے اپنی قسمت کی ناسازگاری کی بنا پر مخالفت کی اور چغتائیوں کی تیغ کی خون آشامی سے وہاں کی آبادی کا کوئی نشان باقی نہیں رہ گیا، تیس ہزار غلام اور کنیزیں لشکر میں داخل ہوئیں اور بے شمار مال غنیمت حاصل ہوا، سید پور کا مقدم افغانوں کے ساتھ ہو گیا تھا، گرفتار ہو کر تہ تیغ ہوا، اس کے بعد بادشاہ کابل چلا آیا......۔

اس اثنا میں دولت خاں لودی ابراہیم لودی سے زیادہ منحرف ہو گیا اور اپنے معتمدوں کو بادشاہ کے پاس کابل بھیجا اور ہندوستان آنے کی دعوت دی اور اپنے کو مخلص دولت خواہوں میں ظاہر کیا۔

چوتھا حملہ: ۹۳۰ھ/۱۵۲۳ء میں چوتھی بار ہندوستان کی طرف کوچ کیا اور کھکروں کے درمیان سے ہوتے ہوئے لاہور سے چھ کروہ پر اترا، نیاز خاں، مبارک خان لودی اور بھکن لوحانی پنجاب کے امرا تھے، انہوں نے بادشاہ کے لشکر کا مقابلہ کر کے قیامت بپا کی لیکن ایک سخت لڑائی کے بعد شکست کھائی، اس فتح وظفر کے بعد بادشاہ لاہور میں داخل ہوا اور چنگیز خانی رسم و رواج کے مطابق نیک شگون کی خاطر شہر میں آگ لگائی گئی۔

دولت خاں اور بابر بادشاہ: بادشاہ نے تین چار روز کے بعد دیبال پور کے قلعہ کی راہ لی اور اس کو فتح کیا، قلعہ کے باشندے تہ تیغ کیے گئے، دولت خاں لودی بادشاہ ابراہیم سے باغی ہو کر بلوچیوں کے درمیان میں تھا، اپنے بیٹوں علی خاں، غازی خاں اور دلاور خاں کے ساتھ دیبال پور آیا اور بادشاہ کی ملازمت کی اور جالندھر، سلطان پور اور دوسرے پرگنے پا کر بڑے امرا میں داخل ہو گیا۔

میں نے دکن کے بوڑھے اور معتبر آدمیوں سے سنا ہے کہ یہ دولت خاں اسی دولت خاں لودی کی نسل سے تھا جس نے ۸۱۶ھ/۱۴۰۳ء میں کچھ دنوں تک دہلی کی بادشاہت کی ہے، دولت خاں نے بادشاہ سے کہا کہ اسمٰعیل جلوانی، ببن جلوانی اور دوسرے جلوانی افغان تھارہ میں جمع ہیں، بہتر یہ ہے کہ کچھ فوج لے جا کر ان کو منتشر کیا جائے، بادشاہ نے یہ رائے پسند کی اور وہ فوج بھیجنے کے ارادے میں تھا کہ دولت خاں کے چھوٹے لڑکے دلاور خاں نے مخلصانہ طور پر

عرض کیا کہ میرے باپ اور بھائی غازی خاں اپنے مکروفریب سے آپ کے لشکر کو آپ سے دور کر کے دغا دینا چاہتے ہیں، بادشاہ نے تحقیق کی اور دولت خاں اور غازی خاں کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور ستلج پار کر کے نوشہرہ میں نزول اجلال کیا، چند روز کے بعد دونوں کے قصور معاف کر دیئے گئے اور قصبہ سلطان پوران کے اقطاع میں دیا گیا، جس کو دولت خاں نے آباد کیا تھا اور یہی اس کا وطن تھا، دونوں باپ بیٹے سلطان پور پہنچے اور اپنے اہل وعیال کو لے کر لاہور کے پہاڑ کے دامن میں چلے آئے۔

بادشاہ نے دلاور خاں کو خان خاناں کا خطاب دے کر باپ بیٹے یعنی دولت خاں اور غازی خاں کی جاگیر اس کو دے دی، دولت خاں کے فتنہ کی وجہ سے اس سال بادشاہ نے سرہند سے لاہور کی طرف مراجعت کی، عبدالعزیز میر اخور کو لاہور کا داروغہ مقرر کیا، سیال کوٹ خسرو کوکلتاش اور دیبال پور، بابا قشقہ مغل اور سلطان علاء الدین لودی کے سپرد کیا، جو اس زمانہ میں خدمت میں باریاب ہوا تھا، کلانور کو محمد علی خنگ جنگ کو دیا پھر بادشاہ کابل چلا آیا۔

دولت خاں سے جنگ: اس عدم موجودگی میں دولت خاں اور غازی خاں نے حیلہ ومکر سے خان خاناں دلاور خاں کو قید کر لیا اور ایک بڑا لشکر لے کر دیبال پور پر حملہ آور ہوئے، فیروز پور میں سلطان علاء الدین اور بابا قشقہ مغل سے جنگ کی اور ان کو شکست دے کر دیبال پور پر قابض ہو گئے، سلطان علاء الدین لودی کابل اور بابا قشقہ مغل لاہور چلا گیا، دولت خاں نے پانچ ہزار شروانی افغان سوار سیال کوٹ میں متعین کئے، عبدالعزیز میر اخور اور لاہور کے امرا کو اس کی اطلاع ہوئی تو خسرو کلتاش کی مدد کے لئے روانہ ہوئے، انہوں نے افغانی لشکر کو شکست دی اور کامیاب اور فاتح ہو کر لاہور واپس ہوئے۔

اسی اثنا میں سلطان ابراہیم لودی کی فوج جو دولت خاں اور غازی خاں کے خلاف نامزد کی گئی تھی، ان کے سر پر سرہند کے پاس پہنچ گئی، دولت خاں کے لئے اب مغل امرا کی مزاحمت کا موقع نہ تھا، اس لئے سلطان ابراہیم لودی کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا اور بچواڑہ میں فروکش ہوا اور سلطان کے لشکر کے سردار کو کسی طرح اپنی طرف کر لیا، دوسرے فوجی امرا کو اس کی خبر ملی تو آدھی رات ہی کو کوچ کر کے سلطان ابراہیم کے پاس چلے گئے اور اس کو سارا حال بتایا۔

اس کے بعد سلطان علاء الدین لودی جو کابل چلا گیا تھا، لاہور آیا اور مغل امرا کے نام سے ایک فرمان لایا کہ وہ اس کی مدد کر کے دہلی کی طرف روانہ ہو جائیں اور اس کو فتح کر کے اس کے حوالے کر دیں، دولت خاں اور غازی خاں کو اس فرمان کے مضمون کی خبر ملی تو انہوں نے بادشاہ کے پاس ایک قاصد اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ سلطان علاء الدین لودی ہمارا شہزادہ ہے اور ہمارا مقصد بھی یہی ہے کہ وہ افغانوں کا بادشاہ ہو، اس کو ہمارے پاس بھیج دیا جائے کہ ہم اس کو دہلی کے تخت پر بٹھائیں، اس کے بعد اس ملک سے سرہند تک کے علاقے بادشاہ کے پاس ہوں گے، اس سلسلہ میں دولت خاں اور غازی خاں نے قسمیں کھائی تھیں اور اس وعدے اور عہد نامے پر شہر کے قاضی اور اکابر کی گواہی ثبت کرا کے قاصد کے ہم راہ بھیجے تھے، اس لئے لاہور کے امرا نے اس سے اتفاق کیا اور سلطان علاء الدین لودی کو غازی خاں کے پاس روانہ کر دیا، غازی خاں نے اس کو بڑی فتح سمجھا، اس نے علاء الدین کو اپنے دوسرے بھائیوں اور دوسرے افغان امرا کے ساتھ دہلی روانہ کیا اور خود مصلحت وقت کا لحاظ کر کے پنجاب میں مقیم رہا، سلطان علاء الدین بادشاہ ابراہیم لودی سے جنگ کر کے ہارا اور پریشان حال پنجاب واپس آیا، غازی خاں نے بدعہدی کی اور اپنا لشکر لے کر کلانور پر حملہ آور ہوا، محمد علی خنگ جنگ اس حملے کی تاب نہ لا سکا، کلانور سے لاہور چلا آیا، غازی خاں نے کلانور پر قبضہ کر کے بیر سرور میں قیام کیا لیکن جب اس نے بادشاہ کے آنے کی خبر سنی تو پریشان ہو کر ملوٹ چلا گیا، وہاں اپنے بھائیوں اور لوگوں کو چھوڑ کر پہاڑ کے دامن میں چلا آیا، وہاں سے دہلی آیا اور بادشاہ ابراہیم لودی سے ملا، اسی جگہ رہ کر بابر اور بادشاہ ابرہیم لودی کی جنگ میں قتل ہوا، یہ زمانہ موسم بہار کا تھا، اس لئے بابر کابل میں بزم نشاط منعقد کرتا رہا، اس جگہ ایک بہشت آباد تھی، صبح سے شام تک شراب گلفام کی مجلس رہتی، جوانان سیم اندام سے شغل رہتا:

مے و معشوق و گلزار جوانی	ازیں خوشتر چہ باشد زندگانی
نہادہ بریکے کف ساغر مل	گرفتہ در دگر کف دستۂ گل
جہاں اینست و ایں اے دور جہاں نیست	وگر ہست ایں عجب جز یک زماں نیست

پانچواں حملہ: مختصر یہ کہ بہار کا موسم ختم ہوا تو بادشاہ نے بساط نشاط اٹھائی، جب اس کو سلطان علاء الدین کی شکست، غازی خاں اور افغان لودیوں کی ناہنجاری کی خبر ملی تو ان کے دفع کے لئے

ہمت باندھی اور پانچویں مرتبہ روز جمعہ یکم صفر ۹۳۲ھ/ ۱۵۲۵ء کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے کابل سے کوچ کر کے قریۂ یعقوب میں خیمہ زن ہوا، اس وقت خواجہ حسین لاہور کے خزانہ کا دیوان جو خالصات کا محصول بادشاہ کی خدمت میں بھیج چکا تھا، خدمت میں حاضر ہوا، شہزادہ ہمایوں بھی بدخشاں سے آ کر باپ سے ملا اور اپنے ساتھ ایک بڑا لشکر لایا، خواجہ کلاں بیگ بھی بڑے ارکان دولت میں تھا، وہ غزنی سے آ کر باریاب ہوا، بادشاہ نے ایک بڑا جشن منعقد کیا اور دربار کے ملازموں پر احسانات کر کے ان کو خوش کیا، پھر لاہور کی طرف روانہ ہوا، اثنائے راہ میں بادشاہ نے کر گدن کے شکار کی طرف توجہ کی، سیستان اور بدخشاں کے بہادروں اور سمرقند اور خراسان کے جوانوں نے کرگدن کا نام تو سنا تھا لیکن دیکھا نہیں تھا، وہ بھی شوق سے میدان میں اتر گئے اور چند کرگدن کو زندہ گرفتار کر لیا اور کچھ کو مارا، بادشاہ پہلی ربیع الاول کو دریائے سندھ سے گزرا، بخشنوں نے خاصے کے لشکر، سپاہ، امرا اور منصب داروں کا شمار کیا، وہ دس ہزار تھے، دریائے بھٹ کو پار کیا، سیال کوٹ میں سلطان علاء الدین لودی حاضر ہوا، بادشاہ نے کھڑے ہو کر اس کی تعظیم کی اور اس کی وقعت اور عزت بڑھائی، اس جگہ محمد علی خنگ جنگ اور خواجہ حسین مشرف دیوان بھی آ ملے، دولت خاں اور غازی خاں اپنے کو بادشاہ ابراہیم لودی کا نوکر سمجھتے تھے، اس لئے چالیس ہزار سوار کے ساتھ راوی کے کنارے لاہور کے نزدیک آ کر جمع ہوئے لیکن جب بادشاہ (یعنی بابر) نے قریب پہنچنے کی خبر سنی تو جنگ کئے بغیر منتشر ہو گئے، دولت خاں اپنے بیٹے علی خاں کے ساتھ قلعہ ملوٹ میں چلا آیا، غازی خاں پہاڑ کے دامن میں چلا گیا۔

ملوٹ کا محاصرہ: بادشاہ نے ملوٹ کا محاصرہ کیا، دولت خاں کو امان طلب کرنے کے سوا کوئی اور چارہ نہ تھا، وہ قلعہ سے باہر نکلا اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس سے پہلے دولت خاں نے بادشاہ سے لڑنے کے لئے کمر میں دو تلواریں باندھی تھیں، وہ بڑی بڑی باتیں کرتا تھا اس لئے شاہی ملازموں نے وہی دونوں تلواریں اس کی گردن میں لٹکا دیں، جب وہ بادشاہ کے سامنے آیا تو دوزانو بیٹھنے میں پس و پیش کرتا تھا لیکن شاہی ملازموں نے اس کی گردن میں ہاتھ دے کر زبردستی بادشاہ کے سامنے دوزانو کر کے ادب کے ساتھ بٹھا دیا، بادشاہ نے اس سے خبریں پوچھیں لیکن وہ خوف سے کچھ نہ بول سکا لیکن اس کے باوجود اس کے قصور معاف کر دیے گئے اور اس کو بادشاہ نے اپنے

پاس جگہ دی اور اس کے جرائم کو قلم زد کر دیا، عوام نے قلعہ پر یورش کر کے اس کو لوٹنا شروع کر دیا، امرا کے منع کرنے سے بھی نہ مانے، بادشاہ کو افغانوں کے ناموس کا خیال آیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر ان کی طرف تیر چلایا اتفاق سے ایک تیر شہزادہ ہمایوں کے ایک معتبر ملازم کو لگا، جس سے وہ ہلاک ہو گیا، لوگ متنبہ ہوئے، افغانوں کے اہل و عیال قلعہ سے محفوظ باہر لائے گئے۔

ملوٹ کے کتب خانہ پر قبضہ: بادشاہ قلعہ کے اندر داخل ہوا تو اس کو بے شمار دولت اور تحائف ہاتھ آئے لیکن بادشاہ ان سے اتنا خوش نہ ہوا جتنی کہ غازی خاں کے کتب خانہ کے حاصل ہونے سے اس کو خوشی ہوئی، غازی خاں کو علم سے بڑا شوق تھا، شاعری کا اچھا ذوق رکھتا تھا، اس نے ہر قسم کی عمدہ خوش خط کتابیں اپنے کتب خانہ میں جمع کی تھیں، ان میں سے کچھ تو بادشاہ نے اپنے پاس رکھیں اور کچھ شہزادہ ہمایوں کو دیں اور بقیہ کو شہزادہ کامران میرزا کے پاس کابل بھیج دیا۔

دہلی کی طرف کوچ: اس کے بعد دوسرے دن بادشاہ نے وہاں سے کوچ کر کے غازی خاں کا تعاقب کیا، غازی خاں کا بھائی دلاور خاں خان خاناں نے موقع پا کر اپنے کو قید سے رہا کرا لیا اور بادشاہ کے پاس آیا، گونا گوں عنایتوں سے خوش ہوا، قورجی آگے بھیج دیئے گئے تھے، وہ غازی خاں کے لشکر پر آگے پیچھے چھاپے مارتے، اسے آرام نہ لینے دیتے، بالآخر وہ بادشاہ ابراہیم لودی کے پاس چلا گیا، اسی زمانہ میں دولت خاں کی وفات ہو گئی، بادشاہ بابر نے افغانوں کی زبوں حالی اور نفاق دیکھا تو تمام ہندوستان کی تسخیر کا ارادہ کیا اور دہلی کی طرف چلا، مولانا محمد مذہب اور سلطان ابراہیم کے خان خاناں کی طرف سے شاہ عماد الملک شیرازی ایک پیغام لے کر اس کے پاس پہنچے، جس میں ہندوستان آنے کی ترغیب اور تحریص تھی۔

جب وہ گھکر دریا کے کنارے پہنچا تو اس نے سنا کہ حمید خاں حصار فیروز کے حاکم کی طرف سے ایک لشکر لے کر راستہ میں رکاوٹ پیدا کرنا چاہتا ہے، اس لئے شہزادہ ہمایوں کو حکم دیا گیا کہ برانغار کے تمام لوگوں مثلاً خواجہ کلاں، سلطان محمد دولدی، جان بیگ، خسرو بیگ، ہندو بیگ، عبدالعزیز اور محمد علی خنگ جنگ کو لے کر حمید خاں کا مقابلہ کرے، شہزادہ حمید خاں کو بھگا کر باپ کی خدمت میں فاتح واپس آیا، یہ شہزادہ کی پہلی لڑائی تھی، اس لئے اس نے بطور انعام فیروزہ کا حصار اور جالندھر کا اقطاع پایا، اس کے دو ہی تین دن کے بعد ببن افغانی جلوانی جو سلطان ابراہیم کے امرا میں

تھا، دو تین ہزار سواروں کے ساتھ بابری لشکر سے آملا اور اخلاص کا اظہار کیا اور جب شاہ آباد دو منزل رہ گیا تو خبر پہنچی کہ سلطان ابراہیم بڑے لشکر کے ساتھ جنگ کرنے کو دہلی سے باہر آ گیا ہے، داؤد خاں اور حاتم خاں ۷۔۶ ہزار سوار کے ساتھ تین چار کروہ آگے بڑھ چکے ہیں، بابر بادشاہ نے حسین تیمور سلطان، مہدی خواجہ، محمد سلطان میرزا، عادل سلطان میرزا، جرانغار (بایاں بازو) کے امیروں مثلاً سلطان جنید برلاس شاہ حسین برلاس کے ساتھ دشمن کے مقدمہ کے مقابلہ کے لئے متعین کیا، یہ لوگ طلوع آفتاب کے وقت غنیم کے پاس پہنچ گئے، ایک سخت لڑائی کے بعد ان کو بھگا دیا:

چو شہ را بخت باشد یاور و رہبر سپاہش جاوداں گردد مظفر

حاتم خاں قتل ہوا، بہت سے لوگ گرفتار ہوئے، سات ہاتھی ہاتھ آئے، یہ لشکر بھی بادشاہ کے پاس فاتح ہو کر لوٹا، بادشاہ نے عبرت کے لئے طرح طرح کی سزاؤں سے قیدیوں کو مار ڈالا، امرا نے جس جگہ کو فتح کیا تھا وہاں چھ روز قیام کر کے استاد علی قلی کو حکم دیا کہ رومی طریقے کے مطابق ارابوں (توپ خانہ کی گاڑیوں) کو گائے کے کچے چمڑے کی رسی سے باندھ کر توپچیوں کے لئے ایک حصار تیار کرے۔

پانی پت کی جنگ: اس وقت سلطان ابراہیم کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ سے کم نہ تھی، ایک ہزار جنگی ہاتھی تھے، بابر بادشاہ کا لشکر بارہ ہزار سے زیادہ نہ تھا، ان میں سے پانچ ہزار سوار بادشاہ ابراہیم کے لشکر پر شب خون مارنے کے لئے آگے گئے ہوئے تھے، غنیم کو اس کی خبر ہو چکی تھی، اس لئے وہ کچھ کئے بغیر واپس آئے، سلطان ابراہیم نے دلیر ہو کر اپنی فوج کو آراستہ کیا اور عجلت میں پانی پت کی طرف روانہ ہوا، بابر بادشاہ کو یہ خبر ملی تو اس نے اپنے برانغار (دایاں بازو) و جرانغار (بایاں بازو) کو ترتیب دیا اور کوچ کر کے پانی پت سے چھ کروہ پر مقیم ہوا، اس نے برانغار کو شہزادہ ہمایوں، خواجہ کلاں بیگ، سلطان محمد دولدی، ہندو بیگ، ولی بیگ خاں اور دبیر قلی سیتانی کے سپرد کیا، جرانغار پر محمد سلطان میرزا، مہدی خواجہ، غازی سلطان اور جنید برلاس کو مقرر کیا، (قول) مرکز کے دست راست پر حسین تیمور سلطان اور میرزا مہدی کوکلتاش، شاہ منصور اور دوسرے امرا کو متعین کیا، قول کے دست چپ پر میر خلیفہ تردی بیگ اور محب علی خلیفہ اور دوسرے سردار مقرر ہوئے، خسرو کو کلتاش، محمد علی خنگ جنگ وغیرہ مرزا سلطان بن خان میرزا کی سرداری میں ہراول (اگلی صف) پر

تعینات ہوئے، عبدالعزیز میراخور اور دوسروں کے ساتھ طرح (فوج محفوظہ) اور ولی قراول اوج برانغار (دائیں بازو کی فوج کے کنارہ کا دستہ) اور قراقوزی بہادر اوج جرانغار (بائیں بازو کی فوج کے کنارہ کا دستہ) میں کئے گئے، ملک قاسم برانغار کے تولقمہ (فوج کا ایک ایسا دستہ جو پلٹ کر غنیم کے عقب پر حملہ کرتا تھا،) علی بہادر جرانغار کے تولقمہ میں مقرر ہوئے۔

ادھر سلطان ابراہیم کی فوج معرکہ کارزار میں پہنچ گئی، ہندوستانی رسم کے مطابق لودیوں نے بڑی پھرتی سے حملہ کیا لیکن جب وہ نزدیک آئے تو ان کی سرعت کم ہوگئی، بابر کے تولقمہ کے سپاہی دائیں اور بائیں دونوں طرف سے ہٹ کر حریف کے پشت پر آگئے، میمنہ (دائیں) اور میسرہ (بائیں) کی فوج نے بھی حملہ کر ڈالا، قول کا لشکر جرانغار اور برانغار کی مدد کو پہنچ گیا، دس گھڑی سے نصف النہار تک لڑائی برابر ہوتی رہی:

برآمد خیروشیدن گیرودار در آمد بز نہار ازاں روزگار
از خون یلاں خاک آغشتہ شد توگفتی زمیں ارغواں گشتہ شد

بالآخر قادر مطلق کے حکم سے بادشاہ ابراہیم لودی پانچ چھ ہزار آدمیوں کے ساتھ ایک جگہ قتل ہوا اور فردوس مکانی یعنی بابر بادشاہ کے پرچم پر فتح وظفر کی نسیم چلنے لگی، بادشاہ ابراہیم کا قتل یقینی نہیں سمجھا گیا، اس لئے اس کے لشکر کا تعاقب کیا گیا، افغانوں کے قتل میں کوتاہی نہیں کی گئی، بہت سے ہاتھی ہاتھ آئے، بابر بادشاہ میدان جنگ سے آگے بڑھا اور ابراہیم بادشاہ کے لشکر اور اثاثہ کا معائنہ کیا اور جمنا کے کنارے نزول اجلال فرمایا، اس جگہ سلطان ابراہیم لودی کا سر مقتولوں کے درمیان سے لاکر پیش کیا گیا، بادشاہ نے اس کو دیکھا اور یہ بات تحقیق کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ اس معرکہ میں تعاقب اور لڑائی میں سولہ ہزار افغانوں نے شربت فنا پیا لیکن ہندی روایتوں کے مطابق پچاس ہزار آدمیوں نے موت کا جام پیا، ان میں سے پانچ ہزار آدمی ایک جگہ پر سلطان ابراہیم کے ساتھ مارے گئے۔

شہزادہ محمد ہمایوں، خواجہ کلاں، شاہ منصور اور ولی خازن کے ساتھ جلد سے جلد خزانے پر قبضہ کرنے کے لئے آگرہ روانہ ہوئے اور محمد سلطان میرزا، مہدی خواجہ اور سلطان جنید برلاس مال کی حفاظت کے لئے دہلی بھیجے گئے، اس کے بعد بابر بادشاہ رجب کی بارہویں تاریخ سہ شنبہ کو

دہلی آیا اور جمعہ کے دن شیخ زین صدر نے بادشاہ کشور کشا کے نام کا خطبہ پڑھا۔

سیر دہلی: بادشاہ نے قلعہ کی سیر کی، شہر کی عمارتوں کو دیکھا، مشائخ اور سلاطین کی قبروں کی زیارت کی، پھر آگرہ روانہ ہوا، بائیس رجب جمعہ کے دن دارالسلطنت پہنچا، آگرہ کا قلعہ ابھی تک ابراہیم لودی کے آدمیوں کے قبضہ میں تھا، اس کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔

ایک قیمتی ہیرا: گوالیار کا راجہ بکر ماجیت بادشاہ ابراہیم کے ساتھ ہو گیا تھا، وہ بھی جنگ میں مارا گیا، اس کے آدمی آگرہ کے قلعہ میں تھے، انہوں نے شاہزادہ ہمایوں کو ایک ہیرا نذرانے میں پیش کیا، اس کا وزن آٹھ مثقال تھا، سلطان علاء الدین خلجی مالوہی کے خزانہ سے ان کو ملا تھا، جوہریوں نے اس کی قیمت تمام دنیا کی ایک دن کی آمدنی کے برابر لگائی تھی، شہزادہ نے یہ ہیرا بادشاہ کو پیش کیا، جس نے قبول کر کے پھر شہزادہ کو بخش دیا، آگرہ کے قلعہ والوں یعنی داؤد کرانی، فیروز خاں سور اور سلطان ابراہیم کی ماں نے امان طلب کی اور محاصرہ کے پانچویں دن قلعہ بادشاہ کے حوالے کر دیا......۔

عطا و بخشش: ۲۹ر رجب کو بادشاہ نے شاہان ہند کے خزانوں اور دفینوں کا معائنہ کیا، بادشاہ نے ساڑھے تین لاکھ روپیے نقد اور سربمہر خزانہ شہزادہ ہمایوں کو عنایت کیا اور محمد سلطان میرزا کو چہار قب، کمر بند، شمشیر مرصع اور دو لاکھ روپیے دیے، اسی طرح دوسرے میرزاؤں، امیروں، لشکریوں حاضر و غائب سب کو، طالب علموں، سوداگروں اور لشکر کے ہم راہیوں کو انعام و اکرام سے مالا مال کیا، دوستوں اور عزیزوں کو سمرقند، خراسان، کاشغر اور عراق سوغات بھیجے، مکہ، مدینہ، کربلا، نجف اشرف، مشہد اقدس، خراسان، سمرقند کے مزارات مقدسہ کے لئے بہت سا سونا بھیجا تاکہ وہاں کے مستحقین کو دیا جائے، کابل کے تمام باشندے چھوٹے بڑے، فقیر، امیر، عورت، مرد، غلام سبھی کے لئے ایک شاہ رخی بھیجی، جس کا وزن ایک مثقال چاندی تھا، غرضیکہ جو کچھ بادشاہوں نے برسوں میں جمع کیا تھا، اس نے ایک مجلس میں خرچ کر کے اپنی قلندری کا ثبوت تمام دنیا والوں تک پہنچا دیا۔

افغانوں کی مخالفت: ہندوستان کے باشندے مغلوں سے ڈر گئے تھے، اس لئے بابر بادشاہ کے ابتدائی عہد میں لوگوں نے اطاعت نہیں کی، جو جہاں تھا وہیں مضبوط ہو کر علم مخالفت بلند کرنے لگا، قاسم خاں سنبل، علی خاں قرملی میوات، محمد زیتون دیبال پوری، تاتار خاں بن مبارک خاں

گوالیار، حسن خاں لوحانی راپری، قطب خاں اٹاوہ، عالم خاں کالپی اور نظام خاں بیانہ میں باغی بن گئے، دریائے گنگا کے اس پار کے علاقے پر بڑے بڑے رتبہ والے افغان مثلاً نصیر خاں لوحانی، معروف خاں قرملی قابض ہو گئے تھے، اگرچہ وہ ابراہیم لودی کے پورے طور پر اطاعت گزار نہ تھے لیکن نصیر خاں لوحانی اور معروف خاں قرملی ضرورتاً آپس میں مل گئے اور بہادر خاں ولد دریا خاں کو سلطان محمد کا لقب دے کر اپنا حاکم بنالیا اور بہت سا لشکر لے کر قنوج سے آگرہ کی طرف بڑھے اور دو تین منزل پر ٹھہرے، اسی اثنا میں بہن افغان جلوانی بابر بادشاہ سے منحرف ہو کر ان لوگوں سے جا ملا، قصبے اور شہر کے باشندوں نے بھی مخالفت پر آمادہ ہو کر قطع تعلق کیا، یہاں تک کہ لوگوں کو کھانے کی چیزیں اور گھوڑوں کے چارے مشکل سے ملتے تھے، اس سال گرمی بھی معمول سے زیادہ پڑی اور بہت سے مغل ہلاک ہوئے، خواجہ کلاں اور دوسرے امرا نے بابر بادشاہ کو مشورہ دیا کہ سلطنت کی بہی خواہی یہ ہے کہ کابل واپس چلا جائے، بادشاہ کو غصہ آگیا اور اس نے کہا کہ ہم تو اتنی مشقت کے بعد اس ملک کو حاصل کر سکے ہیں، پھر کابل کے تنگنائے میں جا کر گرفتار ہونا بے فائدہ ہے، جب لوگوں کا ارادہ دیکھا تو بادشاہ نے تمام امرا کو ایک مجلس میں بلا کر کہا کہ ہمارا ارادہ تو ہندوستان میں ٹھہرنے کا ہے، جو ہمارے ساتھ رہنا چاہے رہے اور جن کو جانے کی خواہش ہو وہ کابل واپس چلا جائے، کوئی مضائقہ نہیں، جب امرا نے دیکھا کہ بادشاہ کسی طور پر ہندوستان کو نہ چھوڑے گا تو مجبوراً ہندوستان میں رہنے کا ارادہ کیا لیکن خواجہ نے کابل جانے کا پورا ارادہ کر لیا، ہندستان کی فتوحات میں اس کی بڑی کوشش شامل تھی لیکن اس کو ہندوستان میں بیماری اور دوسرے نقصانات ہو رہے تھے، اس لئے بابر بادشاہ نے کابل اور غزنی اس کو دے کر روانہ کر دیا، وہ جب جانے لگا تو اس نے دہلی کی ایک عمارت پر یہ شعر لکھ دیا:

اگر بخیر وسلامت گزر سد کنم   سیاہ روئے شوم اگر ہوائے ہند کنم

افغانوں کی اطاعت گزاری: ہندوستانیوں کو معلوم ہو گیا کہ بابر بادشاہ امیر تیمور صاحب قران کی طرح ہندوستان چھوڑ کر اپنے ملک واپس نہ جائے گا تو اطاعت کرنا شروع کر دیا، سب سے پہلے شیخ گھورن دو تین ہزار لشکریوں کے ساتھ دوآب سے آگرہ آیا اور ملازمت میں داخل ہو گیا، علی خاں قرملی اپنے بیٹوں کے بلانے پر، جو بابر کے یہاں قیدی تھے، میوات سے آگرہ آیا اور طوغ و

نقارہ پاکر سر بلند ہوا، وہ اپنے بدن کے مٹاپے کی وجہ سے ضرب المثل تھا، اس کے منھ میں برابر پان ہوتا، وہ اپنی تلوار اور ڈھال اپنے سے جدا نہ کرتا، اس کے بعد فیروز خاں، شیخ بایزید، اپنی اپنی جماعتوں کو لے کر آئے اور جاگیریں پائیں، محمود خاں لوحانی اور قاضی حبیب بھی آئے اور جاگیر پاکر خوش ہوئے، اب کچھ اطمینان اور امن پیدا ہونے لگا، بہت سے پرگنے اور قصبے قبضہ میں آگئے، اسی اثنا میں بَبن خاں افغان نے سنبھل کے قلعہ کا محاصرہ کیا، قاسم سنبھل نے بابر سے اطاعت کا اظہار کیا اور ایک عریضہ بھیج کر بَبن خاں افغان کے خلاف مدد کی درخواست کی، بادشاہ نے میرزا مہدی کوکلتاش کو قاسم کی مدد کے لئے روانہ کیا، تاکہ وہ جمنا کو عبور کر کے بَبن افغان سے جنگ کرے اور اس کو شکست دے کر بھگا دے، قاسم سنبھل نے رہین منت ہو کر قلعہ کو میرزا مہدی کوکلتاش کے حوالے کر دیا اور خود شاہی ملازمت میں داخل ہو گیا، بادشاہ نے قاسم کو شہزادہ محمد ہمایوں کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ پورب کے افغانوں کے خلاف نام زد ہو، جب شہزادہ ہمایوں قنوج پہنچا تو پورب کے افغانوں کے پاس چالیس ہزار سوار تھے لیکن وہ لڑائی کئے بغیر جون پور کی طرف چلے گئے، ان میں سے فتح خاں شیروانی شہزادہ سے آملا، جس نے اس کو تسلی دے کر مہدی خواجہ کے پاس دربار میں بھیج دیا، بادشاہ نے اس کے ساتھ بڑی نوازش کی، اپنی مجلس شراب میں بلایا، خلعت پہنایا اور عمدہ جاگیر دی، بادشاہ کی ان مہربانیوں سے اکثر افغان مطیع ہو کر چغتائی خاندان کے ساتھ ہو گئے۔

بیانہ کا حاکم نظام خاں رانا سانگا سے خوف زدہ تھا، اس لئے اس نے بھی بادشاہ کی اطاعت کر لی، اس کی تفصیل یہ ہے، بادشاہ نے نظام خاں سے قلعہ طلب کیا لیکن اس نے انکار کیا تو بادشاہ نے بابا قلی بیگ کو قلعہ کے محاصرہ کے لئے روانہ کیا اور اپنے ہاتھ سے یہ قطعہ لکھ کر اس کے پاس بھیجا:

با ترک ستیزہ مکن اے میر بیانہ چالاکی و مردانگی ترک عیاں ست
گر زود نیائی و نصیحت نکنی گوش آں جا کہ عیاں ست چہ حاجت بہ بیان ست

نظام خاں نے اطاعت نہ کی اور قلعہ سے باہر نکل کر بابا قلی بیگ سے لڑائی لڑا، اس کو شکست دے کر پھر قلعہ میں واپس آگیا، رانا سانگا کو اس کی خبر ملی تو غنیمت موقع سمجھ کر بیانہ کے استیصال کا ارادہ کیا، نظام خاں نے عاجز ہو کر اپنے آدمیوں کو شاہی دربار بھیجا، اظہار ندامت کیا،

معافی مانگی اور جب بادشاہ نے اس کو معاف کردیا تو وہ ملازمت میں داخل ہوگیا اور قلعہ کو سپرد کردیا، اس کے لئے دوآب کی آمدنی میں سے بیس لاکھ تنکے جاگیر کے طور پر مقرر ہوئے۔

منکٹ رائے سے جنگ: اس مدت میں گوالیار کے قدیم راجاؤں کے خاندان میں ایک منکٹ رائے نے ایک باغی خان جہاں سے موافقت کر کے گوالیار پر حملہ کردیا، گوالیار کا قلعہ تاتار خاں کے تصرف میں تھا، اس نے اس جگہ کے زمین داروں کے تسلط کے بجائے بادشاہ کی اطاعت کرلی اور اس کی اعانت مانگ کر یہ پیغام دیا کہ اگر شاہی لشکر آجائے تو قلعہ اس کے سپرد کردیا جائے، رحیم داد اور شیخ گھورن کمک لے کر روانہ کیے گئے، انہوں نے وہاں پہنچ کر قلعہ کو محاصرہ سے آزاد کرایا، تاتارخاں نے اپنے کہنے پر عمل نہیں کیا اور شاہی لشکر کو قلعہ کے اندر آنے نہیں دیا، شیخ محمد غوث درویش اپنے مریدوں کے ساتھ اس قلعہ کے اندر تھے، انہوں نے رحیم داد کو پیغام دیا کہ وہ کسی حیلہ سے قلعہ کے اندر آجائے تو پھر تاتارخاں کا علاج آسان ہو جائے گا، رحیم داد نے تاتار خاں کو کہلا بھیجا کہ شاہی فوج منکٹ رائے کے شب خون کی وجہ سے خطرہ میں ہے، اگر تاتارخاں اجازت دے تو وہ اپنے چند ہم راہیوں کے ساتھ قلعہ کے اندر چلا آئے اور بقیہ لشکر قلعہ کے باہر رہے، اگر اس نے اس کی اجازت دی تو اس کا بڑا احسان ہوگا، منکٹ رائے اور خان جہاں ان حدود میں اب تک تھے، اس لئے تاتارخاں نے رحیم داد کا کہنا مان لیا اور رحیم داد چند آدمیوں کے ساتھ قلعہ میں داخل ہوا، تاتارخاں کی تجویز کے مطابق اپنے ایک خادم کو دربانوں کے پاس چھوڑ دیا تاکہ یہ شخص رحیم داد کے خاص خاص آدمیوں کو پہچان کر قلعے کے اندر لے آئے، تاتارخاں غرور میں احتیاط کو چھوڑ کر اور غافل ہو کر اس رات ایسا سویا کہ قلعہ کے دربان جو اکثر شیخ محمد غوث کے مرید تھے، رحیم داد کے آدمی سے مل گئے اور بعض ضروری خبریں لانے کا بہانہ کر کے اسی رات کو قلعہ سے باہر گئے اور ایک بہت بڑی جماعت کو قلعہ کے اندر لے آئے، صبح کو تاتارخاں پر حقیقت کھل گئی، اس نے سکوت کے سوا اور کوئی چارہ نہ دیکھا، قلعہ کو رحیم داد کے حوالہ کر کے آگرہ آیا اور شاہی امرا میں داخل ہوگیا، بیس لاکھ تنکے انعام میں پائے۔

محمد زیتون بھی دھول پور سے آکر امرا کی جماعت میں داخل ہوا، حمید خاں، سارنگ خاں او[illegible]ے افغانوں نے حصار فیروزہ کے نواح میں فساد برپا کر رکھا تھا، حسین تیمور سلطان اور ابوالفتح

ترکمان نے وہاں پہنچ کران کو سزادی، ۹۳۳ھ میں خواجگی اسد جو کابل سے شاہ طہماسپ صفوی کے پاس ایلچی بن کر عراق گیا ہوا تھا، سلیمان نامی ترکمان کے ساتھ واپس آیا، وہ بہت سے سوغات ساتھ لایا، ان میں دو کنواری چرکس کنیزیں تھیں، بادشاہ یعنی بابر کو ان سے حد درجہ محبت ہوگئی۔

زہر خورانی: اس درمیان میں ابراہیم بادشاہ کی ماں نے، جس کی بہت عزت کی گئی تھی، احمد چاشنی گیر اور دوسرے باورچیوں سے سازش کی، یہ دراصل ابراہیم بادشاہ کے ملازم تھے، بادشاہ یعنی بابر کے کھانے میں زہر ملا دیا، کھانے میں خشکہ اور خرگوش کا قلیہ تھا، کھانا کھاتے وقت بادشاہ کا دل دھڑکنے لگا اور کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا، بار بار قے کی تو بلا سے نجات پائی:

رسیدہ بود بلائے و لے بخیر گذشت

واقعہ کی تحقیق کی گئی، چاشنی گیر اور باورچی نے اصل ماجرا بیان کیا، اس کے سچ اور جھوٹ ہونے کے امتحان کی غرض سے کھانے کا کچھ حصہ ایک کتے کو دیا گیا، فوراً ہی اس کا جسم ورم کر گیا، ایک دن اور ایک رات اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی، دو خدمت گاروں کو بھی جانچ کے لئے کھلایا گیا، بڑی مشکل سے ان کی جان بچی، چاشنی گیر کی کھال کھینچ لی گئی، باورچی اور ان کے مددگار بھی قتل کردیے گئے، بادشاہ نے ابراہیم کی ماں کا گھر تاراج کردیا اور وہ قید کردی گئی، بادشاہ نے ابراہیم کے لڑکے کو بھی میرزا کامران کے پاس کابل بھیج دیا، جس کے بعد اطمینان حاصل ہوا[1]۔

---

[1] اس واقعہ کو بابر بادشاہ خود اپنی تزک میں اس طرح سے لکھتا ہے:

''ابراہیم لودی کی بدنصیب ماں نے سنا کہ ہندوستانیوں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا میں کھانے لگا ہوں، بات یہ ہوئی تھی کہ میں نے کبھی ہندوستانی کھانے نہ کھائے تھے، اب سے تین چار مہینے پہلے میں نے حکم دیا کہ ابراہیم کے باورچیوں کو بلاؤ، اس واسطے کہ مجھے ہندوستانی کھانوں کے دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا، پچاس ساٹھ آدمی آئے، ان میں سے چار چن کر میں نے رکھے، اس کم بخت یعنی ابراہیم کی ماں نے بھی یہ حال سنا، احمد چاشنی گیر (ہندوستانی چاشنی گیر بکاول کو کہتے ہیں) جو اٹاوہ سے آیا تھا، سازش کر کے ایک ماما کے ہاتھ زہر کی پڑیا جس میں تولہ بھر (تولہ دو مثقال سے زیادہ ہوتا ہے) زہر تھا، بھیجی، احمد نے باورچی خانہ کے ہندوستانی باورچی کو چار پرگنوں کے انعام کا لالچ دیا اور کہا کہ جس طرح ہوسکے، بادشاہ کو زہر دے دے، جس ماما کے ہاتھ احمد کے پاس زہر بھیجا تھا، اس کے پیچھے پیچھے ایک اور ماما کو یہ دریافت کرنے کے لیے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۲ پر)

شہزادہ ہمایوں پورب کی طرف گیا ہوا تھا، اس نے جون پور فتح کیا اور اس کو سلطان جنید برلاس کے حوالہ کر کے واپس ہوا تو کالپی میں وہاں کا حاکم عالم خاں اس سے آ کر ملا اور اس کے ساتھ آگرہ آیا جہاں نوازا گیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۲) بھیجا کہ پہلی ماما نے زہر احمد کے حوالے کر دیا یا نہیں اور ہدایت کی کہ بہتر یہ ہے کہ پتیلی میں زہر نہ ڈالا جائے، بلکہ رکابی میں ڈالا جائے، اس لیے کہ میں نے بکاولوں کو حکم دیا تھا کہ ہندوستانیوں سے غافل نہ رہنا، جب کھانا تیار ہو جاتا ہے تو پتیلی ہی میں چاشنی چکھا دی جاتی ہے، دستر خوان بچھنے کے وقت نالائق بکاولوں کو ہوش نہیں رہتا، چینی کی رکابی میں پھلکے لائے جاتے ہیں، آدھے سے کم زہر تو اس پر چھڑکا اور آدھے سے زیادہ رکھ لیا کہ قلیہ کے پیالے میں ڈال دے یا پتیلی میں، اگر ایسا کیا جاتا تو برا ہوتا، اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور جورہ گیا تھا، گھبرا کر اس کو چولہے میں ڈال دیا، جمعہ کے دن عصر کے وقت دستر خوان بچھا، خرگوش کا گوشت پکا تھا، کچھ وہ کھایا اور کچھ انڈوں کا قلیہ کھایا، مگر کوئی چیز اچھی نہ معلوم ہوئی، قاق کے گوشت کی دو ایک بوٹیاں چکھیں، دل اکھل پکھل کرنے لگا، قاق کے گوشت کی بوٹیاں زیادہ بدمزہ معلوم ہوتی تھیں، میں سمجھا اسی سے دل اکھل پکھل کرتا ہے، ذرا ٹھہر کر پھر متلی ہونے لگی، غرض دو تین بار دستر خوان پر بیٹھے بیٹھے یہی حال ہوا، قریب تھا کہ قے ہو جائے، آخر میں اٹھ کھڑا ہوا، آبدار خانہ تک جاتے جاتے ابکائی آئی، آبدار خانہ کے پاس جا کر خوب استفراغ ہوا، میں نے کھانا کھا کر شراب پی کر بھی کبھی قے نہیں کی تھی، میرے دل میں اس طرح کی قے سے شک ہوا، میں نے حکم دیا کہ باورچی کو نظر بند رکھو، کھانا کتے کو کھلاؤ اور کتے کو بندھا رکھو، دوسرے دن پہر دن چڑھے تک کتے کا حال بگڑا رہا، اس کا پیٹ ابھر گیا، ہر چند اس کو مارتے تھے اور اٹھاتے تھے لیکن وہ ہلتا نہ تھا، دوپہر تک اس کا یہی حال رہا، پھر چت لیٹ گیا اور بچ گیا، دو ایک چیلوں نے بھی اس کھانے میں سے کھایا، دوسرے دن وہ بھی قے کرتے رہے، ایک کی حالت تو بہت بگڑ گئی تھی، مگر دونوں بچ گئے:

رسیدہ بود بلائے و لے بخیر گذشت

اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندگی عنایت فرمائی، گویا میں پھر ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا...... باورچی کی زندہ کھال کھنچوا دی، چاشنی گیر کے ٹکڑے ٹکڑے کرا دیے گئے، ایک عورت کو ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا دیا،، دوسری کو گولی مار دی، کم بخت بوا یعنی ابراہیم کی ماں کو قید کیا گیا، اس نے بھی اپنے کیے کی سزا پائی اور آئندہ پائے گی...... (ترجمہ تزک بابری اردو، ص ۳۰۲-۳۰۱) "مرتب"۔

رانا سانگا سے لڑائی[1]: رانا سانگا ہندوستان کے بڑے راجاؤں میں تھا، اسلام کے ظہور اور محمدی جھنڈے کے لہرانے سے پہلے اس کے خاندان میں دولت اور سرداری تھی، میوات کا علاقہ اسی کا

---

[1] اس لڑائی کا حال بابر نے خود اس طرح قلم بند کیا ہے:

"پیر کے دن جمادی الاولیٰ کی نویں کو جہاد کی نیت سے میں سوار ہوا، شہر سے نکل کر میدان میں خیمے ڈالے، تین چار روز تک فوج کو جمع ہونے اور انتظام کرنے کے لیے یہیں ٹھہرنا ہوا، چوں کہ ہندوستان پر مجھے پورا بھروسہ نہ تھا، اس لیے امرائے ہند کے نام چاروں طرف تاکیدی احکام جاری کیے، عالم کو لکھا کہ جلد گوالیار میں آ کر رحیم داد کی مدد کرے، مکھن قاسم سنبھلی حامد اور اس کے بھائیوں اور محمد زیتون کو فرامین بھیجے گئے، ان ہی دنوں میں خبر آئی کہ رانا سانگا ساری فوج لیے ہوئے بیانہ کے قریب آ کر لوٹ مار کر رہا ہے، جو لوگ قراولی کے لیے گئے تھے، وہ خبر نہ لا سکے، بلکہ قلعہ میں بھی نہ جا سکے، قلعہ والے اگر قلعہ سے باہر تھوڑی دور بھی نکل آتے ہیں تو دشمن ان کا سر کاٹ لیتا ہے، سن کر خان جنجوہہ وہیں شہید ہوا، ایک دن کچھ غل مچا تو کتہ بیگ قلعہ سے باہر نکل آیا، ایک ہندو کو جا گھیرا، گرفتار کرنے کے موقع پر کتہ بیگ کے آدمی ملے، ان سے اس نے تلوار چھین لی، ایک ہاتھ مارا جو کتہ بیگ کے مونڈھے پر پڑا، ایسا زخم آیا کہ کتہ بیگ رانا سانگا والے جہاد میں شریک نہ ہو سکا، بہت دنوں بعد تندرست تو ہو گیا، مگر ہاتھ کنونڈا ہو گیا، قسمی اور شاہ منصور وغیرہ جو بیانہ سے آئے تو نہ معلوم کہ خود ڈر گئے تھے یا لوگوں نے ڈرا دیا تھا، انھوں نے لشکر ہنود کی بڑی تعریف کی، میں نے اس منزل سے کوچ کر کے قاسم میراخور کو بیل دار سمیت آگے بھیجا کہ مندا پور کے علاقہ میں لشکر اترنے کے لیے بہت سے کنوئیں کھدوا رکھے، بدھ کے دن جمادی الاولیٰ کی دسویں کو نواح آگرہ سے چل کر اسی منزل میں جہاں کنوئیں کھودے گئے تھے، ہم جا اترے، دوسرے دن وہاں سے کوچ کر دیا، میرے دل میں آئی کہ ایسے نواح میں ایسا مقام جہاں پانی زیادہ ہو اور لشکر کی کفالت کرے وہ سیکری ہے، ایسا نہ ہو ہندو پانی پر قبضہ کر لیں، اس خیال سے فوج کی جرانغار اور برانغار وغیرہ کا انتظار کر کے روانہ ہوا، درویش محمد ساربان کو سیکری کے تالاب کے کنارے کی طرف آگے روانہ کیا، تاکہ وہاں اترنے کا بندوبست کرے، قسمی وغیرہ کو جو بیانہ سے آئے تھے اور سب طرف سے واقف تھے، اس کے ہم راہ کر دیا، منزل پر اترتے ہیں مہدی خواجہ وغیرہ کو جو بیانہ میں تھے، کہلا بھیجا کہ فوراً ہمارے پاس چلے آؤ، ہمایوں کے ملازم بیگ میرک مغل کو چند سپاہیوں سمیت دشمن کے لشکر کی خبر لانے کے لیے بھیجا، راتوں رات وہ گیا اور دوسرے دن وہ خبر لایا کہ دشمن کا لشکر (بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۴ پر)

تھا، دہلی اور اجمیر کے راجے جو سلطان قطب الدین ایبک کے ہاتھوں تباہ ہوئے، رانا سانگا کے قبیلے میں سے تھا، ان کے باپ دادا کا نسب ایک دوسرے سے مل جاتا ہے، اس وقت جب بابر ہندوستان کا بادشاہ ہوا، رانا سانگا کے جھنڈے کے نیچے ایک لاکھ راج پوت تھے اور سلطان ابراہیم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۱) پیشاور سے کوس بھر آگے آ کر ٹھہرا ہے، آج ہی مہدی خواجہ اور سلطان میرزا مع فوج بیانہ سے آ گئے، امرا باری باری سے قراولی کے واسطے متعین ہوئے، عبدالعزیز اپنی قراولی کے دن آنکھ بند کیے ہوئے مقام خانوا میں سیکری سے پانچ کوس آگے چلا گیا، ان کے اس طرح بے محابا چلے آنے کی خبر سنتے ہی لشکر ہنود میں سے جو آگے چلا آیا تھا، چار پانچ ہزار آدمی چڑھ آئے، عبدالعزیز اور ملا ایاق ہزارہ کے ساتھ پانچ سو آدمی ہوں گے، ہمارا قراول غنیم کا بے تخمینہ کیے لڑائی اور مقابلہ پر جھک پڑا، قریب ہوتے ہی بہت سے لوگ پکڑے گئے، یہ خبر سنتے ہی میں نے محب علی خلیفہ کو اس کے ملازموں کے ساتھ ادھر روانہ کیا، ملا حسین وغیرہ سرداروں کو پیچھے کمک کے لیے بھیجا، پھر محمد علی جنگ جنگ کو بھی چلتا کیا، میدان جنگ میں ان لوگوں کے پہنچنے سے پہلے عبدالعزیز کے پاؤں اکھڑ چکے تھے، دشمن نے اس کا نشان بھی چھین لیا تھا، ملا نعمت، ملا داؤد اور ملا ایاق کے چھوٹے بھائی وغیرہ کو شہید کر ڈالا، محب علی کے وہاں پہنچتے ہی طاہر پری طغائی اور محب علی نے دشمن پر حملہ کیا، ان کو کمک نہ پہنچی، طاہر وہاں گرفتار ہو گیا، محب علی اثنائے جنگ میں گھوڑے سے گرا، بالتو نے آ کر اسے اٹھایا، کوس بھر تک دشمنوں نے ان کا پیچھا کیا، جنگ خنک کی فوج نمودار ہوتے ہیں دشمن کی فوج ٹھہر گئی۔

مجھ کو متواتر خبریں ملیں کہ دشمن پاس آ گیا ہے، میں جبیہ پہن گھوڑے پر بجیم ڈلوا اور ساز کسوا سوار ہوا، میں نے حکم دیا کہ ارابوں کو کھینچ لاؤ، میں کوئی کوس بھر آیا تھا کہ غنیم کا لشکر الٹا پھر گیا، ہمارے پہلو میں ایک بڑا تالاب تھا، پانی کے خیال سے ہم وہیں ٹھہر گئے، آرابوں کو زنجیروں سے خوب کس دیا اور ایک کو دوسرے سے زنجیر کے ساتھ باندھ دیا، آن فاصلہ آپس میں سات آٹھ گز کا تھا، یہ فاصلہ زنجیروں سے جکڑا ہوا تھا، مصطفیٰ رومی نے رومی طریقے پر ارابے بنائے تھے، نہایت مضبوط اور عمدہ ارابے تھے، چوں کہ استاد علی قلی کو مصطفیٰ سے رشک تھا، اس لیے مصطفیٰ رومی کو ہمایوں کے پاس برانغار میں مقرر کیا، جہاں آرابے نہ جا سکتے تھے، وہاں خراسانی اور ہندوستانی بیل داروں نے خندقیں کھودیں، ادھر تو اس تیزی کے ساتھ رانا کا لشکر آیا ادھر جو لڑائی بیانہ میں ہوئی تھی اس کی تفصیل شاہ منصور اور قسمی وغیرہ نے بیان کی، ان باتوں سے ہماری فوج میں ذرا بے دلی پیدا ہونے لگی، اسی نے عبدالعزیز کو شکست کھلوائی، لوگوں کے اطمینان اور لشکر کی احتیاط کے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۳ پر)

سواروں کے ساتھ اس سے جا ملا تھا، مارواڑ کے تمام راجہ برم دیو، نرسنگی دیو، میدنی رائے، راجہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۴) لیے جہاں ارابے نہ جا سکتے تھے، وہاں یہ کیا کہ لکڑی کی تپائیاں آٹھ آٹھ سات سات گز کے فاصلے پر کھڑی کر دیں اور ان کو چمڑے کی رسیوں سے جکڑ دیا، اس سامان کو درست کرنے میں پچیس دن لگے۔

اسی زمانہ میں کابل سے سلطان حسین میرزا کا نواسہ میرزا قاسم حسین سلطان، احمد یوسف، سید یوسف اور دوسرے لوگ پانچ سو کی تعداد میں آ گئے، محمد شریف منجم منحوس بھی ان ہی کے ساتھ آیا، بابا دوست سوچی جو شراب لانے کے لیے کابل گیا تھا، وہ بھی غزنی کی شراب اونٹوں کے تین قطاروں پر لاد کر ان ہی کے ہم راہ آیا، اس موقع پر ہمارے لشکر میں بڑا تردد تھا، محمد شریف منجم کم بخت گو مجھ سے کہنے کی تو مجال نہ رکھتا تھا، مگر جس سے ملتا اصرار سے بک دیتا تھا کہ آج کل مریخ مغرب میں ہے، جو ادھر لڑے گا وہ مغلوب ہوگا، اس ناشدنی سے پوچھتا کون تھا، اس کی بیہودہ سرائی سے اور بھی لوگوں کے دل چھوٹے ہوتے تھے، میں نے ان باتوں پر ذرا خیال نہ کیا، جو کام کرنے کا تھا وہ کیا اور اسی کا کرنا مقدم جانا، جنگ اور مقابلہ پر مستعد ہو گیا، ۲۱ر تاریخ کو اتوار کے دن شیخ جمالی کو روانہ کیا کہ میان دواب اور دلی سے جتنے ترکش بند اکٹھا ہو سکیں، ان کو لے کر میوات کے علاقے کو لوٹنا اور مارنا شروع کر و اور جو ہو سکے اس میں کمی نہ کرو تا کہ غنیم کو ادھر کی طرف سے کھٹکا پیدا ہو جائے، ملا ترک علی کو شیخ جمالی کے ساتھ کر دیا اور تاکیداً سمجھا دیا کہ میوات کے ستیاناس کرنے میں ہرگز کسر نہ کرنا، مغفور دیوان کے نام بھی یہی حکم بھیجا کہ سرحدی گاؤں کو لوٹ لو، ویران کر دو اور لوگوں کو گرفتار کر لو، افسوس! انہوں نے اس حکم کی تعمیل پورے طور پر نہ کی، اس لیے دشمن کو ان کی طرف سے اندیشہ پیدا نہ ہوا۔

منگل کے دن ۲۳ر ویں جمادی الثانی کو میں سیر کرنے کے لیے سوار ہوا، اثنائے راہ میں خیال آیا کہ ہمیشہ سے دل میں توبہ کرنے کا ارادہ تھا اور خلاف شرع فعل کرنے سے دل خوش نہ تھا، میں نے کہا، اے نفس:

دور ساز از جملہ مناہی خود را　　پاک ساز از ہمہ گناہی خود را

اسی سوچ میں یہاں سے جا کر میں نے تو شراب سے توبہ کی، نقرئی اور طلائی صراحیاں اور گلاس وغیرہ تمام سامان بزم اسی وقت منگوا کر تڑوا ڈالا، ساری شراب پھینکوا دی اور اپنے دل کو پاک کر لیا، ٹوٹا ہوا سامان محتاجوں اور مستحقوں کو بانٹ دیا، سب سے پہلے میرے ساتھ عسس نے توبہ کی، اس نے داڑھی منڈانے اور رکھنے میں بھی ساتھ دیا تھا، اس رات میں اور دوسرے دن امرا مصاحبین، سپاہی اور لوگوں میں تقریباً تین سو آدمی نے توبہ کی اور شراب لنڈھادی، بابا دوست کی لائی شراب میں نمک (بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۷ پر)

کے جوامرا بابر سے نہیں ملے تھے، رانا سانگا کے دم ساز تھے، سلطان سکندر کا لڑکا محمود خاں بارہ ہزار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۶) ڈلوایا گیا تا کہ وہ سرکہ ہو جائے، ایک گڑھا کھدوا کر شراب کی بوتلیں اس میں لنڈھوا دیں، میں نے حکم دیا کہ اس جگہ ایک پتھر نصب کر دیا جائے اور ایک مکان اس کے پاس بنا دیا جائے، ۹۳۵ھ میں گوالیار کی سیر سے جب میں پلٹ کر دھول پور سے سیکری آیا تو یہ مکان تیار ہو گیا تھا، میں نے پہلے نیت کی تھی کہ اگر رانا سانگا پر مجھے فتح حاصل ہوئی تو میں مسلمانوں سے محصول لینا معاف کر دوں گا، اثنائے توبہ میں محمد ساربان اور شیخ زین نے یاد دلایا، میں نے کہا خوب یاد دلایا، اس وقت جو ملک میرے پاس ہے، اس میں مسلمانوں سے محصول لینا معاف کر دیا، منشیوں کو حکم دیا کہ ان دونوں باتوں کے مشتہر ہونے کے فرامین لکھو، شیخ زین نے فرمانوں کا مسودہ لکھا، جو تمام قلم رو میں بھیجے گئے......۔

ان ہی دنوں میں گذشتہ واقعات کے سبب چھوٹے بڑے سب بہت ہی ہراساں تھے، کسی سے کوئی بہادری کی بات اور دلیرانہ رائے سننے میں نہ آئی تھی، وزیروں اور امیروں کا بھی یہی حال تھا کہ ایسی بات نے اس کو شراب کی مجلس میں بلا کر اپنے ہاتھ سے شراب کا پیالہ دیا، بیانہ کے نواح میں نہ کرتے تھے جس سے جواں مردی ظاہر ہو اور نہ کوئی رائے ایسی دیتے تھے جس سے ہمت بند ھے، البتہ ایک خلیفہ اس یورش میں مستقل رہا، اس نے انتظام وغیرہ میں بہت کوشش کی، آخر لوگوں کی اتنی بے دلی اور اس قدر کم ہمتی دیکھ کر ایک تدبیر سوچی، میں نے سب امیروں اور سرداروں کو جمع کیا اور ان سے کہا:

اے امرا اور سردارن فوج!

ہر کہ آمد بہ جہاں اہل فنا خواہد بود　　آنکہ پایندہ وباقی است خدا خواہد بود

جس نے ماں کا پیٹ دیکھا ہے وہ ضرور ایک دن قبر بھی دیکھے گا، جو دنیا میں آیا ہے وہ یہاں سے جائے گا بھی، بدنام ہو کر جینے سے نیک نام مرنا بہتر ہے۔

بنام نکو گر بمیرم رواست　　مرا نام باید کہ تن مرگ راست

''اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ سعادت عطا کی ہے اور یہ دولت عنایت فرمائی ہے کہ جو اس میں مرے وہ شہید ہو اور جو مارے وہ غازی ہو، اب سب کو حلف لینا چاہیے تا کہ کوئی اس موت سے نہ بھاگے اور جب تک دم میں دم ہے اس لڑائی سے منھ نہ پھیرے۔''

بارے سردار، نوکر، چھوٹے اور بڑے سب نے قرآن شریف ہاتھوں (بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۸ پر)

چندیری، راول دیو ولد داد و سنگھ، راجہ ڈنگر پور، رائے چندر بھان چوہان، مانک چند چوہان اور رائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۷) پر رکھ کر اس بات کا عہد کیا اور قسمیں کھائیں، یہ ایسی تدبیر ہوئی جس سے سب یک جہت ہو گئے۔

اسی زمانہ میں اور طرف بھی فتنے اور فساد برپا ہو گئے، جس نے اپری کو آ دبایا قطب خاں کے لوگوں نے چنداور پر قبضہ کر لیا، رستم خاں نام ایک مرک نے میان دوآب کے ترکش بندوں کو اکٹھا کیا، کول کو چھین لیا، اور رنگ علی کو گرفتار کر لیا، زاہد سنبھل چھوڑ کر بھاگ آیا، قنوج کو سلطان محمد دولدی چھوڑ کر چلا آیا، گوالیار کو ہندوؤں نے آگھیرا، عالم خاں کو گوالیار بھیجا تھا، وہ گوالیار سے اپنے علاقہ میں بھاگ کر چل دیا، روز ادھر ادھر سے بری خبر آجاتی ہے، لشکر میں سے بعض ہندوستانی سردار بھاگ نکلے، ہیبت خاں کرک انداز سنبھل چل دیا، حسن خاں باری وال ہندوؤں سے جاملا۔

میں نے ان باتوں کا ذرا خیال نہ کیا اور آگے بڑھا، آور بے، پہیے دار تپائیاں اور جو دونوں لشکروں میں مڈھ بھیڑ ہوئی، شاہی قراول جو خبر گیری کے لئے آگے گئے ہوئے تھے، سامان جنگ تیار ہو گیا تھا، سب کو لے کر منگل کے دن جمادی الآخر کی نویں تاریخ کو جس دن نوروز بھی تھا، میں نے کوچ کیا، لشکر کی صفیں برانغار، جرانغار اور قول وغیرہ درست کر لی تھیں، اپنے آگے ارابوں اور پہیے دار تپائیوں کو رکھا، ان کے پیچھے استاد علی خاں کو تفنگ اندازوں کے دستہ کے ساتھ معین کیا اور حکم دیا کہ پیادے ارابوں کے پیچھے سے ذرا نہ ہٹنے پائیں، تاکہ صفیں بندھی ہوئی روانہ ہوں، صفوں کے آنے کے بعد ہر ایک صف اپنی جگہ پر ایک تیر کے فاصلے سے کھڑی ہو گئی، تمام صفوں کے امرا اور سپاہیوں کو تشفی دے کر ہر گروہ کے کھڑے ہونے کے لیے جگہ مقرر کر دی اور ہر شخص کو سمجھا دیا کہ یوں پلٹنا اور یوں لڑنا، اسی ترتیب اور انتظام کے ساتھ کوس بھر چل کر ہم ٹھہرے، ہندوؤں کو بھی ہمارے آنے کی خبر ہوئی، اس کی فوج صفیں درست کر کے آگے بڑھی، لشکر ٹھہرنے کے بعد لشکر کا آگا ارابوں اور خندقوں سے مضبوط کر لیا تھا، چوں کہ آج لڑائی کا گمان نہ تھا، اس لیے تھوڑی سی فوج نے پیش قدمی کر کے بطریق شگون غنیم پر پیش دستی کی، چند دشمن ہاتھ آئے، ان کا سر کاٹ لائے، ملک قاسم کئی سر کاٹ لایا، ملک قاسم نے یہ بہت ہی اچھا کیا، اتنی سی بات سے ہماری فوج کا دل بڑھ گیا، لوگوں کے حوصلے اور ہی ہو گئے، دوسرے دن یہاں سے کوچ کیا، آج ہم کو جنگ کا خیال تھا، خلیفہ وغیرہ نے عرض کیا کہ جو پڑاؤ مقرر ہے، وہ قریب ہے، مناسب ہے کہ اس کی خندق کھود کر اس کو محفوظ کر لیا جائے، اس کے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۹ پر)

دلیپ وغیرہ پچاس ساٹھ ہزار سواروں کے ساتھ اس کے اطاعت گزار تھے، حسن خاں میواتی بھی دس ہزار سواروں کے ساتھ اس کا معاون ہو گیا تھا، یہ سب دولاکھ سواروں کے ساتھ لڑائی کرنے اور ہندوستان کو بچانے ...... کے قصد سے آگرہ روانہ ہوئے، بابر کو ہندستانی امرا پر کلی اعتماد نہ تھا، اس لئے ان کو سرحد کے انتظام کے لئے مقرر کیا اور خود مغل لشکریوں کے ساتھ جو کابل سے ہم راہ تھے، روانہ ہوا، ہندوستانی امرا میں صرف چار سلطان علاء الدین کے دو بیٹے کمال خاں اور جلال خاں پھر علی خاں قرملی اور بیانہ کا حاکم نظام ساتھ تھے، آگرہ سے کوچ کر کے بیانہ کے مضافات موضع کانوہ پہنچا، تو عزم جزم وثابت اور راسخ نیت کے ساتھ غنیم کے خلاف جہاد کیا، شہزادہ ہمایوں نے اس وقت تک کبھی شراب نہ پی تھی، بابر مغلوب اور زخمی ہو کر واپس آئے تھے، بیانہ کے قلعہ کے لوگ بھی باہر آکر دشمنوں سے لڑے لیکن بڑی شکست کھا کر قلعہ واپس آگئے، بڑا تردد پیدا ہو گیا، ہیبت خاں نیازی سنبھل بھاگ گیا، حسن خاں میواتی دشمنوں سے جا ملا، ملک کے اطراف سے متوحش خبریں آنے لگیں، محمد شریف ایک تجربہ کار منجم تھا، اس کی وجہ سے اور بھی خوف پیدا ہوا، وہ ہر لمحہ یہی کہتا تھا کہ مریخ مغرب کی طرف ہے، جو شخص اس طرف سے جنگ کرے گا مغلوب ہوگا، بادشاہ کو مجلس مشاورت کے اکثر ہم راہیوں نے یہ مشورہ دیا کہ دشمن کا غلبہ ظاہر ہے، اس لئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۸) بعد چلنا چاہیے، خندق کے انتظام کے واسطے خلیفہ آگے روانہ ہوا، جہاں خندق کھودنے کی جگہ تھی وہاں بیل داروں کو لگا کر اور ان پر محصل مقرر کر کے واپس چلا آیا، ہفتہ کے دن تیرہویں جمادی الآخر کو ارابے آگے روانہ کیے، پھر لشکر کی صفیں روانہ ہوئیں اور تقریباً ایک کوس بھر چل کر لشکر مقام مقرر پر ٹھہرا، بعض خیمے نصب ہو گئے تھے اور کچھ خیمے گزر رہے تھے کہ اتنے میں جاسوس خبر لائے کہ دشمن کا لشکر نمودار ہو گیا ہے، اسی وقت سوار ہوا اور حکم دیا کہ جرانغار برانغار کی جگہ پر جرانغار جرانغار کی جگہ پر ہر شخص اپنی جگہ پر چلا جائے، ارابوں کو مضبوط کر دیا جائے اور صفیں مرتب ہو جائیں، اس لڑائی کے بعد شیخ زین نے فتح نامہ لکھا جس سے اس کا مفصل حال معلوم ہو جاتا ہے۔ (یہ فتح نامہ تزک بابری کے اردو ترجمہ ص ۳۱۷-۳۱۱ میں بھی درج ہے۔)

اس فتح کے بعد سے فرامین پر جو طغریٰ لکھا جاتا تھا اس میں غازی کا لفظ لکھنا شروع ہو گیا، ...... میں نے اپنے شہید ہونے کا ارادہ کر لیا تھا، مگر خدا کا احسان ہے کہ میں غازی ہو گیا۔ (تزک بابری اردو ترجمہ، ص ۳۱۸-۳۰۴)

بہتر ہے کہ بڑے بڑے قلعوں کو قابل اعتماد لوگوں کے سپرد کر کے بادشاہ خود پنجاب چلا جائے، وہاں غیبی امداد کا انتظار کرے، بادشاہ نے یہ سن کر تھوڑے تامل کے بعد یہ کہا، اطراف وجوانب کے بادشاہان اسلام کیا کہیں گے کہ جان کے خوف سے اتنے بڑے ملک کو اپنے ہاتھوں سے گنوادیا، مردانگی تو یہ ہے کہ شہادت کا خیال دل میں رکھیں اور جان لڑادیں:

چوں جان آخر از تن ضرورت رود　　ہماں بہ کہ بارے بہ عزت رود
سرانجام گیتی ہمیں ست وبس　　کہ نامی پس از مرگ ماند زکس

مجلس کے لوگوں نے یہ بات سنی تو متفق ہو کر الجہاد الجہاد کی صدا بلند کی، ان تمام باتوں کا اثر ان کے دلوں پر ہوا اور سب نے سمعنا واطعنا کہا کہ اس سے بڑھ کر کیا سعادت ہوسکتی ہے کہ مر کر شہید اور مار کر غازی ہو جائیں، پھر سبھوں نے کہا کہ ہم قسم کھاتے ہیں کہ جنگ سے منہ موڑنے کا خیال بھی نہ لائیں گے اور کلام پاک لے کر قسمیں کھائیں، بابر بادشاہ نے جو برابر اپنے لب سے لب جام کو ملائے رکھتا اور صراحی اور پیالہ کے بغیر نہ رہتا، اس وقت اس شعر کے مطابق:

چند باشی ز معاصی مزہ کش　　توبہ ہم بیمزہ نیست بچش

ارغوانی شراب کے پینے بلکہ تمام نواہی حتیٰ کی داڑھی منڈانے سے بچی توبہ کی، ممالک محروسہ کے مسلمانوں کو تمغے یعنی محصول معاف کر دیے، اس سلسلہ میں تمام قلم رو میں فرامین جاری کیے۔

جمادی الآخر کی نویں تاریخ بروز سہ شنبہ نوروز کا دن تھا، لڑائی کی صفیں ترتیب دی گئیں، رومی طریقے کے مطابق آتش بازی کے ارابے آراستہ کر کے فوج کے آگے رکھے گئے، دشمن تین کروہ کے فاصلہ پر تھا، اس کی طرف روانگی ہوئی، ایک کروہ کے بعد قیام کیا گیا، جن جوانوں کے حوصلے بڑھے تھے وہ ملک قاسم اور بابا قشقہ مغل کی سرداری میں بڑھ کر دشمن کے قراول سے لڑے اور نمایاں کام انجام دیا، تیرہویں جمادی الآخر کو اس جگہ سے بھی کوچ ہوا اور پہلے روز کی طرح ایک کروہ چل کر بیانہ کے مضافات کانوہ میں اترے اور فراشوں نے ابھی خیمے بھی نصب نہیں کیے تھے کہ دشمن کی فوج چیونٹیوں اور ٹڈیوں کی طرح کوہ پیکر ہاتھیوں کے ساتھ نمودار ہوئی،

محمد شریف منجم نے پھر دلیلوں سے لڑائی لڑنے سے روکا لیکن بابر بادشاہ اس کی طرف ملتفت نہیں ہوا، اس کی فوج بیس ہزار سے زیادہ نہ تھی لیکن جس طرح سلطان ابراہیم کے خلاف فوجوں کی صف کو ترتیب دیا تھا، اسی طرح ترتیب دینے کا حکم دیا...... میمنہ میسرہ اور قلب کو ترتیب دے کر لڑائی کے میدان میں اتر آیا، اسلامی لشکر کو ترتیب دینے کا کام نظام الدین علی خلیفہ کے سپرد کیا گیا، جس نے پوری کوشش اور اجتہاد کو راہ دیا۔ فوج کی ترتیب اس طرح ہوئی، بادشاہ قول (یعنی مرکز) میں تھا، قول کے دائیں طرف حسین تیمور سلطان، سلیمان شاہ، خواجہ دوست خازن، یونس علی بیگ، شاہ منصور برلاس، درویش محمد ساربان، عبداللہ کتاب دار اور دوست بیگ آقا مقرر ہوئے، قول کے بائیں جانب عالم خاں ابن سلطان بہلول لودی، شیخ زین صدر، محب علی تردی بیگ، شیر افگن، آرائش خاں، خواجہ حسین دیوان وغیرہ امور ہوئے، برانغار شہزادہ ہمایوں کے سپرد کیا گیا اور اس کے دائیں طرف قاسم حسین سلطان، احمد یوسف، ہندو بیگ، خسرو کوکلتاش، ملک قاسم، بابا قشقہ مغل، قوام بیگ ولد شاہ ولی خازن، مرزا قنبر علی، پیر قلی شیبانی، خواجہ پہلوان بدخشی، عبدالشکور، سلیمان آقا، ایلچی عراق اور حسین خاں ایلچی سیستان نے جگہیں پائیں، برانغار کے بائیں طرف میر شاہ محمد کوکلتاش، خواجگی اسد سرجاندار، خان خاناں ولد دولت خاں لودی، ملک داؤد کرانی، شیخ کھورن متعین ہوئے، جرانغار سید خواجہ کے حوالے کیا گیا اور سید خواجہ کے بائیں دائیں محمد سلطان میرزا، عادل سلطان عبدالعزیز، میرزا خور محمد علی خنگ جنگ، قتلق قدم، امیر خانجی میرزائی مغل، جان بیگ آنکہ، جلال خاں، کمال خاں (اولاد بادشاہ علاء الدین) علی خاں، شیخ زادہ قرملی اور نظام خاں بیانوی تعینات ہوئے، جرانغار کے تولقمہ میں تردی بیگ، مومن بیگ آنکہ، رستم ترکمان ایک گروہ کے ساتھ مقرر ہوئے، برانغار کا تولقمہ بھی امرا اور منصب داروں کو تفویض ہوا، سلطان محمد بخشی تواچیوں اور رساولوں کے ساتھ شاہی احکام سننے کے لئے بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوا۔

دن کا ایک پہر اور دو گھڑیاں گزر گئی تھیں کہ دونوں فریق...... نور و ظلمت کی طرح ایک دوسرے سے ملے، زمین میں زلزلہ آ گیا اور آسمان پر ولولہ...... چغتائی قاعدے کے مطابق ہر طرف سے لڑائی شروع ہوئی، جس طرف بھی مدد کی ضرورت ہوتی، فوج کی کمک پہنچ جاتی، استاد

علی قلی اور دوسرے ہنرمندوں نے آتش بازی کے آلات کے استعمال میں کوئی کسر نہ کی، بین الصلوٰتین تک لڑائی ہوتی رہی...... مخالف فوج بھی جمی رہی، اس کی جرأت دیکھ کر بابر بادشاہ اپنے قول کی فوج اور نوئنوں کو لے کر شیر اور چیتے کی طرح حملہ کیا، سخت لڑائی کے بعد............ دشمن کے لشکر کو شکست ہوئی اور وہ سب بھاگے، حسن خاں میواتی توپ کے گولہ سے مارا گیا، اس کے باپ دادا نے دوسو برس تک حکومت کی تھی، راول دیو رائے چندر بھان چوہان، مانک چند چوہان وکرم سنگھ راج پوت جو بڑی شان وشکوہ کے سردار تھے، مارے گئے، رانا سانگا بڑے نخوت وغرور سے میدان میں آیا تھا لیکن......لڑائی سے بھاگا اس بڑی فتح کے بعد بابر کو فرامین میں غازی لکھا جانے لگا اور ''فتح بادشاہ اسلام'' اس کی تاریخ ہوئی۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ پہاڑ کی چوٹی پر جہاں جنگ ہوئی تھی، دشمنوں کے سر سے ایک مینار تعمیر کرایا جائے محمد شریف منجم معتوب ہوا لیکن اس کو ایک لاکھ تنکہ انعام دے کر ملک سے باہر کردیا گیا۔

میوات کی مہم: الیاس خاں نے دوآب میں بغاوت کر رکھی تھی، محمد علی خنگ جنگ، عبدالملک قورچی اور شیخ گھورن، اپنی اپنی جاگیروں سے اس کے خلاف بھیجے گئے، انھوں نے اس کو قتل کردیا اور وہاں وہ سے میوات تسخیر کرنے کے لیے بڑھے، ناہر خاں ولد حسن خاں میواتی کے لیے اطاعت کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا، دربار میں حاضر ہوگیا، بادشاہ نے میوات اور اس کے مضافات کی حکومت حسین تیمور کو عطا کی جو برادر کے خطاب سے ممتاز تھا اور اس کو میوات کی طرف روانہ کیا۔

چندوار اور راپری کی مہم: آگرہ لوٹتے وقت بادشاہ نے شہزادہ ہمایوں کو کابل اور بدخشاں کے انتظام اور بلخ کی تسخیر کے لیے بہت بڑے خزانے کے ساتھ روانہ کیا، محمد حسین خاں، دریا خاں افغان نے چندوار اور راپری پر قبضہ کر رکھا تھا اور قطب خاں افغان اٹاوہ میں باغی ہوگیا تھا، ان سب کے خلاف محمد علی خنگ جنگ اور تردی بیگ نامزد ہوئے، حسین خاں لڑائی لڑے بغیر فرار ہوگیا اور ایک دریا کو عبور کرنے میں ڈوب مرا، دریا خاں بھی مارا مارا پھرا۔

محمد سلطان میرزا امین خاں افغان کے فتنہ کو فرو کرنے کے لیے قنوج بھیجا گیا، مین خاں

خیر آباد بھاگ گیا، ۹ ذی الحجہ...... بادشاہ شکار کے ارادہ سے کول اور سنبھل کی طرف روانہ ہوا اور اس علاقہ کی تفریح سے محظوظ ہو کر آگرہ واپس آیا، اس درمیان میں بادشاہ غب (باری) کے بخار میں مبتلا ہو گیا اور جب صحت ہوئی تو مندنی رائے کے خلاف چندیری روانہ ہوا۔

چندیری پر قبضہ: میدنی رائے دوسرے راج پوتوں کے ساتھ چندیری کے قلعہ میں محصور ہوا، اسلامی لشکر نے پہنچتے ہی اس قلعہ کا محاصرہ کیا، دوسرے دن قلعہ فتح ہوا تو پانچ چھ ہزار راجپوت قتل ہوئے، ایک گروہ اپنی اولاد اور ہم قوم کے ساتھ مندنی رائے کے مکان میں جو قلعہ کے اندر تھا، پناہ گزیں ہوا اور دروازہ کو بند کر کے لڑنے لگا اور جب مایوس ہو گیا تو اپنے رسم کے مطابق ننگی تلوار ایک شخص کے ہاتھ میں دے دی اور ایک ایک کر کے خوشی اور رغبت سے اپنی گردنیں تلوار کے نیچے رکھ کر اپنے کو قتل کرا دیا، مندنی رائے نے بھی یہی کیا اور قلعہ پر قبضہ ہو گیا اور اس کے علاقے بھی فتح ہو گئے، مندنی رائے کے حکم سے چندیری، سارنگ پور، رنتھبور اور رائے سین کی مسجدیں اور خانقاہیں جانوروں کا گھر بنا کر گوبر سے لیپ دی گئی تھیں، بابر کے حکم سے اپنی اصلی حالت پر لائی گئیں اور وہاں سے نجاست و کثافت دور کی گئی، موذن اور جاروب کش وظیفے کے ساتھ مقرر ہوئے اور پھر سے وہاں اسلامی رواج جاری کیا گیا شیخ زین صدر نے اس لڑائی کی تاریخ ''فتح دار الحرب'' کہی...... بابر نے چندیری کی حکومت اس کے قدیم وارث احمد شاہ بن محمد شاہ ابن ناصر الدین مندوی کے سپرد کی، جو اس وقت بادشاہ کے ساتھ تھا۔

قنوج کے افغانوں کی پسپائی: اسی زمانہ میں بادشاہ کو معلوم ہوا کہ امیروں کا گروہ جو پورب کے افغانوں کے خلاف ہو گیا تھا، جنگ کر کے شکست کھا گیا ہے، یہ خبر سنتے ہی بادشاہ بڑی عجلت میں قنوج روانہ ہوا، راپری میں شکست خوردہ امرا آ ملے، بادشاہ گنگا کے کنارے پہنچا، تو دریا پر تیس چالیس کشتیوں کا پل باندھا، حسین تیمور سلطان اور دوسرے امرا نے دریا پار کرنا شروع کیا، افغان مقابلہ میں نہیں نکلے اور بھاگنا شروع کیا، حسین تیمور سلطان نے ان کا پیچھا کیا اور ان کو آوارہ وطن کر کے ان کے زن و فرزند کو قید کر لیا۔

بادشاہ حوالی گنگا میں شکار کر کے آگرہ واپس آیا، محمد زماں میرزا ولد بدیع الزماں میرزا کو جو بلخ سے بھاگ کر آگرہ آ گیا تھا، اکبر آباد کا حاکم مقرر کیا گیا۔

گوالیار کی سیر: پانچویں محرم[1] ۹۳۵ھ کو بادشاہ بہت اطمینان سے گوالیار روانہ ہوا، گوالیار کے

---

[1] بابر گوالیار کی سیر کے متعلق تزک بابری میں لکھتا ہے:

"مان سنگھ اور بکرماجیت کے تمام محلوں میں پھر کر میں نے سیر کی، عجیب مکانات ہیں، اگرچہ بے ڈول ہیں، مگر سب پتھر کے ترشے ہوئے، سب سے عمدہ اور عالی شان راجہ مان سنگھ کا محل ہے، مان سنگھ کے محل کے اور اضلاع کی نسبت شرقی ضلع بڑا پر تکلف ہے، اس کی بلندی تخمیناً چالیس پچاس گز ہوگی، سب عمارت پتھر کی ترشی ہوئی ہے، اوپر چونا پھرا ہوا ہے، بعض جگہ چومنزلہ مکان ہے اور اس کے نیچے کی منزل میں اندھیرا گھپ ہے، بہت دیر ٹھہرنے کے بعد ذرا اجالا معلوم ہوتا ہے، میں نے شمع کی روشنی میں سیر کی، اس عمارت کے ہر ضلع میں پانچ برج ہیں، ہر برج میں چار طرف ہندوستانی طریقے سے چار برجیاں ہیں، ان پانچوں پر سنہری کلسیاں ہیں، ان کی دیواروں پر باہر کی طرف سبز چینی کا کام کیا ہوا ہے، اس کے گرد سبز چینی سے کیلوں کے درخت بنا دیے ہیں، شرقی ضلع کے برج میں ہتیا پول ہے، ہندی میں فیل کو ہاتھی اور دروازہ کو پول کہتے ہیں، دروازہ کے باہر کے رخ پر ہاتھی کی سنگین مورت کھڑی کر دی ہے اور اس پر ہاتھی بھی بیٹھا ہوا ہے، یہ مورت بالکل ہاتھی معلوم ہوتا ہے، اسی لیے اس کو ہتیا پول کہتے ہیں، جو چومنزلہ مکان ہے اس کی نیچے کی منزل ہاتھی پر اتنی جھکی ہوئی ہے کہ ہاتھی اس سے ملا ہوا معلوم ہوتا ہے، اوپر کی منزل میں برج ہے، دوسری منزل نشست کی جگہ ہے، یہ بھی جگہ جگہ سے جھکی ہوئی ہے، اگرچہ اور تکلفات ہندوستانی کے ہیں، مگر مکان گھٹے ہوئے ہیں، راجہ مان سنگھ کے بیٹے بکرماجیت کا محل قلعہ کے شمال میں ایک جگہ بیچ میں ہے، بیٹے کی عمارت باپ کی عمارت جیسی نہیں ہے، یہاں ایک بڑا برج بنا دیا ہے جس میں اتنا اندھیرا ہے کہ بہت دیر ٹھہرنے کے بعد روشنی معلوم ہوتی ہے، اس بڑے گنبد کے نیچے ایک چھوٹا سا مکان ہے، اس تاریک مکان میں کہیں روشنی نہیں آتی، رحیم داد نے اسی برج میں ایک چھوٹا سا دالان بنایا ہے، رحیم داد اسی بکرماجیت کے محل میں رہتا ہے، بکرماجیت کے محل میں سے اس کے باپ کے محل میں جانے کا راستہ ہے، مگر اندر ہی اندر ہے، باہر سے معلوم نہیں ہوتا ہے، یہ راستہ کہیں کہیں سے روشن بھی ہے، خاصہ راستہ ہے، ان عمارتوں کی سیر کرنے کے بعد رحیم داد نے جو مدرسہ بنایا ہے، میں اس میں گیا، رحیم داد نے قلعہ کے جنوب میں تالاب کے کنارے ایک باغ بھی بنایا ہے، میں نے اس کی بھی سیر کی، شام کو اسی چارباغ میں جہاں لشکر سے آ کر ٹھہرا تھا، آیا، اس باغ میں پھلواری بہت ہے، گلاب اور سرخ کنیر بہت عمدہ ہوتا ہے، یہاں کر کنیر کے پھول کا (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۵ پر)

رحیم داد کو دیکھا، اس باغ میں سرخ رنگ کا گلاب نظر آیا، جو بہت کم یاب ہے، بادشاہ نے حکم دیا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۴) رنگ گل شفتالو کے رنگ کا ہوتا ہے، گوالیار کالال کنیر بڑا ہی خوش رنگ ہوتا ہے، میں نے گوالیار کا کنیر آگرہ کے باغ میں بھی لگایا۔

اس پہاڑ میں ایک طرف بڑا تالاب ہے، برساتی پانی اس میں جمع ہوتا ہے، تالاب کے مغرب میں ایک عالی شان بت خانہ ہے، سلطان شمس الدین التمش نے اس بت خانہ کے پہلو میں ایک مسجد بنائی ہے، یہ بت خانہ اتنا بلند ہے کہ قلعہ میں اس سے اونچی کوئی عمارت نہیں ہے، دھول پور کے پہاڑ پر سے گوالیار کا قلعہ اور یہ بت خانہ خوب نظر آتا ہے، کہتے ہیں کہ اس بت خانہ کا سارا پتھر اسی تالاب کو کھود کر لیا گیا ہے، باغ میں ایک چوبی دالان ہے، پست تو ہے مگر بڑا ہے، اس باغ میں ہندوستانی وضع کے بیہودہ مکانات بنے ہوئے ہیں۔

دوسرے دن ظہر کے وقت گوالیار کے قابل دید مکانات کی سیر کے لیے سوار ہوا، باہر کی عمارت دیکھی جس کا نام بارل کر ہے، ہتیا پول دروازہ سے نکل کر اودنام مقام کی سیر کی اور مغرب میں ایک درہ ہے، اگر چہ یہ درہ اس فصیل سے جو پہاڑ پر ہے، باہر ہے، مگر اسی درہ کے منہ پر فصیل بنادی ہے، اس فصیل کی بلندی تیس چالیس گز کی ہوگی، اندر کی فصیل بہت لمبی ہے......اس کے دروازہ پر سلطان شمس الدین التمش کا نام پتھر پر کھود کر لگا دیا ہے، ۷۳۲ھ لکھا ہوا ہے......اود کے اطراف کے پہاڑ کا ایک ٹکڑا تراش کر چھوٹے بڑے بتوں کی مورتیاں بنائی ہیں، اس کے جنوب میں ایک بڑے بت کی مورت ہے، جو تقریباً بیس گز کی ہوگی، ان سب بتوں کو چم ننگا بنایا گیا ہے، اس دو بڑے تالابوں کے بیچ میں اود کے اندر پچیس کنوئیں بنائے ہیں، ان میں چمن بندی بھی کی ہے، پھلواری لگائی ہے، چمنوں میں انہی کنوؤں سے پانی دیا جاتا ہے اور دلچسپ جگہ ہے......

میں نے گوالیار کے بت خانہ کی بھی سیر کی، بت خانہ میں بعض جگہ دہرے اور بعض جگہ تہرے دالان ہیں، مگر اگلی وضع کے نیچے نیچے، ان کے اندارہ کے پتھروں میں مجسم بت کندہ کیے ہوئے ہیں، بت خانہ کے بعض ضلعے مدرسوں کی وضع کے ہیں، صدر مقام میں ایک بڑا اونچا برج ہے، جس کے حجرے ایسے ہیں جیسے مدرسوں کے حجرے ہوتے ہیں، ہر حجرہ کے اوپر پتھر کی تراشی ہوئی چھوٹی برجیاں ہیں، حجروں میں نیچے کی جانب پتھروں میں بت تراشے ہیں، ان مقاموں کی سیر کر کے گوالیار کے پچھی دروازے سے نکل کر گوالیار کے جنوب میں ہوتا ہوا رحیم داد کے چار باغ میں جو ہتیا پول دروازہ کے سامنے ہے، آ کر ٹھہرا، رحیم داد نے ضیافت کا سامان کر رکھا تھا، عمدہ عمدہ کھانے کھلائے اور بہت کچھ نذر کیا، تقریباً چار لاکھ کا نقد و جنس پیش کیا، (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۶ پر)

اس درخت کی ایک شاخ آگرہ میں نصب کی جائے، کیوں کہ وہاں یہ پھول شفتالو کے رنگ کا نظر آتا ہے اور آتشیں رنگ کا لال پھول دکھائی نہیں دیتا، سلطان شمس الدین التمش کی مسجد بھی دیکھی جو گوالیار میں تعمیر کی گئی تھی اور بار بار اس کی مغفرت کے لیے دعا مانگی۔

قلعہ پتھر کے ایک ہاتھی، بکر ماجیت اور راجہ مان سنگھ کی عمارتوں کی سیر کی، پھر باغ اور حوض کی سیر کی۔

علالت اور جشن: واقعات[1] بابری میں بابر لکھتا ہے تیئیسویں صفر ۹۳۵ھ کو مجھ کو ایسی شدید

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۵) شام کو میں یہاں سے اپنے چار باغ میں آگیا، بدھ کے دن پندرھویں تاریخ ایک آبشار کی سیر کی، یہ مقام گوالیار کے جنوب مشرق میں چھ کوس کے فاصلہ پر ہوگا......(ص ۳۴-۳۳)"مرتب"۔

[1] اس جشن کا حال بابر خود اس طرح لکھتا ہے لیکن اس کے سلسلہ بیان سے یہ صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ اس کا جشن صحت تھا۔

"پیر کے دن چھٹی تاریخ باغ میں جشن ہوا، میں اس ہشت پہلو بنگلہ کے شمالی ضلع میں بیٹھا جو نیا بنایا ہے، میرے سیدھے ہاتھ کی طرف پانچ چھ گز کے فاصلہ پر توختہ بوغا سلطان، عسکری، خواجہ عبدالشہید اولا، خواجہ کلاں تولاد، خواجہ حسین، خلیفہ، علما اور حفاظ (جو خواجہ کے توابعین میں سے تھے اور سمرقند سے آئے تھے) بیٹھے، بائیں ہاتھ کی طرف پانچ چھ گز ہٹ کر محمد زماں میرزا، تنگ التمش سلطان، سید رفیع، سید رومی، شیخ ابوالفتح، شیخ جمالی، شیخ شہاب الدین عرب اور سید رکنی بیٹھے، قزلباش، ازبک اور راجاؤں کے ایلچی بھی اس جشن میں شریک تھے، دائیں ہاتھ کی طرف ستر اسی گز کے فاصلہ پر شامیانہ تان کر قزلباش کے سفیر کو اس کے نیچے بیٹھایا اور اس کے ساتھ بیٹھنے کے لیے یونس علی کو حکم دیا، اسی طرح دائیں ہاتھ کی جانب ازبک کے سفیر کو بیٹھایا اور اپنے امرا میں سے عبداللہ اس کے ساتھ بیٹھنے کے لیے متعین ہوا، آش خوری سے پہلے تمام سردار، امرا اور اکابر نے روپیے، اشرفیاں، کپڑے اور اجناس کی کشتیاں پیش کیں، میں نے حکم دیا کہ میرے روبرو زیرانداز بچھاؤ اور اس کے ایک طرف روپیوں اور اشرفیوں کا ڈھیر لگا دو، دوسری طرف کپڑے اور جنس کا ڈھیر لگا دو، اسی وقت مست اونٹوں اور ہاتھیوں کی لڑائی شروع ہوئی، چند نوتچار کی لڑائی بھی ہوئی، پھر پہلوانوں کی کشتیاں ہوئیں، ... کے بعد آش نوشی ہوئی، اس فارغ ہوکر خواجہ عبداللہ شہید اور خواجہ کلاں کی اولاد کو کیش ابرہ کے جبے اور توبک ... ب خلعتوں کے ساتھ عطا کیے، ملا فرخ، اس کے ہم راہیوں اور حافظوں کو اچکنیں (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۷ پر)

حرارت محسوس ہوئی کہ میں نے جمعہ کی نماز مسجد میں مشکل سے ادا کی، اس کے تیسرے دن یعنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۶) دی گئیں، کوجوم خاں، اس کے بھائی حسن جلبی کے دو بڑے ملازموں کو نقرئی بٹ سے سونا اور طلائی بٹ سے چاندی تول کر عنایت کی، (نقرئی بٹ ڈھائی سو مثقال کا ہوتا ہے، جو کابل کا آدھا سیر ہوا اور طلائی بٹ پانچ سو مثقال ہوتا ہے جو کابل کا سیر ہوا) خواجہ میر سلطان کو مع فرزندان، حافظ تاشقندی، مولانا فرخ کے ساتھ ہم راہیوں، ملازموں اور ایلچیوں کو بھی چاندی سونا عنایت ہوا، یادگار ناصر مرزا کو خنجر انعام دیا گیا، میر محمد جامہ بان گنگا پر پل باندھنے کی وجہ سے عنایتوں کا امیدوار تھا، اس کو اور پہلوانوں میں سے پہلوان حاجی محمد، پہلوان پہلول اور رومی وغیرہ کو ایک ایک خنجر عطا ہوا، سید داؤ دکو روپے اور اشرفیاں ملیں، اپنی بیٹی جو معصومہ بیگم کے پیٹ سے تھی اور اپنے بیٹے ہندال کے نوکروں کو تکمہ دار اچکنوں کی خلعت مرحمت کیے، سونا، چاندی اور ہر قسم کی اجناس عنایت کی، تمام ملازموں اور رعایا کے لیے عنایت آمیز فرامین جاری کیے، اس کے بعد حکم دیا کہ ہندوستان کے نٹ اور بازی گر تماشہ دکھائیں، ان لوگوں نے تماشے کرنے شروع کیے، ہندوستانی نٹ اور بازی گر بعض تماشے ایسے کرتے ہیں کہ ہماری ولایت والے نہیں کرتے، ان میں سے ایک تماشہ یہ ہے کہ اپنی پیشانی اور ران پر سات حلقے چپکاتے ہیں، چار حلقے ہاتھ کی انگلیوں اور پاؤں کی انگلیوں کے گرد چپکاتے ہیں، ان کے علاوہ چار حلقے اور لیتے ہیں، ان میں سے دو کو ہاتھ کی دو انگلیوں سے اور دو کو پاؤں کی دو انگلیوں سے آہستہ آہستہ چکر دیتے ہیں، دوسرے مور چال کی طرح اپنا ایک ہاتھ زمین پر ٹیکا اور دوسرے ہاتھ سے اور دونوں پاؤں سے تین حلقوں کو جلدی جلدی چکر دیا، تیسرے یہ کہ وہاں کے نٹ دولکڑیوں کو دونوں پاؤں میں باندھتے ہیں اور ان چوبیں پاؤں سے چلتے ہیں، یہاں کے نٹ پاؤں کو نہیں باندھتے، چوتھے یہ کہ اس ولایت کے دونٹوں میں سے ایک دوسرے کو کاندھے پر کھڑا کر کے چلتا ہے، ہندوستانی نٹ اس طرح تین چار کو معلق لے کر چلتا ہے، پانچویں یہ کہ سات گز کا بانس ایک نٹ اپنی کمر پر رکھ کر بانس کو پکڑے ہوئے کھڑا رہتا ہے اور دوسرا اس پر قلائیں کرتا ہے اور چھٹے یہ کہ چھوٹی عمر کا نٹ بڑی عمر کے نٹ کے سر پر کھڑا ہو جاتا ہے اور نیچے والا ادھر سے ادھر لیے پھرتا ہے، جب اوپر والا نیچے والے کے سر پر قلائیں کرنے لگتا ہے تو نیچے والا کھڑا ہو جاتا ہے اور ذرا بھی نہیں ہلتا ہے، اس کے بعد پاتروں کا ناچ ہوا، مغرب کے وقت تک جلسہ رہا، بہت روپیہ بانٹا، بڑا شور وغل رہا، مغرب اور عشا کے درمیان چند مصاحبوں کا جلسہ پہر بھر سے زیادہ رہا، دوسرے دن کشتی میں بیٹھ کر باغ ہشت بہشت میں آیا، (۴۰-۳۳۸) "مرتب"۔

یکشنبہ کو جاڑا بخار آ گیا، اس زمانہ میں حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے رسالہ ولدیہ کو منظوم کرنے میں مشغول تھا، خیال آیا کہ اگر یہ نظم حضرت کو پسند آ گئی تو اس مرض سے نجات ہو جائے گی، جس طرح قصیدہ بردہ لکھنے والے نے فالج کے مرض سے چھٹکارا پایا تھا، اس رسالہ کو رمل مسدس مجنون میں لکھ کر ختم کیا، جس میں کہ مولانا جامی کی سبحہ ہے، مجھ کو جب کوئی عارضہ ہو جاتا ہے، تو یہ ایک مہینہ یا چالیس روز تک طویل ہو جاتا ہے، اس مرتبہ آٹھویں ربیع الاول کو اس بیماری سے نجات پائی، شکر بجالایا اور باغ ہشت بہشت میں جشن عشرت منعقد کیا، اس وقت قزلباش ازبک اور ہندوؤں کے ایلچی موجود تھے، ان کو چاندی اور سونا ترازو کے پلڑے میں دیا، مستحقین اور سادات بھی فیضیاب ہوئے، خواند میر مورخ حبیب السیر مولانا شہاب الدین معمائی اور میرزا ابراہیم قانونی ہرات سے آئے ہوئے تھے اور اپنے فن کے بے نظیر استاد تھے، وہ بھی دربار میں آئے، ان کے ساتھ بھی نوازشیں کی گئیں اور وہ مقربوں میں داخل ہوئے، امرا، خواتین اور دوسرے مخلصین نے اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق نذرانے (ساچق) پیش کیے اور اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

بہار کے افغانوں کی شورش: اسی سال شہزادہ عسکری ملتان سے حاضر ہوا، وہ نصرت شاہ کے خلاف مہم پر جانا چاہتا تھا کہ نصرت شاہ نے ایلچی بھیج کر اطاعت قبول کرلی، اسی سال برہان نظام شاہ بحری والی احمد نگر نے گذشتہ اور موجودہ فتوحات پر تہنیت کا عریضہ بھیجا اور اپنے اخلاص اور اطاعت گذاری کا اظہار کیا، اسی سال کے آخر میں بادشاہ کو یہ خبر ملی کہ سلطان محمود ولد سکندر لودی نے بہار پر قبضہ کرلیا ہے اور بلوچوں نے ملتان میں بغاوت کا جھنڈا بلند کیا ہے، بادشاہ نے ملتان کی مہم کو تو تعویق میں ڈالا اور بہار کی طرف توجہ کی، جب وہ کڑہ پہنچا تو جلال الدین شاہ شرقی نے ضیافت کی اور قیام کی پیش کش کی، شاہی عنایتوں سے نوازا گیا، محمد زماں میرزا کو بہار کی فتح کے لیے مامور کیا گیا اور وہ عجلت میں روانہ ہو گیا، سلطان محمود تاب نہ لایا اور بھاگ گیا، چند ہی دنوں کے بعد بہار کے افغانوں نے ایک بڑی جماعت تیار کرلی اور گنگا کے کنارے جمع ہو گئے، بادشاہ نے میرزا عسکری کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ گذر بدری کی طرف بھیجا، تاکہ وہ دریا کو پار کر کے دشمنوں کے سر پر پہنچ جائے، بابر نے خود دریا کو عبور کرنے کا ارادہ کیا، پہلے حسین تیمور سلطان اور توختہ توغا سلطان دریا پار کر کے ساٹھ ستر آدمیوں کے ساتھ غنیم کی طرف بڑھے،

اسی اثنا میں میرزا عسکری اپنی فوج کے ساتھ دریا عبور کر کے دشمنوں کے سامنے ظاہر ہوا، افغان شکستہ دل ہو کر بھاگے، نصرت شاہ اطاعت قبول کر کے اس علاقہ کے افغانوں سے لڑنے کا وعدہ کیا، برسات کا موسم آگیا تھا، بادشاہ نے اس جماعت کے استیصال کی زیادہ کوشش نہیں کی، سارا انتظام سلطان جنید برلاس کے حوالہ کر کے آگرہ کی طرف مراجعت کی، بادشاہ قصبہ منیر پہنچا تو حضرت شیخ شرف الدین منیری کے والد شیخ یحییٰ کے مزار کی زیارت کر کے خیرات تقسیم کی اور پھر آگرہ پہنچ گیا۔

بدخشاں کا انتظام: آگرہ پہنچ کر شہزادہ ہمایوں کو بدخشاں سے طلب کیا، جو وہاں کی حکومت اپنے بھائی ہندال مرزا کو دے کر باپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا، اس اثنا میں اور کند کے حاکم سلطان سعید نے موقع پا کر بدخشاں کی تسخیر کا ارادہ کر لیا اس نے میرزا حیدر دوغلات کو آگے روانہ کیا اور خود اس کے پیچھے چلا، ہندال میرزا قلعہ میں بند ہو گیا، سلطان سعید نے اس کا محاصرہ کیا، سلطان سعید کا کام نہ چلا، بدخشانیوں نے اس کو دعوت دی تھی لیکن ان سے ان کو مایوسی ہوئی، تو غصہ میں شہر میں آگ لگا کر اس کو تاراج کیا اور واپس چلا گیا، اس کی واپسی کی خبر آگرہ پہنچی بھی نہ تھی کہ بادشاہ نے وہاں کی حکومت میرزا سلیمان ولد میرزا خان کے سپرد کر دی اور سلطان سعید کو لکھا کہ مجھ کو مخالفت کی کوئی بات نظر نہیں آتی، ہم دونوں کے ذمے بہت سے گذشتہ اور موجودہ حقوق ہیں، اگر اس کو ہندال میرزا کی خاطر منظور نہیں، تو میں سلطان میرزا کو بھیجتا ہوں جو میرا اور اس کا دونوں کا فرزند ہے، مجھ کو یقین ہے کہ وہ اس کی رعایت کرے گا جب سلیمان میرزا بدخشاں پہنچا تو سلطان سعید کو نہ پا کر بلا دردسر بدخشاں کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی میرزا ہندال ہندوستان واپس آگیا اور اس زمانہ سے اب تک بدخشاں میرزا سلیمان کی اولاد کے قبضہ میں ہے۔

مرض الموت: رجب ۹۳۶ھ میں بادشاہ بیمار پڑا، مرض روز بڑھتا گیا، علاج نے الٹا اثر کیا، یہاں تک کہ وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا، شہزادہ ہمایوں قلعہ کالنجر کی تسخیر کے لیے گیا ہوا تھا، اس کو طلب کر کے اپنا قائم مقام بنایا، روز دوشنبہ پانچویں جمادی الاول کو داعی حق کو لبیک کہا، اس کی وصیت کے مطابق اس کی لاش کابل لائی گئی اور قدم گاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن کی گئی، ''بہشت روزی باد'' تاریخ وفات ہے۔

کردار: اگر[1] چہ اس بادشاہ کی ساری زندگی لشکرکشی اور جنگ میں گذری لیکن عیش وعشرت کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوڑتا، اس کے یہاں بزم نشاط آراستہ ہوتی رہتی، جس میں جوانان خورشید عذار اور مہ جبینوں کی شرکت ہوتی ان میں عورت مرد دونوں ہوتے، اس نے کابل کے اندر ایک ایسا مرغزار تیار کرایا تھا، جو بہشت کا نمونہ معلوم ہوتا تھا اس میں پتھر کا ایک حوض کھدوایا تھا، جو شراب ارغوانی سے بھرا رہتا، خوش طبع اور صاحب ادراک لوگوں کے ساتھ وہاں بزم نشاط منعقد کراتا اور داد انبساط دیتا، اس حوض کے کنارے یہ بیت لکھوائی تھی:

نوروز نو بہار و مے دلبری خوش است بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

---

[1] فرشتہ نے اس پر جو کچھ لکھا تھا، اس کے کچھ اقتباسات اس کتاب کے صفحہ ۲۰-۱۹ پر دیے جا چکے ہیں۔

علّامی ابوالفضل مصنف اکبرنامہ

''علامی ابوالفضل نے عہداکبری میں اکبرنامہ تین جلدوں میں لکھی، پہلی جلد میں بابر و ہمایوں کے حالات ہیں، دوسری اور تیسری جلدوں میں اکبراور اکبری حکومت کے مفصل حالات ہیں، اکبرنامہ ایک درباری تاریخ ہے، اس لیے اس کے مصنف نے پورے شاہانہ آداب کے ساتھ یہ تاریخ مرتب کی ہے یہ آداب آج کل کے جمہوری دور میں پڑھنے والوں پر گراں گذرتے ہیں لیکن جس طرح تیموری بادشاہوں نے درباری رسم ورواج اور آئین وضوابط میں ایک روایت قائم کی، اسی طرح ابوالفضل نے اپنی انشاپردازی کے زور پر بادشاہوں کے حالات لکھنے میں تحریری آداب کی ایک شاندار روایت قائم کی، جس کو بعد کے مورخین بھی پیروی کرتے رہے، گو اس کی تقلید نہ ہوسکی، وہ نہ صرف مورخ تھا، بلکہ بڑا ہی سحر نگار انشاپرداز تھا، بقول محمد حسین آزاد ''وہ انشاپردازی کا خدا ہے، اپنے لطف خیالات سے جیسی مخلوق چاہتا ہے، الفاظ کے قالب میں ڈھال دیتا ہے، جس عالم میں لکھتا ہے، نیا ڈھنگ ہے اور جتنا لکھتا جاتا ہے، عبارت کا زور بڑھتا اور چڑھتا چلا جاتا ہے''۔ عبداللہ شاہ بخارا کہا کرتا تھا کہ وہ اکبر کے تیروں سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا کہ ابولفضل کے قلم سے ڈرتا ہے، ظاہر ہے کہ اس کی انشاپردازانہ تحریر کا لفظی ترجمہ ممکن نہ تھا، اس لیے اس کا مفہوم لے لیا گیا، اکبر کا وہ بڑا ہی محبوب ہم جلیس اور دمساز تھا، وہ خود اکبر کو اپنا بڑا محسن اور محبوب سمجھتا رہا، اس لیے شاہی خاندان کے تمام افراد کو بڑی محبت اور عزت کی نظر سے دیکھنے کا عادی ہوگیا تھا، اسی جذبہ میں اپنے شاہی آقا کے دادا یعنی بابر کو اپنے سحرآمیز انداز بیان میں بادشاہ چار بالش ہفت منظر، شہریار سماوی، سریر علوی افسر، بلندی بخش، ہمت بلند، سعادت افزاے طالع ارجمند، آسمان حوصلۂ زمین وقار، شیردل، اقلیم شکار، عالی فردالاشکوہ، بیدار مغز، دانش پژوہ، صفدر، ہزبر صولت، رفیع قدر قوی دولت، دریا دل، گوہر نژاد، بادشاہ درویش، نہاد، ملے نشین سلطنت حقیقی ومجاز، ظہیرالدین محمد بابر، بادشاہ غازی جیسے القاب سے یاد کرتا

ہے، اس کو ایک درباری مورخ کی محض قصیدہ خوانی سمجھنے کے باوجود یہ بابر کی سیرت کا خلاصہ بھی تصور کیا جا سکتا ہے۔

ابوالفضل بہت ہی روادار، وسیع المشرب اور انسان دوست اہل قلم سمجھا جاتا ہے لیکن وہ اپنے شاہی آقا کے خاندان کے دشمنوں کو سخت سے سخت الفاظ میں یاد کرتا ہے، خواہ وہ مسلمان ہوں یا ہندو، خصوصاً جنگ کے موقع پر تو مخالفوں اور دشمنوں کے خلاف الفاظ استعمال کرتے وقت اس کا قلم بہت بے باک ہو جاتا ہے، مثلاً بابر کے ایک مخالف افغان سردار مین خاں کو نمک حرام، شور بخت اور بد نہاد (ص ۱۰۲) کہتا ہے، تو رانا سانگا کی فوج کے لیے گروہ پریشاں روزگار، تیرہ بختاں، سیہ روزگار اور خود رانا سانگا کے لیے مخذول جیسے الفاظ استعمال کرتا ہے، اسی طرح کے اور بھی الفاظ ملیں گے لیکن آج کی متمدن دنیا میں جنگ کے موقع پر دشمنوں کے لیے ان سے بھی زیادہ ناروا الفاظ استعمال ہوتے رہتے ہیں۔

اکبرنامہ کے حسب ذیل اقتباسات میں جہاں اور تاریخوں کے مقابلہ میں کچھ نئی معلومات ملیں گی وہاں بابر کی آخری علالت اور موت سے متعلق کچھ ایسی تفصیلات ہیں جو پہلی دفعہ اسی میں ملتی ہیں اور وہ باپ بیٹے کی محبت کی ایک بڑی دل کش داستان ہے۔

بابر کی جو سرگرمیاں ہندوستان سے باہر رہیں، وہ اکبرنامہ سے بھی اقتباسات لیتے وقت حذف کر دی گئی ہیں، ابوالفضل بابر کو اور مورخوں کی طرح فردوس مکانی لکھتا ہے لیکن حضرت ہم نے بادشاہ ہی لکھنا پسند کیا ہے اکبرنامہ کے بعد ہم اور تاریخوں سے بھی بابر سے متعلق اقتباسات پیش کریں گے، تاکہ بابر کو جن نظروں سے اور مورخوں نے دیکھا ہے، وہ بھی ناظرین کے سامنے آجائے۔

ہندوستان پر پہلا حملہ: فردوس مکانی نے ہندوستان کی تسخیر کی طرف چار مرتبہ توجہ کی لیکن ہر مرتبہ مراجعت کی، پہلی مرتبہ شعبان ۹۱۰ھ (جنوری ۱۵۰۵ء) میں مادام چشمہ اور جکدلیک کی طرف بڑھ کر خیبر ہوتے ہوئے، جم میں نزول اجلال کیا، واقعات بابری میں اپنے خامۂ صدق وصفا سے لکھا ہے کہ جب کابل سے چھ منزل طے کر کے ادینہ پور پہنچے تو اس سے پہلے ایسا گرم ملک اور ہندوستان کے علاقہ کو نہیں دیکھا تھا، یہاں پہنچ کر ایک نئی دنیا دیکھی، یہاں کی گھاس

اور درخت بالکل مختلف تھے، وحوش وطیور بھی کچھ اور تھے، یہاں کے لوگوں کے رسم و رواج اور بھی علاحدہ تھے، ان کو دیکھ کر حیرت ہوئی اور حیرت ہونے کا مقام بھی تھا۔

ناصر میرزا نے یہاں غزنیں سے آکر بساط بوسی کی، اس منزل پر ایک مجلس مشاورت (کنگش) منعقد ہوئی، کہ دریائے سند جو نیلاب کے نام سے مشہور ہے، کس طرح عبور کیا جائے لیکن باقی چغانیاں کی وجہ سے دریا کو عبور کرنا ملتوی کر دیا گیا اور کوہاٹ کی طرف روانگی ہوئی کوہاٹ کو لینے کے بعد بنگش اور نیوار پر یورش کی گئی، وہاں سے عیسیٰ خیل کی طرف لشکر بڑھا اور تربیلا میں مقیم ہوا، جو کہ دریائے سندھ کے کنارے ملتان کے توابع میں ہے، وہاں سے دریا کے ساحل پر چند منزل لشکر اور آگے بڑھا اور دوکی کے حدود میں آیا اور کچھ روز کے بعد شاہی لشکر غزنیں چلا آیا اور ذی الحجہ (مئی ۱۵۰۵ء) میں حضرت بادشاہ کابل رونق افروز ہو گئے۔

دوسرا حملہ: دوسری بار جمادی الاول ۹۱۳ھ (ستمبر ۱۵۰۷ء) میں ہندوستان کی فتح کی طرف کابل خورد کی راہ سے متوجہ ہوئے، فوج مندراول، بغر اور شیوہ ہو کر گذری لیکن ہمراہیوں کے اختلاف کی وجہ سے مراجعت کر گئی، غرنکر اور نور گل کو عبور کرتی ہوئی بادیخ ہوتی ہوئی کابل پہونچی، حضرت بادشاہ کے حکم سے بادیخ عبور کرنے کی تاریخ ایک پتھر پر کندہ کرادی گئی، جو اب تک محفوظ ہے، اُس وقت حضرت صاحب قراں کی اولاد عالی نژاد کو میرزا کہا جاتا تھا، پتھر پر تاریخ لکھتے وقت فردوس مکانی نے حکم دیا کہ ان کو بادشاہ لکھا جائے۔

ہمایوں کی پیدائش: اسی سال ۴؍ذی قعدہ (۶؍مارچ ۱۵۰۸ء) کو کابل کے قلعہ میں حضرت جہاں بانی جنت آشیانی (یعنی ہمایوں) کی ولادت باسعادت ہوئی۔

تیسرا حملہ: یکم محرم ۹۲۵ھ (۳؍جنوری ۱۵۱۹ء) کو فردوس مکانی بجور کی طرف متوجہ تھے کہ راستہ میں ایک بڑا زلزلہ آیا جو نیم ساعت نجومی تک رہا، سلطان ویس سوادی کی طرف سے سلطان علاء الدین سوادی، ایلچی بن کر آیا، تھوڑی ہی مدت میں بجور کا قلعہ تصرف میں آگیا اور یہ خواجہ کلاں بیگ ولد مولانا محمد صدر کو دے دیا گیا، وہ میرزا عمر شیخ کے بڑے ارکان دولت میں تھا، خواجہ کو بھی حضرت بادشاہ سے بڑی خصوصیت تھی، اس کے چھ بھائی خدمت کرتے ہوئے نچھاور ہوئے، خواجہ اپنی عقل وفراست کی وجہ سے حضرت بادشاہ کا منظور نظر تھا۔

جب حضرت بادشاہ سواد کی مہم اور یوسف زئی کی تسخیر میں مشغول تھے، تو شاہ منصور کے چھوٹے بھائی طاؤس خاں نے جو یوسف زئی کا سردار تھا، شاہ منصور کی لڑکی کو پیش کر کے اپنے عجز و انکسار کا اظہار کیا، اس علاقہ میں چوپایوں کے چارہ کی بڑی قلت تھی، حضرت بادشاہ کا ارادہ ہندوستان پر یورش کرنے کا بھی تھا، اس لیے اس نے سواد سے عنان عزیمت کا رخ موڑا، ہندوستان کے سفر کی پوری تیاری نہ تھی، امرا بھی یورش کے لیے راضی نہ تھے لیکن حضرت بادشاہ اپنی مشعل ہمت بلند کر کے سواد ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے ۱۶ر محرم بروز جمعرات کی صبح کو دریا (سندھ) کو گھوڑوں، اونٹوں اور دوسرے سامان کے ساتھ عبور کیا اور اردو (یعنی لشکر) کے بازار کو کشتیوں پر لاد کر پار کیا اور کچھ کوت میں نزول اجلال فرمایا۔

بھیرہ سے سات کروہ اتر کی طرف ایک پہاڑ ہے، اس کا نام ظفر نامہ میں کوہ جود لکھا ہوا ہے، وہاں شاہی لشکر مقیم ہوا، حضرت بادشاہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے، اس وقت اس پہاڑ کی وجہ تسمیہ ظاہر نہ تھی، معلوم ہوا کہ اس پہاڑ میں ایک باپ سے دو نسلیں ہوئیں، ایک قبیلہ کو جود اور دوسرے کو جنجوبہ کہتے تھے، یہاں پہنچ کر عبدالرحیم شقادل کو بھیرہ کے لوگوں کی دلجوئی کے لیے ان کے پاس بھیجا گیا اور فوج کو دست درازی کرنے سے روکا گیا، حضرت بادشاہ خود دریائے بہت کے ساحل پر بھیرہ کی مشرقی جانب فروکش ہوئے اور چار لاکھ شاہرخی لے کر بھیرہ ہندو بیگ کو عطا کیا، خوشاب شاہ حسن کے سپرد کیا اور اس کو ہندو بیگ کو مدد کرنے کو بھی کہا، پانچ چھ مہینے پہلے ہندوستان میں سلطان ابراہیم اپنے باپ سلطان سکندری لودی کا جانشین ہوا تھا، حضرت بادشاہ نے ملا مرشد کو سلطان ابراہیم کے پاس ایلچی بنا کر بھیجا، لاہور کا حاکم دولت خاں تھا، اس نے ایلچی کو روک لیا اور اپنی نادانی سے اس کو مقصد براری کے بغیر واپس کر دیا۔

ہندال کی پیدائش: ۲ر ربیع الاول جمعہ کے روز (۴ر مارچ ۱۵۱۹ء) ایک فرزند سعادت پیوند کی پیدائش کی خبر ملی، ہندوستان کی تسخیر در پیش تھی، اس لیے شگون کی خاطر اس کا نام ہندال رکھا گیا، ۵ر ربیع الاول دوشنبہ کو بھیرہ کے نظم کے لیے ہندو بیگ کو روانہ کیا گیا اور خود حضرت بادشاہ کابل کی طرف مراجعت کر گئے، جمعرات کو ربیع الاول کی آخری تاریخ کو وہ کابل پہنچ گئے، دوشنبہ ۲۵ر ربیع الآخر کو ہندو بیگ اپنی لاپروائی سے بھیرہ چھوڑ کر کابل چلا آیا۔

چوتھا حملہ: چوتھے حملہ کی تاریخ ظاہر نہیں ہے لیکن اتنا معلوم ہو سکا کہ حضرت بادشاہ نے لاہور کی یورش کے سلسلہ میں دیپال پور کی تسخیر کی، تو اس میں جو فتح کی تاریخ لکھی ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ چوتھی یورش ۹۳۰ھ میں ہوئی اور چونکہ ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے، اس لیے اس مرتبہ کی یورش ملتوی کر دی گئی، امرا نے بھی سستی دکھائی، بھائیوں نے بھی تعاون نہیں کیا۔

پانچواں حملہ: پانچویں بار توفیق ایزدی نے ساتھ دیا، اقبال ازلی نے سپہ سالاری کا کام کیا، جمعہ کے روز یکم صفر ۹۳۲ھ کو آفتاب نے اپنے برج میں اپنی روشنی کا جھنڈا بلند کیا، تو اس سے سواد عالم کی ظلمت دور ہو گئی اور حضرت بادشاہ توکل کے رکاب میں پائے عزیمت رکھ کر ہندوستان کی تسخیر کی طرف متوجہ ہوئے، میرزا کامران کو قندھار میں چھوڑا تاکہ وہ کابل کی نگہداشت کرتا رہے اور جب یہ یورش ہوئی تو فتح پر فتح اور اقبال پر اقبال ظاہر ہونے لگا، لاہور اور ہندوستان کے دوسرے بڑے شہر حضرت بادشاہ کے تصرف میں آ گئے۔

۱۷ر صفر کو حضرت جنت آشیانی نصیرالدین محمد ہمایوں بدخشاں سے ایک لشکر لے کر باغ دفا میں بساط بوس ہوئے، اسی زمانہ میں خواجہ کلاں بیگ بھی غزنین سے آیا۔

پہلی ربیع الاول کو سندھ دریا کو کچھ کوٹ کے پاس عبور کیا، فوج کا معائنہ ہوا، بارہ ہزار سوار ترک، تاجیک اور سوداگر تھے، جہلم کے اوپر دریائے بھٹ کو پار کیا، بہلول پور کے نزدیک دریائے چناب کو عبور کر کے پڑاؤ ڈالا۔

بہلول پور کی آبادی: حضرت بادشاہ کے جی میں آیا کہ ۱۴ر ربیع الاول جمعہ کے روز سیالکوٹ کو ویران کر کے بہلول پور آباد کیا جائے، اسی زمانہ میں دشمنوں کے جمع ہونے کی خبر ملی اور جب حضرت بادشاہ کلانور پہنچے تو سلطان میرزا عادل سلطان اور دوسرے ملازم جو لاہور کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیے گئے تھے، آ کر زمین بوس ہوئے۔

تسخیر ملوت: سنیچر کے روز ۲۲ر ربیع الاول کو ملوت کا قلعہ فتح ہوا، یہاں جو مال و اسباب ہاتھ آیا، اس میں غازی خاں کا کتب خانہ بھی تھا، جن میں کچھ تو حضرت جہاں بانی یعنی ہمایوں کو دیا اور کچھ کامراں کے پاس قندھار بھیج دیا۔

خبر ملی کہ حصار فیروزہ کا حاکم حمید خاں دو تین منزل آگے بڑھ آنے کی جرأت کی

ہے، اتوار کے روز ۱۳ر جمادی الاول کو فوج نے انبالہ سے کوچ کیا اور ایک تالاب کے پاس مقیم ہوئی، یہاں سے حضرت جہاں بانی نصیر الدین محمد ہمایوں کو حمید خاں کے خلاف روانہ کیا گیا، امیر خواجہ کلاں بیگ امیر سلطان محمد دولدی، امیر ولی خازن، امیر عبدالعزیز، امیر محب علی، خواجہ خلیفہ اور دوسرے امرا جو ہندوستان میں رہ گئے تھے، مثلاً ہندو بیگ عبدالعزیز، محمد علی جنگ جنگ، وغیرہ ہمرکاب کیے گئے، ہندوستانی امرا میں بن ایک ممتاز امیر تھا، اس نے آستان بوسی کر کے عزت پائی، حضرت جہاں بانی (یعنی ہمایوں نے اپنے بیدار مغز اور بلند اقبال کی ہم رکابی سے تھوڑی سی توجہ کے بعد فتح کا جھنڈا بلند کر لیا۔

پانی پت کی طرف کوچ: دوشنبہ کے روز اُسی مہینہ وہ (یعنی ہمایوں) لشکر گاہ کو واپس ہوئے، حضرت بادشاہ نے ان کو حصار فیروزہ اور اس کے ارد گرد کے علاقے عنایت کیے، اس کی آمدنی ایک کرور ہوئی، اس فتح کی خوشی میں ایک کرور روپے نقد دیے، یہ فتح ان کی آئندہ بے اندازہ فتوحات کا مقدمہ تھی، لشکر نے اپنا کوچ جاری رکھا، خبر پہنچتی رہی، کہ سلطان ابراہیم ایک لاکھ سوار اور ایک ہزار ہاتھی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے، فوج نے سرسادہ میں پڑاؤ ڈالا، خواجہ کلاں بیگ کے ملازم حیدر علی نے خبر دی کہ داؤد خاں اور حاتم خاں پانچ چھ ہزار سوار کے ساتھ سلطان ابراہیم کے لشکر سے آگے بڑھ آئے ہیں، اتوار کے دن ۱۸ر جمادی الآخر کو چین تیمور سلطان محمد سلطان میرزا، مہدی خواجہ، عادل سلطان تمام جرانغار (بائیں بازو) والوں کے ساتھ مقابلہ کے لیے بھیجے گئے، جرانغار میں سلطان جنید، شاہ میر حسن اور قتلق قدم تھے، غول (مرکز) کے بھی لوگ ساتھ کر دیے گئے، اس میں یونس علی، عبداللہ احمدی اور کتہ بیگ وغیرہ تھے، بہادروں اور دلاوروں کی یہ جماعت تیزی سے آگے بڑھی اور لڑائی کے آئین کے ساتھ لڑنے کے بعد فتح یاب ہوئی اور ایک بڑی جماعت کو قیدی بنایا اور بہت سے لوگوں کو اپنے تلوار اور تیر سے ہلاک کیا، حاتم خاں ستر آدمیوں کے ساتھ گرفتار کر کے شاہی لشکر میں لایا گیا اور حکم کے مطابق سزا دی گئی۔

استاد علی قلی کو مقرر کیا گیا کہ رومی طریقے پر ارابوں (توپوں کی گاڑیوں) کو زنجیر اور گائے کے کچے چمڑے سے ایک دوسرے سے باندھ دیا جائے، کچے چمڑے سے ارغچی بنا لیے جاتے، دونوں ارابوں کے درمیان چھ سات تورے سے رکھ دیے جاتے، تاکہ تفنگ اندازان

کے پیچھے ہو کر اطمینان سے تفنگ چلائیں، پانچ چھ روز میں یہ انتظام ہو گیا۔ جمعرات کے دن جمادی الاخریٰ کی آخری تاریخ میں ہمائے دولت اپنے اقبال کے پروں کے ساتھ پانی پت کے شہر میں سایہ گستر ہوا، لشکر کی صف آرائی قاعدہ کے مطابق ہوئی، لشکر کا برانغار (دایاں بازو) شہر کی طرف رکھا گیا، ارابے اور تورے جن کی ترتیب دی گئی تھی، غول یعنی مرکز کے سامنے رکھے گئے، جرانغار (بایاں بازو) خندق اور درختوں سے مستحکم کیا گیا، سلطان ابراہیم اپنے بڑے لشکر کے ساتھ شہر سے چھ کروہ پر لڑائی کے میدان میں آراستہ ہوا، وہ ایک ہفتہ تک پانی پت میں مقیم رہا، لشکر کے جوان اور تجربہ کار فوجی دشمن کے لشکر کے کنارے پہنچ کر ان سے جنگ کرتے اور غالب آتے، جمعہ کے روز ۶ رجب کو سلطان ابراہیم اپنے بھاری لشکر اور پر شکوہ ہاتھیوں کے ساتھ شاہی لشکر کی طرف متوجہ ہوا، حضرت بادشاہ نے بھی اپنی فوج ترتیب دی اور لڑائی کے میدان کو صفوں سے آراستہ کیا۔

سلطان ابراہیم سے لڑائی:...... غول (مرکز) کو حضرت بادشاہ نے اپنی ذات مقدس سے زینت بخشا، غول کے دائیں ہاتھ پر جو اون غول کے نام سے یاد کیا جاتا، چین تیمور سلطان، سلیمان مرزا، امیر محمدی کوکلتاش، امیر شاہ منصور برلاس، امیر یونس علی، امیر درویش محمد ساربان اور امیر عبداللہ کتابدار کو متعین کیا، غول کے بائیں ہاتھ پر جو سول غول کہلاتا، امیر خلیفہ خواجہ میر میران صدر، امیر احمدی پروانچی، امیر تردی، بیگ براور قوج بیگ، محب علی خلیفہ، میرزا بیگ ترخان کو مقرر کیا گیا، برانغار (بائیں بازو) پر حضرت جنت آشیانی یعنی ہمایوں اپنے حسن تدبیر اور شکوہ کے ساتھ مامور ہوئے، امیر خواجہ کلاں بیگ، سلطان محمد دولدی، امیر ہندو بیگ، ولی خازن، پیر قلی سیستانی ان کے ہم رکاب تھے، جرانغار (بائیں بازو) میں محمد سلطان میرزا، سید مہدی خواجہ، عادل سلطان، سلطان جنید برلاس، خواجہ شاہ میر حسین امیر قتلق قدم، امیر خاں بیگ امیر محمد بخشی اور دوسرے بہادر تعینات ہوئے، ہراول (اگلے دستہ) میں خسرو کوکلتاش اور محمد علی جنگ جنگ تھے، اس کے طرف (فوج محفوظہ) میں امیر عبدالعزیز تھا، برانغار کے اوج میں ولی شرل، ملک قاسم، بابا قشقہ، دوسرے مغلوں کے ساتھ تولقمہ کے طور پر متعین ہوئے، جرانغار کے اوج میں قراقوزی، ابوالمحمد نیزہ باز، شیخ علی، شیخ جمال، تنگری قلی مغل تولقمہ کے طور پر تعینات تھے، لڑنے والے دلاور اور تیغ زن

بہادر پورے قاعدے کے ساتھ میدانِ جنگ میں مستحکم ہوگئے اور پائے ثبات کے ساتھ جاں ستان تیروں اور خون آشام تلواروں سے دادِ شجاعت دی۔

دلیراں ستادند پا کردہ سخت ستادن در آموخت زایشاں درخت

سخت حملوں کے بعد آسمانی تائید لشکر کے قلب (مرکز) اور جناح (بازو) کے ساتھ ہوئی اور توفیق خداوندی سے بڑی فتح حاصل ہوئی، دشمن کو شکست ہوئی، فتح کے ظاہر ہونے کے بعد سلطان ابراہیم ایک گوشہ میں مقتول پایا گیا، جس کو کسی نے نہیں پہچانا، افغانوں کی ایک بڑی جماعت تہ تیغ ہوئی، سلطان ابراہیم کے پاس ایک گوشہ میں پانچ چھ ہزار آدمی مرے پڑے تھے......۔

یہ بڑی فتح محض عطیات الٰہی میں سے تھی، حضرت بادشاہ کے بارہ ہزار سے زیادہ لشکری نہ تھے، ان کے پاس بدخشاں، قندھار اور کابل جیسے علاقے ضرور تھے لیکن وہاں سے ان کی فوج کو مدد نہ ملی، بلکہ ان دشمنوں کی سرحدوں کی حفاظت کے سلسلہ میں آمدنی سے زیادہ خرچ تھا، سلطان ابراہیم کے ساتھ ایک لاکھ سوار اور ایک ہزار جنگی ہاتھی تھے، بھیرہ سے بہار تک کے علاقے اس کے تصرف میں تھے،......توفیق غیبی اور تائید آسمانی سے اتنا بڑا کام پورا ہوگیا، زمانہ کے اس کارنامہ کی تعریف کرنے سے کارشناسانِ فراخ حوصلہ عاجز ہیں......۔

جس روز فتح ہوئی، اسی روز حضرت جنت آشیانی (ہمایوں) امیر خواجہ کلاں بیگ، امیر محمد کوکلتاش، امیر یونس علی، امیر شاہ منصور برلاس، امیر عبداللہ کتابدار، امیر علی خاں شاہی فرمان کے بموجب سلطان ابراہیم کے پاس تخت آگرہ روانہ کیے گئے، تاکہ خزانہ کی حفاظت کریں اور وہاں کے لوگوں کو اطمینان دلائیں، سید محمدی خواجہ محمد سلطان، میرزا عادل، سلطان امیر جنید برلاس، امیر قتلق قدم دہلی روانہ ہوئے، کہ وہاں کے خزانے کی حفاظت کر کے رعایا کو شاہی عاطفت کی خوش خبری سنائیں، اسی روز ایک فتح نامہ لکھ کر کابل، بدخشاں اور قندھار روانہ کیا گیا۔

دہلی اور آگرہ میں داخلہ: حضرت بادشاہ نے ۱۲رتاریخ بدھ کو دہلی میں نزول اجلال کیا جمعہ کے روز ۲۱رتاریخ اپنے چتر اقبال سے آگرہ کو رونق بخشی اور ہندوستان کے چھوٹے بڑے شاہی مراحم و عواطف سے نوازے گئے، غایت مہربانی میں سلطان ابراہیم کی ماں اس کی اولاد اور اس کے متبعین

کو ان کا مال اور خزانہ مرحمت کیا، سلطان ابراہیم کی ماں کو سات لاکھ تنگے مزید دیے گئے اسی طرح سلطان کے اور اقربا کو شاہی وظیفے دیے گئے، اس طرح پراگندگی دور ہو کر سب کو اطمینان حاصل ہوا، حضرت جنت آشیانی (یعنی ہمایوں) پہلے ہی آگرہ میں نزول اجلال فرما چکے تھے، انھوں نے ایک ہیرا پیش کیا، اس کا وزن آٹھ مثقال تھا اور مبصروں کا تخمینہ تھا کہ اس کی قیمت دنیا کے روزمرہ اخراجات کی نصف رقم تھی، یہ سلطان علاء الدین کا تھا، حضرت جنت آشیانی نے گوالیار کے راجہ بکر ماجیت سے حاصل کیا تھا، حضرت بادشاہ نے اس کو قبول کیا لیکن پھر (ہمایوں کو) عطا کر دیا[1]۔

تقسیم انعامات: سنیچر ۲۹؍رجب کو حضرت بادشاہ نے ان خزائن و دفائن کو دیکھنا اور تقسیم کرنا شروع کیا، جو مختلف سلاطین نے جمع کیے تھے، حضرت جنت آشیانی (ہمایوں) کو ستر لاکھ سکندری تنگے دیے اور خزانہ کا ایک گھر بھی انعام میں دیا، جس کا حساب نہیں لگایا گیا، امرا کو ان کے مناصب و مراتب کے ساتھ دس دس سے لے کر پانچ پانچ لاکھ تک تنگے دیے، تمام لشکریوں اور ملازموں کو ان کے رتبے سے زیادہ انعامات بخشے، چھوٹے بڑے تمام اہل سعادت کو اپنی نوازشوں سے خوش کیا، لشکر اور لشکر کے بازار میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو بہرہ ور نہ ہوا ہو، بدخشاں، کابل اور قندھار میں شاہی خاندان کے افراد کو بھی ان کے رتبہ کے مطابق نقد اور جنس تحفے کے طور پر بھیجی گئی، کامران میرزا کو ستر لاکھ تنگے، محمد زماں میرزا کو پچاس لاکھ تنگے، اسی طرح عسکری میرزا، ہندال میرزا، بیگمات امرا اور ملازموں کو جواہرات، بیش قیمت چیزیں سرخ اور سفید سکے بھیجے گئے، شاہی خاندان کے جو رشتہ دار اور متعلقین سمرقند، خراسان، کاشغر اور عراق میں تھے اُن کے پاس بھی انعامات گئے، خراسان اور سمرقند کے متبرک مزارات کے لیے بھی نذرانے اور ہدیے روانہ کیے

---

[1] بابر تزک بابری میں لکھتا ہے:

"جب ہمایوں آگرہ آیا تو بکر ماجیت کی اولاد بھاگنے کے خیال میں تھی، ہمایوں نے سپاہی متعین کر دیے تھے، انہوں نے روکا، مگر ہمایوں نے ان کو لوٹنے مارنے کی اجازت نہیں دی، انہوں نے اپنی خواہش سے بہت سا جواہر ہمایوں کی نذر کیا، اس میں ایک مشہور ہیرا تھا جو سلطان علاء الدین لایا تھا، کہتے ہیں کہ بعض نے اس کی قیمت ساری دنیا کے خراج کا نصف تشخیص کی تھی، غالباً اس کا وزن آٹھ مثقال ہے، جب میں آیا تو ہمایوں نے اس کو میرے آگے پیش کیا، میں نے ہمایوں ہی کو دے دیا۔" (ص ۲۶۸)

گئے، فرمان جاری ہوا کہ کابل، صدرہ، ورسک، خوست اور بدخشاں کے ہر مرد، عورت چھوٹے بڑے کو ایک ایک شاہ رخی دی جائے، اس طرح خواص وعوام حضرت بادشاہ کے خوان احسان سے بہرہ مند ہوئے۔

ز افشاندن دست گوہر نثار نشاطے نوانگیخت در روزگار

خوش ست ارمغانی کہ آید ز دور کہ مہ بر زمیں ریزد از چرخ نور

ہندوستانیوں کی مخالفت: اس فتح اور اتنی بخششوں کے باوجود ہندوستان کے لوگوں میں عدم موانست رہا، سپاہی اور رعیت دونوں نے اختلاط سے اجتناب کیا، دہلی اور آگرہ تو تصرف میں آچکے تھے لیکن اطراف وجوانب میں مخالفین موجود تھے اور اکثر سرکشوں نے نواح کے قلعوں پر قبضہ کرلیا تھا، سنبھل کا حصار قاسم سنبھلی کے پاس تھا، بیانہ کے قلعہ میں نظام خاں مخالفت پر آمادہ تھا، حسن خاں میواتی میوات کو مضبوط کر کے مخاصمت کا علم بلند کیے ہوئے تھا، دھول پور کو مضبوط بنا کر اس پر محمد زیتون کا مخالفانہ قبضہ تھا، نثار خاں سارنگ خانی نے گوالیار کے حصے کو مضبوط بنا رکھا تھا، راپری کو حسین خاں لوحانی، اٹاوہ کو قطب خاں، کالپی کو عالم خاں نے اپنے تصرف میں کر رکھا تھا، آگرہ کے پاس مہادن پر سلطان ابراہیم کے ایک غلام مرغوب نے قبضہ کرلیا تھا، قنوج اور اس کا سارا علاقہ جو دریائے گنگا کے کنارے واقع تھا، نصیر خاں لوحانی اور معروف فرلی کی سرداری میں افغانوں کے قبضہ میں تھا، مؤخر الذکر دونوں نے سلطان ابراہیم کی بھی مخالفت کی تھی، اس کے مرنے کے بعد اور بھی علاقوں پر وہ قابض ہو گئے تھے اور آگے بڑھ کر دریا خاں کے لڑکے بہار خاں کو بادشاہ بنا کر سلطان محمد لقب دے رکھا تھا۔

بابر کے ہم راہیوں کی بددلی: اس سال جب کہ حضرت بادشاہ آگرہ میں مقیم تھے، بڑی گرم اور مسموم ہوا چلی، جس سے لشکریوں کے حوصلے کم ہو گئے، بہت سے لوگ اپنے توہم اور کم عقلی کی وجہ سے بھاگنے لگے، سرکشوں، ہوا کی ناسازگاری، راستوں کی مشکلوں اور سوداگروں کی آمد ورفت میں تاخیر کی وجہ سے معیشت کی تنگی اور اجناس کا فقدان ہو گیا، لوگوں کو مشکلیں پیش آنے لگیں، بہت سے امرا ہندوستان سے کابل یا اُس کے حدود میں چلے گئے، بہت سے لشکریوں نے رخصت لیے بغیر اس ملک کو چھوڑ دیا، پرانے امرا اور سپاہی حضرت بادشاہ کے سامنے اور پیٹھ پیچھے ناملائم باتیں

کہتے لیکن وہ اپنی دور بینی اور بردباری کے لحاظ سے یگانہ وقت تھے، اس لیے ان باتوں کو نظر انداز کرتے اور ملک کے انتظام میں مشغول رہتے، یہاں تک کہ مخصوصین اور تربیت یافتہ لوگوں کی طرف سے بے مزہ حرکتیں سرزد ہونے لگیں، ان ہی میں احمدی پروانچی اور ولی خان تھے اور تعجب تو یہ تھا کہ خواجہ کلاں بیگ کی رائے بدل گئی تھی، اس نے ہندوستان کی یورش کے سلسلہ میں بڑی عالی ہمتی اور مردانگی دکھائی تھی، اس کی روش کچھ اور ہوگئی، وہ کبھی صاف صاف اور کبھی کنایۃً اس ملک کو ترک کرنے کی رائے دینے لگا، بالآخر حضرت بادشاہ نے اعیان دولت اور ارکان ملک کو جمع کیا اور ان کو خرد پسندانہ نصیحتیں کیں، ان کے جو پوشیدہ خیالات اور بیجا ارادے تھے، ان کا پردہ فاش کیا اور فرمایا کہ اس ملک کو اتنی کوشش اور محنت سے حاصل کیا ہے، تھوڑی سی تکلیف اور کلفت کی وجہ سے اس کو چھوڑ دینا، فاتحوں اور عقل مندوں کا کام نہیں، شادی وغم، فراخی و تنگی تو ساتھ ساتھ ہوتی ہے، جب اتنی محنت اور صعوبت برداشت کی ہے تو یقین ہے کہ راحت اور سہولت بھی میسر ہوگی، لازم ہے کہ توکل کی مضبوط ڈوری کو پکڑیں اور شورانگیز اور تو ہم افزا باتیں نہ کریں، جو واپس جانا اور اپنے جوہر کی بے حقیقتی کو ظاہر کرنا چاہتا ہے، وہ چلا جائے، کوئی مضائقہ نہیں لیکن ہم پوری ہمت سے جس کی تائید خداوند تعالیٰ کرے گا، اسی ہندوستان میں رہنے کا ارادہ کر چکے ہیں، آخر کار تمام ارکانِ دولت نے سوچ بچار کر کے اس یقین کا اظہار کیا کہ حضرت بادشاہ جو کچھ کہتے ہیں حق بات ہے، ''بادشاہ کی بات باتوں کی بادشاہ ہوتی ہے''، پھر شیر دل اور صمیم جان سے شاہی حکم و فرمان کے بموجب ٹھہرنے کا ارادہ کرلیا، خواجہ کلاں کو جانے کی اجازت مل گئی وہ دوسروں کے مقابلہ میں جانے کا زیادہ خواہش مند تھا، شہزادہ اور دوسرے مخصوص لوگوں کے سوغات اور تحفے اس کے ساتھ کر دیے گئے، غزنین، گرویز اور سلطان مسعودی ہزار جہ اس کی جاگیر میں دیے گئے، ہندوستان کا پرگنہ کہرام بھی اس کو عنایت ہوا، میر میران کو بھی کابل جانے کی اجازت مل گئی۔

افغانی امرا کی اطاعت: جمعرات ۲۰ رذی الحجہ کو خواجہ کلاں بیگ رخصت ہوا، یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ جو صحیح سوچنے والے اقبال مند لوگ اپنی عقل سے کام لیتے ہیں تو ضرور اپنے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ جاتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں، اس کا نمونہ حضرت گیتی ستانی فردوس مکانی تھے، سپاہیوں کے اس تذبذب اور مخالفت کے باوجود کشور کشا ہمت توکل اور عنایت خداوندی سے کام لے کر

اپنے کام اور مراد کے حصول میں لگ گئے اور شہر آگرہ کو جو ہندوستان کا مرکز تھا، اپنی بادشاہت کا مستقر بنایا اور اپنی تدبیر، شجاعت اور داد دہش سے اس ملک کا انتظام کیا، رفتہ رفتہ ہندوستان کے بہت سے امرا سردار اور حکمراں ان کی خدمت میں آ گئے، ان ہی میں شیخ گھورن تھا، جو تین ہزار نامی لوگوں کے ساتھ آملا، ان میں سے ہر ایک کو اپنے حق سے زیادہ رعایتیں ملیں، مشہور سرداروں میں فیروز خاں، شیخ بایزید، محمود خاں لوحانی اور قاضی جیا بھی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا مقصد پایا، فیروز خاں کو ایک کرور تنکے کی جاگیر جون پور میں ملی، شیخ بایزید کو اودھ کا ایک کرور کا علاقہ ملا، محمود خاں کے لیے غازی پور سے نوے لاکھ تنکے اور قاضی جیا کے لیے جون پور سے بیس لاکھ تنکے کی تنخواہیں مقرر ہوئیں اور تھوڑے ہی دنوں میں امن، فراغت، عیش وعشرت اور کامرانی پیدا ہوگئی، جیسا کہ مستقل حکومت میں ہوا کرتی ہے، عید شوال کے چند روز کے بعد آگرہ میں سلطان ابراہیم کے محل میں ایک بڑا جشن منایا گیا اور بڑی خوش دلی سے لوگوں میں انعامات تقسیم کیے گئے، حضرت جہاں بانی (یعنی ہمایوں) کو سرکار حصار فیروزہ ان کی بہادری کے صلہ میں دیا جا چکا تھا، سنبھل کے علاقہ کا مزید اضافہ ہوا اور اس کی وکالت کے لیے امیر ہندو بیگ نامزد ہوا، میں نے سنبھل کے قلعہ کا محاصرہ کر رکھا تھا، امیر ہندو بیگ، کتہ بیگ، ملک قاسم، بابا قشقہ کو بھائیوں کے ساتھ، ملا ایاق اور شیخ گھورن اس کے خلاف دوآب بھیجے گئے، ببن نے ان سے جنگ کی لیکن شکست کھا گیا، اس نمک حرام اور بدبخت کو پھر فلاح و بہبود دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔

پورب کی طرف یورش: حضرت بادشاہ آگرہ میں کامیاب اور کام بخش ہو کر انتظامات میں مشغول تھے کہ برسات کا موسم ختم ہوگیا، یہ موسم ہندوستان کی بہار ہے، جب کہ طراوت اور نضارت ہوتی ہے، دوستوں کے ساتھ انبساط اور باغ و بوستاں میں نشاط کی کیفیت سے لطف حاصل کیا جاتا ہے، برسات کے بعد ہی بہادروں کی کشور کشائی اور جولانی کا موقع ہوتا ہے، حضرت بادشاہ نے اپنے ساتھ والے دلاوروں اور بہادروں سے مشورہ کیا کہ یورش کس طرف ہو، لوحانیوں کے خلاف پورب کی طرف ہو، جدھر وہ تقریباً پچاس ہزار سواروں کو لے کر قنوج سے آگے بڑھ گئے ہیں اور تباہی مچانے کا ارادہ رکھتے ہیں، یا پچھم کی طرف رانا سانگا کے خلاف جا کر اس کا استیصال کیا جائے کیوں کہ وہ بہت قوی ہو کر حصار کھندار پر قابض ہو گیا تھا اور اپنے نخوت

میں فتنہ وفساد کا ارادہ رکھتا تھا، بڑے بڑے امرا نے یہ رائے دی کہ رانا سانگا کا بل برابر عرضیاں بھیج کر اپنی نیک خدمت کا دم بھرتا رہا ہے، اس میں شک نہیں کچھ عرصہ سے اس کی کوئی عرضداشت نہیں آئی ہے اور جب سے اس نے حسن ولد مکن سے کھنڈار کا قلعہ لے لیا ہے اب تک زمین بوسی کی سعادت سے مشرف نہیں ہوا ہے لیکن یہ تمام باتیں اس کی بدخواہی کی وجوہ نہیں ہوسکتی ہیں، اس لیے اس کی جانب ابھی نہ جانا چاہیے، سردست اس کے پاس تجربہ کار آدمیوں کو بھیج کر اس کے ارادے سے مطلع ہونا چاہیے، جب تک یہ معلوم نہ ہوجائے، لوحانیوں کے خلاف پورب کی طرف یورش کو مقدم قرار دیا جائے، حضرت بادشاہ خود ہی اس مہم پر جانا چاہتے تھے لیکن حضرت جہاں بانی (ہمایوں) نے یہ عرض کیا کہ اگر ان کو اس عہدہ پر مقرر کیا جائے تو اقبال روز افزوں کی مدد سے اس مہم کو وہ خاطر خواہ طریقہ پر انجام دے سکتے ہیں، حضرت بادشاہ کو یہ رائے پسند آئی، بڑی شگفتگی اور کشادگی کے ساتھ قبول کی اور حضرت جہاں بانی نے اس خدمت کے لیے ہمت کی، حکم ہوا کہ عادل سلطان محمد کوکلتاش، امیر شاہ منصور برلاس امیر قتلق قدم، امیر عبداللہ، امیر ولی، امیر جان بیگ، پیرقلی اور امیر شاہ حسین ساتھ جائیں، ان میں کچھ امرا دھولپور اور اس کے علاقے کی تسخیر کے لیے مقرر ہوئے تھے کہ ان کو محمد زیتون سے لے کر اور سلطان جنید برلاس کے سپرد کر کے بیانہ چلے جائیں، کابلی احمد قاسم کو اس بات پر مامور کیا گیا کہ وہ چند اور جا کر کچھ فوجیں حضرت ہمایوں تک پہنچائے، سید مہدی خواجہ جاگیردار اٹاوہ محمد سلطان میرزا، سلطان محمد دولدی، محمد علی جنگ جنگ اور عبدالعلی امیر اخور بھی تمام لشکر کے ساتھ حضرت ہمایوں کی معیت میں کیے گئے، وہ اٹاوہ قطب خاں افغان کی مخالفت کو فرو کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے، جمعرات کے روز تیرہویں ذی قعدہ کو مبارک ساعت میں آگرہ سے روانگی ہوئی، تین کوس آگے چل کر فوج ٹھہری، پھر کوچ کرتی ہوئی آگے بڑھی، فتح وفیروز مندی کی بہار کی ہوائیں اور نصرت واقبال کی نسیم چلنے لگی، نصیر خاں جاجمو میں ایک لشکر لئے بیٹھا تھا لیکن شاہی فوج پندرہ کروہ دور تھی کہ وہ بھاگ گئی اور گنگا عبور کر کے خرید (ضلع بلیا) چلا آیا، شاہی فوج خرید کی طرف بڑھی اور یہاں لطف وقہر سے پیش آکر جون پور کی طرف رخ کیا، جونپور اور اس کے علاقے کو اپنی داد ودہش سے معمور کیا اور وہاں کی ملک ستانی اور ملک داری میں بوڑھوں کی عقل اور جوانوں کی قوت بخت کی روشنی میں پوری کوشش

کی اور جب مراجعت کی تو دلمو کے پاس فتح خاں سردانی حاضر ہوا، وہ ہندوستان کے بڑے امرا میں تھا، اس کے باپ کو سلطان ابراہیم کی طرف سے اعظم ہمایونی کا خطاب ملا تھا، اس کو سید مہدی خواجہ اور محمد سلطان میرزا کے ساتھ شاہی دربار میں بھیج دیا گیا، وہ شاہی عنایتوں اور خلعت سے سرفراز ہوا، اس کے باپ کی طرح اس کی تنخواہ ایک کرور چھ لاکھ تنگے مقرر ہوئی، وہ اپنی سادہ لوحی سے اس کی بھی آرزو رکھتا تھا کہ اس کو اس کے باپ کا خطاب ملے لیکن اس کو خان جہاں کے خطاب سے ممتاز کر کے اپنی جاگیر پر بھیج دیا گیا، اس کے لڑکے محمود خاں کو مستقل ملازمت سے سرفراز کیا گیا، حضرت بادشاہ آگرہ میں ہر طرح کا کامگار و کامیاب تھے، یہاں تک کہ محرم ۹۳۳ھ میں کابل سے یہ خوشخبری ملی کہ ماہم بیگم (یعنی ہمایوں کی والدہ) کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا ہے، اس کا نام محمد فاروق رکھا گیا، اس کی پیدائش ۲۳ رشوال ۹۳۲ھ میں ہوئی تھی لیکن حضرت بادشاہ کے دیکھنے سے پہلے ہی وہ ۹۳۴ھ میں اس جہان سے رخصت ہو گیا۔

رانا سانگا سے جنگ: بدھ کے روز ۲۴ رصفر (۳ رنومبر ۱۵۲۶ء) کو حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کے نام جون پور کو بعض امرا کے سپرد کر کے بہت جلد چلے آنے کا ایک فرمان جاری ہوا، کیوں کہ رانا سانگا نے ہندوستان کا ایک بڑا لشکر جمع کر لیا ہے اور وہ آگے بڑھنے کی جرأت کر رہا ہے، یہ فرمان لے جانے کے لیے محمد علی ولد مہتر حیدر رکاب دار کو متعین کیا گیا۔

اسی سال بیانہ کے حاکم نظام خاں نے امیر رفیع الدین صفوی کے وسیلہ سے خدمت میں حاضر ہو کر زمین بوسی کی اور بیانہ کا قلعہ حوالہ کر دیا، تاتار خاں نے بھی گوالیار کو دے کر آستانِ بوسی کی، محمد زیتون دھول پور کو شاہی ملازموں کے سپرد کر کے دربار سے منسلک ہو گیا، ان میں ہر ایک کو اس کے اخلاص و عقیدت کے مطابق شاہانہ الطاف سے نوازا گیا اور وہ سب حوادث سے بے غم ہو گئے، ۱۶ ربیع الاول کو سلطان ابراہیم کی ماں نے باورچیوں سے مل کر ایک سازش کی لیکن خیریت رہی، بداندیشوں کو اپنے کئے کی سزا ملی۔

حضرت جہاں بانی (یعنی ہمایوں) کو فرمان ملا تو انھوں نے میر حسن، امیر سلطان جنید برلاس کو جون پور کی حکومت کے لیے مقرر کیا، قاضی جیا حضرت بادشاہ کا تربیت یافتہ تھا، اس کو ان دونوں امرا کی مدد کے لیے چھوڑا اور وہ دار الخلافت روانہ ہوئے، انھوں نے شیخ بایزید کو اودھ میں

تعینات کیا، اس وقت تک عالم خاں کا تصرف کالپی پر تھا، اس کے خلاف صلح یا جنگ کے ذریعہ تدبیر کرنی ضروری تھی، اس لیے شاہی لشکر کے ساتھ وہ کالپی کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کو اپنے سے منسلک کر کے دربار لائے، اتوار ۳؍ ربیع الثانی کو وہ دارالخلافہ کے چار باغ میں پہنچے، یہ بعد میں ہشت بہشت کہلایا اور اپنی تازگی کی وجہ سے دولت و اقبال کی بہار بن گیا، حضرت جہاں بانی (ہمایوں) نے حضرت بادشاہ سے ملنے کا شرف حاصل کیا، اسی روز کابل سے خواجہ دوست خاوند پہنچا جس کے ساتھ پورے اعزاز و اکرام کیے گئے، اسی زمانہ میں مہدی خواجہ نے بیانہ سے رانا سانگا کی شورش اور لڑائی کی جرأت کی خبر بھیجی۔

خداوند تعالیٰ جب کسی کے سر پر سلطنت کا تاج رکھتا ہے تو وہ اس کا اہتمام بھی کرتا ہے، کہ وہ روز مرہ کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا فکر سے دور رہ کر دین و دنیا میں کامیاب رہے، حضرت بادشاہ کی ذات اس کی مثال تھی، خلل کے اسباب جتنا زیادہ جمع ہوئے، اتنا ہی ان میں ہوشیاری بڑھتی گئی، وہ خدائے کبریا سے متوجہ ہو کر داد و دہش اور ملک گیری اور ملک داری میں شاہ راہِ عقل سے سرِ مو متجاوز نہیں ہوئے، اس زمانہ میں رانا سانگا کو اپنی شجاعت اور جماعت پر غرور پیدا ہو گیا، نخوت اور بدمستی میں آکر دائرۂ اعتدال سے باہر آ گیا، دلیری اور دلاوری دکھانے لگا، حضرت بادشاہ نے عنایت ایزدی کا ایک حصار بنایا اور تفکرات کو پاس نہ آنے دیا اور اس سیہ بخت اور پریشان روزگار کی طرف متوجہ ہوئے۔

دوشنبہ ۹؍ جمادی الاول کو اس فتنہ کے استیصال کے ارادہ سے آگرہ سے کوچ کیا اور شہر کے نواح میں مقیم ہوئے، برابر خبریں مل رہی تھیں کہ اس سیہ روزگار نے بڑے لشکر کے ساتھ بیانہ کے آس پاس کے علاقہ کو تاراج کر دیا ہے، بیانہ کے قلعہ کے لوگ مدافعت نہ کر سکے اور باہر آ گئے، سنکر خاں جنجوہہ شہید ہو گیا، امیر کتہ بیگ زخمی ہوا، حضرت بادشاہ اس مقام پر چار روز ٹھہرے، پانچویں روز آگرہ اور سیکری کے درمیان مندھاکر کے میدان میں نزول اجلال فرمایا، حضرت بادشاہ کو خیال ہوا کہ اس علاوہ میں سیکری کے علاقہ کہیں پانی کا نشان نہیں ملتا ہے، یہاں فتح حاصل کرنے کے بعد حضرت بادشاہ نے شکر میں سیکری کا نام شکری کر دیا اور اس وقت حضرت شہنشاہ (یعنی اکبر) کے زمانہ میں فتح پور کے نام سے مشہور ہے، کیونکہ یہ دلوں کو فتح بخشنے والا ہے،

اندیشہ تھا کہ دشمن تیزی سے آگے بڑھ کر یہاں کے پانی پر قبضہ کر لے، اسی لیے لشکر فتح پور کی طرف بڑھا، میر درویش محمد ساربان آگے بھیجا گیا کہ وہ قیام کے لیے کوئی جگہ انتخاب کرے، اس نے فتح پور کے نواح میں ایک جگہ منتخب کی، جہاں دریا کی طرح ایک بڑا تالاب تھا، اس دل کشا میدان میں فتح و نصرت کا نشان ڈالا گیا، وہاں سے مہدی خواجہ اور دوسرے امرا کو بلانے کے لیے آدمی بیانہ گئے، حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کے ایک ملازم بیگ میرک اور دوسرے خاص نوکروں کو خبریں لانے (زبان گیری) کے لیے آگے روانہ کیا گیا، صبح کو ان لوگوں نے آکر خبر دی کہ دشمن کا لشکر بساور سے ایک کوس آگے بڑھ گیا ہے اور اٹھارہ کروہ کی دوری پر ہے، اسی روز مہدی خواجہ، محمد سلطان میرزا اور بیانہ کے دوسرے امرا نے آکر آستان بوسی کی اور سر بلند ہوئے، اس اثنا میں روزانہ قراولوں سے جھڑپ ہوتی رہی، یہ بہادر اپنی کارگذاری پر حضرت بادشاہ سے شاباشی حاصل کرتے رہے، یہاں تک کہ سنیچر ۱۳ ر جمادی الآخر ۹۳۳ھ (۱۶ ر مارچ ۱۵۲۷ء) کو رانا اپنی بھاری فوج لے کر خانوا کے نواح میں داخل ہوا، یہ سرکار بیانہ کے حوالی میں ایک پہاڑ تھا، وہ اب شاہی لشکر سے دو کروہ کے فاصلہ پر تھا۔

حضرت بادشاہ اپنے واقعات (یعنی تزک) میں بیان فرماتے ہیں کہ ہندوستانی قاعدہ کے مطابق ایک علاقہ جس کی آمدنی ایک لاکھ ہے وہ ایک سو سوار اور جس کی آمدنی ایک کروڑ ہے وہ دس ہزار سوار فراہم کرتا ہے، رانا سانگا کی آمدنی دس کروڑ کی تھی، اس لئے اس نے ایک لاکھ سوار فراہم کیے اور بہت سے نامی سرداروں نے بھی اس کی فرماں برداری قبول کر کے اس کے لشکر کے ضمیمے بن گئے، حالاں کہ اس سے پہلے انہوں نے کسی لڑائی میں اس کی مدد نہیں کی تھی، رائے سین اور سارنگ پور کے حاکم سلہدی نے تیس ہزار راول اودی سنگھ باگری نے بارہ ہزار، میوات کے حاکم حسن خاں میواتی نے بارہ ہزار، بہاری مل ایدری نے چار ہزار، نرپت ہاڈا نے سات ہزار، جرھل کے حاکم ستر دی کھچی نے چھ ہزار، میرٹھا کے حاکم پرم دیو نے چار ہزار، نرسنگھ دیو چوہان نے چار ہزار، محمود خاں ولد سلطان سکندر نے دس ہزار سوار مہیا کیے، موخر الذکر کو اپنے اسلاف کی حکومت پانے کی امید تھی، دشمنوں کے فوج کی تعداد دو لاکھ ایک ہزار سوار تھی۔

دشمنوں کے آنے کی خبر ملی تو حضرت بادشاہ نے شاہی لشکر کی ترتیب دی، خود غول

(مرکز) میں متمکن ہوئے، دائیں ہاتھ پر چین تیمور سلطان، میرزا سلیمان، خواجہ دوست خاوند، یونس علی، شاہ منصور برلاس، درویش محمد ساربان، عبداللہ کتاب دار، دوست ایشک آقا اور دوسرے بڑے بڑے امرا مقرر ہوئے، بائیں ہاتھ پر علاء الدین بن سلطان بہلول لودی، شیخ زین خوانی، امیر محب علی ولد نظام الدین علی خلیفہ، تردی بیگ برادر قوچ بیگ، شیر افگن ولد قوچ بیگ، آرائش خاں، خواجہ حسین اور دوسرے ملازمان سلطنت اور ارکان دولت تھے، برانغار (دائیں بازو) کو حضرت جہاں بانی (ہمایوں) سے آراستہ کیا گیا، ان کے یمین نصرت مکین (دائیں طرف) میں قاسم حسین سلطان، احمد یوسف اوغلاقچی، ہندو بیگ قوچین، خسرو کوکلتاش، قوام بیگ، اردو شاہ، ولی خازن، قراقوزی، پیرقلی سیستانی، خواجہ پہلوان بدخشی، عبدالشکور اور دوسرے بہادروں کی جماعت تھی، یسار ظفر قرین (بائیں طرف) میں میر ہمہ، محمدی کوکلتاش، خواجگی اسد جاندار نامزد ہوئے، برانغار (دائیں بازو) میں خدمت کے لیے خانخاناں، دلاور خاں، ملک داد کررانی اور شیخ گھورن نے قیام کیا، جرانغار (بائیں بازو) میں سید مہدی خواجہ محمد سلطان میرزا، عادل سلطان ابن مہدی سلطان، عبدالعزیز، میراخور، محمد علی جنگ جنگ، قتلق قدم قراول، شاہ حسین باربیگی، جان بیگ آتکہ اور ہندوستانی امرا میں جلال خاں، کمال خاں اولاد سلطان علاء الدین، علی خاں شیخ زادہ فرملی، نظام خاں بیانہ اور دوسرے شجاعت پیشہ غازی اور جلاوت پرور بہادر پورے اخلاص کے ساتھ کمر بستہ تھے تولقمہ کی طرف تردی یکہ، ملک قاسم برادر بابا قشقہ تھے، مغلوں کی ایک بڑی جماعت برانغار کی جانب بھی متعین تھی، مومن آتکہ، رستم ترکمان اور خاص خاص لوگوں کے ساتھ جرانغار کی طرف نامزد تھے، احتیاط کی خاطر رومیوں کی لڑائیوں کے طریقے سے لشکر کے آگے تفنگچیوں اور رعد اندازوں کی پناہ کے لیے صف آرابوں سے ترتیب دے کر اور زنجیر سے متصل کر دی گئی، اس صف کی ترتیب اور نظم کے لیے نظام الدین علی خلیفہ کو مقرر کیا گیا، سلطان محمد بخشی اور فوج کے دوسرے اعیان وارکان کو اپنی اپنی جگہوں پر مقرر کر کے شاہی احکام کو سننے کے لیے حضرت بادشاہ کے سامنے رکھا گیا، اطراف وجوانب میں تواچی اور یساول سرداروں کو احکام پہنچانے کے لیے روانہ کیا گیا۔

جب ارکانِ لشکر عمدہ آئین کے مطابق اپنی اپنی جگہ پر مقرر ہو گئے تو حکم ہوا کہ کوئی شخص اپنی اپنی جگہ سے حکم کے بغیر حرکت نہ کرے اور اجازت کے بغیر لڑائی کے میدان میں

قدم نہ رکھے، دن کی ایک گھڑی گذری ہوگی کہ آتشِ جنگ بلند ہوئی۔

سپاہ از دو سو جنبش انگیختند — شب و روز در ہم در آمیختند
دھادہ بر آمد زہر دو طرف — دو دریائے کیں برلب آوردہ کف
سمِ بادپایانِ فولان نعل — بخونِ دلیراں زمیں کرد لعل
جہاندار در موکبِ خاصِ خویش — خرامندہ برکبکِ رقاص خویش

برانغار اور جرانغار میں ایسی بڑی لڑائی چھڑ گئی کہ زمین میں زلزلہ اور زمانہ میں ولولہ پیدا ہوگیا، دشمن کا جرانغار (بایاں بازو) شاہی لشکر کے برانغار (دایاں بازو) کی طرف بڑھا اور خسرو کو کلتاش، ملک قاسم، بابا قشقہ پر حملہ آور ہوا، شاہی حکم کے بموجب چین تیموران کی مدد کو پہنچا، مردانہ وار لڑائی ہوئی اور دشمن کو ان کے غول (مرکز ے عقب میں ڈھکیل دیا اور اس فتح یابی پر اس کے لیے انعام مقرر رہا، مصطفےٰ خاں نے حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کے غول (مرکز) سے اپنے ارابوں کو آگے بڑھایا اور اپنی تفنگ اور ضرب زن سے دشمنوں کی صفوں کو ایسا درہم کیا کہ بہادروں کے دلوں کے آئینے سے زنگ دور ہوگیا، دشمن کے بہت سے آدمی ہلاک ہوکر برباد ہوئے، دشمن کی فوجیں برابر پہنچ رہی تھیں، اس لیے حضرت بادشاہ بھی چیدہ چیدہ لوگوں کو اپنے فتح مند سپاہیوں کی مدد کے لیے بھیج رہے تھے، ایک دفعہ قاسم حسین سلطان، احمد یوسف اور قوام بیگ کو حکم ہوا، دوسری دفعہ ہندو بیگ قوچین بھیجا گیا تیسری دفعہ محمدی کوکلتاش، خواجگی اسد کو حکم ملا، اس کے بعد یونس علی شاہ منصور برلاس اور عبداللہ کتابدار اور ان کے پیچھے دوست ایشک آقا محمد خلیل آختہ بیگی روانہ کئے گئے، دشمنوں کے برانغار نے متواتر شاہی لشکر کے جرانغار پر حملہ کیا لیکن ہر بار اخلاص پسند غازیوں نے ان میں سے بعض لشکریوں کو اپنے تیر بارانِ بلا سے زمین دوز کیا اور.......... اپنے خنجر و شمشیر کی بجلیوں سے خاک کا ڈھیر کردیا، مومن آتکہ، رستم ترکمان نے حکم پاکر ظلمت آئین لشکر کے عقب پر حملہ کیا، خواجہ خلیفہ کے ملازموں میں سے ملا محمود اور علی آتکہ باشلیق ان کی مدد کو پہنچے، محمد سلطان میرزا، عادل سلطان، عبدالعزیز میر آخور، قتلق قدم قراول، محمد علی جنگ جنگ شاہ حسین باربیگی، مغول غانجی نے لڑکر اپنے پائے ثبات کو مستحکم کیا، خواجہ حسین جماعتِ دیوانیان (بادشاہ کی خانگی فوج) کے ساتھ ان کی مدد کو پہنچا، لشکر فیروز جنگ کے تمام بہادر جانفشانی سے عزیمت اور

جاں ستانی کے ساتھ ہمت دکھا رہے تھے، تاکہ دشمنوں سے انتقام لے کر اپنی محنت کا جھنڈا بلند کریں اور دشمنوں کی امیدوں کے چشمہ کو ناکامی کی خاک سے بھر دیں۔

گرہ بر گرہ دست پیکاں زناں　　زرہ بر زرہ پشتِ روئیں تناں
زہر سو متانہائے خارا گذار　　فرو بستہ راہِ سلامت بخار
درخشندہ شمشیر ہائے بنقش　　ز دیدہ بصر می ربود از درش
غبار زمیں کلہ بر ماہ بست　　نفس را درونِ گلو راہ بست

دشمن کی تعداد بہت تھی، اس لیے لڑائی طویل ہوگئی، بادشاہ کے خاص ملازم ارابے کے پیچھے زنجیر میں بندھے ہوئے شیر کی طرح کھڑے تھے، ان کو حکم ملا کہ غول کے دائیں بائیں سے باہر آئیں، تفنگچیوں کے درمیان جگہیں چھوڑ کر دونوں طرف سے لڑائی لڑیں، یہ اشارہ پاکر شجاعت نہاد جوانوں اور جلادت پسند دلاوروں نے آگے بڑھ کر ایسی دلیری اور دلاوری دکھائی کہ معلوم ہوتا تھا کہ شیر زنجیر سے چھوٹ گئے ہیں، تلواروں کی چکا چک اور تیروں کی شپا تاب کی آوازیں آسمان تک پہنچ گئیں، نادر العصر علی قلی اپنے ماتحتوں کے ساتھ غول کے آگے کھڑا تھا، اس نے سنگ، ضرب زن اور تفنگ کے گولے پھینکنے میں بڑے کارنامے انجام دیے، اسی وقت یہ حکم ہوا کہ غول کے ارابے آگے بڑھائے جائیں اور حضرت بادشاہ بھی اپنے دولت و اقبال، عزم درست اور ہمت بزرگ کے ساتھ دشمن کی سپاہ کی طرف بڑھے، شاہی لشکر نے ان کو بڑھتے دیکھا تو ان میں حرکت دریا کی موجوں کی طرح پیدا ہوگئی، یکایک اقبال مند دلاوروں نے دشمن کی صفوں پر حملہ کیا، دن کے آخر میں لڑائی کے شعلے ایسے بلند ہوئے کہ شاہی لشکر کے نصرت قرین میمنہ و میسرہ نے دشمن کے کمزور میمنہ و میسرہ کو ان کے قلب (مرکز) میں لاکر ڈھکیل دیا اور ان پر دلاوروں نے ایسی ضربیں لگائیں کہ یہ تیرہ بخت اپنی جان سے ہاتھ دھو کر اور دل میں زندگی سے مایوس ہوکر شاہی لشکر کے غول کے دائیں بائیں طرف حملہ آور ہوئے اور وہ بہت ہی نزدیک پہنچ گئے، حضرت بادشاہ نے پائے ثبات اور قدم استقامت کو استوار رکھا اور بڑی مردانگی کے ساتھ اس حملہ کو روکا، تائید آسمانی سے دشمن ٹھہر نہ سکے اور یہ تیرہ بخت اور سیہ روزگار عنانِ ثبات کو کفِ تدبیر سے چھوڑ کر بھاگے اور اس بہادرانہ جنگ میں نیم جان ہوکر بھاگنے ہی میں اپنی سلامتی سمجھی، فتح و

ظفر کی نسیم چلی، نصرت و تائید کے غنچے شگفتہ ہوئے، دشمن کے لشکر میں سے بہت سے لوگ تیغ خون آشام اور تیر شاہیں پرواز کے لقمے بنے اور جو تلواروں سے بچے وہ ادبار کے غبار میں خس و خاشاک کی طرح مل کر ریگ رواں میں گم ہو گئے، حسن خاں میواتی تفنگ کی ضرب سے ہلاک ہوا، راول اودے سنگھ، مانک چند چوہان، رائے چندر بھان، دلپت رائے، کنکو کرم سنگھ، ڈونکرسی اور بڑے بڑے دوسرے سرداروں نے عدم کی راہ لی، کئی ہزار زخمی لشکر اقبال کے ہاتھ پاؤں سے نیست نابود ہو گئے، محمدی کوکلتاش، عبدالعزیز، امیر آخور، علی خاں اور دوسرے لوگ رانا سانگا کے تعاقب کے لیے مقرر ہوئے۔

حضرت بادشاہ نے اس بڑی فتح کو عطیۂ الٰہی سمجھ کر حضرت باری عز اسمہ کا شکر ادا کیا کہ وہی تقدیم کے سلسلہ میں صوری و معنوی چیزوں کا بست و کشاد کرتا ہے اور پھر میدانِ جنگ سے ایک گروہ آگے تک دشمنوں کے تعاقب میں گئے، یہاں تک کہ رات ہو گئی، دشمنوں کے لیے یہ روز سیاہ تھا لیکن دوستوں کے لیے یہ رات شبستان عشرت تھی، حضرت بادشاہ نے کامیابی کا نقارہ بجا کر مراجعت کی اور چند ساعت گذرنے کے بعد اپنی منزل پر پہنچے اور یہ تقدیر میں نہ تھا کہ وہ مخذول (رانا سانگا) گرفتار ہو اس لیے جو لوگ اس کے تعاقب میں بھیجے گئے تھے، ان سے یہ کام اچھی طرح انجام نہ پایا، حضرت بادشاہ نے فرمایا کہ یہ نازک وقت تھا، یہ کام کسی اور کی امید پہ نہ چھوڑنا تھا، مجھ کو خود جانا چاہیے تھا۔

شیخ زین صدر، فضلا میں تھے، انھوں نے اس فتح کی یہ تاریخ نکالی، ''فتح بادشاہِ اسلام'' کابل سے میر گیسو نے بھی یہی تاریخ لکھ کر بھیجی، حضرت بادشاہ اپنی کتاب واقعات میں فرماتے ہیں کہ پہلے کی فتوحات میں سے دیبال پور کی فتح میں ایسا ہی توارد ہوا، دو شخصوں نے وسط شہر ربیع الاول کی تاریخ ساتھ نکالی[1]۔

میوات کی مہم: حضرت بادشاہ جیسے کشور کشا کی ہمت سے اتنی بڑی فتح حاصل ہو گئی تو سانگا کا تعاقب اور اس کے علاقہ پر حملہ کرنا ملتوی کر دیا گیا اور میوات کی تسخیر کا ارادہ کیا گیا، محمد علی جنگ جنگ، شیخ گھورن، عبدالملک قورچی کو ایک بڑی جماعت کے ساتھ الیاس خاں کے خلاف بھیجا گیا، جس نے دواب میں فساد برپا کر کے قصبہ کول پر قبضہ کر لیا تھا اور وہاں کے حاکم کچک علی

قید کر رکھا تھا، جب شاہی لشکر اس کے نزدیک پہنچا تو وہ مقاومت کی تاب نہ لا سکا اور کنارہ کش ہو گیا، شاہی لشکر آگرہ واپس آیا، تو اس شور بخت اور پریشان روزگار کو گرفتار کر کے دربار میں پیش کیا گیا اور وہ اپنی سزا کو پہنچا۔

میوات کی تسخیر کا مصمم ارادہ تھا، اس لیے حضرت بادشاہ اس طرف روانہ ہوئے، بدھ کے روز ۶ ر رجب کو وہ الور پہنچے جہاں میوات کا حاکم رہتا تھا، الور کا خزانہ حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کو انعام میں دیا گیا اور جب یہ علاقہ ممالک محروسہ میں داخل ہو گیا تو پورب کے علاقہ کے انتظام کے لیے دارالخلافت کی طرف واپس ہوئے۔

کابل اور بدخشاں کو ہمایوں کی روانگی: کابل اور بدخشاں کا انتظام استحکام کے ساتھ کرنا ضروری تھا، ۹۱۷ھ/ ۱۵۱۱ء میں خاں میرزا کی وفات کے بعد حضرت بادشاہ نے بدخشاں حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کو عنایت فرمایا تھا اور وہاں کچھ ملازم انتظام میں لگے ہوئے تھے، اسی لیے ''حضرت جہاں بانی طراز کشورستانی'' گوہر تیغ اقبال، فروغ ناصیۂ اجلال، عنوان مفاخر و معالی، طغرائے مثال بے مثالی، قرۃ عیون السلطنۃ والخلافت ابوالنصر نصیر الدین محمد ہمایوں'' کو وہاں روانہ کیا گیا، وہ الور سے تین کروہ کے فاصلہ سے ۹ ر رجب کو روانہ ہوئے۔

بین افغان کی سرکوبی: اس کے بعد حضرت بادشاہ مین افغان کے استیصال کی طرف متوجہ ہوئے، رانا سے جنگ کے موقع پر اس نے لکھنؤ کا محاصرہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا تھا، اس کے خلاف محمد سلطان میرزا کے ساتھ قاسم حسین سلطان، ملک قاسم، بابا قشقہ، ابوالمحمد نیزہ باز، حسین خاں اور ہندوستانی امرا میں علی خاں فرملی، ملک داد کررانی، تاتار خاں اور خانجہاں بھیجے گئے، شاہی فوج کے پہنچنے کی خبر سن کر وہ برگشتہ قسمت اپنا سامان و اسباب چھوڑ کر بھاگا۔

۱۔ تزک بابری میں ہے:

''شیخ زین نے اس فتح کی تاریخ ''فتح بادشاہ اسلام'' لکھی تھی، میر گیسو کے ہاتھ بھی یہی مادہ لگا، جو لوگ کابل آئے تھے ان کے ہاتھ اسی مادے کو تضمین کر کے ایک رباعی اس نے بھیجی، دونوں کو توارد واقع ہوا، ایک دفع اور بھی ایسا ہی ہوا، دیبال پور کی فتح کا مادہ شیخ زین نے ''وسط شہر ربیع الاول'' نکالا تھا، میر گیسو نے بھی یہی مادہ نکالا۔''

حضرت بادشاہ نے سال کے آخر میں فتح پور (سیکری) اور باری میں قدم رنجہ فرمایا، وہاں سے آگرہ آئے، ۹۳۴ھ میں کول کی سیر کی اور وہاں سے سنبھل شکار کے لیے گئے اور اس جگہ کے دل کشا پہاڑ کو دیکھ کر دارالخلافۃ واپس آئے، ۲۸ر صفر کو فخر جہاں بیگم اور خدیجہ سلطان بیگم کابل سے تشریف لائیں، حضرت بادشاہ کشتی پر سوار ہوکر ان کے استقبال کے لیے گئے اور بڑی فیاضی کو راہ دیا۔

چندیری کی مہم: خبر برابر پہنچ رہی تھی کہ چندیری کا حاکم میدنی رائے فوج اکٹھا کر رہا ہے اور رانا بھی لڑائی پر آمادہ ہوکر اپنے ادبار کا سامان کر رہا ہے، اس لیے حضرت بادشاہ سعادت افزا ساعت میں چندیری کی طرف متوجہ ہوئے اور چین تیمور کے ہمراہ چھ سات ہزار جوانانِ جان نثار اور کارگذار وہاں بھیجے، بدھ کی صبح ۷ر جمادی الاول (۲۹ر جنوری ۱۵۲۸ء) کو خاطر خواہ طریقہ پر چندیری کی فتح ہوگئی، اس کی تاریخ فتح دارالحرب نکالی گئی، یہ علاقہ احمد شاہ نبیرۂ سلطان ناصرالدین کو عنایت کیا گیا، اتوار کے روز ۱۱ر جمادی الاول کو آگرہ واپسی ہوئی۔

رانا کی موت: ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ جب فوج چندیری جا رہی تھی تو رانا نے بغاوت کے خیال سے لشکر تیار کیا تھا اور جب وہ ایرچ پہنچا تو حضرت بادشاہ کے ایک ملازم آفاق نے اس کو مضبوط بنا کر مدافعت کی لیکن اس سیاہ بخت نے آکر محاصرہ کیا لیکن اس نے ایک رات خواب میں اپنے ایک خاندانی بزرگ کو خوف ناک شکل میں دیکھا، وحشت اور دہشت کے ساتھ بیدار ہوا، اس پر لرزہ طاری ہوگیا اور بخار بھی آگیا، اس لیے اسی حال میں مراجعت کی، راستہ میں مرگیا۔

افغانوں کے خلاف یورش: شاہی لشکر نے برہان پور کے دریا کو عبور کیا تو خبر ملی کہ معروف، ببن اور بایزید نے قوت پکڑ لی ہے، شاہی ملازم قنوج چھوڑ کر راپری چلے آئے ہیں، دشمنوں نے شمس آباد کے قلعہ کو ابوالمحمد نیزہ باز سے چھین لیا ہے، شاہی فوج ادھر روانہ ہوئی، پہلے کچھ کار طلب بہادر آگے روانہ کیے گئے، ان سپاہیوں کو دیکھ کر معروف کا لڑکا قنوج چھوڑ کر بھاگا، ببن، بایزید، معروف نے بھی شاہی فوج کی آمد کی خبر سن کر گنگا کے پورب طرف چلے گئے اور راستہ روکنے کا ارادہ کیا، شاہی فوج کوچ کرتی گئی۔

۳ر محرم ۹۳۵ھ/ ۱۸ر ستمبر ۱۵۲۸ء کو میرزا عسکری کابل سے آئے اور ملاقات کی، ان

کو چندیری کی مہم سے پہلے ملتان کے سلسلہ میں طلب کیا گیا تھا۔

جمعہ کے روز کہ عاشورہ کا دن تھا، حضرت بادشاہؒ گوالیار پہنچے اور دوسرے دن صبح کو راجہ بکر ماجیت اور مان سنگھ کی عمارتیں دیکھیں، پھر دارالخلافت واپس ہو گئے۔

دوشنبہ ۱۰ ربیع الاول کو حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کی طرف سے بدخشاں سے کچھ قاصد آئے اور خوش خبریاں لائے، یہ بھی خبر تھی کہ یادگار طغائی کی لڑکی کے بطن سے حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کو ایک فرزند پیدا ہوا ہے اور اس کا نام الامان رکھا گیا ہے، یہ نام غیر سنجیدہ معلوم ہوا، اس لیے حضرت بادشاہ نے اس کو پسند نہیں کیا۔

جشن: جب حضرت بادشاہ دارالخلافت پہنچے تو ترک اور ہندوستانی امرا کے ساتھ ایک بڑا جشن منعقد کیا اور پھر پورب کے باغیوں کی طرف توجہ کرنے کے سلسلہ میں مشورے کیے۔

پورب کی مہم: کافی گفتگو کے بعد یہ طے ہوا کہ حضرت بادشاہ کے اس طرف روانہ ہونے سے پہلے میرزا عسکری کو روانہ کیا جائے اور گنگا کے اس طرف کے امرا اپنے لشکر کے ساتھ اس کے ہم راہ ہو جائیں، تو پھر کوئی بڑی مہم انجام دی جائے، چنانچہ دوشنبہ ۷ ربیع الآخر کو میرزا عسکری کو روانہ کیا گیا اور خود حضرت بادشاہ شکار کی غرض سے دھول پور گئے۔

۳ جمادی الاولی کو خبر آئی کہ اسکندر کا لڑکا محمود بہار پر قبضہ کر کے آمادۂ شورش ہے، حضرت بادشاہ شکار سے آگرہ واپس آئے اور یہ رائے پائی کہ وہ خود پورب کی طرف یورش کریں۔

اسی اثنا میں بدخشاں سے قاصد یہ خبر لائے کہ حضرت جہاں بانی (ہمایوں) نے اس طرف بڑا لشکر جمع کر لیا ہے اور سلطان ویس کو اپنے ساتھ لے کر چالیس پچاس ہزار آدمیوں کے ہم راہ سمرقند پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، جس کے لیے صلح کی بات بھی جاری ہے، ایک فرمان جاری ہوا کہ اگر بات حد مصلحت سے باہر نہ ہو گئی ہو، تو ہندوستان کی مہم کی فضا صاف ہونے تک صلح کر لی جائے، فرمان میں ہندال میرزا کو طلب کرنے اور کابل کو خالصۂ شاہی میں داخل کرنے کا ذکر کیا گیا اور یہ بھی تحریر ہوا کہ انشاء اللہ جب ہندوستان کا معاملہ قریب الاختتام ہو جائے گا تو اس کو یہاں کے ہوا خواہوں کے پاس چھوڑ کر ہم اپنے موروثی ملک واپس آجائیں گے، اس لیے تمام لوگ اس یورش کا ساتھ دیں اور شاہی لشکر کے آنے کے منتظر رہیں۔

جمعرات کو سترہویں تاریخ حضرت بادشاہ نے جمنا عبور کیا اور پورب کی طرف بڑھے، اسی زمانہ میں بنگالہ کے حکمراں نصرت شاہ کی طرف سے قیمتی پیش کش لاکر اظہار بندگی کیا گیا۔

دوشنبہ ۱۹ر جمادی الآخر کو میرزا عسکری نے گنگا کے ساحل پر آ کر ملاقات کی، حکم ملا کہ وہ دریا کے مخالف سمت اپنا لشکر لے کر بڑھیں، کرہ کے پاس خبر ملی کہ سلطان سکندر کے لڑکے محمود خاں کو شکست ہوگئی، غازی پور کے حدود سے آگے بڑھ کر حضرت بادشاہ نے بھوج پور اور بہیہ میں نزول اقبال فرمایا، اس جگہ بہار کو میرزا محمد زماں کے حوالہ کیا، بنگالہ اور بہار سے جمع خاطر ہوکر پانچویں رمضان دوشنبہ کو بن اور بایزید کے شر کو دفع کرنے کے لیے سردار کی طرف بڑھے، دشمنوں نے شاہی فوج کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھا گئے، حضرت بادشاہ نے خرید اور سکندر پور کی سیر کی اور اس علاقہ سے مطمئن ہوکر آگرہ کی طرف روانہ ہوئے اور تھوڑے عرصہ میں اس مصر اقبال میں پہنچ گئے۔

بدخشاں سے ہمایوں کی واپسی: حضرت جہاں بانی (ہمایوں) نے ایک سال تک عشرت کی زندگی بدخشاں میں گذاری، یکا یک حضرت بادشاہ سے ان کو ملنے کی خواہش ہوئی، ان کو میرزا سلیمان کے خسر میر سلطان ویس کے حوالہ کیا اور قبلۂ اقبال اور کعبہ امال سے ملنے روانہ ہوگئے، ایک روز میں کابل پہنچ گئے، وہاں میرزا کامران قندھار سے آئے ہوئے تھے، عید گاہ میں دونوں کی ملاقات ہوئی، میرزا کامران نے حیران ہوکر یہاں آنے کی وجہ پوچھی، تو فرمایا کہ شوق ملاقات کشاں کشاں لیے جارہا ہے......کابل سے میرزا ہندال کو بدخشاں بھیجا اور تھوڑے دنوں میں آگرہ پہنچ گئے جو "فرپایۂ اورنگ شاہی اور سجدہ گاہ سعادت مندانِ روئے زمین" بنا ہوا تھا، تعجب کی بات تو یہ ہے کہ حضرت بادشاہ حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کی والدہ ماجدہ سے ان ہی کے متعلق تخت پر بیٹھ کر باتیں کررہے تھے کہ مطلع بدخشاں سے کوکبِ درخشاں کی طرح فروزاں ہوئے، اُن کو دیکھ کر دونوں کے دل گلشن اور آنکھیں روشن ہوگئیں، بادشاہوں کے لیے ہر روز عید ہے لیکن اس روز حضرت جہاں بانی کے آجانے سے ایک دوسرا جشن عید ایسا منایا گیا جو بیان نہیں کیا جاسکتا ہے۔

میرزا حیدر نے تاریخ رشیدی میں لکھا ہے کہ ۹۳۵ھ میں حضرت جہاں بانی (ہمایوں) حضرت بادشاہ کے حکم سے ہندوستان آئے اور فقیر علی کو بدخشاں میں چھوڑا، اسی زمانہ میں قرۃ العین

سلطنت میرزا انور (یا الور بابر کا سب سے چھوٹا لڑکا) اللہ کو پیارے ہوئے، حضرت بادشاہ کو بڑا غم ہوا، حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کے آجانے سے تسلی ہوئی، حضرت جہاں بانی (ہمایوں) ایک مدت تک حضرت بادشاہ کے ساتھ رہے، جو ان کے ساتھ رہنے کی وجہ سے بہت خوش تھے، فرماتے کہ ہمایوں مصاحب بے بدل ہے اور واقعی وہ...... انسان کامل تھے۔

حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کو بدخشاں سے ہندوستان آنے کے بعد سلطان سعید خاں نے بدخشاں پر یورش کی وہ کاشغر کے خوانین میں سے تھا، حضرت بادشاہ کا رشتہ دار بھی تھا، اسی وجہ سے ان کی ملازمت میں داخل ہو کر تربیت میں بہت سی رعایتیں پائیں اس کو سلطان ویس اور بدخشاں کے دوسرے امرا نے دعوت دی تو اس کے دل میں خیال خام پیدا ہوا، رشید خاں کو یارکند میں چھوڑا اور بدخشاں کی طرف بڑھا، اس کے بدخشاں پہنچنے سے پہلے میرزا ہندال نے قلعۂ ظفر کو عشرت کدہ بنالیا تھا، سعید خاں نے تین مہینے تک اس قلعہ کا محاصرہ کرلیا لیکن پھر ناکام ہو کر کاشغر کی طرف مراجعت کی، ہندوستان میں حضرت بادشاہ کو خبر ملی کہ کاشغریوں نے بدخشاں پر قبضہ کرلیا، انھوں نے بدخشاں کی مہم پر خواجہ خلیفہ کو جانے کا حکم دیا لیکن اس نے اپنی نافہمی میں جانے میں دیر کی، حضرت بادشاہ نے حضرت جہاں بانی (ہمایوں) سے ان کے خود جانے کے بارے میں مشورہ کیا لیکن انھوں نے عرض کیا کہ وہ وہاں گئے تو پھر سعادت حضوری سے محرومی کی وجہ سے ان کو تکلیف ہوگی اور انھوں نے عہد کیا ہے کہ اپنے سے یہ حرماں نصیبی اختیار نہ کریں گے لیکن حکم بجالانے میں چارہ بھی نہیں، اس کے بعد میرزا سلیمان کو بدخشاں روانہ کیا گیا اور سلطان سعید کو اس مضمون کی ایک تحریر لکھی گئی، ''تمہارے اوپر جو حقوق تھے، اس بنا پر تم نے جو کچھ کیا تعجب ہوا، اب میرزا ہندال کو واپس بلا رہا ہوں اور میرزا سلطان کو بھیج رہا ہوں، اگر تم کو حقوق کا خیال ہے تو بدخشاں کو سلیمان میرزا کو دے دو، کہ وہ ہم دونوں کا فرزند ہے، یہی مناسب ہوگا، اس کے بعد میری ذمہ داری ختم ہو جائے گی، وارث کو اس کی میراث حوالہ کر رہا ہوں بقیہ تم جانو۔''

میرزا سلیمان کے کابل پہنچنے سے پہلے ہی بدخشاں بداندیشی سے محفوظ و مصئون ہو گیا، جب میرزا سلیمان بدخشاں پہنچا تو ہندال میرزا ہندوستان چلے آئے۔

ہمایوں کی علالت اور بابر کی موت: حضرت بادشاہ نے حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کو کچھ

دنوں اپنے پاس رکھ کر سنبھل بھیج دیا، کیونکہ یہ ان کی جاگیر میں تھا، وہ چھ مہینے تک سنبھل میں عیش و عشرت سے رہے، یکایک ان کو بخار آ گیا اور یہ عارضہ طویل ہو گیا، حضرت بادشاہ اس جانکاہ خبر کو سن کر بے قرار ہو گئے اور فرط محبت میں دہلی پھر وہاں سے کشتی پر آگرہ لانے کا حکم دیا، تاکہ اس کی نظر کے سامنے حاذق طبیبوں کا علاج ہو، پائے تخت میں دانا طبیبوں کی ایک بڑی جماعت تھی، ان سے کہا گیا کہ وہ علاج سوچ رکھیں، چند دنوں میں حضرت جہاں بانی (ہمایوں) دریا کے راستے سے لائے گئے، معالجہ کی تمام تدبیریں کی گئیں لیکن مزاج صحت کی طرف رجوع نہ ہوا، جب مرض طویل ہو گیا تو ایک دن حضرت بادشاہ جمنا کے کنارے دانایانِ عصر کے ساتھ بیٹھے علاج کی تدبیریں سوچ رہے تھے، میر ابوالبقا بڑے افاضل روزگار میں تھے، انھوں نے عرض کیا کہ پہلے زمانہ کے عقل مندوں نے بتایا ہے کہ ایسی حالت میں جب کہ اطبا علاج سے عاجز ہو رہے ہوں، تو پھر دوسری تدبیر یہ ہے کہ بہترین چیزیں صدقہ میں دی جائیں، تاکہ درگاہ الٰہی سے صحت ہو جائے، حضرت بادشاہ نے فرمایا کہ ہمایوں کے نزدیک میں ہی بہترین چیز ہوں اور وہ مجھ سے زیادہ اور کوئی چیز قیمتی نہیں رکھتا، میں خود ہی اس کے لیے فدا ہو جاؤں گا، ایزد جہاں آفریں قبول کریں، خواجہ خلیفہ اور دوسرے مقربانِ بساط نے عرض کیا کہ وہ (یعنی ہمایوں) عنایت الٰہی سے جلد شفا پا جائیں گے اور آپ کے سایۂ دولت میں اپنی عمر طبعی کو پہنچیں گے، ایسی بات اپنی زبان اقدس پر نہ لائیں، پہلے زمانہ کے بزرگوں نے جو کچھ کہا ہے، اس کو نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بہترین مال دینا تصدق کیا جائے، وہ بیش قیمت ہیرا جو غیبی طور پر ابراہیم کی جنگ میں ہاتھ آ گیا ہے اور جس کو آپ نے ان (ہمایوں) کو دے دیا ہے، وہی صدقہ کرنا چاہیے، فرمایا، مال دینا کیا وقعت رکھتا ہے، جو ہمایوں کا بدلہ ہو سکے، اپنے کو میں فدا کرتا ہوں کہ اس پر سخت وقت پڑا ہے، اب میری طاقت سے باہر ہے کہ اس کی بے چینی کو دیکھوں اس کے بعد وہ خلوت مناجات میں گئے اور خاص عبادت کی جو ایسے پاک طبقہ والوں کے لیے مناسب ہوتی ہے اور تین بار حضرت جہاں بانی جنت آشیانی (ہمایوں) کے گرد چکر لگایا، جب ان کی دعاؤں کو اجابت کی عزت حاصل ہو گئی تو انھوں نے گرانی محسوس کی اور فرمایا "برداشتیم برداشتیم" فوراً ان کو عجیب قسم کا بخار آ گیا، حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کے مرض میں کمی ہونے لگی اور تھوڑی مدت میں صحت کامل ہو گئی اور حضرت

بادشاہ کی بیماری روز بروز بڑھتی گئی اور اختلال مزاج زیادہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ رحلت کے آثار ظاہر ہونے لگے، دل بیدار اور باطن حقیقت بیں سے ارکانِ دولت اور اعیانِ دولت کو جمع کیا اور دست ہمایونی پر بیعت خلافت لے کے ان کو اپنی جانشینی اور ولی عہدی کے لیے مقرر فرمایا اور تخت پر بٹھا کر خود سریر خلافت کے پایہ کے پاس صاحب فراش ہو گئے، اُس وقت خواجہ خلیفہ، قنبر علی بیگ، تردی بیگ، ہندو بیگ اور دوسرے بہت سے لوگ موجود تھے، کچھ نصیحتیں اور وصیتیں کیں، جو دولت ابدی کا سرمایہ اور سعادت جاودانی کا پیرایہ ہیں، داد و دہش، عدل و احسان، تحصیل رضائے الٰہی، رعایت رعایا، نگہبانی خلائق، قصور واروں کی عذر پذیری، گنہگاروں کی جرائم کی معافی اچھے کام کرنے والوں کی رعایت، سرکشوں اور ظالموں کو کچلنے کی ہدایتیں دیں، پھر زبان اقدس سے کہا کہ میری وصیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے بھائیوں کے خلاف کچھ نہ کرو، خواہ وہ کیسے ہی ہوں اور اسی وصیت کا پاس تھا کہ حضرت جہاں بانی (ہمایوں) نے اپنے بھائیوں کی ہر قسم کی جفائیں برداشت کیں لیکن اُن سے انتقام لینے کی کوشش نہیں کی۔

اور جب حضرت بادشاہ کا مرض شدت پر تھا، تو میر خلیفہ نے اپنی بشری کمزوری کی وجہ سے کوتاہ اندیشی سے کام لیا، اُس کو حضرت جہاں بانی سے کچھ شبہات پیدا ہو گئے تھے، اس لیے اس نے مہدی خواجہ (بابر کے بہنوئی) کو تخت پر بٹھانا چاہا، خواجہ کو بھی اپنی بدمستی اور نا معاملہ فہمی سے یہ خیال پیدا ہو گیا اور روزانہ دربار میں آکر ہنگامہ پیدا کرتا، بالآخر دوربیں لوگوں کے وسیلہ سے میر خلیفہ راہ راست پر آکر اپنے خیال سے باز آگیا اور خواجہ کو منع کر دیا کہ وہ دربار میں حاضر نہ ہو اور منادی کرادی گئی کہ کوئی اس کے گھر نہ جائے، اس طرح تائید الٰہی سے کام بن گیا اور سچائی اپنے مرکز پر آگئی۔

۶ رجمادی الاول ۹۳۷ھ کو چار باغ میں جو جمنا کے کنارے سرسبز ہو کر بہار اقبال بنا ہوا تھا، اس عالم بے وفا سے رخصت ہوئے، فضلائے عہد نے مراثی قصائد اور تراکیب لکھیں اور تاریخیں کہیں، ان میں سے مولانا شہاب معمائی کی ایک تاریخ اس مصرع سے نکلتی ہے:

ہمایوں بود وارثِ ملکِ وی

بابر کے فضائل: اس ذات قدسی کے ذاتی اور صفاتی کمالات کو جلدوں میں بیان کرنا محال

ہے، ان کی حکمرانی کے یہ آٹھ اصول تھے، ۱- بخت بلند، ۲- ہمت ارجمند، ۳- قدرت کشور کشائی، ۴- ملک داری، ۵- کوشش در معموری بلاد (شہروں کو آباد کرنے کی کوشش)، ۶- صرف نیت بر رفاہیت عباد (خدا کے بندوں کی فلاح کی نیت رکھنا)، ۷- خوش دل ساختن سپاہی، ۸- اوران کو تباہی سے بچانا۔

وہ فضائل مکتسبہ اور متعارفہ رسمیۂ روزگار میں بھی سر آمد تھے، نظم و نثر میں پایۂ عالی رکھتے، ترکی نظم کہنے میں خصوصی مہارت تھی، ان کے دیوان ترکی میں بڑی فصاحت اور عذوبت ہے، اس میں مضامین تازہ درج ہیں، ان کی مثنوی مبین مشہور ہے، زبان داں اس کی بڑی تعریف کرتے ہیں، خواجہ احرار کے رسالہ والدیہ کو جو کہ بحر معرفت کا ایک موتی ہے، منظوم کیا اور بہت ہی عمدہ ہے، اپنے واقعات ابتدائے سلطنت سے رحلت کے وقت تک فصیح اور بلیغ عبارت میں لکھے، یہ فرماں روایان عالم کے لیے ایک دستور العمل ہے، دانش آموزوں اور تجربہ کرنے والوں کے لیے اندیشہ ہائے درست اور فکر ہائے صحیح کی خاطر ایک قانون ہے، دولت و اقبال کے اس دستور العمل کا فارسی ترجمہ جہاں مطاع شہنشاہی (یعنی اکبر) کے حکم کے بموجب ۳۴ ر الٰہی میں جب کہ وہ کشمیر اور کابل کے بہارستان کے گلگشت سے واپس آرہے تھے، میرزا خانخاناں بن بیرم خاں نے کیا، تاکہ خاص الخاص کا یہ فیض عام تشنہ لبوں تک بھی پہنچ جائے اور یہ گنج پنہاں جہاں دانش کے تہی دستوں کی نظروں میں بھی آشکارا ہو جائے۔

وہ فنون موسیقی میں بھی دستگاہ رکھتے تھے، فارسی میں بھی اشعار دل پذیر کہتے، یہ رباعی ان ہی کی طبع فیاض کی واردات ہے:

درویشاں را اگرچہ نہ از خویشانیم — لیک از دل و جاں معتقد ایشانیم
دور است مگوی شاہی از درویشی — شاہیم دلے بندۂ درویشانیم

یہ دو مطلعے بھی ان ہی کے ہیں:

۱- ہلاک می کندم فرقتِ تو دانستم — وگرنہ رفتن ازیں شہر می توانستم
۲- تا بزلف سیہش دل بستم — از پریشانی عالم رستم

فن عروض پر بھی رسالے لکھے، جن میں ایک کتاب مفصل ہے، اس میں اس فن کی

شرح ہے۔

اولاد: چار فرزند سلطنت پیوند اور تین دختر بلند اختر تھیں، ۱۔حضرت جہاں بانی ظفر الدین محمد ہمایوں، ۲۔ کامراں میرزا، ۳۔عسکری میرزا، ۴۔ ہندال میرزا، لڑکیوں میں ۱۔گلرنگ بیگم، ۲۔ گل چہرہ بیگم، ۳۔گلبدن بیگم، یہ تینوں ایک ہی ماں سے تھیں۔

ارباب کمال: اہل صحبت، ارباب قرب اور اصحاب کمال میں یہ تھے:

امیر ابوالبقا۔علم وحکمت میں بلند پایہ رکھتے تھے۔

شیخ زین صدر۔ شیخ زین الدین کے پوتے تھے، علوم متعارفہ حاصل کیا تھا، نظم و انشا دونوں سے آگاہی تھی، برابر حضرت بادشاہ کی خدمت میں رہ کر امتیاز حاصل کیا، حضرت جہاں بانی کے زمانہ میں بھی امارت پائی۔

شیخ ابوالوجد فارغی۔ شیخ زین کے ماموں تھے، خوش صحبت اور خوش طبع تھے اور شعر کہتے۔

سلطان محمد کوسہ۔لطیف طبع اور شعر شناس تھے، میر علی شیر کے مصاحبوں میں سے تھے، پھر حضرت بادشاہ کی ملازمت میں آ گئے۔

مولانا شہاب معمائی۔حقیری تخلص، علم، فضل اور شعر کا بڑا حصہ پایا۔

مولانا یوسفی طبیب۔ان کو خراسان سے بلایا گیا تھا، اپنے مکارم اخلاق اور دستِ شفا کے لیے ممتاز تھے۔

سرخ وداعی۔پرانے شاعر تھے، رسمیات کی پابندی نہ کرتے، فارسی اور ترکی میں شعر کہتے۔

ملا بقائی۔شعر کا اچھا سلیقہ رکھتے، مثنوی مخزن کی زمین میں حضرت بادشاہ کے نام سے ایک مثنوی کہی۔

خواجہ نظام الدین علی خلیفہ۔اپنی خدمت، اعتماد، عقل، استقامت، تدبیر کی وجہ سے حضرت بادشاہ کی نظر میں بڑا مرتبہ رکھتے اور بھی فضائل اور کمالات رکھتے، خصوصاً طب میں مہارت تھی۔

میر درویش محمد ساربان - ناصر الدین خواجہ کے محبوب مرید تھے، اپنی خوش صحبتی اور فضیلت سے ممتاز رہے اور شاہی دربار میں اُن پر بڑا اعتبار کیا جاتا۔

خواجہ میر مورخ - فاضل اور خوش صحبت تھے، ان کی تصانیف میں حبیب السیر خلاصۃ الاخبار اور دستور الوزرا وغیرہ مشہور ہیں۔

خواجہ کلاں بیگ - بڑے امرا میں تھے ساتھ بیٹھتے اور اطوار کی سنجیدگی اور فضائل کی شائستگی میں ممتاز تھے ان کے بھائی کیچک خواجہ مہردار معتمد خاص اور اہل نشست تھے۔

سلطان محمد دولدی - بڑے امرا میں تھے، پسندیدہ اخلاق رکھتے تھے۔

خواجہ نظام الدین احمد بخشی مصنف طبقات اکبری

''خواجہ نظام الدین احمد بخشی نے اپنی تاریخ طبقات اکبری، اکبر کے عہد میں لکھی، وہ ۹۵۸ھ (مطابق ۱۵۵۱ء) میں پیدا ہوا اور ۴۷ سال کی عمر میں وفات پاگیا، اکبری عہد میں مختلف عہدوں پر ممتاز ہو کر پنج ہزاری امرا میں داخل ہو گیا تھا، جو اس عہد کی بڑی معراج تھی، گجرات میں بخشی کے عہدہ پر مامور تھا، اکبر کے مقربین اور متوسلین میں ہونے کے باوجود دین الٰہی کی بدعات سے متعلق متاثر نہ ہوا، ملا عبدالقادر بدایونی جیسے متشدد عالم کو اُس سے بڑا دینی اخلاص تھا، اس کو تاریخ سے بڑی دلچسپی رہی، اسی لیے طبقات اکبری کے نام سے تین جلدیں لکھیں، پہلی جلد میں غزنویوں سے لے کر سلاطین دہلی کے عہد تک کے حالات ہیں، دوسری جلد میں بابر سے لے کر اکبر کے ۳۸ ویں سال جلوس تک کی تفصیلات ہیں، تیسری جلد میں دکن، گجرات، بنگالہ، جون پور، مالوہ، کشمیر، سندھ اور ملتان کے حکمرانوں کی تاریخ ہے، یہ بہت ہی مستند تاریخوں میں شمار کی جاتی ہے، یہ ۱۰۰۲ھ میں مکمل ہوئی۔

بابر اس کے شاہی آقا کا دادا تھا، اس لئے اس کے حالات بڑے ادب واحترام کے ساتھ قلم بند کرتا ہے، گو اس کتاب کے اقتباسات کا ترجمہ آزاد ہے لیکن خواجہ نظام الدین احمد بخشی نے بابر کے لئے جو تعظیمی الفاظ استعمال کئے ہیں وہ اقتباسات کے ترجمے میں ظاہر ہو گئے ہیں، ان واقعات سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ خواجہ نظام الدین نے کیا کیا چیزیں حذف کر دی ہیں اور کن کن خاص باتوں کا اضافہ کیا ہے۔''

عزم ہند: دولت خاں، غازی خاں اور دوسرے بڑے امرا کو سلطان ابراہیم سے اتفاق نہ تھا، اس لئے انہوں نے حضرت فردوس مکانی کے پاس عالم خاں لودی کے ذریعہ ایک عرض داشت بھیجی کہ وہ ہندوستان کو تشریف قدوم نصرت لزوم سے نوازیں، حضرت فردوس مکانی نے ممتاز امرا کو عالم خاں کے ساتھ ہندوستان کی سرحد پر بھیجا کہ وہ پہنچ کر وقت کا جو تقاضہ ہو عمل میں لاویں، یہ جماعت تیزی

سے اس طرف گئی اور سیال کوٹ، لاہور اور اس کے مضافات کو تسخیر کیا اور پھر حقیقت حال لکھ بھیجی، حضرت فردوس مکانی عنایت ازلی اور ہدایت لم یزلی سے دارالامان کابل سے روانہ ہوئے، پہلے روز ایک گاؤں یعقوب کے حوالی میں خیمہ زن ہوئے، چند روز تھوڑی تھوڑی مسافت طے کرتے رہے اور ہر منزل پر ایک دو روز مقیم ہوتے، ان کو شہزادہ ہمایوں کا انتظار تھا، وہ بدخشاں سے لشکر کی فراہمی کے لئے کابل ٹھہر گئے تھے، یہاں تک کہ جواں بخت شہزادہ اپنی آراستہ فوج کے ساتھ آملے، حسن اتفاق سے اسی روز خواجہ کلاں بیگ نے جو بڑے ارکان دولت میں سے تھا، غزنی سے آکر پابوسی کا شرف حاصل کیا، اس کے بعد منزلیں تیزی سے طے ہونے لگیں اور سندھ کے کنارے جو دریائے نیلاب کے نام سے مشہور ہے، جھنڈا لہرایا، یہاں حکم ہوا کہ بخشی لشکر کے سوار اور پیادہ کو دیکھ کر ان کا عرض کریں، تمام سپاہیوں، سوداگروں اور بزم و رزم والوں کی مجموعی تعداد دس ہزار تھی:

شیر را حاجت لشکر نبود خاصہ گہی — کہ بود آرزدی صید غزالش درسر

مہر بے خیل و سپہ عرصہ عالم گیرد — چوں کند رایت اقبال عیاں از خاور

دولت خاں اور غازی خاں کی بدعہدی: اس اثنا میں ہندوستان کے امرا سے متعلق یہ خبر پہنچی کہ دولت خاں اپنے بخت سے برگشتہ اور غازی خاں شقاوت سے سرشتہ ہو کر اپنی اطاعت گزاری اور عہد و پیمان سے ہٹ گئے ہیں اور افغانوں اور پہاڑیوں میں سے تیس ہزار سپاہی جمع کر کے کلانور پر قابض ہو گئے ہیں اور لاہور کے امرا سے جنگ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، جب یہ صورت حال معلوم ہوئی تو مومن علی تواچی کو اس حکم کے ساتھ روانہ کیا گیا کہ وہ لاہور کے امرا کو فوج کے پہنچنے کی خبر دے اور ان کو بادشاہ کے پہنچنے تک حصار سے باہر آکر جنگ کرنے سے منع کرے، اس کے بعد لشکر نے تیزی سے دریائے نیلاب کو عبور کیا اور کچھ کوٹ کے علاقے میں پہنچا، کچھ کوٹ کے دریا سے گزر کر مصلحتاً پہاڑ کی راہ سے سیال کوٹ کی طرف منجر کی طرف بڑھا اور ہائی کھکر میں مقیم ہوا، وہاں سے تیزی سے راستہ کو طے کرتا اور کوہ و دشت سے گزرتا ہوا پانچ متواتر کوچ میں کوہ جود کے حوالی مقام بال ناتھ میں پہنچا اور دوسرے روز دریائے بہت کو عبور کیا۔

اس منزل پر یہ خبر ملی کہ امیر خسرو کوکلتاش نے سیال کوٹ کے قلعہ کو مضبوط بنا لیا ہے لیکن بدعہد غازی خاں کے پہنچنے پر اس کو خالی کر دیا اور وہاں سے بھاگ کر امیر ولی قزل کے پاس

پہنچ گیا جو اس کی مدد کے لئے مقرر کیا گیا تھا، دونوں پر شاہی عتاب نازل ہوا لیکن پھر بادشاہ نے اپنے جبلی کرم سے دونوں کو معاف کر دیا، اس وقت مخبروں نے یہ خبر پہنچائی کہ غازی خاں بے سعادت اور دولت خاں بے دولت نے شاہی لشکر کے آنے کی خبر پا کر لڑائی کا ارادہ کیا ہے اور چالیس ہزار سوار کے ساتھ لڑنے کے لئے تیار ہیں، امرا کو شاہی لشکر کے پہنچنے تک لڑائی سے رکنے کے فرامین جاری ہوئے اور لشکر چناب کے کنارے خیمہ زن ہوا۔

بہلول پور کی آبادی: ۹۳۲ھ میں قصبہ بہلول پور شاہی حکومت میں آ گیا تھا، یہ قصبہ چناب دریا کے کنارے ایک بلند مقام پر تھا، ایک فرمان جاری ہوا کہ اس جگہ ایک بڑا قلعہ بنایا جائے تا کہ شہر سیال کوٹ کا نعم البدل ہو جائے، دریا پاس ہی تھا لیکن پھر بھی یہاں کے لوگ تالاب سے پانی پیتے تھے، اس منزل میں دو تین روز عیش و عشرت سے گزارے گئے، پھر بادشاہ نے سیال کوٹ میں نزول اجلال کیا، یہاں سے تیز رفتار مخبروں کو امرا کے پاس حکم دے کر بھیجا گیا کہ دشمنوں کے متعلق مفصل خبریں بھیجیں۔

عالم خاں کی سرکشی و پسپائی: عالم خاں لودی امرا کے ساتھ حضرت بادشاہ سے جدا ہو کر ہندوستان کی طرف چلا تو بہت تیزی سے لاہور پہنچا، چند روز تک وہاں آرام کیا، اس نے افغانوں سے کچھ جھوٹی خبریں سنی تھیں، اس لئے جو شاہی امرا اس کی مدد کے لئے مقرر کیے گئے تھے ان سے اس نے کہا کہ حضرت ظل الٰہی نے آپ لوگوں کی مدد کے لئے مقرر کیا ہے اور مجھ کو اسکندر اور ابراہیم کے ملک کی تسخیر کا حکم ہوا ہے، غازی خاں نے مجھ سے آغاز صلح کیا ہے، آپ لوگ بھی اس صلح پر راضی ہو جائیں اور دہلی اور آگرہ کی طرف رخ کریں لیکن جو صاحب رائے امرا تھے اس جماعت کے مکر سے واقف تھے، اس پیام کو سن کر راضی نہیں ہوئے، جواب دیا غازی خاں میں بہت نفاق ہے، اس کے قول و فعل پر اعتماد نہیں ہے، اس کی تھوڑی سی نرمی اور چاپلوسی کی وجہ سے یہاں سے چل کر اس کے ساتھ مل جانا کوئی عقل مندی نہیں ہے، اگر وہ اپنے بھائی حاجی خاں کو دربار میں بھیج دے یا لاہور کو گروی رکھ دے تو پھر اس کی طرف قدم بڑھایا جا سکتا ہے، ناقص العقل عالم خاں نے کہا کہ بادشاہ نے آپ لوگوں کو میری متابعت کے لئے مقرر کیا ہے نہ کہ مجھ کو آپ کی اطاعت کے لئے کہا ہے، وہ بہت کچھ کہتا رہا لیکن امرا نے اس کی بات نہیں مانی۔

اسی زمانہ میں غازی خاں کا لڑکا شیر خاں عالم خاں کے پاس آیا اور اپنے باپ کی موافقت میں فضا کو اور بھی سازگار بنایا، دلاور خاں حضرت بادشاہ کی خیر خواہی کی بنا پر ایک مدت مدید سے غازی خاں کی قید میں تھا لیکن وہ بھاگ کر لاہور آیا اور محمود خاں ولد خان جہاں کو جو دولت خواہوں میں تھا اپنا موافق بنایا اور شاہی لشکر سے جدا ہو کر غازی خاں سے جا ملا اور ایک دوسرے سے مل کر دہلی کا رخ کیا، دوسرے امرا میں سے اسماعیل خاں جلوانی وغیرہ سلطان ابراہیم سے مایوس ہو کر دہلی کے نواح میں تھے، ان سب کو بھی ملایا اور سلطان ابراہیم سے جنگ کرنے کے لئے جھنڈا بلند کیا، وہ اندری کے قصبہ میں پہنچے، تو یہاں کے حاکم سلیمان شیخ زادہ بھی ان کی جماعت سے مل گیا اور لشکر کی تعداد چالیس ہزار سوار ہوگئی، ان لشکریوں نے متحد ہو کر دہلی کا محاصرہ کرلیا، سلطان ابراہیم اس وحشت بھری خبر کو سن کر ان سے لڑائی لڑنے کے لئے بڑھا، عالم خاں اور اس کی جماعت کو سلطان ابراہیم کے بڑھنے کی خبر ملی تو وہ دہلی کے حوالی سے مقابلہ کے لئے آگے بڑھا، پھر آپس میں یہ طے کیا کہ افغانوں کو ایک دوسرے کے ناموس کا بہت خیال ہے، اس لئے ولی نعمت سے بھاگ کر دشمن سے مل جانا بڑے عیب اور شرم کی بات ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ اگر دن میں لڑائی ہوئی تو مقصد حاصل نہ ہوگا کیوں کہ ممکن ہے جو اس وقت ہم سے مل گئے ہیں وہ اپنی حیا و شرم کی وجہ سے ہماری طرف مائل نہ رہیں، اس لئے مناسب ہے کہ رات کے نقاب میں سلطان ابراہیم کے لشکر پر شب خون مارا جائے اور چھپے ہوئے موافقوں کو اپنے ساتھ رکھ کر ان سے دشمنوں کا کام لیا جائے، ان لوگوں کا لشکر سلطان ابراہیم کے لشکر سے چھ کروہ پر تھا، شب خون کے ارادے سے وہ سوار ہوئے اور پوری قوت سے سلطان ابراہیم کے لشکر کو درہم برہم کر دیا، جلال خاں اور دوسرے امرا بھی جو عالم خاں سے ملنے کا وعدہ کر چکے تھے، موقع پاتے ہی اس سے آ ملے اور سلطان ابراہیم اپنی خاص فوج کے چند آدمیوں کے ساتھ اپنے خیمہ میں رہ گیا، صبح ہونے تک نہ وہ لڑ سکا نہ بھاگ سکا، عالم خاں کے ساتھیوں کو اپنے غلبہ اور دشمن کی مغلوبی کا یقین ہوگیا تھا، اس لیے مال غنیمت کی لوٹ مار میں منتشر ہوگئے اور جب صبح ہوئی تو عالم خاں کے پاس تھوڑے سے لوگ رہ گئے، سلطان ابراہیم کی نظر دشمن کی تھوڑی تعداد پر پڑی اور جو جماعت اس کے ساتھ تھی اس کو لے کر اپنے ہاتھی کو آگے بڑھایا اور عالم خاں کے سر پر

پہنچ گیا اور پہلے ہی حملہ میں اس کو بھگا دیا، پھر جو شخص جہاں لوٹ مار میں مشغول تھا وہاں سے بھاگا اور جو امرا آپس میں مل گئے تھے پھر پراگندہ ہوگئے، عالم خاں نے دوآب پہنچ کر لاہور کی راہ لی اور جب سرہند پہنچا تو اس کو شاہی لشکر کے آنے کی خبر ملی اور یہ بھی کہ سیال کوٹ اور قلعہ ملوت فتح ہوگئے ہیں اور ناسمجھوں کو شکست پر شکست ہوگئی ہے اور جو بھی جہاں تھا بھاگ کھڑا ہوا ہے، دلاور خاں ہمیشہ دولت خواہوں کے زمرہ میں تھا لیکن عالم خاں کی متابعت اہل عناد کے غلبہ کی وجہ سے کرلی تھی، اس کو شاہی لشکر کے آنے کی خوش خبری ملی تو آستاں بوسی کے لیے روانہ ہوا اور پہنچ کر دشمنوں سے ظاہری موافقت کا عذر پیش کیا، ظل الٰہی نے عفو و احسان سے کام لیا۔

قلعہ کنکوتہ کی تسخیر: عالم خاں نے حاجی خاں کے ساتھ کنکوتہ کے قلعہ میں پناہ لی، یہ ملوت کے پاس ایک پہاڑ کی چوٹی پر ایک بلند حصار ہے، اتفاق سے نظام الدین علی خلیفہ جو وکیل السلطنت تھا، شاہی لشکر سے نکل کر ہزارہ کے چند لوگوں اور افغانوں کے ساتھ پہاڑ کے دامن میں سیر کے لیے گیا، اس قلعہ کے آس پاس پہنچا تو لڑائی شروع کردی، پہاڑ کے محصورین عاجز ہو چلے تھے، قریب تھا کہ حصار فتح ہو جائے لیکن دن کے اخیر میں لڑائی ہو رہی تھی، اس لیے رات محصورین کو بچانے کے لیے حائل ہوگئی اور شاہد مقصود ظاہر نہ ہوسکا، یعنی فتح نہ ہوسکی، عالم خاں لڑائی سے منھ موڑ کر اپنی پریشان جماعت کے ساتھ بہ ہزار مشقت قلعہ سے باہر آگیا، افتاں وخیزاں میدان حیرانی اور بیابان سرگردانی میں پہنچا، اس کے سوا اس کے لیے چارہ نہ تھا کہ اپنے قصوروں کی معافی مانگ کر شاہی دربار سے اپنے اخلاص کا ثبوت دے اور جب وہ آستاں بوس ہوا تو حضرت بادشاہ نے بھی اپنے جبلی کرم سے اس کو معاف کردیا اور خلعت دے کر سرفراز کیا اور اپنی زبان معجز بیان اعتراض کرنے میں نہیں کھولی، دربار میں اس کے آنے پر کھڑے ہوگئے۔

اس وقت جو قاصد لاہور کے امرا کو طلب کے لیے حکم لے کر بھیجے گئے تھے، انہوں نے آکر خبر دی کہ یہ لوگ شاہی لشکر کے قریب پہنچ گئے ہیں، دوسرے دن جب کہ شاہی لشکر پرسرور کے قصبہ کی طرف بڑھ رہا تھا تو نیک اندیش امرا میں میر محمد علی جنگ جنگ اور خواجہ حسین مشرف دیوان بہادر جوانوں کے ساتھ پہنچ گئے اور رکاب بوسی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی، اس وقت غازی خاں راوی دریا کے کنارے لاہور کی طرف موجود تھا، حکم

پاکر لشکریوں کی ایک جماعت اس کی طرف گئی لیکن تیسرے روز یہ واپس آئی اور خبر دی کہ شاہی لشکر کے پہنچنے کی خبر سن کر دشمن تیزی سے بھاگ کھڑے ہوئے:

ذرہ با مہر محالست کہ جوید نادرد　　صعوہ با باز چہ ساں باز کند پنجہ بہ جنگ

اس وقت کوچ کرنے میں کافی دیر لگائی جارہی تھی، کیوں کہ حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کے پہنچنے کا ابھی پورا یقین نہیں ہوا تھا لیکن دشمن کے فرار ہونے کی خبر پاکر حضرت بادشاہ نے تیزی سے یلغار کیا اور اس بخت برگشتہ کے تعاقب کے خیال سے کلانور کے حوالی میں آکر نزول اجلال کیا، اس منزل پر محمد سلطان میرزا اور عادل سلطان نے تمام امرا کی معیت میں لاہور سے آکر اخلاص کے ساتھ نذرانے پیش کیے، ان کے درجات محل شاہی کی نوازشوں سے بڑھائے گئے، دوسرے دن کلانور سے کوچ ہوا اور ایک فرمان جاری کیا گیا کہ امیر محمدی کوکلتاش، امیر احمد پروانچی، امیر قتلق قدم، امیر ولی خازن اور دوسرے امرا ایک لشکر عظیم لے کر بھاگنے والوں کا تعاقب کریں اور قلعہ ملوت کے آس پاس کی ایسی حفاظت کریں کہ اس کے اندر سے کوئی شخص باہر نہ آنے پائے اور وہاں کے خزائن و دفائن تلف نہ ہوں، اس احتیاط کا مقصد غازی خاں کی گرفتاری تھا۔

قلعہ ملوت کی تسخیر: دوسرے دن قلعہ ملوت کے حوالی میں نزول اقبال ہوا، بڑے امرا کو حکم ملا کہ حصار کا محاصرہ کر کے دشمنوں کو عاجز کر دیا جائے، دوسرے دن اسمٰعیل خاں، دولت خاں کے لڑکے علی خاں کا لڑکا قلعہ سے باہر آیا اور خبر پہنچائی کہ حصار کے اندر غازی خاں تو نہیں ہے لیکن دولت خاں، علی خاں اور دوسرے باغی لوگ موجود ہیں، حضرت بادشاہ نے وعدہ وعید اور تہدید کر کے اس کو حصار واپس بھیج دیا اور قلعہ کی تسخیر کی ہمت عالی کر کے مورچل کو اس کے نزدیک کیا، جب شاہی لشکر کو غلبہ پاتے دیکھا تو محصورین کے پاؤں اکھڑ گئے، دولت خاں نے عجز و انکسار سے امان چاہی، مراحم بادشاہ اس کے شامل حال ہو گئے، اس کا قصور معاف کر دیا گیا اور حکم کے بہ موجب اس کی گردن میں دو تلواریں ڈال کر پیش کیا گیا اور جب وہ نزدیک پہنچا تو تلواریں نکال دینے کا حکم ہوا تا کہ جب چاہیے ادب بجا لا سکے، حضرت بادشاہ نے اپنی غایت ذرہ پروری کی بنا پر اس کو اپنے پاس جگہ دی اور اس کے جرائم کو معاف کر دیا:

کرم آنست کہ احسان بگنہگار کند ورنہ بادوست جز احسان نکند اہل کرم

دولت خاں کے مال کی تقسیم: حکم ہوا کہ دولت خاں، اس کی ذریات اور لوگوں کو امان دی جائے لیکن اس کے مال کو لشکر کے سپاہیوں میں تقسیم کر دیا جائے، خواجہ میر میران صدر اس کے اہل و عیال کی حفاظت کے لیے مقرر ہوئے، جب قلعہ بادشاہ کے تصرف میں آگیا تو علی خاں حاضر ہوا اور نذرانے میں اشرفیاں پیش کیں پھر دن کے آخر میں اپنے حرم اور گھر کے لوگوں کو جمع کر کے قلعہ سے باہر آیا، یساولوں نے لوگوں کو دور رکھا اور علی خاں کے گھر والوں کو خواجہ میر میران کے یہاں پہنچا دیا۔

دولت خاں کی وفات: دوسرے دن بادشاہ نے قلعہ پر قبضہ کیا، امیر سلطان، جنید برلاس، امیر محمدی کوکلتاش، امیر احمد پروانچی، امیر عبدالعزیز، امیر محمد علی جنگ جنگ، امیر قتلق قدم اور دوسرے امرا کو قلعہ کے مال کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑا اور چوں کہ معلوم ہو گیا تھا کہ غازی خاں قلعہ ملوت میں نہیں ہے، اس لیے شاہی لشکر غازی خاں کے پیچھے چلا، دولت خاں، علی خاں، اسمٰعیل خاں اور جن دوسرے لوگوں نے عہد شکنی کی تھی، ان کو قید میں رکھنے کا حکم ہوا، اس نواح میں ملوت کا قلعہ مستحکم ترین تھا، اس لیے اس پر پوری نگاہ رکھی گئی، اثنائے راہ میں دولت خاں وفات پا گیا: اس کے بعد حضرت بادشاہ، غازی خاں کی تلاش کرنے اور گرفتار کر کے اس کو سزا دینے کے لیے کوچ کیا، ناہموار راستہ کو طے کر کے دون کے دامن میں پہنچے، یہ ایک بڑا پہاڑ سوالک کے سلسلہ میں ہے، وہاں نزول اجلال کر کے تردی بیگ کو ایک جماعت کے ساتھ مقرر کیا کہ پہاڑ اور جنگل میں تلاش کر کے اس گم راہ کو گرفتار کرے لیکن وہ برگشتہ روزگار جان کے ڈر سے پہاڑ اور جنگل میں مارا مارا پھرا اور ہاتھ نہ آیا۔

بابر کو دہلی کے امرا کی طرف سے دعوت: دون سے ایک دو منزل لشکر آگے بڑھا تو شاہ عمادالدین شیرازی آئے اور انہوں نے درش خاں اور مولانا محمد مذہب کی طرف سے عرائض پیش کیے، یہ دونوں سلطان ابراہیم کے لشکر کے امرا اور فضلا میں سے تھے، انہوں نے وہاں پہنچنے کی تحریص دلائی اور غائبانہ طور پر اپنی خیر خواہی کا اظہار کیا، حضرت بادشاہ نے شاہ عمادالدین کے قاصدوں میں سے ایک کو ایک منشور عنایت دے کر ان لوگوں کے پاس بھیجا اور اس منزل سے فقیروں، درویشوں اور بلخ کے طالب علموں کے لیے دیپال پور کے حاکم امیر باقی شقاول کے

معرفت نقد اور جنس بھیجی، کابل بھی اپنے فرزندوں، ساتھ دینے والوں اور انتظار کرنے والوں کے لیے روپے، پشمینے اور دوسرے سوغات بھیجے، ان منزلوں میں شاہی لشکر کے برناولوں اور قزاقوں نے پہاڑوں میں جا کر بہت سے قلعے اور گاؤں تسخیر کیے اور شاہی لشکر میں مال غنیمت لائے۔

سلطان ابراہیم کی پیش قدمی: وہاں سے دو منزل آگے لشکر سرہند کے قریب پہنچا، پھر سرہند سے دو منزل آگے قصبہ تنور کے پاس آیا اور حضرت بادشاہ گھگر ندی کے کنارے ٹھہرے اور جب وہاں سے لشکر کا جھنڈا سامانہ اور سنام کے پاس آیا تو مخبروں نے آکر خبر دی کہ سلطان ابراہیم نے شاہی لشکر کے آنے کی خبر سنی ہے تو دہلی کے پاس سے جہاں وہ عالم خاں کی شکست کے بعد ٹھہرا ہوا تھا، کوچ کر کے نزدیک پہنچ گیا ہے، حکم جاری ہوا کہ امیر کتہ بیگ سلطان ابراہیم کے لشکر کے پاس جا کر جہاں تک ممکن ہو اس لشکر کی کیفیت کی تحقیق کرے اور جلد واپس آئے، اسی طرح مومن علی اتکہ کو سلطان ابراہیم کے خاصہ خیل حمید خاں کے لشکر کی تحقیق کے لیے بھیجا، وہ فیروزہ کے حصار سے لشکر جمع کر کے آگے بڑھا تھا، قصبہ انبالہ سے دونوں کو بھیج کر ہدایت دی کہ وہ واپس آکر راستوں کی حالت، دشمنوں کی کیفیت اور ان کے آگے بڑھنے کا حال بیان کریں، اسی منزل میں ببن خاں نے آکر اپنی بغاوت کے بعد امان چاہی اور بساط بوس ہو گیا۔

شہزادہ ہمایوں سے جھڑپ: جب حضرت بادشاہ کو معلوم ہو گیا کہ حمید خاں حصار فیروزہ سے دو تین منزل آگے بڑھ گیا ہے تو حکم ہوا کہ شاہزادہ محمد ہمایوں میرزا اس کے خلاف آگے جائے، امیر خواجہ کلاں بیگ، امیر سلطان محمد دولدی، امیر عبدالعزیز، محمد علی جنگ جنگ، امیر شاہ منصور برلاس، امیر محب علی ولد میر خلیفہ اور دوسرے بہادر لشکریوں کو شاہزادہ علی مقدار کے رکاب ظفر انتساب کے ساتھ روانہ کیا، انہوں نے یلغار کر کے مسافت طے کی اور جب وہ دشمن کے لشکر کے پاس پہنچے تو دو سو آزمودہ سواروں کو منتخب کر کے مقدمۃ الجیش بنا کر قراول کے طور پر آگے مقرر کیا، یہ طے پایا کہ پہلے شاہزادہ کی فوج کا مقدمہ دشمن کے لشکر کے پاس پہنچ جائے اور حسن کے مقدمہ کا مقابلہ کر کے لڑائی شروع کر دے، پھر یہاں شاہزادہ کی فوج پہنچ جائے ،دشمن کی فوج بھی ظاہر ہو گئی، لڑائی کے شعلے بلند ہوئے، طرفین ایک دوسرے سے گڈمڈ ہو گئے، یکا یک شاہی لشکر کے لیے فتح و ظفر کی ہوا چلنے لگی، افغانوں کو شکست ہوئی، ان میں سے دو سو

آدمی اسیر کر لیے گئے اور دوسرے لوگ قتل ہوئے:

اگر چہ بود سپاہ عدو بقوت عاد　　نسیم رایت شاہش ربود چوں سر سر

اس فتح کی خبر میرک مغول نے اسی منزل پر پہنچائی جہاں سے شاہ زادہ کام گار کو رخصت کیا گیا تھا، وہ اپنے ساتھ آٹھ زنجیر ہاتھی، افغان لشکریوں کے قیدیوں اور ان کے سرداروں کے سروں کو بھی ساتھ لے گیا، قیدیوں کو حکم کے بہ موجب استاد علی قلی کے حوالہ کر دیا گیا تا کہ وہ ان کو توپ وتفنگ کا نشانہ بنا دے اور سرکار فیروزہ اس کے مضافات کے ساتھ اور اس کی ایک کرور کی آمدنی اور ایک کرور نقد بھی شاہزادہ عالی مقدار کو انعام میں مرحمت ہوا۔

پانی پت کی طرف کوچ: اس کے بعد سپاہ ظفر پناہ شاہ آباد سے دو منزل آگے بڑھی اور جمنا کے کنارے ٹھہری، برابر خبر مل رہی تھی کہ سلطان ابراہیم بھاری لشکر کے ساتھ لڑائی کے لئے آگے بڑھ رہا ہے، وہاں سے لشکر نے دو منزل اور طے کی تھی کہ راجہ کلاں بیگ کا ملازم حیدر قلی جو مخبری کے لیے بھیجا گیا تھا، واپس آیا اور اس نے عرض کیا کہ سلطان ابراہیم کے امرا میں سے داؤد خاں وغیرہ نے پانچ چھ ہزار سوار کے ساتھ دریائے جمنا کو عبور کر لیا ہے اور سلطان ابراہیم کے لشکر تین چار کروہ دور ہیں، اس جمعیت کے قلع قمع کے لیے سید مہدی خواجہ، محمد سلطان میرزا، عادل سلطان، سلطان جنید برلاس، شاہ میر حسین، امیر قتلق قدم، امیر یونس علی، امیر عبداللہ کتاب دار، امیر محمدی پروانچی اور امیر کتہ بیگ مقرر ہوئے، یہ دلاور جمنا کو پار کر کے اچانک دشمن کے سر پر پہنچ گئے، وہ مقابلہ کے لئے آئے اور اپنے مقدور کے مطابق مردانگی، لڑائی اور پائے داری میں کوئی کمی نہیں کی لیکن حضرت بادشاہ کے شیر دل سپاہیوں نے ان کو اپنے سامنے لا کر ان کی بڑی جماعت کو قتل کر دیا:

چو شہ را بخت یاور باشد و دولت بود رہبر　　سپاہش را بود روز دغا فتح و ظفر چاکر

ایک حصہ کو اسیر کر کے سپاہیوں نے دشمن کا تعاقب کیا اور دوڑا کر بھگا دیا اور جو ہزار حیلوں سے تلواروں سے بچے، وہ سلطان ابراہیم کے لشکر میں جا پہنچے، جہاں بڑا شور مچ گیا، قیدیوں کی جماعت کے ساتھ کچھ سردار اور دس زنجیر ہاتھی حضرت بادشاہ کی خدمت میں پیش کئے گئے، سیاست خاقانی اور ہیبت قہرمانی سے ان کے قتل کا فرمان جاری ہوا۔

جنگ کی تیاری: جب اس جگہ سے کوچ ہوا تو فرمان کے بہ موجب جرانغار، برانغار اور غول کو

درست کر کے حضرت بادشاہ کو دکھایا گیا، حکم ہوا کہ تمام لشکری ارابے مہیا کریں، چنانچہ آٹھ سو ارابے ایک روز میں مکمل ہو گئے، استاد علی قلی کو حکم ہوا کہ رومی توپ خانے کی طرح ارابوں کو زنجیر اور گائے کے کچے چمڑے سے جوارتچی کی طرح تھے، ایک دوسرے سے متصل کر دیں اور دو ارابوں کے درمیان چھ سات توبڑے رکھ دیے جائیں تاکہ لڑائی کے وقت تفنگ انداز ارابوں اور توبڑوں کے پیچھے پناہ لے کر تفنگ اندازی کریں، ایک منزل پر پانچ چھ روز ٹھہر کر ان تدبیروں کی تکمیل اور جنگی اسلحہ کی فراہمی کی گئی۔

شاہی لشکر میں فوج کم تھی، دشمنوں میں فوج کی کثرت تھی لیکن دولت خواہوں کے دلوں میں یہ آیت کریمہ نقش تھی کہ جماعت کتنی ہی چھوٹی ہو لیکن بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے غالب آتی ہے، اس لیے جنگی طریقوں کو سامنے رکھ کر دولت خواہوں نے یہ رائے دی کہ کوچ کر کے پانی پت کے شہر کو لشکر کے عقب میں کر دیا جائے اور لشکر کے آگے ارابہ کی صف ہو تاکہ اس کے پیچھے پناہ مل جائے، سوار اور پیادے ارابے کے پیچھے ہو کر تیر و تفنگ سے مقابلہ کریں اور دوسرے سوار اطراف و جوانب سے باہر نکل کر مدافعہ اور مجادلہ کریں اور اگر غنیم کا زور بڑھ جائے تو ارابے کے پیچھے چلے آئیں، جمعرات کو روز آخری جمادی الآخر کو پانی پت میں دشمن سے چھ کروہ پر لشکر اترا، سلطان ابراہیم کے لشکر میں ایک لاکھ سوار اور ایک ہزار ہاتھی تھے، شاہی لشکر میں پندرہ ہزار سواروں اور پیادوں کا تخمینہ تھا، پانی پت پہنچ کر تھوڑے تھوڑے لشکریوں نے دشمن کے لشکر کے پاس جا کر جنگ کرتے اور ان پر غالب آتے:

ہر شہے را کہ بود لطف الٰہی یاور	گر جہاں پر شود از لشکر بدکیش چہ باک
بود در دوش شہ از نصرت ایزد جوش	بود برفرق وی از لطف الٰہی مغفر

برابر شاہی لشکر دشمنوں کے سرداروں کے سر اپنے فتراک میں لٹکا کر شاہی فوج میں واپس ہوتے اور شاہی لشکر کا دست برد برابر واقع ہو رہا تھا لیکن دشمن کی طرف سے کوئی حرکت نہیں ہوئی اور یہ بات عمل میں نہ آسکی کہ وہ آگے بڑھیں تو ان کے پیچھے جا کر ان پر حملہ کیا جائے۔

شب خون: بعض ہندوستانی امرا دولت خواہوں میں داخل ہو گئے تھے، انہوں نے اس کشاکش کو رفع کرنے کے لیے شب خون کی رائے دی، حضرت بادشاہ نے اس رائے کو پسند کیا، حکم کے بہ

موجب مہدی خواجہ، محمد سلیمان میرزا، عادل سلطان، خسرو بیگ کوکلتاش، شاہ امیر حسین، امیر سلطان جنید برلاس، امیر محب علی خلیفہ، امیر ولی خازن، امیر محمد بخشی، جان بیگ، امیر قراقوزی، پانچ چھ ہزار سوار کے ساتھ سلطان ابراہیم کے لشکر کی طرف بڑھے، صبح ہونے کے قریب تھی تو وہ دشمنوں کی طرف روانہ ہوئے اور ان کے لشکر میں پہنچ گئے، خوب مردانگی دکھائی، ان کے آس پاس بہت دست برد کیا اور ان کے بہت سے آدمیوں کو ہلاک کیا اور پھر بالکل سلامت واپس آ گئے، کسی کو کچھ نہ ہوا لیکن دشمن پراگندہ نہیں ہوئے، وہ جمے رہے۔

پانی پت کی جنگ: جمعہ کے روز سنہ مذکور کی آٹھویں رجب کو دست اجل نے سلطان ابراہیم کی جان کے گریبان کو پکڑا اور وہ اپنی فوج کے ساتھ شاہی لشکر کے مقابلہ کے لیے بڑھا، شاہی لشکر نے سدروئیں کی طرح آہنی لباس سے آراستہ، فتح وظفر کے زیور سے پیراستہ اور میدان جلادت میں استوار ہو کر اپنی نصرت کے جھنڈے کو لہرایا، حضرت بادشاہ قلب میں روح کی طرح متمکن تھے، مقدمہ، میمنہ اور میسرہ کو اچھی طرح ترتیب دے کر لڑائی جاری رکھی، جب طرفین ایک دوسرے سے مل گئے اور ایک دوسرے کو مخاصمت کی نظر سے دیکھنے لگے تو حکم ہوا کہ جرانغار (بائیں جانب) کی طرف سے امیر قراقوزی، امیر شیخ علی، امیر علی، ابو محمد نیزہ باز اور شیخ جمال، برانغار (دائیں جانب) کی طرف سے ولی قزل، بابا قشقہ تمام مغلوں کے ساتھ دو دو حصوں میں ہو کر دشمن کے عقب میں جا کر لڑائی شروع کر دیں، پھر برانغار اور جرانغار کے تمام امرا اور فوج خاصہ میں سے امیر محمدی کوکلتاش، امیر یونس علی، امیر شاہ منصور برلاس، امیر احمدی پروانچی اور امیر عبداللہ کتاب دار مقابلہ کے لیے بڑھیں، دشمن زیادہ تر برانغار کی طرف توجہ کیے ہوئے تھے اس لیے امیر عبدالعزیز کو جس کو طرح میں چھوڑا گیا تھا، حکم ہوا کہ وہاں مدد کے لیے پہنچے، جب لڑائی کے جنگل کے ان شیروں کو لڑنے کی اجازت ملی تو انہوں نے اپنے سبک خیز گھوڑوں کو جولان کیا، پھر آگے پیچھے، دائیں بائیں سے ایسی خون آشامی کی کہ دشمنوں کے جسم، بازو کی طرح اڑنے لگے اور قریب تھا کہ پرندوں کی طرح ان کی روحیں دوسرے عالم میں پرواز کرنے لگیں لیکن ذو دھاری تلوار کی قینچی سے ان کے پر و بال قلم ہو گئے، اس لیے وہ پرواز بھی نہ کر سکیں، سرکشوں کے سر بھاری بھاری گرزوں سے نرم ہو کر رہ گئے اور دشمنوں کی صف میں موت کا بازار گرم ہو گیا۔

فتح: بالآخر فضل الٰہی کی برکت اور لطف لامتناہی کی مدد سے اور سیاہ روزگار دشمن مغلوب اور مقہور ہوئے، زیادہ تر قتل ہو گئے، تھوڑے سے لوگ نیم کشتہ اور مجروح ہو کر بیابان کی طرف جا کر چھٹکارے کی امید کرنے لگے، مگر وہ زاغ وزغن کی خوراک بن گئے، سلطان ابراہیم ایک ویرانہ میں پڑ گیا تھا لیکن وہ پہچانا نہیں گیا، اس کے پاس رہنے والے لشکریوں کو اس کے ساتھ تیغ خوں ریز سے ہلاک کر دیا گیا لیکن پھر اس کا سر پہچانا گیا اور بادشاہ کے سامنے پیش ہوا، ایک جگہ سلطان ابراہیم کے پاس پانچ چھ ہزار سپاہی قتل کیے گئے، لڑائی میں کئی ہزار اور آدمیوں نے موت کا شربت پیا، حضرت بادشاہ کی زبان ستائش بیان پر الحمدللہ الذی ھدانالھذا تھا، ان کا جھنڈا بلند ہوا، پہلے روز ہی شہروں، ملکوں میں فتح نامہ بھیجا گیا، پھر دارالملک دہلی کی طرف روانہ ہوئے اور یہ خیر البلاد شہنشاہی انوار کے طلوع ہونے سے منور ہو گیا، جمعہ کے روز منبروں پر اور جامع مسجدوں میں اس خسرو صاحب قرانی کا نام نامی اور اسم سامی لے کر ان کی دولت اور سلطنت کا خطبہ پڑھا گیا۔

تقسیم انعامات: حکم جاری ہوا کہ شہزادہ محمد ہمایوں میرزا، امیر خواجہ کلاں، امیر محمدی کوکلتاش، امیر یونس علی، امیر شاہ منصور برلاس اور دوسرے لوگ یلغار کر کے آگرہ پہنچ جائیں اور اس قلعہ پر قبضہ کر لیں اور اس کے خزانہ کو عوام وخواص کے تصرف سے محفوظ رکھیں اور جب حضرت بادشاہ نے اس شہر میں نزول اجلال فرمایا تو اس خزانہ کو سلطنت کے تمام لوگوں میں ان کی حیثیت کے مطابق تقسیم کر دیا، ان کا دریا نشاں اور گوہر فشاں ہاتھ خزانے کی بخشش میں کھل گیا، ستر لاکھ شہزادہ محمد ہمایوں میرزا کو انعام میں دیا، امرا میں سے کسی کو دس لاکھ، کسی کو آٹھ لاکھ کسی کو پانچ لاکھ ان کے درجات کے تفاوت کے لحاظ سے مرحمت کیا:

کسے کو بمیداں کند جاں نثار ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ بروز رکن ازروے احساں نثار
اگر چند باشد جگر دار مرد ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ چو بے برگ باشد بجوید نبرد

تمام بہادر لشکریوں اور ملازموں کو خزانے سے نقد کی شکل میں انعام دیا گیا، لشکر کے بڑے بڑے افراد، سادات، مشائخ، طلبہ، تجار، اہل بازار چھوٹے بڑے ہر ایک کو اس تقسیم میں شامل کیا گیا، حرم کی مستورات کے لیے اچھے اچھے زیورات اور نادر کپڑے، سونے چاندی کے سکے، سوغات بھیجے گئے، دربار کے مغنیوں اور شاہانہ الطاف کے منتظروں کو سمرقند، خراسان، عراق

اور کاشغر انعامات ارسال کیے گئے، مکہ معظمہ، مدینہ مقدسہ اور متبرک مزارات کے لیے نذرانے گئے، کابل، خوست، بدخشاں کے رہنے والوں اور وہاں کے ممتاز زاہدوں اور ہر عورت اور مرد کے لیے ایک ایک شاہ رخی انعام بھیجی گئی، ان کو پہنچانے اور تقسیم کرنے کے لیے متدین آدمی مقرر ہوئے، دربار کے حاجت مندوں میں کوئی بھی ایسا نہ تھا، چاہے وہ حاضر یا غائب رہا، جو ہندوستان کے مال غنیمت سے بہرہ مند نہ ہوا۔

افغانوں کی مخالفت: حضرت بادشاہ اور قلعہ کے رہنے والوں کی ترقی حال کی طرف بہت متوجہ رہے، اس لیے ان کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے فرامین ہر طرف بھیجے لیکن ہندوستان کے برگشتگان بخت اتنے متوحش اور متنفر تھے کہ اطاعت کے لیے راضی نہ ہوئے، جنگلوں اور پہاڑوں میں بھاگ کر ادبار کی راہ لی، قلعہ والے اپنی حکومت کی خاطر قلعہ داری کا سامان مہیا کرنے میں مشغول تھے، دہلی اور آگرہ کے علاوہ تمام قلعوں کی بڑی مخالفت اور مغائرت تھی، سنبھل کا حصار قاسم سنبھلی کے پاس تھا، بیانہ کے قلعہ میں نظام خان تھا، میوات میں حصار الور کو حسن خاں میواتی مضبوط بنائے ہوئے تھا، گوالیار کے حصار کو سارنگ خانی نے مستحکم بنا رکھا تھا، راپری کو حسین خاں لوحانی، اٹاوہ کو قطب خاں، کالپی کو عالم خاں نے اپنے لیے محفوظ کر لیا تھا، قنوج اور گنگا کے اس طرف کے علاقے افغان باغیوں کے تصرف میں تھے، جنہوں نے سلطان ابراہیم کی بھی اطاعت نہیں کی تھی، جب شاہی حکومت کا آفتاب بلند اور افغانیوں کا انحطاط ہوا تو وہ لوگ بہت سے دوسرے علاقوں پر بھی قابض ہو گئے، بہار خاں کے لڑکے کو بادشاہ بنا کر اس کو سلطان محمد کا لقب دیا، نصیر خاں لوحانی، معروف قرملی اور دوسرے بڑے بڑے افغان امرا نے اس کی اطاعت کر لی اور خیال فاسد میں مبتلا ہوئے اور نافرماں برداری اتنی بڑھ گئی کہ آگرہ سے بیس کروہ پر مہاون کا قبضہ تھا، سلطان ابراہیم کے ایک غلام مرغوب نامی نے اس کو مضبوط بنا کر روگردانی کی۔

اتفاق سے اس سال ہندوستان میں گرمی حد سے زیادہ پڑی، اس ملک کے بہت سے آدمی ہلاک ہو گئے، حضرت ظل الٰہی نے آگرہ کے دارالامان میں اپنی فوج کو اپنے سایہ عاطفت میں آرام کرنے دیا اور جب گرمی کا زور کم ہوا اور باد سموم برسات کی ہوا میں تبدیل ہو گئی اور یہ ہوا روح افزا ہونے لگی تو نامور امرا علاقوں اور قلعوں کی فتح کی طرف متوجہ ہوئے اور عنایت الٰہی

سے جولوگ جہاں بھاگے تھے وہاں سے آکر بادشاہ کے سایہ میں پناہ لی، فیروز خاں، سارنگ خاں، شیخ بایزید، برادر مصطفیٰ قرملی، شیخ حبیب اور دوسرے افغانی امرا نے اطاعت قبول کرلی اور وہ علوفہ اور جاگیروں سے سرفراز کیے گئے، شیخ گھورن دوآب کے تمام ترکش بندوں کے ساتھ سچائی کے ساتھ دربار میں حاضر ہوا، اس کے اخلاص سے متاثر ہو کر اس کو صاحب اقتدار امرا کے زمرہ میں داخل کرلیا گیا۔

حضرت بادشاہ جب خزانے کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو پرگنے اور سرکار کی تقسیم کی طرف توجہ کی اور ہر ایک پر امرا کو نامزد کیا، سنبھل کا علاقہ شہزادہ محمد ہمایوں میرزا کو دیا گیا، اس اثنا میں قاسم سنبھلی نے یہ عرضی بھیجی کہ حرام خور بن شاہی لشکر سے بھاگ کر اس علاقے میں آگیا ہے اور اس نے لشکر جمع کر کے سنبھل کے حصار کا محاصرہ کرلیا ہے، شاہی فرمان جاری ہوا کہ امیر کتہ بیگ، بابا قشقہ کا بھائی ملا قاسم اپنے تمام بھائیوں کے ساتھ مولانا آفاق شیخ گھورن دوآب کے ترکش بندوں کے ہم راہ اور امیر ہندو بیگ یلغار کر کے اس کے خلاف روانہ ہوں، یہ امرا گنگا دریا پار کرنے میں مشغول تھے کہ ملک قاسم اپنے بھائیوں کے ساتھ بقیہ لشکر کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ گیا اور تقریباً ڈیڑھ سو آدمیوں کے ہم راہ فجر کی نماز کے وقت سنبھل پہنچ گیا، بن بھی مقابلہ کے لیے آگے بڑھا، ملک قاسم نے کسی توقف کے بغیر لڑائی شروع کردی، قتل عظیم برپا ہوا، غنیم کے چند زنجیر ہاتھی، گھوڑے اور مال ہاتھ آگئے، دوسرے روز صبح کو شاہی لشکر کے اور امرا پہنچ گئے، سنبھل کے قلعہ میں قاسم سنبھلی تھا (بن نے اس کا محاصرہ کر رکھا تھا) قاسم سنبھلی کو محاصرہ سے چھٹکارا حاصل ہوا، وہ امرا کے پاس چلا آیا، منت داری اور فرماں برداری کا اظہار کیا لیکن حصار کو سپرد کرنے میں آج کل کا بہانہ کرتا رہا، امرا نے کچھ تدبیریں کیں، ایک روز قاسم کو شیخ گھورن امرا کی مجلس میں لے آیا، وہ بے خبر تھا، شاہی لشکر کے سپاہی حصار کے اندر چلے گئے، اس کے بعد قاسم کو اس کے متعلقین کے ساتھ شاہی دربار میں بھیج دیا گیا۔

بیانہ کی مہم: اسی زمانہ میں بیانہ کی تسخیر کے لیے ایک فوج مقرر ہوئی، وہاں نظام خاں تھا جس نے شاہی حکم کو قبول نہیں کیا تھا، اسی اثنا میں رانا سانگا نے جو ہندوستان کے بہت بڑے راجاؤں میں تھا، اپنی جگہ سے آگے بڑھ کر حصار کندار کا محاصرہ کرلیا تھا، جہاں حسن ولد مکن تھا اور فتنہ اور فساد

وسرکشی وعناد پر آمادہ تھا، حسن ولد مکن نے کندار کا حصار اس کے حوالہ کر دیا، اس وقت امیر سلطان جنید برلاس، عادی سلطان امیر محمدی کوکلتاش، امیر شاہ منصور برلاس اور دوسرے ممتاز امرا کی ایک بڑی جماعت کو حکم ہوا کہ وہ محمد زیتون سے حصار دھول پور کو لے کر امیر سلطان جنید برلاس کے حوالہ کر دیں اور نظام خاں کے خلاف روانہ ہو جائیں، جو بیانہ کے قلعہ پر قبضہ کیے ہوئے تھا اور اس قلعہ کی فتح اور نظام خاں کے استیصال کے لیے پیش قدمی کریں۔

پورب کی مہم: اس فوج کو بھیجنے کے بعد بہت سے صائب رائے امرا کو دار الخلافہ میں جمع ہونے کا حکم ہوا، اس اجتماع کی مجلس کنکاش یعنی مشورت میں یہ بات ظاہر ہوئی کہ لوحانی باغی پچاس ہزار سواروں کے ساتھ قنوج سے آگے بڑھ گئے ہیں اور فساد برپا کر رہے ہیں، دوسری طرف رانا سانگا کندار کا حصار لے کر سرکشی اور عناد پر آمادہ ہے، اب تک برسات کی بارش کی وجہ سے فوج روانہ نہ کی جا سکی لیکن اب اس میں کمی ہو گئی ہے، ان میں سے ایک کی طرف بڑھنا لازمی ہے، رانا سانگا کی قوت معلوم نہ تھی، اس کی سرکشی آخر میں ظاہر ہوئی تھی اور وہ دور تھا، اس لیے اہل مشورت نے یہ کہا کہ رانا سانگا یہاں سے دور ہے، اس کا نزدیک پہنچنا ممکن نہیں، لوحانی نزدیک آگے آ گئے ہیں، اس لیے ان کا پہلے دفع کرنا مناسب ہے، حضرت بادشاہ نے امرا کی اس صحیح رائے سے اتفاق کیا اور یہ طے پایا کہ حضرت اعلیٰ خود پورب کی طرف جا کر ادھر کے دشمنوں کو دفع کریں، اس موقع پر حضرت شہریار کامگار محمد ہمایوں میرزا نے عرض کیا کہ اگر حضرت جہاں کشا کی رائے ہو تو اس خدمت کے لیے مجھ کو مقرر کیا جائے، امید یہی ہے کہ میں مخالفوں کو آپ کی غائبانہ مدد سے دفع کر لوں گا، حضرت بادشاہ کو یہ بات پسند آئی اور طے پایا کہ جو امرا دھول پور کی فتح کے لیے مقرر ہوئے ہیں، وہ شہزادہ کے رکاب میں پورب کی طرف روانہ ہوں، سید مہدی، خواجہ محمد، محمد سلطان میرزا ایک لشکر کے ساتھ اٹاوہ کی فتح کے لیے مامور کیے گئے تھے، وہ بھی شہزادہ کے ساتھ جانے کے لیے مقرر ہوئے، شہزادہ نے ان امرا کو آگرہ کے مضافات جلیسر میں اکٹھا کر لیا، یہاں ان کو جمع کرنے کی خاطر چند روز ٹھہرے، پھر پورب کے علاقہ کی طرف توجہ کی اور اس طرف کے تمام علاقوں کو تسخیر کر کے جون پور میں نزول اقبال کیا۔

بیانہ کی تسخیر: اس اثنا میں رانا سانگا کی قوت بڑھ گئی، حسن خاں میواتی اور اس طرف کے

دوسرے شرارت پسندوں کو اپنے ساتھ کر کے شاہی ملک کی طرف متوجہ ہوا، نظام خاں نے اس کی یہ شرارت دیکھی تو دربار میں پناہ کی درخواست بھیجی، وہ مسلمان تھا اور اس نے رانا سانگا کی اطاعت قبول نہیں کی تھی، اس لیے میر سید رفیع الدین محدث صفوی نے جو اس زمانے کے بڑے علما میں تھے، اس کی سفارش کی اور بیانہ کے قلعہ کو شاہی ملازموں کے حوالہ کر دیا اور نظام خاں کو دربار میں پابوسی کے لیے لائے، اس کے ساتھ بے اندازہ مہربانیاں کی گئیں۔

گوالیار پر قبضہ: تاتار خاں سارنگ خانی گوالیار کے قلعہ پر قابض تھا، اس نے دیکھا کہ رانا سانگا نے کندار کے قلعہ پر قبضہ کر لیا ہے اور بیانہ کے قریب پہنچ گیا ہے، کچھ رائے اور راجے اور گوالیار کے زمیں دار اور بعض مسلمان اس کے ساتھ ہو گئے ہیں اور وہ گوالیار کے قلعہ کو لینا چاہتا ہے، تاتار خاں ان کی شورش سے تنگ آ کر گوالیار کو حضرت بادشاہ کے حوالے کرنے کو تیار ہو گیا اور قاصدوں کو دربار میں بھیجا، حضرت بادشاہ نے خواجہ رحیم داد کو خراسانی اور ہندوستانی فوج کے ساتھ گوالیار کے لیے نامزد کیا، مولانا آفاق اور شیخ گھورن بھی ان کی مدد کے لیے مقرر ہوئے، جب یہ فوج گوالیار پہنچی تو تاتار خاں نے اپنی رائے بدل دی اور عدم اطاعت کا اظہار کیا، اس اثنا میں شیخ محمد غوث نے شاہی فوج میں آ کر کہا کہ اب مناسب یہ ہے کہ کسی بہانہ سے لشکر کے کچھ لوگ قلعہ کے اندر جا کر اپنا مقصد حاصل کریں، شیخ دعوتِ اسمائے اعظم الٰہی کے علم میں کامل تھے، انھوں نے قلعہ کی فتح کے لیے اسماء اللہ کو ایک اسم کی دعوت پر عمل کیا اور ان کو یقین ہو گیا کہ ان کی دعا قبول ہو جائے گی اب دور اندیشوں کی تدبیر ہو یا بادشاہ کا روز افزوں اقبال ہو، یا اس درویش صفا کیش کی دعا ہو کہ امرا نے تاتار خاں کو یہ پیغام دیا کہ لشکر کے آنے کا مقصد کافروں کے فساد کو رفع کرنا ہے، اس حصار کو تسخیر نہ کرنا ہے، دشمنوں کے شب خون کا خوف رہتا ہے، اس لیے یہ خیال ہوا کہ ایک جماعت بلکہ کچھ تھوڑے سے لوگ حصار کے اندر چلے جائیں اور باقی لشکر حصار کے قریب پناہ لے تا کہ جب لڑائی کا وقت ہو تو سب مل کر باہر آئیں اور مل جل کر دشمنوں کا مقابلہ کریں، تاتار خاں نے بہت کہنے سننے کے بعد اس کو قبول کر لیا اور خواجہ رحیم داد کو تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ حصار میں آنے دیا اور خواجہ ابراہیم اندر آیا، تو اس نے کچھ آدمیوں کو حصار کے دروازہ پر چھوڑ آیا، تا کہ رات کو دروازہ کھول کر اندر چلے آئیں اور باہر کے آدمیوں کو اطمینان سے اندر کر لیں، اس طرح تاتار خاں کو

حصار دے دینے میں بے اختیار کر دیا اور خواہ مخواہ حصار اس کے قبضۂ اقتدار سے باہر ہو گیا، اس نے بھی قلعہ کو خواجہ رحیم داد کے حوالہ کر دیا......

دھول پور پر قبضہ: محمد زیتون نے بھی دھول پور کے قلعہ کی پیش کش کی اور دربار میں آ کر سرفراز ہوا:

گیتی بفردولتِ فرمانده جہاں — شد ہمچو عرصۂ ارم و روضۂ جناں

از ہر طرف رسید باد مژدۂ ظفر — در ہر مکاں شنید رواں نعرۂ اماں

افغانوں کی پسپائی: اور جب رانا سانگا بیانہ کے حدود میں پہنچا تو حضرت بادشاہ کے مفتوحہ علاقوں پر دست اندازی کی، اس کی فوج کی کثرت بڑھتی گئی، حضرت بادشاہ تھوڑی سی فوج کے ساتھ آگرہ میں تھے، بقیہ فوجوں کو ہر طرف متعین کر رکھا تھا، شہزادہ محمد ہمایوں میرزا پورب میں تھے، حکم جاری ہوا کہ وہ جون پور کو امرا اور سرداروں کے حوالے کر کے تیزی سے واپس آ جائیں، یہ حکم اُس وقت پہنچا جب شاہزادہ دشمنوں پر فتح پا کر جون پور کو تصرف میں لا چکے تھے، حکم پا کر وہ صورت حال سے واقف ہوئے، اس وقت ان کو یہ خبر بھی ملی کہ نصیر خاں گنگا پار کر کے غازی پور سے فرار ہونے کا ارادہ رکھتا ہے، شاہزادہ ہمایوں اس طرف بڑھے، غازی پور سے نصیر خاں کے بھاگنے کا راستہ مسدود کر دیا اور خیر آباد اور بہار کو تاراج کر کے زیر و زبر کرتے ہوئے جون پور کی طرف لوٹے اور شاہی حکم کے بموجب جون پور میں خواجہ امیر شاہ حسن اور امیر حسن سلطان جنید برلاس کو مقرر کر کے دربار کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں افغاں امرا میں سے ایک بڑا امیر عالم خاں کالپی کا حاکم بنا ہوا تھا، شہزادہ نے مصلحت جانا کہ اس سے خواہ صلح یا جنگ کی جائے، اس لیے اپنے لشکر کا رخ کالپی کی طرف پھیر دیا، عالم خاں خوف سے دربار سے منسلک ہو گیا اور شہزادہ کے لشکر کے ساتھ حضرت بادشاہ کے یہاں حاضر ہوا اور شاہانہ نوازشوں سے سربلند ہوا، اسی روز قدوۃ الاعظم والا کابر خواجہ دوست خاوند کابل سے حضرت بادشاہ کی خدمت میں پہنچے۔

رانا سانگا سے جنگ: رانا سانگا کے دفع کے لیے لشکر ظفر اثر کی تیاری جاری تھی، حکم ہوا کہ توپخانہ کا پورا انتظام ہو، استاد علی قلی کو اس خدمت پر مقرر کیا گیا اور اس کے ساتھ بڑی مہربانیاں کی گئیں، دوسرے دن رانا سانگا کے خلاف جہاد کی نیت سے آگرہ سے روانگی ہوئی، متواتر خبر آتی رہی...... دوسری طرف لشکر چیونٹیوں اور ٹڈیوں سے زیادہ ہے اور وہ بیانہ کے قریب پہنچ گیا ہے، لشکر کو جمع

کرنے کے لیے قیام کیا گیا، پیامبر مقرر ہوئے، کہ مجاہدوں کو جمع کریں، شش جہت میں روانگی کا طبل بجایا گیا، نقارہ اور نفیر کی آواز چرخ اثیر تک پہنچی، کچھ دور چل کر مندھاکر کے قصبہ کے آس پاس نزول اجلال ہوا، دوسرے دن صاحب تدبیر امرا کی رائے سے کول سیکری کے نواح میں جواب فتح پور کے نام سے مشہور ہے، لشکر خیمہ زن ہوا، قراول مقرر ہوئے، جن سے خبر ملی کہ دشمن نے بساور کے قصبہ تک راستہ طے کر لیا ہے اسی طرح ہر منزل میں دشمن کے آگے بڑھنے اور ٹھہرنے کی خبر کی تحقیق ہوتی رہی، حضرت بادشاہ نے مقتدر اور معتبر امرا بلکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو بلا کر ایک مجلس کنکاش (مشورہ) منعقد کی اکثر لوگوں کی رائے ہوئی کہ بعض قلعوں کو مضبوط کر کے حضرت بادشاہ زیادہ سے زیادہ لشکریوں کے ساتھ پنجاب چلے جائیں اور غیب سے کیا ہوتا ہے، اس کا انتظار کریں، حضرت بادشاہ نے ہر شخص کی بات سنی اور بہت تامل کے بعد اپنی زبان گوہر نثار سے یہ تقریر کی:

"اسلام کے بادشاہ اطراف واکناف میں، وہ کیا کہیں گے اور ہم کو کس زبان سے یاد کریں گے اہل دنیا کے طعن، ملامت اور گفتگو کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو قیامت کے میدان میں روز محشر کے شفیع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا عذر پیش کر سکوں گا کہ ایک سلطنت مسلمان بادشاہ کے ہاتھ سے جدا کی اور اپنے ہم مذہبوں کی ایک بڑی جماعت کو قتل کیا اور اپنے کو بادشاہ بنا لیا اور آج لڑائی کیے بغیر کم سے کم بغیر شرعی عذر کے واپسی کا راستہ تلاش کروں............ آخر ان کے ہاتھوں اس ملک کے باشندوں پر کیا کیا مصیبتیں نہ آئیں گے، افسوس اب وہ وقت ہے کہ دل میں شہادت کا ارادہ اور جہاد کا نعرہ بلند کریں"

چوں جاں آخر از تن ضرورت رود	ہماں بہ کہ بارے بہ عزت رود
سر انجامِ گیتی ہمیں است و بس	کہ نامے بہ نیکی بہ ماند ز پس

اس جاں سوز تقریر سے سب کی طبیعت سے آگ بھڑک اٹھی اور **سمعنا واطعنا** کہہ کر بولے، اے قبلۂ مراد! آپ پہ ہماری جانیں فدا ہوں جو آپ کا حکم ہوگا اس کو بجا لائیں گے، پھر یک دل اور یک رو ہو کر کلام پاک لے آئے اور کلام ربانی کی قسم کھا کر اپنا اعتماد بڑھایا اور پھر لطف خداوندی پر بھروسہ کر کے فوج کے قلب، جناح، یمین اور یسار کو ترتیب دیا، فاتحہ پڑھ کر فتح کی دعا مانگی اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے کے خیال سے میدان میں قدم رکھا۔

پیشۂ جلادت کے شیروں اور معرکۂ شجاعت کے دلیروں نے اس خوشی اور سرور سے جنگ کی کہ معلوم ہوتا تھا کہ بزم ہے، رزم نہیں ہے، شاہزادہ ہمایوں نے بڑی مردانگی دکھائی...... حق سبحانہ تعالیٰ نے بادشاہ اسلام پناہ کو فتح و نصرت عطا کی...... اس لشکر اسلام کو لشکر غیبی نے بھی مدد پہنچائی، اس لڑائی میں حسن خاں میواتی جو ارتداد کی راہ پر چل رہا تھا، اس کے پاس بیس ہزار خاص لشکری تھے...... وہ سب بھاگے۔

اس فتح غیبی کے بعد حضرت بادشاہ سجدۂ شکر بجا لائے اور اطراف و اکناف میں فتح نامے لکھ بھیجے، اس کے بعد ہندوستان کی تسخیر سے اطمینان ہو گیا، روز بروز اس کے انتظام میں مشغول رہے اور ہندوستان کو ارباب فتنہ و فساد کے خس و خاشاک سے پاک کیا۔

مرض الموت: ۹۳۷ھ میں بابر بادشاہ دین پناہ ایک مرض میں مبتلا ہوئے اور اسی سال پانچویں جمادی الاول کو عالم قدس کو سدھارے، اس شہریار گیتی مدار کی حکومت ۳۸ سال رہی، اس میں پانچ سال ہندوستان میں حکومت کی، جب بارہ سال کے تھے، تو سلطنت حاصل کی اور پچاس سال کی عمر میں اس دنیا سے کوچ کیا۔

آسماں را کہ بجز جور نباشد ہنرے — کارش اینست کہ ہر لحظہ کند خوں جگرے
لالہ را ندہد تاج شرف تا نکند — پائمال اجل از جور سرِ تاجوری
ازاں سرد آمد ایں کاخ دلآویز — کہ چوں جا گرم کردی گویدت خیز
فلک را شیوۂ غیر از جفا نیست — وفادار طینت آں بے وفا نیست

خوبیاں: اس بادشاہ جہاں پناہ کی خصوصیات عجیب و غریب تھیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ موزے پہنے ہوئے قلعہ کے کنگروں کو پھاند پھاند کر دوڑتے پھرتے اور کبھی دونوں بغل میں دو آدمیوں کو دبا کر ایک کنگرہ سے دوسرے کنگرہ تک پھاند جاتے، انھوں نے ایک خط بھی ایجاد کیا، جس کا نام خط بابری ہوا، انھوں نے اسی خط میں کلام پاک کتابت کر کے مکہ بھیجا، فارسی اور ترکی میں شعر بھی خوب کہتے، فضلا اور علما کی سرپرستی بھی بہت کی، ترکی زبان میں کلام اور فقہ حنفی میں ایک منظوم کتاب لکھی اور اس کا نام مبین رکھا، ان کی ایک کتاب رسائل عروض مشہور ہے، اپنے واقعات ترکی زبان میں لکھے ہیں، جن میں فصاحت کا جوہر دکھایا ہے۔

گلبدن بیگم - ہمایوں نامہ

"گلبدن بیگم نے اپنی کتاب ہمایوں نامہ اکبر کے حکم سے لکھی، یہ بابر اور ہمایوں کے عہد کے تمدنی و معاشرتی حالات کے لیے ایک قیمتی ماخذ ہے، اس کو نہایت محنت اور کاوش سے اڈٹ کر کے ایک برطانوی خاتون اے ایس بیورج نے ۱۹۰۲ء میں لندن سے شائع کیا، اس کے دیباچہ میں گلبدن بیگم کی مفصل سوانح عمری بھی لکھی، پھر کتاب میں جتنی بیگمات کے نام آئے ہیں، اُن سب کے بھی حالات قلم بند کیے ہیں، اس کتاب کی انشا پردازی کے متعلق مولانا شبلی تحریر فرماتے ہیں کہ "فارسی زبان میں سادہ اور صاف واقعہ نگاری کا عمدہ سے عمدہ نمونہ تزک جہانگیری اور رقعات عالمگیری ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ ہمایوں نامہ کچھ اُن سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے، اس کے چھوٹے چھوٹے فقرے، سادہ اور بے تکلف الفاظ، روزمرہ کی عام بول چال، طرز ادا کی بے ساختگی، دل کو بے اختیار کر دیتی ہے، اس کی قابل قدر خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں اس عہد کے تمدن، شائستگی، معاشرت اور خانگی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق مفید معلومات حاصل ہوتے ہیں، گلبدن بیگم نے اس میں زیادہ تر ہمایوں کے عہد کے واقعات قلم بند کئے ہیں لیکن اس کے شروع میں بابر کے بھی دلچسپ اور پُر کیف حالات ہیں، جن کو ہم ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں، کہیں کہیں گلبدن بیگم سے تسامحات بھی ہو گئے ہیں، یا ممکن ہے قلمی نسخوں کی کتابت کی غلطیاں ہوں، مثلاً وہ لکھتی ہے، فردوس مکانی بارہ سال کی عمر میں بادشاہ ہوئے، ۵ر رمضان المبارک ۹۰۹ھ میں فرغانہ کے پایۂ تخت میں اپنا خطبہ پڑھایا، حالانکہ بابر نے تزک میں لکھا ہے کہ وہ ۵ر رمضان ۸۹۹ھ میں فرغانہ کا بادشاہ ہوا، اسی طرح ایک جگہ لکھتی ہے کہ ۹۳۵ھ سے ۷، ۸ سال میں کئی مرتبہ ہندوستان کی طرف لشکر لے کر گئے ۹۳۵ھ کے بجائے ۹۲۵ھ (۱۵۱۹ء) ہونا چاہیے، یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، ایک جگہ وہ بابر کی اولادوں کی تعداد اٹھارہ بتاتی ہے لیکن صرف سولہ کے نام

لکھے ہیں، ایک اور جگہ سلطان ابو سعید کی لڑکیوں کی تعداد سات لکھی ہے لیکن صرف چھ کے نام بتائے ہیں۔

وہ ہمایوں کی سگی بہن نہ تھی لیکن جب وہ تین سال کی تھی تو ہمایوں کی ماں ماہم بیگم نے اس کو اپنی منہ بولی بیٹی بنا لیا تھا، اس لیے وہ ہمایوں سے سگی بہن کی طرح محبت کرتی رہی، اس نے بابر کی موت کے سلسلہ میں تقریباً وہی باتیں لکھی ہیں جو ابوالفضل کے اکبر نامہ میں ہیں، جن سے باپ بیٹے کی دل کش اور پُر کیف محبت کی مزید تائید ہوتی ہے۔

ذیل کے اقتباسات میں خاص خاص اصطلاحات اور الفاظ کے ترجمے مسز اے ایس بیورج کے انگریزی ترجمے کی مدد سے کیے گئے ہیں'۔

جب فردوس مکانی اس دار الفنا سے دار البقا کو سدھارے تو اس وقت یہ حقیرہ آٹھ سال کی تھی، اس لیے اس وقت کی باتیں کم یاد ہیں لیکن شاہی حکم کی بنا پر جو کچھ سنا اور یاد ہے، اس کو لکھتی ہوں۔

اس کتاب کے شروع میں اپنے بابا حضرت بادشاہ کے کچھ واقعات لکھتی ہوں اگرچہ بابا حضرت بادشاہ کے واقعہ نامہ میں ساری باتیں مذکور ہیں لیکن تیمناً و تبرکاً کچھ لکھتی ہوں۔

تخت نشینی: حضرت صاحبقرانی (یعنی تیمور) سے حضرت فردوس مکانی کے زمانہ تک گذشتہ سلاطین میں کسی نے اتنی محنت نہیں کی جتنی کہ انھوں نے کی، بارہ سال کی عمر میں بادشاہ ہوئے، ۵ رمضان المبارک ۹۰۹ھ (؟) میں فرغانہ کے پایہ تخت میں اپنا خطبہ پڑھوایا۔

دلیری، مردانگی اور انسانیت: انھوں نے گیارہ سال تک ماوراء النہر کے چغتائی، تیموری اور ازبک سلاطین سے جو لڑائیاں لڑیں ان کو بیان کرنے میں زبان قلم عاجز اور قاصر ہے، ہمارے حضرت نے جہانگیری کے سلسلہ میں جو محنت کی اور جو خطرات مول لیے وہ کم کسی اور سے ظاہر ہوئے اور جو دلیری، مردانگی اور تحمل ہمارے حضرت نے لڑائیوں اور خطروں میں دکھایا وہ کم کسی بادشاہ کے سلسلہ میں منقول ہے، انھوں نے دو مرتبہ (؟) اپنی تلوار سے سمرقند کو فتح کیا، پہلی بار حضرت بادشاہ بارہ سال اور دوسری بار انیس سال اور تیسری بار بائیس سال کے تھے، چھ مہینے تک وہ سمرقند میں محصور رہے، ان کے چچا سلطان حسین میرزا بایقرا خراسان میں تھے، انھوں نے کوئی

مدد نہیں کی، ان کے ماموں سلطان محمود خاں کاشغر میں تھے، انھوں نے بھی کوئی کمک نہیں بھیجی، جب کہیں سے مدد نہیں پہنچی تو وہ مایوس ہو گئے، اس مشکل وقت میں شاہی بیگ خاں نے کہلا بھیجا کہ اگر اپنی بہن خانزادہ بیگم کی نسبت مجھ سے کر دو تو ہم میں تم میں صلح اور اتحاد ہو جائے، بالآخر ضرورۃً خانزادہ بیگم کی نسبت خان مذکور سے کر دی اور سمر قند سے باہر نکلے وہ دو سو پیادے کے ساتھ بدخشاں اور کابل کی طرف روانہ ہوئے، ان پیادوں کے کندھوں پر لمبے لمبے کرتے، پاؤں میں کسانوں کی طرح جوتے اور ہاتھوں میں ایلیک (ایک قسم کا ہتھیار) تھے۔

خسرو شاہ کے آدمی اور لشکر بدخشاں میں تھے، وہ میرے بابا حضرت بادشاہ سے آ کر ملا اس نے بہت سے قصور کئے تھے، بایسنغر میرزا کو شہید کیا تھا، سلطان میرزا کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی تھی، یہ دونوں میرے بابا بادشاہ کے چچازاد بھائی تھے، اس سے پہلے جب آپ اس کے ملک سے گذرنا چاہتے تھے، تو اس نے آپ پر نگرانی کر کے اپنے علاقہ سے در بدر کر دیا تھا لیکن حضرت بادشاہ میں مردانگی، انسانیت اور مروت تھی، اس لیے اس سے انتقام لینا پسند نہیں کیا، بلکہ اس سے فرمایا کہ جواہرات اور طلائی آلات میں سے اس کا جو جی چاہے لے لے، وہ اونٹوں کی پانچ چھ قطار لے کر اور پانچ چھ خچروں پر سامان لاد کر خراسان چلا گیا اور حضرت بادشاہ کابل کی طرف متوجہ ہوئے۔

اس وقت کابل پر محمد مقیم کا قبضہ تھا، جو ذوالنون ارغون کا لڑکا تھا، ناہید بیگم کا پدر کلاں (بڑے ابا) تھا، اس نے الغ بیگ میرزا کی وفات کے بعد کابل کو عبدالرزاق میرزا سے لے لیا تھا، میرزا عبدالرزاق حضرت بادشاہ کے چچازاد بھائی تھے۔

کابل کی فتح: حضرت بادشاہ کابل پہنچے، محمد مقیم دو تین دن قلعہ میں رہا لیکن چند روز کے بعد قول و قرار کر کے کابل کو حضرت بادشاہ کے ملازموں کے سپرد کر دیا اور مال و اسباب کے ساتھ قندھار اپنے باپ کے پاس چلا گیا، کابل کی فتح ماہ ربیع الثانی کے آخر میں ۹۱۰ھ (اکتوبر ۱۵۰۴ء) میں ہوئی، کابل کے امیر ہونے کے بعد وہ بنگش گئے، اس کو ایک حملہ میں لے کر کابل واپس آ گئے۔

حضرت بادشاہ کی والدہ کی وفات: حضرت بادشاہ کی والدہ حضرت خانم چھ روز بخار میں

مبتلا رہ کر اس عالم فانی سے دار البقا کو رحلت کر گئیں[1]، باغ نوروزی میں ان کو دفن کیا گیا، باغ والوں کو ایک ہزار تنکہ مثقال دیا گیا۔

ازبکوں سے جنگ کا ارادہ: اسی اثنا میں سلطان حسین میرزا کا فرمان پہنچا کہ ہم لوگ اوزبک سے جنگ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اگر تم بھی آجاؤ تو بہت خوب ہے، حضرت بادشاہ خدا کی طرف رجوع ہوئے اور آخران کی طرف روانہ ہو گئے اور جب آپ راستہ ہی میں تھے تو خبر ملی کہ سلطان حسین مرزا وفات پا گیا، حضرت بادشاہ کے امرا نے رائے دی کہ جب سلطان حسین میرزا کی وفات ہو گئی تو مناسب یہی ہے کہ اب آپ کابل واپس ہو جائیں لیکن حضرت بادشاہ نے فرمایا کہ جب اتنا راستہ طے کر چکے ہیں تو اب میرزا کی تعزیت میں چلے چلیں، بالآخر وہ خراسان کی طرف بڑھے، جب بادشاہ کے تشریف لانے کی خبر میرزاؤں کو ہوئی تو وہ استقبال کے لیے روانہ ہوئے لیکن بدیع الزماں میرزا ساتھ نہیں گیا، کیونکہ سلطان حسین میرزا کے دو امیروں برنتوق بیگ اور ذوالنون بیگ نے اس سے کہا کہ بادشاہ بدیع الزماں میرزا سے پندرہ سال چھوٹے ہیں، اس لیے مناسب ہے کہ بادشاہ پہلے زانو زدہ ہو کر ملیں، اس پر قاسم بیگ نے کہا کہ وہ سال میں ضرور چھوٹے ہیں لیکن تورہ (چنگیز خانی طور طریق) میں بڑے ہیں، کیوں کہ وہ اپنی تلوار سے کئی مرتبہ سمرقند کو فتح کر چکے ہیں، آخر یہ طے پایا کہ ایک مرتبہ بادشاہ زانو زدہ ہوں، اس کے بعد بدیع الزماں

---

[1] بابر اپنی والدہ کی وفات پر تزک بابری میں لکھتا ہے:

"محرم ۹۱۱ھ کے مہینہ میں میری والدہ قتلق نگار خانم بیمار ہوئیں، فصد کھلوائی لیکن اچھی نہ کھلی، ایک خراسانی طبیب تھا، اس کو سید طبیب کہتے تھے، خراسانی طریقہ سے اس کو ہندوانہ دیا، قضا ہی آ گئی تھی، چھ دن کے بعد پیر کے دن ان کا انتقال ہو گیا، دامن کوہ میں الغ بیگ میرزا نے ایک باغ بنایا تھا، جس کا نام باغ نوروزی تھا، اس کے وارثوں کی اجازت سے اس باغ میں ہفتہ کے دن جنازہ لائے، میں نے اور قاسم کوکلتاش نے قبر میں اتار کر دفن کیا، چھوٹے خاں، ایلچھ خاں اور نانی زین دولت بیگم کو میں نے یہ خبر کہلا بھیجی، چہلم کے قریب نانی شاہ بیگم دونوں خانوں کی ماں، خالہ مہر نگار خانم (سلطان احمد میرزا کی بیوی) اور محمد حسین گورگان دوغلت بھی آ گئے، سوگ تازہ ہو گیا، جدائی کی آگ بھڑک اٹھی، تعزیت کی رسمیں ادا کرنے کے بعد آش اور کھانا پکوا کر غریب غربا کو کھلایا، فاتحہ دلوائی، دلوں کو ذرا تسلی دی اور رنج دفع کیا۔" (ص ۱۶۱-۱۶۰)

میرزا تعظیم کی خاطر بادشاہ کے سامنے آکر معانقہ کرے، اس اثنا میں بادشاہ دروازہ پر پہنچ گئے، میرزا غافل تھا، قاسم بیگ نے حضرت بادشاہ کا کمر بند پکڑ کر برنتوق بیگ اور ذوالنون بیگ سے کہا کہ طے یہ تھا کہ میرزا آگے بڑھ کر معانقہ کرے گا، اس اثنا میں میرزا غایتِ اضطراب میں آگے بڑھا اور حضرت بادشاہ سے معانقہ کیا۔

وہ چند روز خراساں میں رہے، میرزاؤں نے ہر قسم کی میزبانی کی، جشن منعقد کیے، باغوں اور محلوں کی سیر کرائی، انھوں نے کہا کہ ابھی جاڑے کا موسم ہے، کچھ توقف کیا جائے، جاڑے کے بعد ازبکوں سے جنگ ہو لیکن وہ قطعی طور پر لڑائی کے بارہ میں کچھ طے نہ کر سکے۔

سلطان حسین میرزا نے اسی سال تک خراسان کو آباد اور معمور رکھا تھا لیکن چھ ماہ تک بھی میرزاؤں نے اپنے باپ کی جگہ کو نہیں سنبھالا، جب بادشاہ نے ان کو اخراجات میں لاپرواہ پایا، تو پھر اپنی ان جگہوں کو دیکھنے کے بہانہ سے جو ان کو دی گئی تھیں، کابل واپس آگئے اس سال بہت برف گری تھی، اس لیے وہ غلط راستے پر پڑ گئے، حضرت بادشاہ اور قاسم بیگ نے ایک نزدیک راستہ کو اختیار کیا لیکن اور امرا نے دوسرے راستہ کا مشورہ دیا، انھوں نے امرا کا کہا نہیں مانا تو ان لوگوں نے بھی غفلت برتی اور وہ دوسرے راستہ سے روانہ ہو گئے، حضرت بادشاہ، قاسم بیگ اور اس کے لڑکوں نے تین چار دن میں برف کو ہٹا کر ایک راستہ بنایا اور لشکر کے آدمی پیچھے پیچھے چلے، اس طرح وہ سب غور بند تک پہنچے، اس جگہ ہزارہ کے باغیوں نے حضرت بادشاہ سے جنگ کی اور ان سے بہت سی گائیں، بکریاں اور دوسری بے شمار چیزیں شاہی لشکر کے ہاتھ لگیں جن کو لے کر وہ کابل پہنچے۔

کابل پر غنیم کا قبضہ، ان کی پسپائی: وہ منار پہاڑ کے دامن میں پہنچے تو انہوں نے سنا کہ میرزا خاں اور میرزا محمد حسین گورگان نے باغی ہو کر کابل پر قبضہ کر لیا ہے، حضرت بادشاہ نے کابل کے لوگوں کو دل داری اور دلاسا کا فرمان بھیجا کہ مرد بن کر رہو میں بھی پہنچتا ہوں، میں بی بی ماہ روی کے پہاڑ پر آگ جلاؤں گا، تم بھی خزانے کے گھر کے اوپر آگ جلا دو تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ تم کو میرے آنے کی خبر ہو گئی ہے، صبح کے وقت تم ادھر سے اور ہم لوگ ادھر سے غنیم کا مقابلہ کریں لیکن قلعہ کے آدمیوں کے آنے سے پہلے حضرت بادشاہ نے جنگ کی اور فتح پائی، میرزا خان اپنی والدہ

یعنی حضرت بادشاہ کی خالہ کے گھر چھپ گیا، خانم نے اپنے بیٹے کو بادشاہ کے سامنے کر دیا اور قصور کی معافی چاہی، میرزا محمد حسین اپنی بیوی کے گھر چھپ گیا، جو حضرت بادشاہ کی چھوٹی خالہ تھیں، وہ اپنی جان کے ڈر سے ایک فرش کے اندر چلا گیا اور اپنے خدمت گاروں سے اس کو باندھ دینے کو کہا، بادشاہ کے آدمیوں کو اس کی خبر ہو گئی، میرزا محمد حسین کو فرش کے اندر سے باہر لائے اور بادشاہ کے سامنے پیش کیا، حضرت بادشاہ نے اپنی خالاؤں کی وجہ سے میرزا محمد حسین کے قصور کو معاف کر دیا اور اپنی خالاؤں کے گھر پہلے کی طرح روزانہ آتے جاتے رہے اور ان کی زیادہ سے زیادہ خاطر میں لگے رہے، تاکہ ان کے دلوں میں میل نہ بیٹھے اور ان کے لیے میدانی علاقہ میں جاگیریں مقرر کیں۔

اولاد: خداوند تعالیٰ نے کابل کو میرزا خاں سے لے کر ان کو دلا دیا، اس وقت وہ ۲۳ سال کے تھے لیکن اس وقت تک ان کے کوئی لڑکا نہ ہوا تھا، ایک لڑکے کی بڑی آرزو تھی، سترہ سال کی عمر میں سلطان احمد میرزا کی لڑکی عائشہ سلطان بیگم سے ایک لڑکی ہوئی تھی لیکن وہ ایک مہینہ کے اندر مر گئی، کابل پر قبضہ مبارک ثابت ہوا، کیوں اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے اٹھارہ فرزند عطا کیے، آکم یعنی ماہم بیگم سے حضرت ہمایوں بادشاہ، باربول میرزا، مہر جہاں بیگم، ایشان دولت بیگم اور فاروق میرزا پیدا ہوئے، سلطان احمد میرزا کی لڑکی معصومہ سلطان بیگم زچگی کے وقت وفات پا گئیں، ان کی لڑکی کا نام ان ہی پر رکھا گیا، گل رخ بیگم سے کامران میرزا، عسکری میرزا، شاہ رخ میرزا، سلطان احمد میرزا اور گلعذار بیگم پیدا ہوئیں، دل دار بیگم سے گل رنگ بیگم، گل چہرہ بیگم، ہندال میرزا، گل بدن بیگم اور الور میرزا پیدا ہوئی۔

غرض کہ کابل کی فتح مبارک ثابت ہوئی، کیوں کہ تمام اولاد کابل ہی میں پیدا ہوئی، صرف دو بیگمات کی ولادت خوست میں ہوئی، ان میں سے ایک ماہم بیگم کی بیٹی مہر جہاں بیگم اور دوسری دلدار بیگم کی بیٹی گل رنگ بیگم تھیں۔

حضرت فردوس مکانی کے بڑے لڑکے حضرت ہمایوں بادشاہ تھے، ان کی ولادت منگل کی رات ۴ ذی قعدہ ۹۱۳ھ (۶ مارچ ۱۵۰۸ء) کو کابل میں ہوئی، جب کہ آفتاب برج حوت میں تھا، اسی سال حضرت فردوس مکانی نے امرا اور تمام لوگوں سے کہا کہ ان کو بادشاہ

کہیں، حضرت ہمایوں بادشاہ کی ولادت سے پہلے وہ میرزا بابر کے نام سے موسوم تھے، بادشاہ کے لڑکے میرزا کہلاتے تھے، حضرت ہمایوں میرزا کی ولادت کے بعد انہوں نے اپنے کو بابر بادشاہ کہلوایا، حضرت جنت آشیانی کی ولادت کی تاریخ سلطان ''ہمایوں خاں'' اور دوسری تاریخ ''شاہ فیروز قدر'' ہوئی۔

فتح سمرقند: ان فرزندوں کی ولادت کے بعد خبر ملی کہ شاہ اسمٰعیل نے شاہی بیگ کو مار ڈالا، حضرت بادشاہ نے کابل کو ناصر میرزا کے حوالے کر دیا اور اہل و عیال یعنی ہمایوں بادشاہ، مہر جہاں بیگم، باربول میرزا، معصومہ سلطان بیگم اور میرزا کامران کو لے کر سمرقند کی طرف متوجہ ہوئے، شاہ اسمٰعیل کی مدد سے سمرقند کو فتح کر لیا، آٹھ مہینے تک ماوراء النہر کے تمام علاقے ان کے تصرف میں رہے، بھائیوں کی ناموافقت اور مغلوں کی مخالفت سے کول ملک میں عبید اللہ خاں سے شکست کھا گئے اور اس علاقہ میں نہ رہ سکے، اس لیے بدخشاں اور کابل کی طرف متوجہ ہوئے اور ماوراء النہر کا خیال دل سے نکال دیا اور ۹۱۰ھ میں کابل کو حاصل کر لیا۔

قصد ہندوستان: ان کو ہمیشہ ہندوستان آنے کی خواہش رہی لیکن وہ اپنے امرا کی رائے کی کمزوری اور بھائیوں کی ناموافقت سے اس کو فتح کر کے حاصل نہ کر سکے تھے، آخر جب بھائیوں کی موت ہوگئی اور ایسے امرا نہ رہے جو اختلاف کرتے تھے تو پھر اپنا مقصد حاصل کر لیا، ۹۲۵ھ میں بجور کو دو تین گھنٹے کی جنگ کرنے کے بعد لے لیا اور وہاں کے لوگوں کا قتل عام ہوا۔

افغانی اغاچہ سے نکاح: اسی روز افغانی اغاچہ کے باپ ملک منصور یوسف زئی حضرت بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت بادشاہ نے ان کی لڑکی افغانی اغاچہ کے ساتھ عقد کیا اور ملک منصور کو رخصت کرتے وقت گھوڑا اور شاہانہ ساز و سامان عنایت کیے اور وطن میں جا کر آدمی اور رعایا کو جمع کر کے اس کو آباد کرنے کو فرمایا۔

میرزا ہندال کی پیدائش: قاسم بیگ کابل میں تھا، اس نے لکھ بھیجا کہ ایک نئے شاہزادہ کی ولادت ہوئی اور یہ خبر ہندوستان کی فتح اور اس کا تخت حاصل کرنے کے شگون میں دی جا رہی ہے، یوں بادشاہ کی جو رضا ہو، بادشاہ نے اسی ساعت میرزا ہندال نام رکھا۔

بجور اور بھیرہ کی فتح: بجور کی فتح کے بعد بھیرہ کی طرف روانہ ہوئے، وہ یہاں آئے تو اس کو

تاراج کیے بغیر امان دیا، انہوں نے چار لاکھ شاہ رخیاں حاصل کیں اور ان کو اپنے لشکریوں میں ان کی تعداد کے مطابق تقسیم کر کے کابل کی طرف روانہ ہوئے۔

بدخشاں میں قیام: اسی اثنا میں بدخشاں کے لوگوں کی طرف سے ایک درخواست آئی کہ میرزا خاں کی وفات ہوگئی ہے، میرزا سلیمان ابھی بہت چھوٹا ہے، اوزبک بہت قریب ہیں، اس علاقہ کی فکر کرنی چاہیے ورنہ کہیں بدخشاں ہاتھ سے جاتا نہ رہے، بدخشاں کی فکر کی خاطر میرزا سلیمان کی ماں میرزا کو حضرت بادشاہ کے پاس ساتھ لائی، حضرت بادشاہ نے حسب مدعا میرزا کو اس کے باپ کی جگہ پر مقرر کیا اور بدخشاں ہمایوں بادشاہ کو دیا، ہمایوں بادشاہ اس صوبہ کی طرف متوجہ ہوئے، اس کے بعد حضرت بادشاہ اور آکم بھی بدخشاں گئیں اور کچھ روز سب مل جل کرر ہے، حضرت ہمایوں بادشاہ تو وہیں رہ گئے، میرے بادشاہ بابا اور آکم کابل آ گئیں۔

قلات اور قندھار کی فتح: کچھ روز کے بعد قلات اور قندھار کی طرف متوجہ ہوئے، قلات پہنچتے ہی اس کو فتح کرلیا، پھر قندھار کی طرف چلے، وہاں کے لوگ ڈیڑھ سال تک قلعہ میں بند رہے، ڈیڑھ سال کے بعد سخت جنگ وجدل کر کے عنایت الٰہی سے قندھار فتح ہوگیا، بہت سا سونا ہاتھ آیا، لشکر کے سپاہیوں اور آدمیوں کو سونا اور اونٹ بخش دیا، قندھار میرزا کامران کو دیا اور خود کابل چلے آئے۔

قصد ہندوستان: جمعہ کے روز پہلی صفر ۹۳۲ھ (۱۷ر نومبر ۱۵۲۵ء) کو جب آفتاب برج قوس میں تھا، تو انھوں نے پشتہ یک لنگہ کو پار کر کے یعقوب گاؤں کی وادی میں نزول اجلال فرمایا، دوسرا دن وہیں گذرا، اس کے بعد کوچ درکوچ کر کے ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے۔

پانی پت کی لڑائی: ۹۲۵ھ (؟) سے سات آٹھ سال میں کئی مرتبہ ہندوستان کی طرف لشکر لے گئے اور ہر مرتبہ کچھ علاقے اور پرگنے مثلاً بھیرہ، بجور، سیالکوٹ، دیبال پور اور لاہور وغیرہ فتح کیے، یہاں تک کہ پانچویں مرتبہ جمعہ کے روز پہلی صفر ۹۳۲ھ کو یعقوب گاؤں میں نزول اجلال کر کے ہندوستان کی طرف کوچ درکوچ کیا، راستہ میں لاہور، سرہند اور جو علاقہ پڑا، فتح کرلیا، ۸ر رجب روز جمعہ ۹۳۲ھ کو پانی پت میں سلطان ابراہیم بن سلطان سکندر بن بہلول لودی سے لڑائی کے لیے صف آرا ہو کر عنایت الٰہی سے غالب ہوئے، اس لڑائی میں سلطان ابراہیم مارا گیا، یہ فتح

محض عنایت الٰہی سے ہوئی کیوں کہ سلطان ابراہیم کے پاس ایک لاکھ اسی ہزار سوار اور ڈیڑھ ہزار ہاتھی تھے اور حضرت بادشاہ کے لشکر میں سوداگروں اور نیک و بدلوگوں کی کل تعداد بارہ ہزار تھی، ان میں سے چھ سات ہزار آدمی کام کے تھے۔

پانچ بادشاہوں کے خزانے ہاتھ لگے، یہ سب تقسیم کر دیے گئے، ہندوستان کے امرا نے عرض کیا کہ گذشتہ بادشاہوں کے خزانے کو خرچ کرنا، ہندوستان میں عیب ہے، بلکہ خزانے میں اضاف کر کے اور جمع کیا جاتا ہے، حضرت بادشاہ نے اس کے برعکس تمام خزانے کو تقسیم کر دیا۔

کابل کو تحائف: خواجہ کلاں بیگ نے کئی مرتبہ کابل جانے کی اجازت یہ کہہ کر مانگی کی ہندوستان کی آب و ہوا میرے مزاج کے موافق نہیں ہے، اگر اجازت ہو تو کچھ دن کابل جا کر رہوں، حضرت بادشاہ ان کی جدائی کو اصلاً اور قطعاً پسند نہیں کرتے تھے لیکن جب دیکھا کہ خواجہ کا بہت اصرار ہے تو اجازت دے دی اور فرمایا کہ جب جاتے ہو تو ہندوستان کے تحفے اور ہدیے جو سلطان ابراہیم کی فتح سے حاصل ہوئے ہیں، ولی نعمتوں، ہمشیروں اور گھر کے لوگوں کے لیے ساتھ لیتے جاؤ، تفصیل لکھ کر دے دیتا ہوں، اسی حساب سے تقسیم کر دینا، تم جا کر کہنا کہ باغ اور دیوان خانہ میں ہر بیگم کا ایک خیمہ اور چادر علاحدہ علاحدہ ہو اور وہ حق سبحانہ کے سامنے سجدۂ شکر بجالائیں کہ یہ فتح حاصل ہوگئی ہے اور ہر بیگم کو یہ چیزیں دی جائیں، سلطان ابراہیم کی رقاصاؤں میں سے ایک ایک رقاصہ جواہرات میں سے لعل، مروارید، یاقوت، الماس، زمرد، فیروزہ، زبرجد اور عین الھر سے بھر کر ایک رکابی (رکیبی) صدف کے ایک خوانچہ میں اشرفیاں، دو خوان میں شاہ رخی اور ہر قسم کے کپڑے (پارچہائے توقوز توقوز) اس طرح ایک رکیبی اور چار خوان ہوتے ہیں، یعنی ایک رقاصہ جواہرات کی ایک رکیبی اور جنس اشرفی اور شاہ رخی کا ایک ایک خوان کا حکم تھا، ولی نعمتوں کے لیے بھی جواہرات کی ایک ایک رکیبی اور ایک ایک رقاصہ ہو اور دوسرے تحفے پیچھے جائیں گے، جو تحفے دیے جا رہے ہیں، اُن کو میری بہنوں، فرزندوں، گھر کے لوگوں، رشتہ داروں، بیگموں، آغاؤں، انگاہوں، کوکاؤں، آغاچاؤں اور تمام دعاگویوں کو جواہرات، اشرفیاں شاہ رخیاں اور کپڑے علاحدہ علاحدہ دیے جائیں اور اس فہرست کے مطابق تقسیم ہو جو تمہارے ساتھ کر رہا ہوں، تاکہ تین روز تک باغ اور دیوان خانہ میں جمع ہو کر خوشی اور جشن منائیں اور سرفراز ہو کر دعا اور فاتحہ پڑھیں اور

شکر کے سجدے بجالائیں۔

خواجہ کلاں کی معرفت حضرت بادشاہ نے چچا عسس کو ایک اشرفی کلاں بھیجی جس کا وزن تین سیر بادشاہی اور پندرہ سیر ہندی تھا اور خواجہ سے کہا کہ اگر عسس تم سے پوچھیں کہ حضرت بادشاہ نے میرے لیے کیا بھیجا، تو تم کہنا ''ایک اشرفی'' اور در حقیقت ایک ہی اشرفی تھی، عسس نے تعجب کیا اور تین روز تک اُس کا دم گھٹتا رہا، بادشاہ کا حکم تھا کہ اشرفی میں سوراخ کیا جائے اور اس کی آنکھ پر پٹی باندھ کر اس کی گردن میں لٹکا دی جائے اور پھر اس کو حرم کے اندر لے جایا جائے اور جب اشرفی میں سوراخ کیا گیا اور اس کی گردن میں لٹکائی گئی تو اس کے وزن سے اس کو بے چینی اور اضطراب کے ساتھ خوشی ہوئی اور دونوں ہاتھوں سے اشرفی کو پکڑ کر متعجب ہوا اور بولا کہ کوئی میری اشرفی نہ لے، بیگمات میں سے ہر بیگم نے اس کو دس بارہ اشرفیاں دیں، یہاں تک کہ اس کے پاس ستر اسی اشرفیاں ہو گئیں۔

تقسیم انعامات: جب خواجہ کلاں بیگ کابل چلے گئے تو آگرہ میں ہمایوں بادشاہ اور تمام میرزاؤں اور امیروں کو خزانے سے بخشش دی، اطراف و جوانب میں فرامین بھیجے کہ جو بھی میری ملازمت میں رہا ہو، آئے ہم اس کے ساتھ پوری رعایت کریں گے اور خاص کر ایسے لوگ آئیں جنھوں نے میرے باپ دادا واجداد کی خدمت کی ہو، تو وہ بہت انعامات پائیں گے، صاحب قراں یا چنگیز خانی نسل سے جو بھی ہو وہ میرے دربار میں آئے، حق سبحانہ نے ہندوستان جیسا ملک مجھ کو عطا کیا ہے، وہ آئیں اور ہم سب مل کر اس دولت کو دیکھیں۔

بیگمات کے ساتھ نوازشیں: سلطان ابو سعید میرزا کی سات لڑکیاں ہندوستان آ گئی تھیں، گوہر شاد بیگم، فخر جہاں بیگم، خدیجہ سلطان بیگم، بدیع الجمال بیگم، آق بیگم، سلطان بخت، حضرت بادشاہ کے ماموں سلطان محمود کی لڑکی زینب سلطان خانم، ان کے چھوٹے ماموں الاچہ خاں کی لڑکیاں محب سلطان خانم بھی یہاں آ گئی تھیں، غرض کہ تمام بیگموں اور خانموں کی تعداد چھیانوے تھی، ان سب کے لیے خاطر خواہ طریقے پر گھر، جاگیریں اور انعامات مقرر کیے گئے۔

حضرت بادشاہ آگرہ میں چار سال رہے، ہر جمعہ کو وہ اپنی چچیوں کو دیکھنے کے لیے اُن کے گھروں پر جاتے، ایک روز بہت گرم ہوا تھی، حضرت آکم نے کہا کہ ہوا بہت گرم ہے، اگر آپ

ایک جمعہ کو نہ جائیں گے تو کیا ہوگا، اس سے بیگمات رنج نہ ہو جائیں گی، بادشاہ نے آکم سے کہا، ماہم! تعجب ہے کہ تم نے ایسی بات کہی، حضرت ابوسعید سلطان میرزا کی لڑکیاں اپنے باپ اور بھائیوں سے جدا ہوگئی ہیں، میں ان کی خاطر جوئی نہ کروں تو پھر کیا ہو۔

انھوں نے خواجہ قاسم معمار کو حکم دے رکھا تھا کہ تمہارے ذمہ ایک اچھی خدمت سپرد کرتا ہوں اور وہ یہ کہ میری چچیاں جس کام کو کرنے کو کہیں اور اپنے گھروں میں جو بڑا کام انجام دینے کا حکم دیں اس کو جان و دل سے سب سے پہلے ان ولی نعمتوں کے گھروں میں انجام دو۔

عمارتوں کی تعمیر: آگرہ میں دریا کے اُس پار عمارتوں کے بننے کا حکم دیا، پتھر کا ایک محل اپنے لیے بنوایا، جو حرم اور باغ کے درمیان تھا، دیوان خانہ میں بھی پتھر کا ایک گھر بنوایا، اس کے بیچ میں ایک حوض تھا اور اس کی چار برجیوں میں چار حوض تھے، دریا کے کنارے ایک چوکندی بنوائی، انھوں نے دھول پور میں بھی پتھر کے ایک بڑے ٹکڑے سے ایک حوض ۱۰×۱۰ بنوانے کا حکم دیا اور کہا کرتے کہ جب یہ حوض تیار ہو جائے گا، تو اس کو شراب سے پر رکھوں گا لیکن رانا سانگا (رعنا) کی لڑائی سے پہلے شراب سے توبہ کر لی تو اس کو لیمو کے شربت سے پر کیا۔

رانا سانگا سے لڑائی: سلطان ابراہیم پر فتح پانے کے ایک سال بعد رعنا (سانگا) مندو (ہندو) کی طرف سے ایک بڑے لشکر کے ساتھ نمودار ہوا، جو امرا، راجے اور رانا، حضرت بادشاہ سے آکر مل گئے تھے، وہ سب باغی ہو کر رعنا سے جا ملے، یہاں تک کہ کول جلالی، سنبھل راپری اور ہر پرگنہ کے راجہ اور افغان باغی ہو گئے، تقریباً دو لاکھ سوار جمع ہوئے، اس وقت محمد شریف منجم نے لشکر سے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ حضرت بادشاہ جنگ نہ کریں، کیونکہ ستارہ شکر یلدوز (آٹھ ستارے) مخالف ہیں، شاہی لشکر میں بڑی پریشانی تھی، سب متفکر اور متامل ہوئے اور اپنی بے دلی کا اظہار کرنے لگے، حضرت بادشاہ نے لشکر کے آدمیوں کا یہ حال دیکھا تو انھوں نے پوری صورتِ حال پر غور کیا اور جب غنیم نزدیک پہنچا تو انھوں نے یہ تدبیر کی کہ تمام امرا خوانین، سلاطین، وضیع، شریف، چھوٹے بڑے کو جو بھاگنے اور باغی ہونے سے رہ گئے تھے، جمع کیا اور فرمایا کہ جانتے ہو کہ ہمارے اور ہمارے وطن اور شہر مالوف کے درمیان کئی مہینے کی راہ ہے، خدا اُس دن سے بچائے کہ اگر ہمارے لوگوں کو شکست ہوگئی تو نعوذ باللہ ہم کہاں ہوں گے، ہمارا وطن اور شہر کہاں ہوگا،

ہم کو اجنبی اور بیگانہ لوگوں سے پالا پڑا ہے، اس لیے بہتر ہے کہ ان دو چیزوں کو سامنے رکھیں کہ اگر دشمن کو مارا تو غازی ہوئے اور اگر مارے گئے تو شہید ہوئے، دونوں حالات میں ہماری فلاح ہے اور بڑا درجہ اور عالی مرتبہ حاصل ہے۔

یہ باتیں سب نے قبول کرلیں، انھوں نے قسمیں کھائیں، کہ ان کی بیویوں کو طلاق ہو (اگر وہ لڑائی سے منہ موڑیں) انھوں نے فاتحہ پڑھی اور کہا اے بادشاہ جب تک بدن میں روح اور کچھ بھی سانس ہے، ہم لوگ جاں سپاری اور جاں نثاری میں پیچھے نہ رہیں گے۔

رانا سانگا کی لڑائی سے دو روز پہلے حضرت بادشاہ نے شراب بلکہ تمام نواہی سے توبہ کی، ان کی متابعت اور موافقت میں چار سو جوانوں نے بھی جن کو اپنی مردانگی، یک دلی اور یک جہتی پر بڑا دعویٰ تھا، حضرت بادشاہ کے طفیل میں توبہ کی، تمام سونے اور چاندی کے ممنوعہ برتنوں میں سے پیالے اور صراحیاں وغیرہ توڑ کر فقرا اور مساکین کو دے دی گئیں، تمام اطراف و جوانب میں فرامین کے ذریعہ باج، تمغا، غلہ پر زکوٰۃ اور غیر شرعی محصولات معاف کر دیے گئے تاکہ کسی شخص اور سوداگر کو آنے جانے میں مزاحمت نہ ہو اور وہ آمد و رفت میں خوش اور مطمئن رہیں۔

رانا سانگا سے لڑائی کے ایک روز پہلے کی رات کو خبر ملی کہ سلطان حسین میرزا کی لڑکی کا نواسہ قاسم حسین جو عائشہ سلطان بیگم کا لڑکا تھا، خراسان سے چل کر دس کوس کے قریب پہنچ گیا ہے، حضرت بادشاہ یہ خبر سن کر بہت خوش ہوئے، فرمایا کہ اس کے پاس کتنے آدمی ہیں، جب معلوم ہوا کہ تیس چالیس سوار ساتھ ہیں، تو ایک ہزار مسلح سوار آدھی رات میں اس کے پاس بھیجے کہ وہ ان کے ساتھ آئے، تاکہ دشمن یہ سمجھیں کہ وقت پر کمک پہنچ گئی ہے، جس نے اس رائے اور تدبیر کو سنا بہت پسند کیا۔

دوسرے دن صبح کو ۱۳ر جمادی الاول ۹۳۳ھ (۱۶ر مارچ ۱۵۲۷ء) سیکری پہاڑ کے دامن میں رعنا سانگا کے خلاف لڑائی کی صف تیار ہوئی اور عنایت الٰہی سے فتح ہوگئی اور سب غازی ہوگئے، سیکری پہاڑی کے اوپر اب فتح پور آباد ہے۔

کابل سے ماہم بیگم کی آمد اور ان کی پیشوائی: رانا سانگا کی فتح کے ایک سال بعد اکام یعنی

ماہم بیگم کابل سے ہندوستان آئیں اور یہ حقیرہ بھی ان کے ہمراہ اپنی بہنوں سے پہلے پہنچ کر حضرت بادشاہ بابا کی خدمت میں حاضر ہوئی، جب اکام کول پہنچیں حضرت بادشاہ نے دو محافے تین سواروں کے ساتھ بھیجے، وہ کول سے آگرہ بہت جلد روانہ ہوگئیں، حضرت بادشاہ کا ارادہ تھا کہ وہ کول جلالی تک جاکر پیشوائی کریں، نماز عشا کے وقت ایک آدمی نے آکر کہا کہ وہ حضرت بیگم کو راستہ میں دو کروہ پر چھوڑ آیا ہے، حضرت بادشاہ بابا نے گھوڑے کے آنے تک کا انتظار نہیں کیا اور پاپیادہ روانہ ہوگئے اور ماہم کے پیش خانہ پنجہ (ہے) کے پاس آکر مل گئے، اکام نے چاہا کہ وہ بھی پاپیادہ ہو جائیں لیکن بابا بادشاہ نے ایسا ہونے نہیں دیا اور اکام کے جلو میں اپنے گھر تک پیادہ پا آئے۔

جب بادشاہ بابا اکام کے پاس آئے تو مجھ کو حکم دیا کہ دن میں آکر میں ان سے ملوں، ہم لوگوں کے ہمراہ نوسوار نو گھوڑوں کے ساتھ تھے دو محافے فاضل بھی تھے، جو بادشاہ بابا نے بھیجے تھے، ایک محافہ کابل سے ساتھ لایا گیا تھا، تقریباً سو مغلانیاں اکام کی خدمت کے لیے تھیں، جو عمدہ گھوڑوں پر زیب وزینت کے ساتھ سوار تھیں۔

میرے بابا کے خلیفہ اپنی بیوی سلطانم کے ساتھ نوگرام تک پیشوائی کے لیے آئے، میں محافہ میں تھی، میرے ماماؤں (ماماہائے) نے مجھ کو باغ میں اتارا اور وہاں لاکر مجھ کو ایک چھوٹے فرش پر بٹھایا اور مجھ کو سکھایا کہ جب میرے خلیفہ بابا آئیں تو میں کھڑی ہو کر اُن سے معانقہ کروں، اسی اثنا میں ان کی بیوی سلطانم آگئیں، میں نے نادانستہ طور پر چاہا کہ اٹھوں لیکن میرے خلیفہ بابا نے منع کیا، کہ یہ تمہاری پرانی دایہ ہیں، ان کے لیے اٹھنے کی ضرورت نہیں، تمہارے باپ نے اس بوڑھے غلام کو سرفراز کرنے کی خاطر یہ حُکم (یعنی اٹھنے کا حکم) دیا ہے، یہاں تک روا ہے، ورنہ غلاموں کی کیا مجال ہے۔

میں نے خلیفہ بابا سے پانچ ہزار شاہ رخی اور پانچ گھوڑے کا نذرانہ قبول کیا، ان کی بیوی سلطانم نے تین ہزار شاہ رخی اور تین گھوڑے پیش کئے اور بولیں ما حضر تیار ہے، اگر نوش جاں کریں تو غلاموں کی سرفرازی ہوگی، میں نے قبول کیا، ایک خوبصورت بڑا چبوترہ تھا، اس پر سرخ بانات کی ایک چادر تھی، جس پر گجراتی زربفت تھا، بانات اور زربفت کے چھ شامیانے علاحدہ علاحدہ رنگ

کے تھے، بانات کا سراپردہ مربع زمین پر تھااور سراپردہ کے بانس طرح طرح کے رنگ کے تھے، میں خلیفہ بابا کے پاس بیٹھی، کھانے میں تقریباً پچاس بھنے ہوئے بکرے، روٹیاں، شربت اور بہت سے میوے تھے، کھانا کھا کر محافہ میں آئی اور حضرت بابا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئی، ان کے پاؤں پر گر پڑی، حضرت بادشاہ بہت کچھ پوچھتے رہے، تھوڑی دیر اپنے پہلو میں بٹھایا، اس حقیرہ نے اس وقت ایسی خوشی محسوس کی کہ اس سے زیادہ خوشی نہیں ہوسکتی۔

دھول پور کی سیر: آگرہ آنے کے بعد تین مہینے گذرے کہ حضرت بادشاہ دھول پور کی طرف روانہ ہوئے، حضرت ماہم بیگم کے ساتھ یہ حقیرہ بھی دھول پور کی سیر کو گئی، دھول پور میں ایک حوض ۱۰×۱۰ پتھر کے ایک ٹکڑے سے بنایا گیا تھا، وہاں سے حضرت بادشاہ سیکری گئے، کول کے بیچ میں ایک بڑا چبوترہ بنانے کا حکم ہوااور جب یہ بن گیا تو کشتی میں بیٹھ کر حضرت بادشاہ وہاں جاتے، سیر کرتے اور اس پر بیٹھتے، وہ چبوترہ اس وقت تک ہے، سیکری باغ میں ایک چوکندی بھی بنوائی اور اس میں ایک تورخانہ (شاید جالی دار گھر) بھی تعمیر کرایا، جہاں بیٹھ کر مصحف لکھا کرتے تھے۔

میں افغانی اغاچہ کے ساتھ نیچے کی منزل میں سامنے بیٹھی تھی کہ اکام نماز پڑھنے گئیں، میں نے افغانی اغاچہ سے کہا کہ میرا ہاتھ کھینچو، افغانی اغاچہ نے اس طرح کھینچا کہ میرا ہاتھ اکھڑ گیا، میں پریشان ہوکر رونے لگی، آخر ہڈی بٹھانے والے کو بلایا گیا، اس نے میرا ہاتھ ٹھیک کیا تو پھر آگرہ روانہ ہوئے۔

کابل سے بیگمات کی آمد: ہم لوگ آگرہ پہنچے تھے کہ خبر ملی کہ کابل سے بیگمات آرہی ہیں، حضرت بابا بادشاہ آکہ جانم کی پیشوائی کے لیے نوگرام تک گئے، وہ میری بڑی پھوپھی اور حضرت بابا بادشاہ کی بڑی بہن تھیں، جو بیگمات ان کے ساتھ آئی تھیں، وہ ان ہی کے یہاں حضرت بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، بڑی خوشی منائی گئی، سجدۂ شکر بجالایا گیا اور آگرہ کی طرف روانگی ہوئی، تمام بیگمات کو حویلیاں دی گئیں اور چند روز کے بعد زرافشاں باغ کی سیر کو حضرت بادشاہ سب کے ساتھ گئے، اس باغ میں ایک وضوخانہ تھا، اس کو دیکھ کر انھوں نے فرمایا کہ میرا دل سلطنت اور بادشاہی سے ہٹ رہا ہے، میں اسی باغ زرافشاں میں گوشہ نشین ہوجاؤں گا، میری

خدمت گاری کے لیے طاہر آفتابچی بہت کافی ہے، بادشاہت ہمایوں کو دے دوں گا، حضرت اکام اور تمام اولادیں رونے لگیں اور پریشان ہو کر کہا کہ خدائے تعالیٰ آپ کو مسند بادشاہی پر بہت برسوں تک اور اپنے امان میں بے شمار قرنوں تک قائم رکھے اور آپ کی تمام اولادیں آپ کے قدموں کے نیچے بوڑھی ہوں۔

الور میرزا کی وفات: چند روز بعد الور میرزا بیمار ہوئے، ان کی بیماری سے ان کے پیٹ میں تکلیف شروع ہوئی، حکیموں اور طبیبوں نے بہت علاج کیا لیکن ان کی بیماری بڑھتی گئی، آخر اسی بیماری میں عالم فانی سے عالم جاودانی کو سدھارے، حضرت بادشاہ کو بڑا افسوس اور غم ہوا، میرزا کی والدہ دلدار بیگم تھیں، ان کا لڑکا نادر جہاں اور یگانۂ عصر تھا، اس کی موت سے ان کو بڑا غم ہوا، جنون کی حالت ہوگئی اور جب ان کی دل گیری حد سے بڑھ گئی تو حضرت بادشاہ نے اکام اور بیگمات سے آکر کہا، آؤ دھول پور کی سیر کو چلیں اور خود کشتی میں بیٹھ کر دریا سے صحیح وسلامت دھول پور پہنچ گئے، بیگمات کی بھی خواہش ہوئی کہ کشتی میں بیٹھ کر دریا کا سفر کریں۔

ہمایوں کی علالت: اس اثنا میں دہلی سے مولانا محمد فرغلی کا ایک عریضہ آیا، جس میں لکھا تھا کہ ہمایوں میرزا بیمار ہیں، ان کا عجیب حال ہوگیا ہے، اس خبر کو سن کر حضرت بیگم جلد از جلد دہلی آجائیں کہ میرزا بہت بے قرار ہیں، یہ معلوم کر کے حضرت آکام بہت بے چین ہوگئیں، اس طرح جیسے پانی کے بغیر کوئی پیاسا ہو، وہ دہلی روانہ ہوگئیں، دونوں کی ملاقات متھرا میں ہوگئی، جیسا کہ سنا تھا اس سے دس گنا زیادہ ہمایوں میرزا کمزور اور مجہول نظر آئے، وہاں دونوں یعنی ماں اور بیٹے مریم اور عیسیٰ کی طرح آگرہ کی طرف روانہ ہوئے اور جب وہ آگرہ پہنچے تو یہ حقیرہ اپنی بہنوں کے ساتھ حضرت فرشتہ خصال کی خدمت میں حاضر ہوئی، وہ زیادہ سے زیادہ کمزور ہورہے تھے لیکن اس پر بھی جب بیہوشی سے ہوش میں آجاتے تو اپنی زبان درفشاں سے ہم لوگوں کے بارہ میں پوچھتے اور فرماتے بہنو! خوش آمدید! آؤ، تم کو گلے لگائیں، اب تک تم کو گلے نہیں لگایا تین مرتبہ سر اٹھا کر اپنی زبان گوہر افشاں سے یہی کہہ کر سرفراز کیا اور جب حضرت بادشاہ آئے اور انھوں نے بیماری کا حال معلوم کیا اور ان کو دیکھا تو ان کا چہرۂ نور افشاں کلفت سے بھر گیا اور ان پر رقت طاری ہوگئی اور زیادہ سے زیادہ پریشانی ظاہر کرنے لگے، اس اثنا میں حضرت آکام نے کہا، آپ میرے

لڑکے سے غافل ہیں، آپ بادشاہ ہیں، آپ کو کیا غم ہے، آپ کے تو اور دوسرے لڑکے بھی ہیں، مجھ کو غم ہے کہ یہ میرا اکلوتا لڑکا ہے، حضرت بادشاہ نے جواب دیا، ماہم! اگرچہ میرے اور بھی لڑکے ہیں لیکن کسی کو تمہارے ہمایوں کے برابر محبوب نہیں رکھتا ہوں، یہ سلطنت یہ بادشاہی اور یہ روشن دنیا صرف اس یگانۂ جہاں، نادرۂ دوراں کامگار برخوردار فرزند دلبند ہمایوں کے لیے چاہتا ہوں، نہ کہ دوسروں کے لیے۔

حضرت بادشاہ کی قربانی: جب تک وہ بیمار رہے، حضرت بادشاہ ان کے گرد چکر لگا کر حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کو نگاہ کے سامنے رکھتے، یہ چکر بدھ کے دن تک لگاتے رہے اور منگل ہی سے اُن پر اضطراب و بے طاقتی ظاہر ہونے لگی، ہوا بہت گرم تھی، ان کے دل و جگر جلنے لگے اور چکر لگاتے وقت دعا کرتے کہ اے خدا! اگر جان کے بدلے جان بدلی جاسکتی ہے تو میں بابر اپنی عمر اور جان ہمایوں کو دے دیتا ہوں، انہی دنوں حضرت فردوس مکانی بیمار پڑے اور ہمایوں بادشاہ نے غسل کیا اور باہر آکر دربار کیا، میرے حضرت بادشاہ بابا کو بیماری کی وجہ سے اندر لے جایا گیا۔

تقریباً دو تین مہینے صاحب فراش رہے، میرزا ہمایوں کالنجر کی طرف چلے گئے تھے، جب حضرت بادشاہ کی بیماری زیادہ ہوئی، تو حضرت ہمایوں بادشاہ کو بلانے کے لیے آدمی بھیجے گئے، وہ عجلت سے آئے، جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو ان کو بہت کمزور پایا، حضرت ہمایوں بادشاہ پر رقت طاری ہوگئی، بے قرار ہوکر خدمت گذاروں سے کہا یکا یک کس طرح زار نزار ہوگئے ہیں، طبیبوں اور حکیموں کو بلایا اور کہا کہ میں ان کو تندرست چھوڑ کر گیا تھا، یکا یک یہ کیا ہوگیا، حکیموں اور طبیبوں نے باتیں بنائیں۔

مرض الموت: میرے حضرت بادشاہ بابا ہر وقت اور ہر لحہ پوچھتے کہ ہمایوں کہاں ہیں، کیا کررہے ہیں، اس اثنا میں ایک آدمی نے آکر کہا کہ میر خورد بیگ کا لڑکا میر بردی بیگ کورنش کے لیے حاضر ہونا چاہتا ہے، حضرت بادشاہ بابا نے غایت اضطراب میں بلا کر پوچھا کہ ہندال کہا ہے، وہ کب آئے گا؟ انتظار بھی کیا بلا ہے، میر بردی نے کہا کہ شاہزادہ کامگار دہلی آگئے ہیں، آج کل میں حاضر ہوجائیں گے، حضرت بادشاہ بابا نے میر بردی بیگ سے کہا، مردک! بدبخت! میں نے سنا ہے کہ کابل میں تمہاری بہن کی شادی ہوئی اور تمہاری شادی لاہور میں رچائی گئی، ان ہی

شادیوں کی وجہ سے تم میرے بیٹے کو جلدی نہیں لائے، انتظار کی حد گذر گئی، پھر انھوں نے پوچھا کہ ہندال کتنا بڑا ہوا ہے اور کس کی صورت کا ہے، میر بردی بیگ میرزا کا لباس پہنے ہوئے تھا، اس لیے اس نے کہا یہ لباس شہزادہ کا ہے، جو انھوں نے اس بندہ کو عنایت فرمایا ہے، حضرت بادشاہ نے اس کو سامنے بلایا کہ دیکھوں ہندال کس قد و قامت کا ہو گیا ہے، ہر وقت اور ہر لحہ کہتے، ہزار افسوس کہ ہندال کو نہیں دیکھا جو کوئی آتا پوچھتے کہ ہندال کب آئے گا۔

شہزادیوں کی شادی: اسی بیماری میں آکام کو حکم دیا کہ گلرنگ بیگم اور گل چہرہ کی شادی ہو اور جب جیو (یعنی بابر کی بڑی بہن اور گلبدن کی پھوپھی) تشریف لائیں، تو ان سے کہو کہ میری خواہش ہے کہ گلرنگ کی نسبت ایسن تیمور سلطان اور گلچہرہ کی توختہ بوغا سلطان (دونوں بابر کے ماموں زاد بھائی تھے) سے کی جائے، آکا جانم (بابر کی بڑی بہن خانزادہ بیگم) مسکراتی ہوئی آئیں تو ان سے کہا گیا کہ حضرت بادشاہ یہ فرماتے ہیں اور ان کی یہ خواہش ہے باقی آپ کی جو رضا ہو وہی کیا جائے، حضرت آکا جانم نے بھی کہا کہ خدا مبارک اور ساز گار کرے، حضرت بادشاہ نے بہت اچھا سوچا ہے، میری چچی کے ساتھ حضرت بادشاہ کی دو چچیوں بدیع الجمال بیگم اور آق بیگم کو دالان میں لے جایا گیا، ایک اونچی جگہ بنا کر فرش بچھایا گیا، مبارک ساعت مقرر ہوئی، ماہم کو بنجہ نے دونوں سلطان کو زانو کے بل جھکا کر دامادی سے سرفراز کیا۔

وفات: اس اثنا میں حضرت بادشاہ کے شکم کی بیماری بڑھ گئی، حضرت ہمایوں بادشاہ اپنے والد کا حال بدتر دیکھ کر بے قرار ہوئے، طبیبوں اور حکیموں کو بلا کر کہا کہ وہ اچھی طرح دیکھ کر حضرت کی بیماری کا علاج کریں، طبیب اور حکیم جمع ہوئے، تو انھوں نے کہا کہ ہم لوگوں کی بدقسمتی ہے کہ کوئی دوا کارگر نہیں ہو رہی ہے لیکن امید ہے کہ حضرت کو حق سبحانہ اپنے خزانۂ غیب سے شفائے عاجل عطا کرے گا اور پھر جب حضرت بادشاہ کی نبض دیکھی تو طبیبوں نے عرض کیا کہ اسی زہر کی علامت ہے جو سلطان ابراہیم کی ماں نے دیا تھا، اس کا واقعہ یوں ہے کہ اس بدبخت شیطان (یعنی سلطان ابراہیم کی ماں) نے اپنی ایک دائی کو زہر کا ایک تولہ دیا کہ اس کو لے جا کر احمد چاشنی گیر کے ہاتھ میں دے دے، کہ وہ کسی طرح بادشاہ کے خاص کھانے میں ڈال دے اور اس کو بہت کچھ انعام دینے کا وعدہ کیا، حضرت بادشاہ اس بدبخت کو اپنی ماں کہتے اور اس کے لیے جاگیریں مقرر کیں اور ہر

طرح کی رعایتیں دیں اور اس سے فرماتے کہ مجھ کو سلطان ابراہیم کی جگہ پر سمجھو لیکن اس قوم پر جہالت غالب رہتی ہے، اس نے ان رعایتوں کا خیال نہیں کیا، مشہور ہے کہ:

باز گردد باصلِ خود ہمہ چیز

مختصر یہ کہ زہر باورچی کو لا کر دیا گیا، باورچی کو اللہ تعالیٰ نے اندھا اور بہرہ بنا دیا، اس نے اس زہر کو روٹی کے اوپر چھڑک دیا، حضرت بادشاہ یہ بہت ہی کم کھانے پائے تھے، طبیبوں نے کہا کہ اصل بیماری اسی زہر کے اثر سے ہے، اسی وجہ سے وہ روز بروز ضعیف و نحیف ہوتے جاتے ہی، بیماری روزانہ بڑھتی گئی اور ان کے چہرہ کا رنگ بدلتا رہا۔

دوسرے دن تمام امرا کو طلب کیا اور فرمایا کہ برسوں سے میرے دل میں خواہش تھی کہ اپنی بادشاہت ہمایوں کو دیدوں اور خود باغ زرافشاں میں جا کر گوشہ نشیں ہو جاؤں، اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے تمام چیزیں میسر ہو گئی ہیں لیکن یہ نہ ہونے پایا کہ اپنی تندرستی کے ساتھ گوشہ نشین ہو جاؤں، اب میری بیماری نے مجھ کو بیکار کر دیا ہے، وصیت کرتا ہوں کہ تم سب ہمایوں کو میری جگہ پر سمجھو اور اس کی خیر خواہی میں کوتاہی نہ کرو اور اس کے ساتھ موافقت اور یکجہتی کو راہ دو، حق سبحانہ کی طرف سے بھی امید ہے کہ ہمایوں بھی اپنے لوگوں سے اچھی طرح پیش آئیں گے، ہمایوں! تجھ کو تیرے بھائیوں کو، رشتہ داروں اور اپنے تمام لوگوں کو خدا کے سپرد کرتا ہوں اور اُن سب کو تیرے بھی حوالہ کرتا ہوں، ان باتوں سے جتنے لوگ حاضر تھے اور جو ان کو دیکھ رہے تھے، سب ہی گریہ وزاری کرنے لگے اور خود حضرت بادشاہ کی چشم مبارک پُر آب ہو گئیں، یہ باتیں حرم کے اندر بھی سنی گئیں، سب پر عجیب حالت بے چینی اور گریہ وزاری طاری ہو گئی، تین روز کے بعد وہ اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو سدھارے، رحلت کی تاریخ ۵ر جمادی الاول روز دوشنبہ ۸۳۷ھ (۲۶ر دسمبر ۱۵۳۰ء) تھی۔

ماتم: میری پھوپھی (خان زادہ بیگم) اور ماؤں کو اس بہانہ سے باہر لایا گیا کہ طبیب اور حکیم دیکھنے کے لیے آتے ہیں، سب بیگمات اور مائیں اٹھ کر خانہ کلاں (بڑے گھر) میں آئیں، فرزندوں اور رشتہ داروں کے لیے یہ دن سیاہ اور غمناک تھا، رونا دھونا، فریاد فغاں اور بے چینی کا اظہار ہر طرف تھا، ہر شخص نے گوشۂ پنہاں میں یہ غم ناک دن گذارا۔

وفات کا واقعہ پوشیدہ رکھا گیا لیکن ہندوستانی امرا میں ایک آرائش خاں تھا، اس نے عرض کیا کہ پوشیدہ رکھنا اچھا نہیں ہے، ہندوستان میں یہ دستور ہے کہ اگر بادشاہوں کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آتا ہے تو بازار کے لوگ آ کر لوٹ مار کرنے لگتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ مغلوں کو خبر ہو اور گھروں اور حویلیوں میں آ کر لوٹ مار شروع کر دیں، مناسب یہ ہے کہ کسی شخص کو سرخ کپڑا پہنایا جائے اور اس کو ہاتھی پر سوار کر کے یہ منادی کرائی جائے کہ حضرت بابر بادشاہ درویش ہو گئے ہیں اور انھوں نے اپنی بادشاہی ہمایوں بادشاہ کو دے دی ہے، حضرت ہمایوں بادشاہ نے حکم دیا کہ ایسا ہی کیا جائے، اس منادی سے لوگوں کو بہت تسلی ہوئی اور انھوں نے حضرت ہمایوں بادشاہ کے لیے دعا کی، اسی مہینہ کی نویں تاریخ (۹ر جمادی الاول ۹۳۷ھ مطابق ۲۹ر دسمبر ۱۵۳۰ء) جمعہ کے دن حضرت ہمایوں بادشاہ تخت پر بیٹھے اور تمام دنیا نے ان کی بادشاہت پر مبارک باد کہا۔

اس کے بعد حضرت ہمایوں بادشاہ اپنی ماؤں، بہنوں اور لوگوں سے ملنے کے لیے آئے، ان کی دلداری اور غمخواری کی اور حکم دیا کہ جو شخص جس منصب اور خدمت پر ہے یا جو جاگیر اور جگہ رکھتا ہے، وہ بحال رہے اور بدستور سابق اپنی خدمت میں لگا رہے، اسی دن میرزا ہندال کابل سے آئے اور حضرت بادشاہ سے ملے، ان کے ساتھ بڑی مہربانیاں کی گئیں اور وہ بہت خوش ہوئے، والد بزرگوار سے جو خزانہ ملا تھا، اس میں سے بہت سی چیزیں میرزا ہندال کو عنایت کیں۔

ایصال ثواب: حضرت بادشاہ بابا کی وفات کے بعد ان کے مزار پر جس متبرک دن میں پہلی مجلس ہوئی، اُس میں محمد علی عسس کو مزار کا متولی بنایا گیا، ساٹھ خوش خواں حافظوں اور خوش الحان قاریوں کو مقرر کیا گیا کہ وہ پانچوں وقت نماز باجماعت ادا کرتے رہیں، ختم قرآن کریں اور حضرت فردوس مکانی کی روح پر فاتحہ پڑھیں، سیکری جو اب فتح پور کے نام سے مشہور ہے اور اس کے ساتھ بیانہ کی پانچ لاکھ آمدنی حضرت کے مزار کے لیے وقف ہوئی تا کہ یہ مزار کے علما اور حفاظ وغیرہ کی ذات میں صرف ہو، آکام نے دو وقت کا کھانا بھی مقرر کیا، جس کے لیے صبح کو ایک گائے، دو بکرے اور پانچ بکریاں اور ظہر کی نماز کے وقت پانچ بکریاں ذبح ہوئیں ڈھائی سال تک آکام کی زندگی میں یہ دو وقتہ کھانے ان کی سرکار کی طرف سے مزار پر تقسیم ہوتے رہے۔

جب تک کہ آکام زندہ رہیں۔ آکام کے دولت خانہ ہی میں حضرت بادشاہ سے ملتی،

جب آکام کی صحت خراب رہنے لگی تو انھوں نے مجھ سے کہا اب بہت مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن میری وفات کے بعد بادشاہ کی لڑکیاں اپنے بھائی کو گل برگ بی بی کے گھر میں دیکھا کریں، حضرت آکام کی یہ بات حضرت بادشاہ کے دل کی بات تھی، جب تک وہ ہندوستان میں رہے، ہمیشہ ہم لوگوں کے گھر ہم لوگوں کو دیکھنے آتے اور معصومہ سلطان بیگم، گلرنگ بیگم اور گل چہرہ بیگم وغیرہ کے ساتھ جن کی شادی ہو چکی تھی، بے حد مہربانی، عنایت اور شفقت کرتے، حضرت بادشاہ اس حقیرہ کے گھر بھی آتے اور تمام بیگمات بھی یہاں آکر حضرت بادشاہ سے ملاقات کرتیں، غرضیکہ حضرت بادشاہ نے بادشاہ بابا اور آکام کی وفات کے بعد اس شکستہ دل کے ساتھ اتنی مہربانی اور شفقت کی کہ اپنی یتیمی اور بے سری کو بھول گئی۔

احمد یادگار مصنف تاریخ سلاطینِ افاغنہ

''سلاطین افاغنہ کا مصنف احمد یادگار سور خاندان کے حکمرانوں سے وابستہ رہا، اس نے اپنی تاریخ داؤد شاہ المتوفی ۹۸۴ھ/۱۵۷۶ء کی فرمائش پر لکھنی شروع کی لیکن داؤد شاہ کی وفات کے بعد بھی اس کا لکھنا جاری رکھا، اس میں بہلول لودی سے لے کر ہیمو کے مارے جانے تک کے حالات ہیں، حسب ذیل اقتباسات میں بابر کے جو حالات پیش کیے گئے ہیں، ان میں بہت سے ایسے واقعات ہیں جن کی تائید ان تاریخوں سے نہیں ہوتی، جن کے اقتباسات ہم نے اس کتاب میں پیش کیے ہیں مثلاً ۱- بابر کے پاس دولت خاں نے آم اور پان بھیجے، تو بابر تخت پر سے اچھل پڑا کہ اب ہندوستان کی فتح یقینی ہے، ۲- پانی پت کے میدان میں لڑائی سے پہلے سلطان ابراہیم نے ایک بزم جشن منعقد کی، ۳- شاہزادہ کامراں جون پور کی مہم پر بھیجا گیا، ۴- رانا سانگا جب حسن خاں میواتی کے ساتھ بابر سے لڑا، تو لڑائی کے وقت رانا سانگا بابر سے مل گیا، ۵- سلطان محمد افغان میرزا ہندال کے خلاف پورب میں لشکر آرا ہوا، ۶- راجہ چندیری کی لڑکیاں کامران، ہمایوں اور دوسرے امرا کو پیش کی گئیں، ۷- موہن منداہر کی سرکوبی بڑی سفاکی سے کی گئی، الخ، احمد یادگار نے اسی طرح اور بھی جو باتیں لکھی ہیں وہ اور تاریخوں سے مختلف ہیں، جن کو یقین کرنے اور نہ کرنے میں مورخانہ تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے، حسب ذیل اقتباسات بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک قلمی نسخہ سے لیے گئے ہیں، اقتباسات کے ترجمے بالکل لفظی نہیں ہیں۔''

بابر اور دولت خاں: تاتار خاں کا لڑکا دولت خاں عرصہ سے پنجاب کا حاکم تھا، سلطان ابراہیم نے اس کو لاہور سے طلب کیا، اس نے جانے میں تاخیر کی اور اپنی جگہ اپنے لڑکے دلاور خاں کو بھیج دیا اور جب اس سے پوچھا گیا کہ خود اس کا باپ کیوں نہیں آیا تو اس نے جواب دیا کہ وہ بعد میں آئیں گے اور خزانہ ساتھ لائیں گے، اس سے کہا گیا کہ اگر وہ نہیں آیا تو اس کی جگہ پر اس کو یعنی دلاور خاں کو اور امرا کی طرح قید کر لیا جائے گا، سلطان نے حکم دیا کہ اس کو لے

جا کر ان امرا کو دکھایا جائے، جو کنویں میں لٹکا دیے گئے ہیں، دلاور خاں نے جا کر یہ منظر دیکھا تو اس پر لرزہ طاری ہو گیا اور بہت خوفزدہ ہوا اور جب وہ سلطان کے پاس واپس آیا تو سلطان نے کہا، تم نے اُن امرا کو دیکھا، جنھوں نے میری نافرماں برداری کی ہے، کہا جاتا ہے کہ سلطان نے اس کو بھی اندھا کر کے کنویں میں لٹکا دینے کا ارادہ کیا لیکن جب دلاور خاں نے دیکھا کہ سلطان کی سختی سے بچنے کی کوئی صورت نہیں تو وہ دہلی سے فرار ہو گیا اور چھ دن میں اپنے باپ کے پاس پہنچا اور اس نے کہا کہ اگر احتیاط نہ کی گئی تو سلطان بہت ہی ظالمانہ طریقہ سے موت کے گھاٹ اتار دے گا۔

دولت خاں ایک گہری سوچ میں پڑ گیا کہ اگر وہ بغاوت کرتا ہے تو اس پر نمک حرامی کا اتہام آتا ہے اور اگر سلطان کے قہر سے قید کر لیا جاتا ہے تو جاں بر نہ ہو سکے گا، آخر میں اس نے سوچا کہ وہ گیتی ستانی (بابر) کی طرف رجوع کرے، دلاور خاں کو بابر بادشاہ کے پاس بھیجا، تا کہ وہاں جا کر سلطان (ابراہیم) کی بدمزاجی امرا کا اختلاف اور سپاہیوں کی نفرت کا حال تفصیل سے بیان کرے اور ان کو ہندوستان تشریف لانے کی دعوت دے، دلاور خاں جلد روانہ ہو کر دس روز میں کابل پہنچ گیا اس نے تخت کے پاس کھڑے ہونے والوں سے عرض کیا کہ ایک افغانی ہندوستان سے آزردہ ہو کر آیا ہے اور اپنا حال بادشاہ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہے، حکم ہوا کہ وہ حاضر کیا جائے، اس نے نیازمندانہ طور پر زمین بوسی کی اور ہندوستان کی خرابی کا حال تفصیل سے عرض کیا بابر بادشاہ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے سلطان ابراہیم اور اس کے آبا و اجداد کا نمک بیس سال تک کھایا ہے اور تمہارے آبا و اجداد اور گذشتہ بیس سال تک صاحب اختیار رہے ہیں، اب کیا ہوا کہ یکا یک تم لوگ اس سے برگشتہ ہو گئے ہو اور اس دربار کی طرف توجہ کی ہے، دلاور خاں نے جواب دیا کہ میرے باپ دادا نے (سلطان کی خدمت میں چالیس سال سے جان کی بازی لگا رکھی تھی اور سلطنت کی بنیاد کو مضبوط بنایا تھا لیکن سلطان ابراہیم اپنے باپ کے امرا کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے اور ان میں سے اٹھائیس امرا کو جو بنیاد سلطنت اور ستون دولت تھے، بلا کسی جرم کے مار ڈالا ہے اور ان کے خاندانوں کو برباد کر دیا ہے اور ان میں کچھ کو دیواروں پر لٹکا دیا ہے اور کچھ کو زندہ جلوا دیا ہے اور جب امرا نے دیکھا ہے کہ سلطان سے محفوظ رہنے کی امید نہیں ہے تو انھوں نے

مجھ کو اس دربار میں بھیجا ہے، وہ سب آپ کی بندگی کے لیے تیار ہیں اور آپ کے منتظر ہیں۔

اسی زمانہ میں میرزا کامران کی شادی تھی، باغ شہر آرا میں بہت بڑا جشن منایا گیا، عشوہ گر، شیریں کار، کبک رفتار، گل عذار اور شکر گفتار رقاصائیں جمع تھیں، رنگا رنگ پھولوں اور سبزوں سے چمن کے تختے بنائے گئے تھے، ایسا جشن تھا کہ زمانہ نے نہ دیکھا ہوگا، اس حشمت اور صولت کو دیکھ کر افغان حیرت زدہ ہوا، جب یہ جشن عروسی خاطر خواہ طریقہ پر ختم ہوا تو وہ رات بابر بادشاہ نے اس باغ میں گذاری صبح ہوئی تو نماز کے بعد انہوں نے خدائے کارساز کے سامنے دست نیاز اٹھایا اور کہا، الٰہا! کارسازا! اگر ہندوستان کی حکومت میرے اور میرے لوگوں کے نصیب میں ہے تو اس مرتبہ ہندوستان کے سوغات میں پان اور آم میرے پاس پہنچ جائیں۔

بابر کے لیے شگون نیک: اتفاق سے وہ موسم آموں کا تھا، دولت خاں نے نیم پختہ آم شہد کے کوزوں میں بند کر کے اور پان احمد خاں کے معرفت بھیجا، بادشاہ (بابر) کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ دولت خاں کا ایلچی احمد خاں حاضری (فتح الباب) کا منتظر ہے، دلاور خاں نے تحفے لے جا کر بادشاہ کے سامنے کھولے، بابر میرزا کی نگاہ آم پر پڑی تو وہ تخت پر سے اچھل پڑا، اپنا نیاز مندانہ سر درگاہ بے نیاز کے سامنے زمین پر رکھا اور اس کو یقین ہوگیا کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے ہندوستان کی سلطنت بخش دی ہے، انہوں نے دلاور خاں اور احمد خاں کو ایک ایک گھوڑا...... دیا اور دولت خاں کے لیے دس عراقی گھوڑے اور نفیس کپڑے دے کر احمد خاں کو پہلے روانہ کیا۔

ہندوستان کی یورش کی تیاری: اسی روز سے ہندوستان پر یورش کرنے کی تیاری شروع کردی، جہانگیر قلی خاں کو دو ہزار مغل سواروں کے ساتھ آگے روانہ کیا، تا کہ وہ راستوں اور گذرگاہوں کی خبر گیری اور دریاؤں کو پار کرنے کے لیے کشتیاں تیار کرے، بدھ ۲ رشوال ۹۳۲ھ / جولائی ۱۵۲۶ء کو وہ بادشاہان کبار کے آداب کے ساتھ روانہ ہوا اور کوچ کر کے پشاور پہنچا، اس شہر کو لوٹا اور جب شاہی فوج جاہ وجلال کے ساتھ اس جگہ سے آگے روانہ ہوئی تو دولت خاں نے بھی آکر ملاقات کی، دس ہزار اشرفیاں اور بیس ہاتھی نذرانے میں پیش کیے جب بابر بادشاہ کابل سے روانہ ہوا تھا تو اس کے ساتھ دو ہزار مغل تھے، دولت خاں سے ملنے کے بعد فرمایا کہ کچھ نئے نوکر بھرتی کیے جائیں، لاہور تک پہنچتے پہنچتے بہت سے سپاہی ساتھ ہوگئے اور لاہور چغتائی امرا کے

تصرف میں آ گیا۔

ابراہیم لودی کی پریشانی: سلطان ابراہیم کو آگرہ میں یہ خبر ملی کو مغلوں نے لاہور تک پنجاب پر قبضہ کرلیا ہے تو وہ پریشان ہو کر امرا کو قتل کرانے پر پشیماں ہوا لیکن اب کیا فائدہ تھا، پانی سر پر سے گذر چکا تھا کیوں کہ بابر شیر غراں کی طرح جنگل سے نکل چکا، سلطان ابراہیم آگرہ سے دہلی آیا اور دولت خاں کو لکھا کہ تم میرے والد کی نوازش سے اس مرتبہ کو پہنچے ہو لیکن یہ تم نے کیا کیا کہ مغلوں کو میرے موروثی ملک میں لے آئے ہو...... اب میں تم سے صلح کرتا ہوں اور تمہارے اور تمہارے فرزندوں کے ساتھ کوئی برا سلوک کرنے کو مطلق نہ سوچوں گا، کلام ربانی کی قسم کھاتا ہوں، کوئی اور بات نہ سوچو اور کوئی فکر دل میں نہ لاؤں، دولت خاں نے جواب میں لکھا کہ ہاں! میں سلطان سکندر کا پروردہ ہوں، انھوں نے مجھ کو خاک سے اٹھا کر نوازا، میں نے تمام عمران کی خیر خواہی میں گذاری، بادشاہ مرحوم امرا کے ساتھ رحم سے پیش آتے، اُن کو برداشت کرتے اور دلجوئی میں لگے رہتے، انھوں نے کبھی امرا کو ہلاک کرنے کی کوشش نہیں کی، آپ ابھی نوجوان ہیں، آپ نے دو تین بداندیش امرا کے مشوروں پر عمل کر کے سلطنت کی بنیاد کھوکھلی کردی، آپ کے والد کے زمانے میں جو امرا باشاہت کے ستون تھے، ان کو برباد کیا، آپ پر سے دوسروں کا اعتماد جاتا رہا ہے، میں مغلوں کو نہیں لایا ہوں، بلکہ آپ کے افعال ناپسندیدہ کی وجہ سے وہ آ گئے ہیں۔

جب سہرند اور حصار فیرزہ تک پنجاب چغتائی امرا کے ہاتھ میں آ گیا تو وہ دہلی کی طرف بڑھے اور جب بادشاہ تھانیسور کے نواح میں پہنچا تو اس شہر کے اکثر فضلا اور حفاظ اس کے ساتھ ہو گئے۔

سلطان ابراہیم سے افغانی امرا کی جنگ: سلطان ابراہیم سون پت میں تھا کہ اس کو خبر ملی کہ بڑے بڑے امرا نے بابر کے آنے کی خبر سن کر ایک اچھا موقع پایا ہے اور تقریباً چالیس ہزار سواروں کے ساتھ دہلی کا محاصرہ کرلیا ہے، یہ خبر پا کر سلطان ابراہیم دہلی کی طرف لوٹا تا کہ باغیوں کو شکست دے، باغیوں نے یہ طے کیا، دن میں سلطان سے لڑنا مناسب نہیں، ولی نعمتی کی شرم آ جائے گی اس لیے بہتر ہے کہ شبخون مارا جائے، رات کے آخری حصہ میں وہ سلطان کے لشکر کے پاس پہنچ گئے، اسی اثنا میں سلطان لشکر کے بڑے امرا موقع پاتے ہی مخالفوں سے آ ملے، ان

مخالفوں نے سلطان کے لشکر کو مار بھگایا.........لیکن باغی مال غنیمت کی تلاش میں منتشر ہو گئے، آفتاب کے طلوع ہونے کے بعد سلطان کی نظر مخالفوں کے مرکز (قلب) پر پڑی اور دیکھا کہ عالم خاں چند آدمیوں کے ساتھ کھڑا ہے، اس نے اپنے آدمیوں کو اس پر حملہ کرنے کا حکم دیا، وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور باغیوں کی نمک حرامی کارگر نہ ہو سکی، چالیس ہزار سوار، ایک جگہ جمع ہو کر کچھ نہ کر سکے۔

بابر کو سلطان کے لشکر کے انتشار کی خبر ملی تو وہ کرنال سے آگے بڑھا سلطان ابراہیم پرگنہ گنور پہنچا، اس جگہ نجومیوں سے کہا کہ چرخیات فلکی سے معلوم کر کے بتائیں کہ فتح کس کی ہے، نجومیوں نے بہت ہی احتیاط سے عرض کیا کہ سیاروں کی گردش سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کے تمام گھوڑے اور ہاتھی مغلوں کے لشکر میں چلے گئے ہیں، سلطان نے یہ سن کر کہا، بس اس سے ظاہر ہے کہ ہم لوگ مغلوں پر فتح پائیں گے، نجومیوں نے کہا "ایسا ہی ہو"۔

نجومیوں کو بابر کی فتح کا حال معلوم ہو گیا تھا، اس لیے وہ لشکر سے بھاگ گئے، امین خاں بھی بھاگ کر باہر سے مل گیا، اسی اثنا میں حمید خاں خاصہ خیل کے چار ہزار سواروں کے ساتھ سلطان کی امداد کے لیے آ رہا تھا، کہ اس کا مقابلہ محمد ہمایوں شاہ زادے سے ہوا، جو قراولی کی خاطر آگے بڑھ آیا تھا، جنگ ہوئی حمید خاں کے سپاہی ہارے، اکثر مارے گئے اور دوسرے سپاہی منتشر ہو گئے جمعرات کو سلطان نے تمام امیروں اور سپاہیوں کو طلب کیا اور ان کو حکم دیا کہ جو بہترین لباس ان کے پاس ہیں وہ پہنیں، پھر زردوزی اور اطلس کے خیمہ و سائبان لگا کر ایک بزم جشن آراستہ کی اور جو زر و جواہر، مروارید اور اشرفیاں اس کے پاس تھیں، ان کو لٹا کر کہا "یارو! کل وہ دن ہے، جب میں مغلوں کے سپاہیوں سے لڑائی لڑوں گا، اگر فتح ہو گئی تو تمہاری دل جوئی کروں گا اور اگر نہ ہوئی تو آج کے دن مجھ سے خوش رہو، پورا دن عیش و عشرت میں گذرا، دوسرے دن لڑائی کی تیاری ہوئی۔

پانی پت کی جنگ: سلطان ابراہیم نے کوچ کر کے پانی پت سے دو کروہ پچھم کی طرف پڑاؤ ڈالا، بابر گھوڑے پر سرائے گھرونده میں سوار ہوا اور پورب کی طرف دو کروہ کے فاصلہ پر اترا، مغلوں کے ساتھ چوبیس ہزار لشکر اور سلطان ابراہیم کے پاس پچاس ہزار سپاہی اور دو ہزار پہاڑ کی

طرح ہاتھی تھے لیکن ابراہیم کے تمام سپاہی اس سے آزردہ اور اس کی بدسلوکی سے نالاں تھے، جمعہ کے روز ۸/رجب ۹۳۲ھ کو سلطان ابراہیم کو اس کی موت کھینچ لائی، دونوں طرف کی فوجیں مقابلہ کے لیے آراستہ ہوئیں، بابر نے بھی دوسری طرف سے حرکت کی، طرفین کی فوجیں لڑائی کے لیے بڑھیں، بابر نے حکم دیا کہ مغل کی فوجیں تین حصوں میں ہو جائیں، ہراول اپنی جگہ پر رہے، فوج کے دو حصے سلطان کے لشکر کے پیچھے جا کر حملہ کریں، افغانی سپاہی بہت تھے لیکن اکثر سپاہی سلطان کی بدسلوکی سے آزردہ اور بددل اور امرا رنجیدہ تھے، دونوں بادشاہوں کے درمیان پانی پت کے قریب آفتاب نکلنے پر ایسی بڑی لڑائی ہوئی کہ زمانہ کی آنکھوں نے نہیں دیکھی تھی، سلطان کے اکثر سپاہی قتل ہوئے، سلطان چند آدمیوں کے ساتھ کھڑا تھا، محمود خاں نے اس سے کہا کہ لڑائی اب بہت نازک ہوگئی، بہتر ہے کہ آپ میدان جنگ چھوڑ دیں اور باہر چلے جائیں، اگر بادشاہ سلامت رہے، تو پھر سپاہی جمع کر کے مغلوں سے لڑائی لڑی جائے گی، وقت کا تقاضا یہی ہے، البتہ جو رائے عالی ہو، وہی بہتر ہوگی، سلطان نے کہا محمود خاں! لڑائی چھوڑ کر بھاگ جانا بادشاہوں کے لیے باعث شرم ہے، یہ دیکھو! میرے امیروں، مصاحبوں، خیر خواہوں اور دوستوں نے شربت شہادت پیا ہے جا بجا مرے پڑے ہیں، تو اب میں کہاں جاؤں، میں اپنے گھوڑے کو پاؤں سے سینہ تک خون میں غرق دیکھتا ہوں، جب تک میری بادشاہی کا زمانہ تھا، میں نے بادشاہی اپنی خواہش کے مطابق کر لی، اب فلک غدار مغلوں کے ساتھ ہے، اب میری زندگی میں اس سے زیادہ لطف اور کیا ہے کہ میں بھی اپنے مددگاروں کے ساتھ خاک و خون میں ہو جاؤں، یہ کہا اور پانچ ہزار جرار سواروں کے ساتھ لڑائی کے لیے بڑھا، یہ سوار اس کے خاص سوار تھے اور بہت سے مغلوں کو مار چکے تھے، اس کے بعد دن کے آخری حصہ میں اس کی شہادت ہوگئی۔

ہندی میں یہ تاریخ کہی گئی:

نو سے اوپر بیتا پانی پت میں بھارت دیسیا
ساتویں رجب آپت ڈارا بابر جیتا براہم ہارا

جہاں پر اس کی قبر ہے، وہیں وہ گرا، اس کے شہید ہونے کی خبر بادشاہ بابر کو پہنچی تو وہ قلب میں کھڑا تھا، اس نے دلاور خاں کو بھیجا کہ تحقیق کر کے خبر لائے، دلاور خاں اس جگہ پہنچا

جہاں مقتول پڑے تھے، سلطان کو خاک وخون میں پڑا دیکھا، اُس کا تاج سر سے گرا ہوا تھا اور آفتاب گیر جدا تھا، دلاور خاں نے یہ دیکھا تو بادشاہ سے جا کر کہا بابر خود اُس جگہ پہنچا اور اس نے اس کا سر خاک پر سے اٹھا کر کہا، ''اے جواں مرد! تجھ پر آفریں ہو'' پھر حکم دیا کہ اس کے زربفت کی پوشاک اتار دی جائے اور قند سے حلوا تیار ہو، پھر دلاور خاں اور امیر خلیفہ سے کہا غسل دیا جائے اور وہیں دفن کیا جائے، جہاں یہ گرے ہیں۔

یہ بھی حکم ہوا کہ ابراہیم کی ماں کی پوری خبر لی جائے، اسی دن ستائیس سو سوار، ڈیڑھ ہزار ہاتھی اور شاہی خزانے بابر کے لشکرگاہ میں لائے گئے، دوسرے دن وہاں سے کوچ کر کے شہر کے پچھم طرف نزول کیا، وہاں سے امیر خلیفہ، اللہ داد خاں، ترسم بہادر کو دس ہزار مغل سواروں کے ساتھ آگے بھیجا، تاکہ دہلی اور آگرہ کے خزانے کی حفاظت ہو، افغانوں نے ستر سال تک حکومت کی، وہ اپنے اپنے گھر، مال اور خزانے چھوڑ کر بنگالے کی طرف چلے گئے، ان میں عجب تفرقہ پڑ گیا تھا، بابر بادشاہ نے سلطان کے لشکر کے مال غنیمت کا انتظام کر کے دہلی کی طرف رخ کیا، جہاں پہنچ کر گذشتہ بادشاہوں کی سلطنت کے تخت پر جلوس کیا..........۔

بابر کے الطاف واکرام:...... ۹۳۲ھ (۱۵۲۶ء) میں شاہ بابر گیتی ستاں نے لڑائی میں فتح پانے کے بعد ایک ہفتہ تک اس میدان میں قیام کیا اور سلطان ابراہیم کے مال، ہاتھی اور تمام ہتھیار پر تصرف کر لیا، اس سرزمین کو اپنے لیے مبارک سمجھا، اس لیے شہر کے تمام بڑے لوگوں کو طلب کر کے ان میں ہر ایک کو انعام دے کر خوش کیا، اس نے سلطان محمد اوغلی کو پانی پت کا حاکم بنایا، اس نے دس ہزار سواروں سے مدد کر کے لڑائی میں بڑی مردانگی اور بہادری دکھلائی تھی اور اس کو ایک فصل کی آمدنی بھی بخش دی، اس کے بعد بادشاہ دہلی کی طرف بڑھا، دہلی کے لوگ مغلوں کی شوکت سے ڈر کر منتشر ہو گئے تھے، اس لیے فرمان جاری ہوا اور ہر طرف آدمی متعین ہوئے کہ دہلی اور قصبات کے بڑے لوگوں کو اطمینان دلایا جائے کہ وہ بادشاہ کی عنایتوں اور مہربانیوں پر بھروسہ رکھ کر دربار آئیں اور جب شاہی لشکر سون پت پہنچا تو اس شہر کے بڑے بڑے لوگ سپاہی اور صراف وغیرہ گروہ درگروہ...... دربار میں آئے اور مہربانیوں سے سرفراز ہوئے، بادشاہ تخت نشینی کے دو مہینے بعد تک بہت ہی عنایات والتفات سے پیش آیا، لوگوں کے دلوں سے وہم وہراس دور

ہو گئے اور وہ اس کی سلطنت کی طرف راغب ہوئے۔

سلطان ابراہیم کی ماں کے ساتھ رعایتیں: بادشاہ چند روز تک اندر پت کے قلعہ کے نواح میں دریائے جمنا کے کنارے ٹھہرا رہا، امیر خلیفہ اور امیر قلی بیگ کو آگرہ میں مقرر کیا، وہاں سلطان ابراہیم کی ماں اور اس کے اہل و عیال تھے، وہ متواتر کوچ کر کے وہاں پہنچے، سلطان ابراہیم کی ماں نے مال، خزانے، اشرفیوں، سونے اور جواہرات کے ظروف، ہاتھیوں، گھوڑوں، اونٹوں، خیموں، غلاموں اور کنیزوں کی ایک فہرست بنائی کہ یہ سب اس کے لیے چھوڑ دیے جائیں، سلطان ابراہیم کا ایک غلام محمود خاں اس کو لے کر آیا، امیر خلیفہ کے حضور میں یہ فہرست پڑھی گئی، امیر خلیفہ نے اس کو بادشاہ کے پاس روانہ کر دیا اور خود قلعہ کی حفاظت کے لیے مقیم رہا، کہ اندر سے کوئی باہر نہ آنے پائے اور مال اور خزانے کو ضائع نہ کرے۔

افغانی امرا کی مخالفت: اس اثنا میں خبر پہنچی کہ سلطان ابراہیم کے بعض امرا جونپور میں جمع ہو کر غارت گری کر رہے ہیں، بادشاہ نے امیر قلی بیگ کو شاہزادہ میرزا کامراں کے ساتھ اس طرف روانہ کیا، جو ایک لمبے کوچ کے بعد وہاں پہنچے، شاہزادہ اقبال مند کے آنے کی خبر سن کر افغانی پٹنہ کی طرف فرار ہوئے اور جون پور تصرف میں آ گیا۔

حسن خاں میواتی اور رانا سانگا سے جنگ: میرزا کامران وہاں، میر قلی بیگ کے ساتھ ایک بڑا لشکر چھوڑ کر بادشاہ کے پاس واپس آ گیا، اس کے بعد پنجاب کی طرف روانہ ہوا، میرزا عسکری کو کابل کے لیے نامزد کیا گیا، ٹھٹھ کی مہم بھی اس کے سپرد کی گئی، ہمایوں میرزا جو بڑا بیٹا اور ولی عہد تھا، بادشاہ کی خدمت ہی میں رہا اور جب شاہزادہائے کامگار اور امرائے شوکت شعار اپنی اپنی جگہوں پر مقرر ہو گئے، تو حسن خاں میواتی اور رانا سانگا کی بغاوت کی خبر ملی کہ وہ ایک بھاری لشکر کے ساتھ میوات میں جمع ہو گئے ہیں، حکم ہوا کہ نئے لشکر بھرتی کیے جائیں اور سلطان ابراہیم کے خزانے سپاہیوں میں تقسیم کیے گئے، حسن خاں اس زمانہ میں پشتہا پشت سے صاحب تخت رہ چکا تھا، فیروز شاہ کے عہد تک اس کے خاندان میں جاہ و دولت رہی، رانا سانگا اس زمانہ میں بڑا رانا تھا، اس نے حسن خاں کو پیغام دیا کہ ہندوستان میں مغلوں نے قدم رکھا ہے، سلطان ابراہیم کو مار ڈالا ہے اور ملک کو اپنے تصرف میں لے آئے ہیں، اب یقین ہے کہ تمہارے خلاف بھی لشکر کشی کریں گے،

اگر تم میرے ساتھ مل جاؤ تو ہم ان کا دخل ہونے نہ دیں گے، حسن خاں نے اپنے لشکر کے غرور اور رانا کے بہکانے میں بادشاہ کے لیے جو پیش کش تیار کی تھی، نہ بھیجی اور بادشاہ کا وکیل اس کے یہاں سے واپس آیا، آگرہ میں بادشاہ کو یہ خبر ملی، تو میرزا ہندال اور محمد مہدی خواجہ کو جو بادشاہ کا داماد تھا، ایک بہت بڑی بلا خیز فوج کے ساتھ روانہ کیا اور خود اس کے پیچھے چلا، جب اس قاہر فوج کی خبر حسن خاں کو ملی تو اس نے رانا سانگا کو پیغام بھیجا اور بادشاہ کے سپاہیوں کے آنے کی خبر دی، رانا نے بھی اپنے مسکن پر ہندوؤں کی فوج جمع کی اور جنگ کے ارادے سے حسن خاں سے آملا، فیروز پور جھرکہ کے نواح میں فوجیں صف آرا ہوئیں، رانا سانگا نے حسن خاں کو دائیں طرف رکھا اور خود بائیں طرف رہا، وہ اندرونی طور پر حسن خاں سے آزردہ خاطر تھا، اس لیے اس نے چاہا کہ کسی بہانہ سے اس کو تلف کرائے، اس نے پوشیدہ طور پر میرزا ہندال اور خواجہ مہدی کے پاس ایک وکیل بھیجا کہ میں تو بادشاہ کا غلام اور فرماں بردار ہوں، بادشاہ کے خطبہ اور سکہ کو قبول کرتا ہوں، حسن خاں مجھ کو زبردستی جنگ میں لایا ہے، میں شاہی فوج کے مقابلہ میں نہ آؤں گا اور آپ لوگوں سے تھوڑی سی لڑائی کے بعد میں چلا جاؤں گا، آپ لوگ اس طرح لڑائی لڑیں کہ حسن خاں یا تو گرفتار ہو جائے یا مارا جائے، اگر آپ لوگوں نے اس کو مار ڈالا تو میوات آپ کے قبضہ میں ہوگا۔

اور جب دونوں طرف قتل شروع ہوا، تو بڑی لڑائی ہوئی، مہدی خواجہ حسن خاں پر چڑھ دوڑا اور اس کو جنگ کرنے کا موقع نہیں دیا حسن خاں تھوڑی سی لڑائی کے بعد بھاگ گیا اور اس کے لشکر کے آدمی بکھر کر ادھر ادھر چلے گئے، حسن خاں کا ایک غلام لاد خاں تھا، وہ اپنے آقا سے ناخوش تھا، اس لیے وہ اپنے بھائیوں سے آملا اور ان کے بہکانے پر اپنے مربی سے بے وفائی کی اور جب حسن خاں کے مقربوں اور پاس رہنے والوں میں سے کوئی بھی اس کے پاس نہ رہا، تو ایک کنویں کے پاس آیا اور اپنے غلام سے کہا کہ اگر کچھ کھانے کو ہو تو لاؤ، اس نے روٹی اور کباب لا کر سامنے رکھا اور وہ چند لقمے کھانے پایا تھا کہ بابر بادشاہ کے لشکر کا ایک امیر وہاں پہنچ گیا، حسن خاں سراسیمہ ہو کر اٹھا اور سوار ہو جانا چاہتا تھا کہ اُس غلام نے ایک تلوار لگائی، جس سے وہ زخمی ہوا، اس کو کنویں میں ڈال دیا اور اس کا گھوڑا لے کر بھاگا، اس کے بھاگنے کے بعد ہندو بیگ نے باقی لشکر کا پیچھا کیا اور اس کی غارت گری کی، کسی نے اس سے جنگ نہیں کی،

بادشاہ کو مال غنیمت میں اتنے گھوڑے اور اونٹ ہاتھ ہائے کہ ان کا شمار نہیں کیا گیا اور بہت بڑی فتح حاصل ہوگئی اور پورے علاقے پر قبضہ ہوگیا، ہر جگہ عامل مقرر ہوئے، خطبہ اور سکے بھی جاری کیے گئے، اس کو شاہزادہ اقبال مند کو جاگیر میں دیا گیا۔

جون پور میں افغان امرا کی شورش: تخت نشینی کے ایک سال کے بعد میرزا کامران لاہور سے آیا اور بہت سے گھوڑے اور خزانے لاکر بادشاہ کو پیش کیے، جو اس نے بھٹیوں اور کھوکھروں سے حاصل کیے تھے، اس اثنا میں جون پور سے خبر پہنچی کہ بہار میں سلطان محمد افغان نے اپنا خطبہ اور سکہ جاری کر دیا ہے اور میرزا ہندال کے خلاف لشکر آرا ہوا، میرزا ہندال مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر جون پور سے بھاگ گیا، سلطان محمد کے سپاہی نے اس کا پیچھا کیا، تو میرزا نے جنگ کی لیکن میرزا کے اکثر سپاہی قتل ہوگئے، حضرت بادشاہ نے سلطان جنید برلاس اور حیدر ملک حولک کو دوسرے مغلوں اور ہندوستانی لشکر کے ساتھ اس طرف نامزد کیا، سلطان جنید ایک کوچ میں دو منزلیں طے کرکے وہاں پہنچا اور سلطان محمد سے مقابلہ کیا، ایسی لڑائی ہوئی کہ چشم روزگار نے نہیں دیکھی، افغان مغلوں کے حملہ سے کھڑے رہنے کی تاب نہ لاسکے اور بھاگے، جون پور پر پھر قبضہ ہوگیا، مال غنیمت اور گھوڑوں کے ساتھ بادشاہ کے پاس فتح نامہ بھیجا گیا، حکم ہوا کہ سلطان جنید وہیں رہے اور میرزا چلا آئے، سلطان جنید افغانوں کے ساتھ اس طرح پیش آیا کہ کوئی بھی ان کی طرف نہیں ہوا، افغانوں اور سرکشوں کے دلوں میں بڑے رعب کے ساتھ ہیبت چھا گئی، میرزا ہندال قندھار بھیج دیا گیا۔

آگرہ کا باغ: حضرت بادشاہ نے اپنی تخت نشینی کے دوسرے سال جمنا کے کنارے ایک باغ لگایا اور اس میں طرح بندی کی اس سے پہلے ہندوستان کے باغوں میں طرح بندی (روش) نہیں ہوا کرتی تھی، بادشاہ اس میں مغلوں کے ساتھ شب و روز عیش و عشرت میں مشغول رہتا، وہ مصاحبوں اور دوستوں کے ساتھ اس گلشن میں مے نوشی کرتا، لولیانِ شیریں کار و لالہ رخسار کے ساتھ گانا بجانا اور شاہد بازی ہوتی رہتی، مغلوں کو برسوں سے ہندوستان کی آرزو تھی جو یہاں کی حکومت ملنے پر حاصل ہوگئی میرزا کامران نے بھی لاہور میں ایک باغ لگایا اور اسی قسم کی داد نشاط دی، امیر خلیفہ حاجب اختیار اور حاجب مدار بن کر سلطنت کے کام انجام دیتا، اس کا

حکم بادشاہ کے حکم ہی کی طرح ہوتا۔

راجہ چندیری سے جنگ: ہندوستان میں بادشاہ اور امرا جب ہر طرح مضبوط ہو گئے اور شاہی فرمان بحر و بر میں آب رواں کی طرح دوڑنے لگا تو راجہ چندیری نے بغاوت کی اور حکم ماننے سے انکار کیا، ارغوں خاں اس صوبہ میں تھا، اس نے اس سے جنگ کی، راجہ نے اس خزانہ کو لوٹ لیا جو بادشاہ کے پاس بھیجا جا رہا تھا، بادشاہ نے ارغوں خاں کے بھائی اور احمد سلطان کو ایک بھاری لشکر کے ساتھ روانہ کیا، جو کوچ در کوچ کر کے وہاں پہنچے، چندیری کا راجہ ارغوں خاں کی شکست سے خیرہ سر ہو گیا تھا، وہ چندیری سے ہندوؤں کا ایک لشکر لے کر باہر آیا، ایک لڑائی ایک گاؤں پادھر کے میدان میں ہوئی، یہاں ارغوں خاں کے بھائی کو بھی شکست دی، حسن کے سپاہی منہزم ہوئے اور وہ چندیری فاتح و منصور واپس ہوا، اس شکست کے بعد امیر خلیفہ کو حکم ہوا کہ شاہی سامان تیار کیا جائے، جب یہ تیار ہو گیا تو بادشاہ آگرہ سے پورے آداب کے ساتھ روانہ ہوا اور چندیری کی طرف متواتر کوچ کیا، امیر ہندو بیگ کو چھ ہزار سواروں کے ساتھ پہلے روانہ کیا گیا اور مالوہ کے الہ وردی خاں شاملو کو فرمان صادر ہوا کہ وہ بھی امیر ہندو بیگ سے مل کر جنگ کریں، یہ دونوں دشمن کی طرف روانہ ہوئے، راجہ چندیری کو غرور ہو گیا تھا، ہر طرف سے اپنے آدمی کو جمع کیا، اس نے اپنے بھتیجے کو ان دونوں امیروں کے مقابلہ کے لیے بھیجا، جو دلاورانِ عہد اور صف شکنان روزگار میں سے تھے، جمنا کے کنارے ایک لڑائی ہوئی، پہلے حملہ...... میں دشمنوں نے اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر ایسی لڑائی کی کہ بادشاہ کے اکثر سپاہی میدان جنگ میں شہید ہو گئے، جب ان دونوں امیروں نے اپنے سپاہیوں کو ہندوؤں کی ہیبت سے بے دل ہوتے دیکھا تو وہ لڑائی کے میدان سے ہٹ کر ایک باغ میں چلے آئے، جب بادشاہ کو ان دونوں امیروں کی شکست کی خبر ملی تو متواتر کوچ کر کے اس طرف روانہ ہوئے، جب امرا کو شاہی لشکر کے آنے کی خبر ملی تو انھوں نے ایک رات جو ایسی تاریک تھی، جیسا کہ ظالموں کا دل ہوا کرتا ہے، اپنی فوج کے دو حصے کیے...... اور شبخون مارا اور اپنا بدلہ لے لیا اور ان میں سے اکثر کو قتل کر دیا اور باقی کو قید کر لیا...... اور اس لشکر...... سے بادشاہ کے سپاہیوں کو اتنا مال غنیمت ملا کہ اس سے برسوں ان کی کفالت ہوتی رہی، بادشاہ چندیری کی طرف روانہ ہوا، جب راجہ کو اپنے بھتیجے کی خبر ملی تو وہ سراسیمہ ہوا، کیونکہ وہ بڑا صاحب شمشیر تھا، اس نے

فوج جمع کی اور بادشاہ کے مقابلہ کے لیے آیا، شاہی فوج چندیری میں آئی اور اس کے مقدمہ کے دلیروں نے چندیری کے قلعہ پر قبضہ کرلیا اور راجہ کے اہل وعیال کو قید کر کے بادشاہ کے پاس بھیج دیا، راجہ کی دولڑکیاں اپنے حسن وجمال میں بے نظیر تھیں، بادشاہ نے ایک کو میرزا کامران کے پاس بھیج دیا اور دوسری میرزا محمد ہمایوں کو دی، بادشاہ دو مہینے تک اس جگہ سیر وشکار کرتا رہا، اس کے بعد آگرہ واپس ہوا۔

ورود لاہور اور جشن: تیسرے سال وہ لاہور کی طرف روانہ ہوا، سہرند میں کہلور کے راجہ نے سات باز اور تین من سونا نذرانے میں دیے، اس کو وہاں کا زمیندار مقرر کیا گیا، جب شاہی جھنڈا لاہور کے نواح میں سایہ افگن ہوا، تو میرزا کامراں شرف ملازمت سے مشرف ہوا، اُس نے آس پاس کے زمین داروں کو بھی آستاں بوسی کے لیے بلایا تھا، شاہی لشکر نے لاہور کے نواح میں نزول کیا، بادشاہ کا سراپردہ میرزا کامراں کے باغ میں نصب ہوا، وہاں خوشی کا ایک جشن منایا گیا جو تین روز تک رہا، اس کے بعد بادشاہ قلعہ میں داخل ہوا، اس وقت باغ سے شہر کے دروازہ تک شاہزادہ کے نوکر ریشمی اور زردوزی کے کپڑے پہن کر دولہا کی طرح آراستہ اور سپاہی سرخ وزرد علم کے ساتھ نوبہار کی طرح پیراستہ دونوں طرف کھڑے تھے، شاہی لشکر کے سامنے زرنگار ہاتھی بھی زیوروں میں لدے ہوئے پیش کیے گئے اور جب شاہی لشکر شہر کے دروازے میں داخل ہوا تو فقیروں اور محتاجوں پر روپیے پھینکے گئے، پھر سکندر لودی کے کوشک میں ایک بڑی مجلس منعقد ہوئی۔

بادشاہ پنجاب کے نواح میں سیر وشکار سے خوش ہوا، وہاں ایک سال ٹھہر گیا، میرزا ہندال کابل سے آکر پابوسی سے مشرف ہوا اور طرح طرح سے سرفراز کیا گیا، جاڑے کا موسم گذار کر وہ کابل واپس گیا، وداع کرتے وقت اس کو دو ہاتھی، چار گھوڑے، کمر بند اور مرصع خنجر عنایت کئے گئے، ۴ر شب رجب کو حضرت بادشاہ آگرہ کی طرف روانہ ہوئے۔

موہن مندا ہر کی سرکوبی: جب وہ سہرند پہنچے تو سامانہ کے ایک قاضی نے شکایت کی کہ موہن منداہر نے اس کی املاک کو جلا کر مال واسباب کو لوٹ لیا ہے اور اس کے لڑکے کو قتل کر دیا، حضرت بادشاہ نے علی قلی ہمدانی کو تین ہزار آدمیوں کے ساتھ مقرر کیا کہ منداہر سے بدلہ لیا جائے، علی قلی منداہر کے خلاف روانہ ہوا، اتفاق سے منداہر کے لڑکوں کا کار خیر (؟) انجام دیا جارہا تھا، بہت

سے لوگ جمع تھے، اس جگہ لڑائی شروع ہوگئی، جاڑے کا موسم تھا، شاہی لشکر وہاں پہنچا تو سردی کی وجہ سے لشکری اپنے کمان کو کھینچ نہ سکے، منداہر اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے تھے، آگ کے سامنے سے گرم گرم اٹھے اور ایسی کمان داری کی کہ شاہی لشکر تاب نہ لاسکا، بہت سے سپاہی مارے گئے، علی قلی کے سپاہی جنگل چلے گئے اور بہت سی لکڑیاں جمع کر کے جلائیں اور جب ان کی ٹھنڈک جاتی رہی تو پھر اس گاؤں پر حملہ آور ہوئے لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا، جب اس کی خبر بادشاہ کو ہوئی تو ترسم بہادر اور نورنگ بیگ کو چھ ہزار سواروں اور بہت سے ہاتھیوں کے ساتھ روانہ کیا، وہ راتوں رات وہاں پہنچ گئے، اتفاق سے اس رات کو بھی منداہروں کے یہاں کارِ خیر (جشن شادی) تھا، وہ عیش منا رہے تھے، رات کے آخری حصہ میں فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا، ایک پچھم کی طرف بھیج کر نمودار کیا گیا، منداہرے علی قلی کی شکست سے خیرہ سر ہو چکے تھے، وہ آگے بڑھے اور جو شاہی فوج بھیجی گئی تھی، وہ تجویز کے مطابق وہاں سے بھاگی، گنواروں نے اس کا تعاقب کیا اور اپنے گاؤں سے ایک کروہ آگے بڑھ آئے، ترسم بہادر نے موقع پاکر ان پر حملہ کر دیا، گاؤں میں آگ لگا دی اور قتل عام کیا، منداہروں نے آگ بھڑکتی دیکھی تو اپنے اپنے گھروں کی طرف بڑھے، شاہی فوج نے اُن کو راستہ میں روکا اور اپنی تلواروں کی زد لگائی، جس سے ایک ہزار آدمی قتل ہوئے اور ایک ہزار مرد و عورت اور بچے قید کر لیے گئے، خون کی نہر بہنے لگی، سروں کا ایک تودہ بن گیا، منداہر زندہ گرفتار کر لیا گیا اور اس گاؤں کے فتح کی خبر بادشاہ کو بھیجی گئی، یہ گاؤں پرگنہ کھتیل میں تھا اور اس وقت سے اب تک آباد نہ ہو سکا ہے، جب یہ قیدی دہلی لائے گئے تو ان کی عورتیں مغلوں کو دے دی گئیں، منداہر کو زمین میں کمر تک گاڑ دیا گیا اور اس کے اوپر سے تیروں کی بارش کی گئی، ہندوستان کے لوگوں کے دلوں میں فوج کا ایسا رعب بیٹھا کہ اس کے بعد کسی نے مخالفت کی جرأت نہیں کی اور نہ فرماں برداری سے منہ موڑا۔

ہمایوں کی ولی عہدی: اس کے بعد بادشاہ آگرہ کی طرف روانہ ہوا، یہاں سے محمد ہمایوں شاہزادہ کو ایک بھاری لشکر کے ساتھ صوبہ سنبھل بھیجا اور اس کو اپنا ولی عہد بنایا اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ جاڑے کی ایک رات میں بادشاہ نے شراب کا پیالہ نوش جاں کر کے محمد ہمایوں میرزا کو کسی کام کے لیے طلب کیا، جب یہ نونہال شاہی بادشاہ کے سامنے آیا تو وہ نشہ میں تھا، اس لیے وہ تکیہ

پر سر رکھ کر سو گیا، شاہزادہ اسی طرح دست بستہ کھڑا رہا، بادشاہ نے آنکھ کھولنے کے بعد دیکھا تو فرمایا تم کب آئے، عرض کیا کہ جب آپ نے یاد فرمایا تھا، بادشاہ کو یاد آیا تو بہت خوش ہوا، فرمایا، اگر خداوند تعالیٰ تم کو تخت و تاج دے تو اپنے بھائیوں کو قتل کرنے سے اغماض کرنا، شاہزادہ نے اپنا سر زمین پر رکھا اور منظور کرلیا، یہی وجہ تھی کہ میرزا کامراں، میرزا عسکری اور میرزا ہندال نے سیکڑوں مرتبہ بے ادبی کی، لڑائی بھی لڑے اور جب ان پر فتح ہوئی تو ان کے ناشائستہ افعال کو نظر انداز کردیا گیا اور جب وہ سامنے آئے تو ان کے ساتھ سیکڑوں مہربانیاں کی گئیں اور انھوں نے جو کچھ کیا اُن کو ان کے سامنے یاد نہیں دلایا گیا۔

مرض الموت: ہمایوں میرزا کو بھاری لشکر کے ساتھ سنبھل بھیجا گیا، دو تین مہینے کے بعد حضرت بادشاہ کے بدن پر بیماری ظاہر ہوئی، دریا کے کنارے جو باغ تھا، اس میں اس کو لے جایا گیا، امیر نظام الدین نے بادشاہت کا کاروبار جاری رکھا، جب بیماری روز بروز بڑھتی گئی تو بادشاہ کے دل میں یہ بات آئی کہ ایسی فکر کرنی چاہیے کہ یہ صاحب قراں ہی کا ملک رہے، کسی اور کے پاس نہ جائے، اس لیے اپنے گذشتہ انتخاب کی تصدیق کی، حضرت بادشاہ کی بیماری بڑھتی گئی اور وہ ۹۳۷ھ میں آگرہ میں اس جہانِ فانی سے بہشت جاودانی اور اس گلخنِ خاردار سے جنت گلزار کو سدھارے۔

نعمت اللہ مصنف مخزن افغانی یا تاریخ خان جہانی

''مخزن افغانی یا تاریخ خان جہانی جہاں جہانگیر کے عہد میں ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۳ء) میں لکھی گئی، اس کا مصنف جہانگیر کے عہد کا واقعہ نویس تھا، اس میں لودیوں اور سوریوں کے حالات بھی ملیں گے، اس میں سے ہم نے صرف پانی پت کی لڑائی کے اقتباسات لئے ہیں، جو اور تاریخوں سے کچھ مختلف نہیں ہیں، اس سے ایک عجیب بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ سلطان ابراہیم کی قبر پر حاجت برآری کے لیے لوگ جمع ہوا کرتے تھے، خان جہاں لودی جہانگیر کا ایک درباری امیر تھا، جو نعمت اللہ کا سرپرست رہا، اسی لیے اس تاریخ کا نام اسی کے نام پر رکھا گیا۔''

پانی پت کی لڑائی: جب دولت خاں نے دیکھا کہ سلطان ابراہیم کے قہر اور سزا سے کسی طور پر چھٹکارا نہیں ہے اور اس سے جنگ کرنے کی بھی قوت نہیں ہے، تو غازی خاں لودی اور دوسرے امیروں اور پنجاب کے جاگیرداروں سے مل گیا اور سلطان ابراہیم سے متنفر ہوگیا اور عالم خاں کے ذریعہ کابل محمد بابر بادشاہ کے پاس ہندوستان آنے کی ایک عرض داشت بھیجی، بادشاہ نے اپنے آنے سے پہلے عالم خاں کے ہمراہ امرائے نامدار کو مقرر کیا اور جب اس جماعت نے سیالکوٹ اور لاہور کو فتح کرلیا تو اس کی خبر بادشاہ کو بھیجی، وہ پہلی ربیع الاول کو کابل سے ہندوستان کی تسخیر کے لیے روانہ ہوئے، جب عالم خاں لاہور پہنچا، تو اس نے شاہی امرا سے کہا کہ تم لوگ میری مدد کے لیے آئے ہو، میرے ساتھ چلو تاکہ سلطان ابراہیم کو مغلوب کر کے دہلی کو تصرف میں لے آئیں، شاہی امرا نے اس کو منظور نہیں کیا، عالم خاں ان سے جدا ہوگیا اور چالیس ہزار سوار جمع کر کے دہلی کی طرف بڑھا اور دہلی پہنچ کر اس کا محاصرہ کرلیا، جب یہ خبر سلطان ابراہیم کو پہنچی تو وہ اسی ہزار سوار لے کر آگرہ سے روانہ ہوا، عالم خاں نے دہلی کا محاصرہ چھوڑ دیا اور سلطان ابراہیم کے لشکر سے چھ کروہ کے فاصلہ پر جا کر ٹھہرا اور آدھی رات کو سلطان ابراہیم کے لشکر پر شبخون مارا، سلطان ابراہیم کا لشکر تاب نہ لا سکا اور منتشر ہوگیا، سلطان اپنے نامی امیروں، مقربوں اور مخصوصوں اور پانچ ہزار

لشکریوں کے ساتھ ایک گوشہ میں آ کر کھڑا ہو گیا، جب صبح ہوئی تو خبر ملی کہ عالم خاں دو تین سو سواروں کے ساتھ کھڑا ہے اور تمام لشکر مالِ غنیمت کے لوٹ مار میں مشغول ہے، سلطان ابراہیم نے اس موقع کو غنیمت جانا اور طلوع آفتاب کے وقت لوہے کے ایک پہاڑ کی طرح روانہ ہوا اور عالم خاں کی فوج پر حملہ کر دیا، عالم خاں مدافعت کی تاب نہ لا سکا اور بھاگا اور میان دوآب کی طرف چلا گیا، اس کے اکثر سپاہی مارے گئے اور جو باقی رہے وہ بنات النعش کے ستاروں کی طرح پراگندہ اور پریشان ہو گئے، سلطان ابراہیم کی فتح ہوئی۔

اس اثنا میں حضرت بادشاہ لاہور پہنچ چکے تھے، دولت خاں اور غازی خاں اپنے قول کی بدعہدی کر کے قلعہ ملوٹ کی طرف چلے گئے، میر خلیفہ بڑے امرا اور ارکان دولت میں تھا، قلعہ ملوٹ کی طرف گیا، تو اس نے عالم خاں کو شاہی خدمت میں لا کر حاضر کر دیا، جس کے بعد اس کے ساتھ خاص عنایت کی گئی، چند دنوں کے بعد دولت خاں بھی آ کر حاضر ہو گیا، دلاور خاں لاہور میں حاضری کے شرف سے مشرف ہوا، حضرت بادشاہ لاہور لینے کے بعد سنام اور سامانہ کی طرف روانہ ہوئے، تردی بیگ خاں کو چار ہزار سواروں کے ساتھ طلیعہ کے طور پر آگے بھیجا، سلطان ابراہیم نے بھی اپنے امرا میں سے ایک بڑے امیر داؤد خاں کو دس ہزار سواروں اور چند ہاتھیوں کے ساتھ تردی خاں کے مقابلہ کے لیے مقرر کیا، جب تردی خان کو داؤد خاں کے پہنچنے کا حال معلوم ہوا تو اپنی فوج کو مسلح کر کے داؤد خاں کے لشکر پر شبخون مارا، جو تاب نہ لا سکا اور شکست کھا گیا، بہت سے لشکری مارے گئے، لشکر میں انتشار پھیل گیا اور جب داؤد خاں سلطان ابراہیم کے پاس پہنچا تو سلطان نے شاہانہ ہمت اور عزیمت کے ساتھ اپنی فوج کو آراستہ کیا، ایک لاکھ سوار اور پانچ ہزار ہاتھی، بہت سے پیادے اور بے شمار آتش بازی کے ساتھ محاربہ اور مقابلہ کے لیے تیار ہوا، پانی پت کے قصبہ میں فریقین کی لڑائی ہوئی، سلطان ابراہیم نے اپنی فوج کے قلب، یمین، یسار اور مقدمہ وغیرہ کو آراستہ کر کے لڑائی کی، فردوس مکانی (بابر) نے بھی اپنے جرانغار، برانغار، غول، ایلتمیش، ہراول اور چنداول کو ترتیب دیا، جمعہ کے روز رجب المرجب ۹۳۲ھ میں ایک دوسرے سے لڑائی ہوئی، محاربۂ عظیم اور مقاتلۂ شدید واقع ہوا، سلطان ابراہیم کے لشکر کو شکست ہوئی، دونوں طرف کے بہت سے لشکری شہید ہوئے، سلطان ابراہیم اپنے امیروں، مقربوں خاص

خاص لوگوں اور پانچ ہزار لشکریوں کے ساتھ جو اس کے گرد و پیش میں رہتے تھے، لڑائی کے میدان میں گرا، شادی خاں کا کر بہت بڑے امیروں میں تھا، وہ بھی شہید ہوا، ہندوستان کی سلطنت افغانوں سے نکل کر چغتائیہ کے دودمان عالی شان کے یہاں منتقل ہوگئی، سلطان ابراہیم کی حکومت آٹھ سال آٹھ مہینے اور اٹھارہ روز رہی اور اب جہاں اس کا مدفن ہے، وہاں ارباب سرور اور ارباب نشاط جمع ہوتے ہیں اور جمعہ کی رات کو سلطان کی روح کو نذرانے پیش کرتے ہیں، وہاں کافی مجمع ہوتا ہے، اہل حاجت اپنی حاجت پوری کرتے ہیں، ہندوستان میں سلطان ابراہیم کے سوا کسی اور بادشاہ کو شہادت کی عزت حاصل نہیں ہوئی۔

عبداللہ مصنف تاریخ داؤدی

''تاریخ داؤدی کا مصنف عبداللہ ہے، اس میں لودی اور سوری حکمرانوں کے حالات ہیں، داؤد شاہ بنگالہ کا آخری افغان حکمراں تھا، اس نے بنگالہ میں ۱۵۷۲ء سے ۱۵۷۶ء تک حکومت کی، عبداللہ نے اسی حکمراں کے نام پر اپنی کتاب کا نام رکھا ہے، اس نے بابر کے تفصیلی حالات تو نہیں لکھے ہیں لیکن سلطان ابراہیم لودی کے سلسلہ میں بابر کا ذکر آ گیا ہے، ہم نے صرف اتنے ہی حصہ کے اقتباسات اس کتاب میں شامل کئے ہیں، جس میں بابر کا ذکر ہے، عبداللہ نے دولت خاں کے ذکر میں بخل سے کام لیا ہے اور اس کی سرگرمیوں کا ذکر کرنے کے بجائے یکایک اس کی وفات کا ذکر کر دیا ہے، اس نے سلطان ابراہیم لودی کے دریا میں ڈوب کر ہلاک ہو جانے کی جو روایت لکھی ہے، اس کا ذکر کسی اور تاریخ میں نہیں لیکن اس روایت کو معتبر بنانے کے لیے ایک چشم دید راوی کا حوالہ دیتا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔''

سلطان ابراہیم کو اپنے امرا سے دشمنی: سلطان ابراہیم جیسے ناخدا ترس اور ناانصاف نے اپنے خیر اندیش امرا کو کسی قصور کے بغیر قید خانہ میں مروایا اور اپنی سلطنت کی دیوار کو اپنے ہاتھوں سے منہدم کیا، سلطان سکندر کے بڑے بڑے امرا کی ایک جماعت کثیر کو کسی قصور کے بغیر قتل کرایا، اس لیے ملک کی سرحد کی طرف جہاں بھی امرا تھے، اپنی حفاظت کرنے لگے تھے۔

دریا خاں لوحانی کا لڑکا پہاڑ خاں تھا، وہ سلطان ابراہیم سے برگشتہ ہوا، تو ایک لاکھ سواروں کا لشکر جمع کر کے بہار سے بنگالہ تک کو اپنے تصرف میں لے آیا اور سلطان محمد کے خطاب سے اپنے نام کا سکہ جاری کیا، دولت خاں ولد تاتار خاں سلطان سکندر کے ملازموں میں تھا، اس کے سپرد پنجاب کی حکومت تھی، اس کو لاہور سے طلب کیا گیا لیکن اس نے سلطان ابراہیم کے ڈر اور بدسلوکی کی وجہ سے آنے میں توقف کیا اور اپنے لڑکے دلاور خاں کو سلطان کی خدمت میں بھیجا، دلاور خاں سلطان کے پاس پہنچا تو اس نے کہا کہ تمہارے باپ جلدی نہ آئیں گے، تو

دوسرے امرا کی طرح گرفتار ہو کر سزا پائیں گے، دلاور خاں نے اپنے باپ کو یہ حال لکھ بھیجا، دولت خاں نے بیٹے کو جواب میں لکھا کہ جب تک میاں بھوا آکر مشورہ نہ دیں گے اور وہاں جانے کی رائے نہ ہوگی میں ہرگز نہ آؤں گا، تم میری فکر نہ کرو، دلاور خاں کو سلطان ابراہیم کے تغیر مزاج کی اطلاع ہوگئی، تو وہ متوہم ہوا، سلطان کے قہر اور سزا سے چھٹکارا نہ دیکھا تو بھاگ کر اپنے باپ کے پاس بھی نہیں گیا، دوسرے راستہ سے بابر بادشاہ کے یہاں کابل پہنچ گیا، ایک مدت تک وہاں رہا، افغانی امرا کے اختلاف کی حقیقت اور ماہیت اور سلطان ابراہیم سے ان کی نفرت کی تفصیل بابر بادشاہ کو بتائی، اسی اثنا میں سلطان ابراہیم نے میاں بھوا کو کسی قصور کے بغیر قید خانہ میں مروا ڈالا، بابر بادشاہ کو اس کی خبر ملی تو اس نے ابراہیم کی بدنصیبی کو اچھی طرح سمجھ لیا، کہ مخلص داناؤں کو قتل کر کے ضائع کرنا کسی زمانہ میں بھی کسی شخص کے لیے مبارک ثابت نہیں ہوتا ہے۔

دولت خاں نے بابر بادشاہ کو ہندوستان لانے کا ارادہ کیا، بابر بادشاہ نے بھی خدا کی امداد پر بھروسہ کر کے ہندوستان کی طرف توجہ کی، اثنائے راہ میں دولت خاں کی وفات ہوگئی۔

بہار میں سلطان محمد نے اپنے کو بادشاہ بنا رکھا تھا، اس کا بھی انتقال ہوگیا، شاہزادہ عالم خاں بن سلطان بہلول بھاگ کر سلطان مظفر کے پاس گجرات چلا گیا تھا، سلطان سکندر لودی کے امرا کو اس شاہزادہ کو بلا کر سلطان علاء الدین کا خطاب دیا اور اس کو سلطان ابراہیم کے مقابلہ میں کھڑا کیا لیکن وہ سلطان ابراہیم سے لڑنے کی طاقت اپنے میں نہیں پاتے تھے، اس لیے ان امرا نے ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ کو ماوراء النہر اور کابل سے بلایا، ہندوستان کی تسخیر کے اسباب اور مصالح بالکل اور پر ظاہر ہو گئے تھے، پھر بھی بابر بادشاہ نے امداد الٰہی پر توکل کیا اور ہندوستان آگیا، سلطان ابراہیم بھی لڑائی کے لیے بڑھا اور ابھی وہ دہلی کے نواح میں پہنچا بھی نہ تھا کہ اس کے بڑے بڑے امرا نے جو اس سے مایوس ہو کر مناسب موقع کے منتظر تھے، ہندوستان میں بابر کے آنے کی خبر سُن کر چالیس ہزار سواروں کے ساتھ سلطان ابراہیم کے آنے سے پہلے دہلی کا محاصرہ کر لیا، ان باغیوں کے پانچ سردار تھے، عالم خاں، دلاور خاں، محمود خاں، خان جہاں، اسمٰعیل خاں جلوانی، یہ سب مل کر سلطان کی مخالفت کے لیے آگے بڑھے۔

سلطان ابراہیم کو اس کی خبر ملی تو اس نے پہلے باغیوں کے اس فتنہ کو دفع کرنے کی

کوشش کی، عالم خاں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا، تمام افغانوں کی یہ رائے ہوئی، سلطان ابراہیم کا لشکر پہنچ گیا ہے، افغان قوم کو اپنے ناموس کا بہت خیال رہتا ہے، ان کے لیے لڑائی کے وقت اپنے ولی نعمت سے برگشتہ ہوکر دشمن سے مل جانا بہت بڑا عیب و عار ہے، اگر سلطان ابراہیم نے دن کے وقت جنگ کی تو یقین ہے، شرم سے کوئی شخص بھی ہماری طرف نہ رہے گا، اس لیے مناسب ہے کہ سلطان ابراہیم کے لشکر پر شب خون مار کر لڑائی کی جائے، لشکر کی چھ جماعتیں سلطان ابراہیم پر شب خون مارنے کے لیے سوار ہوئیں اور رات کے آخری حصہ میں سلطان ابراہیم کے لشکر کے پاس پہونچیں، سلطان ابراہیم کی طرف جلال خاں اور دوسرے امرا موقع کی تلاش میں تھے، وہ سلطان ابراہیم سے برگشتہ ہوکر دشمنوں سے آملے، سلطان ابراہیم اپنے لشکر کے منتشر ہوجانے پر اپنے خاصہ خیل کے ساتھ اپنے سراچہ میں متمکن رہا اور آفتاب کے طلوع ہونے تک لڑائی نہیں کی اور نہ وہاں سے فرار ہوا، دشمن کے لشکر کی جماعت مال کی لوٹ مار کے لالچ میں منتشر ہوگئی تھی، طلوع آفتاب کے بعد صبح کے وقت سلطان کی نظر دشمن کی فوج کے قلب (مرکز) پر پڑی، اس نے دیکھا کہ عالم خاں چند لشکریوں کے ساتھ کھڑا ہے، وہ عالم خاں پر حملہ آور ہوا جو بھاگ کھڑا ہوا، پھر جتنے لشکری لوٹ مار میں مشغول تھے، اپنی اپنی جگہوں سے بھاگے اور جو باغی اس میں مل گئے تھے وہ سب پراگندہ ہوگئے، عالم خاں میان دوآب چلا گیا اور وہاں سے بابر بادشاہ کے یہاں پہنچا، نمک حرامی مبارک نہیں ہوتی اور کسی بھی نوکر کے لیے یہ مبارک نہیں، ۴۰ ہزار افغان سوار یک دل ہوگئے تھے لیکن کچھ نہ کرسکے اور سب آوارہ ہوکر بکھر گئے۔

بابر بادشاہ سلطان ابراہیم کے یہاں کا انتشار سن کر دہلی کی طرف متوجہ ہوا، سلطان ابراہیم دہلی سے کوچ کرکے سرہند کی طرف روانہ ہوا، اس اثنا میں سلطان ابراہیم نے نجومیوں کی ایک حاضر جماعت کو زائچہ اور طالع دیکھنے کو کہا کہ فتح کس کی ہوگی، نجومیوں میں ایسے لوگ موجود تھے جو سرآمد روزگار او ور اپنے فن میں بے نظیر اور بے عدیل تھے، انھوں نے علم نجوم سے نتیجہ نکال کر یہ بتایا کہ ستاروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے تمام ہاتھی اور گھوڑے مغلوں کے لشکر کے پاس چلے جائیں گے، یہ سن کر سلطان ابراہیم نے حاضرین سے کہا کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہم کو مغلوں پر فتح ہوگی، نجومیوں نے کہا، ''ایسا ہی ہو'' لیکن جو سمجھ دار نجومی تھے لڑائی چھوڑ کر اپنے گھروں

کو محفوظ چلے گئے اور جن نجومیوں نے سلطان ابراہیم کے کہنے کا ساتھ دیا، انھوں نے قیدی بن کر اپنے کو بادفنا کے حوالے کیا، سلطان ابراہیم کے تمام ہاتھی اور گھوڑے مغلوں کے لشکر میں چلے گئے اور بہت سے افغان سونی پت سے بھاگ کر بابر بادشاہ کے پاس پہنچ گئے، سلطان ابراہیم کے خاصہ خیل میں سے حمید خاں حصار فیروزہ سے ایک لشکر کے ساتھ سلطان کی مدد کے لیے آرہا تھا کہ درمیان ہی میں ہمایوں سے لڑائی ہوئی اور حمید خاں کو شکست ہوئی اور یہ لشکر بھی منتشر ہوگیا، سلطان ابراہیم نے داؤد خاں کو پانچ، چھ ہزار سواروں کے ساتھ اپنے لشکر کے آگے آگے ہراول کے طور پر بھیجا۔

پانی پت کی جنگ: دوسری طرف بابر بادشاہ اپنے لشکریوں کو جمعرات کے دن آخری جمادی الاول کو پانی پت سلطان ابراہیم کے لشکر سے چھ کروہ دور پہنچ گیا، بابر کے لشکر میں پندرہ ہزار سوار، پیادے اور کچھ ہاتھی تھے، سلطان ابراہیم کے لشکر میں ایک لاکھ سوار اور ایک ہزار ہاتھی تھے، سلطان ابراہیم اور بابر بادشاہ کے درمیان ایک مہینہ تک مقابلہ رہا، جمعہ کے دن آٹھویں رجب ۹۳۲ھ کو موت کے ہاتھ نے سلطان ابراہیم کی جان کا گریبان پکڑا اور سلطان اپنی آراستہ فوج کے ساتھ بابر بادشاہ کے مقابلہ کے لیے بڑھا، اس طرف سے بابر بادشاہ نے بھی حرکت کی، طرفین کی فوج ایک دوسرے سے قریب ہوئی تو بابر بادشاہ نے حکم دیا کہ مغلوں کی فوج دو حصوں میں تقسیم ہوجائے اور ہراول اپنی جگہ پر رہے، مغل فوج کے یہ دو حصے سلطان ابراہیم کے لشکر کے عقب میں جا کر لڑائی لڑے، سلطان ابراہیم کا لشکر بہت بڑا تھا لیکن اس کے اکثر سپاہی اور امرا بددل اور رنجیدہ تھے، دونوں بادشاہوں کے درمیان آفتاب نکلنے پر بڑی سخت لڑائی ہوئی، زمانہ کی آنکھ اتنی خونریزی دیکھ کر خیرہ ہوگئی، سلطان ابراہیم کے لشکر کی ایک جماعت قتل ہوگئی اور جو جماعت سلطان سے آزردہ تھی، وہ جنگل کی طرف چلی گئی، اس وقت سلطان کے ایک مقرب نے کہا کہ اب صلاح دولت یہی دیکھتا ہوں کہ حضرت اس لڑائی سے باہر ہوجائیں اور اس کے بعد جو تدبیر ہو وہ عمل میں لائی جائے، سلطان ابراہیم نے کہا ''تم نہیں دیکھتے کہ بادشاہ سرخ خیمہ نصب کرتے ہیں جو ان کی سرخروئی کی علامت ہے، میں بھی اپنے خون سے سرخ ہو چکا ہوں، سرخروئی کا لباس اپنے اوپر ڈال چکا ہوں، زرد رو کیوں کر ہوں اور پھر یہ شعر پڑھا:

دگر سوئے رویم آں خود نہ مردی است ۔۔۔ نہ کار سرخرویاں روئے زردی است

سلطان ابراہیم اپنے پاس رہنے والے پانچ ہزار سواروں کے ساتھ قتل ہوا، ہزاروں لشکری اس جنگ میں شریک ہوئے تھے، ان کا نام ونشان باقی نہ رہا، سلطان ابراہیم کی سلطنت کے زوال کا سبب یہ تھا کہ اس نے امرا کی خاطر داری اور لشکریوں کی دلجوئی میں کوتاہی کی، یہاں تک کہ اس کو یہ دن دیکھنا پڑا کہ اس کی سلطنت اور زندگی دونوں فنا ہو کر رہ گئیں، بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ سلطان ابراہیم کو ایک ویرانہ میں پہچانا گیا، جہاں وہ اپنے پاس رہنے والے لشکریوں کے ساتھ ہلاک ہو گیا تھا، اس کا سر کاٹ کر بابر بادشاہ کے سامنے لایا گیا۔

ایک شخص نے جو اس لڑائی میں موجود تھا اس لڑائی کو ہندی زبان کے ان شعروں میں اس طرح بیان کیا ہے:

نو سے اوپر ہتابتیا پانی پت میں بھارت دیسا
ساتویں رجب آچت ڈارا بابر جیتا براہم ہارا

سلطان ابراہیم کی موت: ایک معتبر راوی جس کی عمر ایک سو بیس برس کی تھی، یہ کہتا تھا کہ میں اس لڑائی میں سلطان ابراہیم کے ساتھ تھا، جب سلطان ابراہیم کے لشکر کو شکست ہوئی تو سلطان پانی پت اپنے لشکر کی طرف آیا، جو دریائے جمنا کے کنارے آکر ٹھہر گیا تھا، سلطان اُس روز ایک سیاہ رنگ کے عراقی گھوڑے پر اپنے شاہانہ لباس کے ساتھ سوار تھا، وہ چند ہمراہیوں کے ساتھ دریا کے کنارے پہنچا، تو وہ پانی پت کے ایک دیہات ہرانہ کے دریا کو عبور کر کے میان دوآب کی طرف چلا جانا چاہتا تھا، کشتی تلاش کی تو کہیں نہیں ملی، اپنے عراقی گھوڑے کو چند سواروں کے ساتھ دریا میں ڈال دیا، گھوڑے نے پانی کا کچھ حصہ طے کیا تھا کہ اس راوی کا بیان ہے کہ میں نے کنارہ پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ سلطان ابراہیم اپنے لباس اور گھوڑے کے ساتھ اسی ہرانہ گاؤں میں بحر فنا میں غرق ہو گیا، دونوں صورتوں سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ اس لڑائی میں مارا گیا۔

سلطان ابراہیم کی حکومت کی مدت آٹھ سال چند مہینے رہی، ہندوستان میں افغان لودیوں کی سلطنت، سلطان ابراہیم کے بعد ختم ہو گئی، چوہتر سال ایک مہینہ اور آٹھ روز تک بہلول، سکندر اور ابراہیم نے ہندوستان میں سلطنت کے کام انجام دیے، جس کے بعد ان کی ہستی ختم ہو گئی۔

ملا عبدالباقی نہاوندی مصنف مآثر رحیمی

"ملا عبدالباقی نہاوندی نے ۱۰۲۵ھ/ ۱۶۱۶ء میں عبدالرحیم خانخاناں کی فرمائش پر مآثر رحیمی کے نام سے تین ضخیم جلدیں لکھی، پہلی جلد میں عبدالرحیم خانخاناں کے خاندان کے حالات کے ساتھ غزنہ، بنگالہ، جون پور، مالوہ، مندو، کشمیر، ملتان، غور اور دہلی کے سلاطین کے تاریخی حالات ہیں، اس کے بعد مغل فرماں رواؤں میں بابر ہمایوں اور اکبر کی تاریخ قلم بند کی گئی ہے، دوسری جلد میں خانخاناں بیرم خاں کے سوانح کے ساتھ عہد اکبری کے بھی حالات ملیں گے، اس میں گجرات، برہان پور، سندھ، خاندیس، دکن اور برار کے فرمانرواؤں کا بھی ذکر آ گیا ہے، تیسری جلد میں اُن علما، فضلا، شعرا اور ایسے ممتاز لوگوں کا ذکر ہے جو عبدالرحیم خانخاناں کے دربار سے وابستہ رہے، یہ جلد زیادہ اہم ہے اور ۶۹۹ صفحوں پر مشتمل ہے۔

اس کتاب سے بابر کے متعلق جو اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں، اُن سے کوئی نئی معلومات کا اضافہ نہیں ہوتا، کیونکہ مصنفؒ نے اکبر نامہ ہی کو سامنے رکھ کر اس کی عبارتیں تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ نقل کر دی ہیں، کہیں کہیں طبقات اکبری کی بھی عبارت آ گئی ہے، البتہ کچھ نام اکبر نامہ کے ناموں سے مختلف ہو گئے ہیں، جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، مثلاً چغتائیان کو چغتائیان، دوگی کو کی، کوہاٹ کو کھیت، غرو کو ہمبر، غزنگر کو بکو، لوحانی کو نوحانی، فرلی کو قرلی، لوحانیان کو نوحانیاں، نریت ہاڈا کو ربت ہا، نرسنگھ دیو کو برسنگ، ابوالوجد کو ابوالواجد، دولدی کو دولوی، کیچک کو کجی بیگ، وغیرہ وغیرہ لکھ دیا گیا ہے، اس میں محمد علی جنگ جنگ لکھا گیا ہے، تزک بابری کے اردو ترجمہ میں جنگ جنگ ہے اور انگریزی ترجمہ میں جنگ جنگ اور اکبر نامہ میں محمد علی جنگ جنگ ہے، تاریخ فرشتہ میں خنگ جنگ ہے، خنگ کے معنی گھوڑے کے ہیں، اس لیے خنگ جنگ ہی بظاہر صحیح معلوم ہوتا ہے۔"

قصد ہندوستان: حضرت گیتی ستانی فردوس مکانی ظہیرالدین محمد بابر بادشاہ چار مرتبہ ہندوستان

کی تسخیر کے لیے متوجہ ہوئے لیکن اپنے ارادے کے باوجود بعض حادثے کی بنا پر ہر بار مراجعت فرمائی، پہلی بار ۹۱۰ھ میں بادام چشمہ اور چکد لیک کے راستہ سے خیبر ہوتے ہوئے جم میں نزول اقبال فرمایا، واقعات بابری ترکی زبان میں اپنے خامۂ صدق سے لکھی ہے، اس میں تحریر فرمایا ہے کہ جب کابل سے چھ منزل ادینہ پور پہنچے تو گرم سیر اور ہندوستان کا علاقہ پہلے نہ دیکھا تھا، وہاں پہنچ کر دوسری دنیا نظر آئی، گھاس اور درخت خاص طریقے کے تھے، وحوش وطیور کا طرز بھی دوسرا تھا، یہاں کے لوگوں کے رسم ورواج شہر اور گاؤں بھی علاحدہ تھے، ساری چیزیں نئی تھیں، جن کو دیکھ کر در حقیقت حیرت ہوئی۔

اس منزل پر ناصر میرزا غزنیں سے آکر بساط بوسی کے شرف سے مشرف ہوا، یہاں پر ایک مجلس منعقد ہوئی، کہ شاہی لشکر دریائے سندھ کو جو نیلاب کے نام سے مشہور ہے، کس طرح عبور کرے، باقی چغتائیاں (؟) کی نحوست کی وجہ سے سندھ کا عبور کرنا ملتوی کیا گیا اور کھیت (؟) کی طرف رخ مڑ گیا، کھیت (؟) بنگش اور اس کے علاقہ کو تاراج کیا، وہاں سے چل کر تربیلہ میں نزول اجلال کیا، جو دریائے سندھ کے کنارے ملتان کے توابع میں ہے اور وہاں سے کی (؟) میں نزول اجلال فرمایا، وہاں سے غزنیں آئے اور ذی الحجہ میں کابل رونق پذیر ہوئے۔

دوسرا حملہ: دوسری جمادی الاول ۹۱۳ھ میں خورد کابل کے راستہ سے ہندوستان کی طرف چلے، مندراول، بعبر (؟) اور شیوہ سے گذرے تو ہم راہیوں کی رائے کے اختلاف سے مراجعت کی، عبر بکنر اور نور کل کو عبور کیا اور جالہ آئے، پھر شاہی لشکر بادیخ ہوتا ہوا کابل پہنچا، بادیخ کے اوپر ایک پتھر ہے، حضرت بادشاہ کے حکم سے اس پتھر پر ایک تاریخ لکھ دی گئی ہے، جواب تک ہے، اس وقت تک حضرت بادشاہ صاحب قرانی کی اولاد کو میرزا کہا جاتا تھا، اس تاریخ سے وہ بادشاہ کہلائے جانے لگے۔

ہمایوں کی پیدائش: اس مبارک سال میں منگل کے دن ۴؍ذی القعدہ کو کابل کے قلعہ میں حضرت جہاں بانی جنت آشیانی نصیر الدین محمد ہمایوں کی ولادت ہوئی۔

تیسرا حملہ: تیسری مرتبہ دوشنبہ پہلی محرم ۹۲۵ھ کو حضرت بادشاہ بجور کی طرف بڑھے، سلطان علاء الدین سوادی نے حاضر ہونے کی سعادت حاصل کی، بجور کا قلعہ تصرف میں آگیا اور یہ

خواجہ کلاں بیگ ولد مولانا محمد صدر کے حوالے کر دیا گیا، خواجہ کو حضرت بادشاہ سے بڑا لگاؤ رہا تھا، اس کے چھ بھائی بڑی خدمت انجام دیتے ہوئے کام آئے تھے، حضرت بادشاہ اس یورش میں سواد کی تسخیر میں مشغول تھے، کہ یوسف زئی کے ایک بڑے سردار شاہ منصور کے بھائی طاؤس خاں نے شاہ منصور کی لڑکی لاکر اپنی عاجزی اور انکسار کی زبان کھولی، ہندوستان کی تسخیر کا مصمم ارادہ کر کے اس کی طرف آگے بڑھے، جمعرات کی صبح ۱۶ محرم کو دریا عبور کر کے کچھ کوٹ میں نزول فرمایا، بھیرہ سے سات کروہ پر اتر کی طرف ایک پہاڑ ہے، اس کا نام ظفر نامہ وغیرہ میں کوہ جود لکھا ہوا ہے، یہاں شاہی لشکر خیمہ زن ہوا، حضرت بادشاہ نے واقعات میں لکھا ہے کہ اس تاریخ تک اس پہاڑ کی وجہ تسمیہ ظاہر نہ تھی، آخر میں یہ معلوم ہوا کہ اس پہاڑ میں ایک باپ سے دو خیل ہوئے، ایک قبیلہ کو جود اور دوسرے کو جنجوہہ کہتے تھے، عبدالرحیم شقاول کو بھیرہ کے لوگوں کی دلجوئی کے لیے بھیجا گیا، بھیرہ سے امان دینے کے صلہ میں چار لاکھ شاہ رخی کی رقم لی گئی، جو ہندو بیگ کو عنایت ہوئی اور وہ اس علاقہ کی حفاظت کے لیے بھی مقرر رہا، ملا مرشد کو سلطان ابراہیم بن سلطان سکندر لودی کے پاس جو ہندوستان کا بادشاہ تھا، پیام لے کر بھیجا گیا، لاہور کا حاکم دولت خاں تھا، اس نے ایلچی مذکور پر نظر رکھی اور اس کو بے نیل مقصود واپس کر دیا۔

ہندال کی پیدائش: جمعہ کے روز ۲ ربیع الاول کو میرزا ہندال کے تولد ہونے کی خبر ملی۔

کابل کو واپسی: ہندو بیگ کو بھیرہ کے انتظام کے لیے چھوڑ کر حضرت بادشاہ کابل کی طرف روانہ ہو گئے، ہندو بیگ لاپروائی سے بھیرہ کو چھوڑ کر کابل چلا آیا۔

چوتھا حملہ: چوتھے حملہ کی تاریخ نظر سے نہیں گذری لیکن بظاہر اسی یورش میں لاہور کی فتح ہوئی اور دیبال پور کی فتح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۹۳۰ھ میں واقع ہوئی اور چونکہ ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے، اس لیے ہندوستان کی فتح میں دیر ہوئی۔

پانچواں حملہ: پانچویں مرتبہ حضرت بادشاہ اقبال ازلی کی سپہ سالاری میں جمعہ کے روز پہلی صفر ۹۳۲ھ کو رکابِ توکل میں پائے عزیمت رکھ کر ہندوستان کی طرف بڑھے، نظام الدین احمد بخشی نے طبقات اکبری میں لکھا ہے کہ دولت خاں، غازی خاں اور سلطان ابراہیم کے دوسرے بڑے امرا نے متفق ہو کر حضرت فردوس مکانی کی خدمت میں عالم لودی خاں کو ایک

عرض داشت دے کر بھیجا کہ وہ اپنے قدوم نصرت لزوم سے ہندوستان کو شرف بخشیں، حضرت فردوس مکانی نے عالم خاں کے ساتھ امرا کی ایک جماعت کو مقرر کیا کہ وہ آگے بڑھ کر سیالکوٹ، لاہور اور ان کے حدود کو تسخیر کر لیں، حضرت فردوس مکانی عنایت ازلی کے ساتھ کابل سے روانہ ہوئے، شیخ ابوالفضل نے لکھا ہے کہ حضرت بادشاہ کابل سے اپنے ارادہ سے چلے، قندھار کو میرزا کامراں کے حوالے کیا اور جب یہ یورش شروع ہوئی، تو فتح پر فتح ہوتی گئی اور ہندوستان جیسے بلادِ اعظم کے بعض علاقے شاہی تصرف میں آئے۔

۱۷ر صفر کو باغ وفا میں شاہی لشکر خیمہ زن تھا، تو حضرت جہاں بانی جنت آشیانی نصیر الدین محمد ہمایوں بدخشاں سے چل کر وہاں پہنچے، خواجہ کلاں بیگ بھی غزنیں سے آیا، فوج دیکھی گئی تو عرض (معائنہ) میں بارہ ہزار سوار ترک، تاجیک اور سوداگر لکھے گئے، جہلم کے اوپر دریا بہت کو عبور کیا گیا اور سیالکوٹ کے پاس شاہی جھنڈا لہرایا۔

بہلول پور کی آبادی: اس موقع پر حضرت بادشاہ کے جی میں آیا کہ سیالکوٹ کو ویران کر کے بہلول پور آباد کیا جائے، دشمنوں کی خبریں برابر آرہی تھیں، اس لیے وہ کلانور چلے گئے، محمد سلطان میرزا اور عادل سلطان لاہور کی حفاظت کے لیے مامور کیے گئے تھے، وہ آکر ملے۔

تسخیر ملوت: ملوت کے قلعہ کی تسخیر ہوگئی، اس وقت حصار فیروزہ کا حاکم حمید خاں جرأت کر کے دو تین منزل آگے بڑھ گیا تھا، نصیر الدین ہمایوں کو اس کے خلاف روانہ کیا گیا، وہ عنایت ازلی کی مدد سے مظفر و منصور ہو کر شاہی لشکر کے مستقر پر واپس آگئے، فیروزہ کا حصار ایک کرور نقد کے ساتھ ان کو اس فتح کے انعام میں عنایت کیا گیا، شاہی فوج آگے بڑھتی گئی۔

پانی پت کی لڑائی: برابر خبر مل رہی تھی کہ سلطان ابراہیم ایک لاکھ سوار اور ایک ہزار ہاتھی کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا، شاہی فوج سرسادہ کے پاس خیمہ زن ہوئی، خواجہ کلاں بیگ کے ملازم حیدر علی کو مخبری کے لیے بھیجا گیا تھا، وہ آیا تو اس نے عرض کیا کہ سلطان ابراہیم کے لشکر سے داؤد خاں اور حاتم خاں پانچ ہزار سواروں کے ساتھ آگے آگے آرہے ہیں، چنین تیمور اور محمد سلطان کی تھوڑی سی توجہ سے حاتم خاں گرفتار ہو گیا اور ایک فتح ہوگئی۔

جمعرات کے روز آخری جمادی الآخر کو پانی پت کے شہر پر ہمائے دولت نے اپنا بازو

پھیلایا اور فوج کی صفیں قاعدہ کے مطابق مرتب ہوئیں، سلطان ابراہیم شہر سے چھ کروہ پر لڑائی کے میدان میں آراستہ ہوا، ایک ہفتہ تک پانی پت میں اجتماع رہا، ہر روز لشکر کے جوان اور تجربہ کار بوڑھے لڑائی لڑتے، دشمن کی صفوں میں چلے جاتے اور توفیق ازلی سے غالب آتے:

دلیران ستادند پا کردہ سخت ستادن درآموخت ذیشاں درخت

شاہی فوج کو پے در پے حملوں اور لڑائیوں سے ایک بڑی فتح حاصل ہوگئی، سلطان ابراہیم نادانستہ طور پر ایک گوشہ میں قتل ہوا، اس کے جسم کے پاس ایک گوشہ میں پانچ چھ ہزار آدمی مرے ہوئے پڑے تھے، آفتاب ایک نیزہ بلند ہوا تھا کہ شاہی لشکر نے لڑائی چھیڑی تھی لیکن آدھا دن گذرا تھا کہ فتح و نصرت کی نسیم چلنے لگی، اس فتح کا بیان کس طرح کیا جائے، حضرت فردوس مکانی کے ساتھ اس لڑائی میں بارہ ہزار لشکری سے زیادہ نہ تھے، گو ان کے پاس بدخشاں، قندھار و کابل کے علاقے تھے، سلطان ابراہیم کے ساتھ ایک لاکھ سوار اور ایک ہزار جنگی ہاتھی تھے، اس کے قبضہ میں بھیرہ سے بہار تک کے علاقے تھے، محض توفیق الٰہی سے یہ بڑا کام انجام پا گیا، حضرت گیتی ستانی فردوس مکانی سجدۂ شکر بجالائے۔

آگرہ میں انعامات: فتح کے دن امرا کے ساتھ حضرت جہان بانی جنت آشیانی (ہمایوں) کو سلطان ابراہیم کے پایۂ تخت آگرہ بھیجا گیا کہ وہاں پہنچ کر اس کی حفاظت کریں، محمد سلطان میرزا، سید مہدی خواجہ اور عادل سلطان کو دہلی کے خزانے پر قبضہ کرنے کے لیے وہاں بھیجا گیا اور خود حضرت بادشاہ نے بدھ کے روز رجب کے مہینہ میں دہلی میں نزول اجلال فرمایا، جمعہ کے روز ۲۱ رجب کو ان کا چتر اقبال آگرہ پہنچا، کابل اور بدخشاں فتح نامے بھیجے گئے، ہندوستان کے چھوٹے بڑے سب ہی شاہانہ عواطف اور مراحم سے نوازے گئے، سلطان ابراہیم کی ماں اور اولاد کو شاہانہ عنایتوں سے مال اور خزانے مراحمت کیے گئے، سلطان ابراہیم کی ماں کو سات لاکھ تنکے مزید مقرر ہوئے، حضرت جنت آشیانی پہلے ہی آگرہ پہنچ گئے تھے، ان کو یہاں آٹھ مثقال کا ایک ہیرا مل گیا تھا، جس کے متعلق مبصروں کا تخمینہ تھا کہ اس کی قیمت دنیا کے روزمرہ کے اخراجات کی نصف رقم تھی، یہ ہیرا سلطان علاء الدین کا تھا، جس کو گوالیار کے راجہ بکر ماجیت کی اولاد نے حاصل کیا تھا، یہ ہیرا حضرت جنت آشیانی ہمایوں نے حضرت گیتی ستانی کو پیش کیا،

انہوں نے قبول کر کے پھر ان کو واپس کر دیا۔

سنیچر کے دن ۲۹/ رجب کو خزانے کو دیکھنا اور تقسیم کرنا شروع کیا، یہ خزانہ کئی سلاطین نے جمع کیا تھا لیکن اس کو امرا اور اعیان سلطنت میں اعلیٰ قدر مراتب تقسیم کر دیا اور شاہی لشکر میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو اس سے بہرہ ور نہ ہوا، میرزا کامران، میرزا عسکری، میرزا ہندال اور محمد زماں میرزا اس لڑائی کے موقع پر نہ تھے لیکن ہر ایک کو ستر لاکھ سکندری تنکے تحفہ کے طور پر بھیجے، خراسان، عراق اور ماوراء النہر کے امرا اور اعیان حکومت کو بھی تحفے ارسال کیے، خراسان اور سمرقند کے متبرک مزارات کے لیے ہدیے روانہ کیے، فرمان جاری ہوا کہ کابل، صددرہ، درسک، خوست اور بدخشاں کے ہر مرد وعورت کو ایک شاہ رخی پہنچائی جائے۔

زر افشاندنِ دستِ گوہر نثار نشاطے نو انگیخت درروزگار
چو شست ارمغانی کہ آید ز ددر کہ مہ برزمیں ریز داز چرخ نور

بابر کا استقلال: جب اس دنیا کا مالک چاہتا ہے کہ کسی کا عدیم المثال جوہر ذاتی ظاہر ہو تو عجیب واقعات سامنے لے آتا ہے، تاکہ وہ حزم واحتیاط سے کام لے کر اپنے ثبات واستقلال کے جلوے دکھائے، فردوس مکانی کے سوانح حیات اسی عبرت کے لیے ہیں، اس فتح وبخشش کے باوجود ہندوستان کے لوگوں کی طرف عدم موانست کا اظہار ہوا، سپاہی اور رعیت ملنے جلنے سے اجتناب کرتے رہے، دہلی اور آگرہ تصرف میں آگیا تھا لیکن اطراف وجوانب میں مخالفین موجود تھے، سنبھل کا حصار قاسم سنبھلی کے پاس تھا، بیانہ کے قلعہ میں نظام خاں مخالفت کر رہا تھا، حسن خاں میواتی میوات کو مستحکم بنائے ہوئے تھا، دھول پور پر محمد زیتون، حصار گوالیار پر تاتار خاں سارنگ خانی، اٹاوہ پر قطب خاں، کالپی پر عالم خاں، مہاون پر سلطان ابراہیم کے غلام مرغوب کا قبضہ تھا، قنوج اور گنگا کے دوسری طرف کے علاقے افغانوں کے تصرف میں تھے، نصیر خاں نوحانی (؟) اور معروف قرملی، سلطان ابراہیم کی شکست کے بعد اکثر علاقوں پر قابض ہو گئے تھے اور ایک دو کوچ کر کے دریا خان کے لڑکے پہاڑ خاں کو تخت پر بٹھا کر سلطان محمد کا لقب دے رکھا تھا۔

بابر کے ہم راہیوں کی بددلی: اس سال جب کہ حضرت بادشاہ آگرہ میں تھے، ایک بڑی جماعت گرم اور مسموم ہوا، وبا اور توہم سے گھبرا کر اپنی کم عقلی کی وجہ سے بھاگ گئی، دشمنوں،

راستوں کے مسدود ہونے سے معیشت کی تنگی اور اجناس کے فقدان سے لوگ تنگ ہو گئے تھے، امرانے کابل جانے کا ارادہ کرلیا، لشکر کے جوان رخصت لیے بغیر جانے لگے، پرانے سپاہی اور قدیم امرا غیر ملائم باتیں کرتے جو بادشاہ کی مرضی کے خلاف ہوتیں لیکن وہ اپنی دور بینی اور برد باری سے ان کو نظر انداز کرتے اور ملک کے انتظام میں لگے رہتے، یہاں تک کہ اس جماعت والوں سے بے مزہ حرکتیں عمل میں آنے لگیں، خاص طور پر احمدی پروانچی اور ولی خازن کی رائے بدل گئی اور تعجب خواجہ کلاں بیگ پر تھا، وہ ہمیشہ مردانگی کی باتیں کرتا اور اس یورش میں خاص طور پر مردانگی دکھائی لیکن اس کی رائے بھی بدل گئی اور وہ ہندوستان چھوڑنے پر زور دینے لگا، بالآخر حضرت بادشاہ نے امرا کو طلب کیا اور اپنی خردمندانہ نصیحتوں سے ان کو مطمئن کیا تاکہ وہ شور انگیز اور فتنہ زا باتیں نہ کریں، انھوں نے فرمایا جو جانا چاہتا ہے، وہ چلا جائے لیکن ہم نے اس ملک کو اتنی مشقت سے فتح کیا ہے تو توفیق الٰہی سے ہم اس کو نہ چھوڑیں گے، آخر ارکانِ دولت نے بہت تامل کے بعد ان کی باتوں کو قبول کیا، خواجہ کلاں بیگ جانے پر مصر تھا، اس لیے شہزادوں اور امیروں کے لیے تحفے اس کے ساتھ کر دیے اور اس کے لیے غزنین، گردیز اور ہزارچہ سلطان مسعودی جاگیر میں مقرر کیے۔

جو کوئی عقل و دور اندیشی سے کام لیتا ہے وہ یقینی طور پر عالی رتبہ پر پہنچتا ہے، اس کا نمونہ حضرت بادشاہ تھے، سپاہیوں کی کمی اور مخالفوں کی زیادتی کے باوجود جہانگیری کی ہمت کی اور عنایت الٰہی پر توکل کر کے آگرہ کو اپنی بادشاہت کے تخت کا مستقر بنایا اور اپنی تدبیر، شجاعت اور داد و دہش سے اس کا انتظام کیا، ہندوستان کے اکثر امرا نے آکر بساط بوسی کی سعادت حاصل کی اور وہ انعامات سے سرفراز ہوئے، اس اجمال کی تفصیل اکبر نامہ سے ظاہر ہوگی اور تھوڑے زمانے میں امن و امان قائم ہو گیا۔

عید شوال کے بعد آگرہ کے دارالخلافت میں ایک بڑا جشن منایا گیا، سنبھل جنت آشیانی (ہمایوں) کو جاگیر میں دیا گیا، جو حصار فیروزہ سے پہلے ان کو انعام میں دیا جا چکا تھا، سنبھل کا مزید اضافہ ہوا، امیر ہندو بیگ کو اس کی وکالت کے لیے مقرر کیا گیا، بتن افغان نے آکر قلعہ سنبھل کا محاصرہ کرلیا تھا، امیر ہندو بیگ اور میاں دوآب کے امرا نے بتن سے جنگ کی

اوراس کوشکست دی، اس نمک حرام کو پھر بھلے دن دیکھنے نصیب نہ ہوئے۔

برسات کا موسم ہندوستان کا موسم بہار ہوتا ہے، حضرت فردوس مکانی اس زمانہ میں آرام میں مشغول رہے، اس اثنا میں آگاہ دل خردمندوں نے جو جان نثاری کے لیے تیار رہتے، پورب کی طرف یورش کرنے کا مشورہ دیا، اس زمانہ میں ذحانی (؟) امرا پچاس ہزار سواروں کو لے کر قنوج سے آگے بڑھ گئے تھے اور برے ارادے رکھتے تھے، رانا سانگا کے استیصال کا بھی ذکر آیا، جس نے کھندار کے حصار پر قبضہ کر کے اپنی نخوت کی ٹوپی ٹیڑھی کر رکھی تھی، امرا نے رانا کے بارے میں عرض کیا کہ وہ کابل برابر عرض داشت بھیج کر اپنی اطاعت کا اظہار کرتا رہا، اس مرتبہ اس کے عریضے کے آنے میں دیر ہوئی ہے، وہ حسن ولد مکھن سے کھندار کا قلعہ لے کر زمین بوسی کے لیے نہیں پہنچا ہے لیکن اس سے اس کی بدخواہی ظاہر نہیں ہوئی ہے، سردست اس کی طرف جانا نہیں چاہیے اور بھی دیکھتے رہنا چاہیے کہ وہ کیا کرتا ہے، اس کے بعد جو مصلحت وقت ہو وہ عمل میں لائی جائے، اس وقت تو نوحانیوں (؟) کو دفع کرنا ضروری ہے، حضرت بادشاہ کی رائے ہوئی کہ وہ خود اس مہم پر جائیں لیکن حضرت جہاں بانی (ہمایوں) نے عرض کیا کہ اگر اس خدمت کے لیے ان کو مقرر کیا جائے تو روز افزوں شاہانہ دولت کی مدد سے وہ اس مہم کو خاطر خواہ طریقہ سے انجام کو پہنچائیں گے، حضرت بادشاہ کو یہ بات بہت پسند آئی، حضرت جہاں بانی (ہمایوں) نے اس خدمت کے لیے ہمت کی، حکم ہوا کہ عادل محمد سلطان، محمد کوکلتاش، امیر شاہ منصور برلاس اور دوسرے امرا جو دھول پور کی تسخیر کے لیے گئے ہوئے تھے، اس جگہ کو محمد زیتون سے لے کر جنید برلاس کے سپرد کریں اور وہ بیانہ جا کر حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کے رکاب ظفر قریں کے ساتھ ہو جائیں، احمد قاسم کابلی کو اس بات پر مامور کیا گیا کہ وہ قصبہ چنداور میں امرا کو لا کر حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کی فوج کے ساتھ کرے، محمد سلطان میرزا، سلطان محمد دولدی، محمد علی چنگ چنگ (؟) بہت سے امرا کے ساتھ قطب خاں افغان کے دفع کے لیے بھیجے گئے تھے، جس نے اٹاوہ میں علم مخالفت بلند کر رکھا تھا، ان کو بھی حکم ہوا کہ حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کے ساتھ ہو جائیں، جمعرات کے روز ۱۳ ر ذی قعدہ کو ایک مبارک ساعت میں وہ آگرہ سے روانہ ہوئے، فتح اور کامرانی کی نسیم برابر چلنے لگی، نصیر خاں نے جاجمئو میں ایک لشکر جمع کر رکھا تھا، وہ بھاگ کر گنگا کے

پار چلا گیا اور خرید کے علاقہ میں آ گیا اور اس علاقہ کو لطف وقہر کے ساتھ فتح کر کے جونپور کی طرف رخ کیا جس کے حدود کو داد و دہش سے معمور کیا اور وہاں کی ملک ستانی اور ملک داری میں بوڑھوں کی عقل اور جوانوں کی قوت، بخت کی روشنی میں پوری کوشش کی، مراجعت کے وقت دلمئو کے قریب فتح خاں سردانی حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل کیا، وہ ہندوستان کے بڑے امرا میں تھا، اس کے باپ کو سلطان ابراہیم کی طرف سے اعظم ہمایوں کا خطاب ملا تھا، اس کو سید مہدی خواجہ اور محمد سلطان میرزا کی رفاقت میں حضرت گیتی پناہ (بابر) کے دربار میں بھیج دیا گیا، وہاں اس کو شاہانہ عنایتوں کے پانے کا فخر حاصل ہوا، اس کے باپ کی تنخواہ مقرر کر دی گئی، بلکہ اس تنخواہ میں ایک کرور چھ لاکھ تنکے زیادہ کر دیے گئے، وہ خان جہاں کے خطاب سے بھی سرفراز ہوا، اس کے لڑکے محمود خاں کو برابر شاہی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی اور وہ خود اپنی جاگیر پر چلا گیا۔

محرم ۹۳۳ھ میں کابل سے یہ خوش خبری پہنچی کہ حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کی والدہ ماجدہ ماہم بیگم کے بطن سے ایک فرزند پیدا ہوا ہے، فردوس مکانی نے اس کا نام محمد فاروق رکھا، اس کی ولادت محرم ۹۳۲ھ میں ہوئی تھی لیکن وہ ۹۳۴ھ میں اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

رانا سانگا سے جنگ کی تیاریاں: بدھ کے روز ۲۴ رصفر کو حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کے نام ایک فرمان جاری ہوا کہ جون پور کو امرا کے سپرد کر کے چلے آؤ، کیوں کہ رانا سانگا جرأت کر کے آگے بڑھ رہا ہے، اس فرمان کو لے جانے کے لیے محمد علی ولد مہتر حیدر مقرر ہوا، اسی سال بیانہ کا نظام خاں امیر رفیع الدین صفوی کے وسیلہ سے آ کر زمیں بوس ہوا اور بیانہ کا قلعہ بادشاہ کے حوالے کر دیا، تاتار خاں نے بھی گوالیار پیش کر کے آستان بوسی کا شرف حاصل کیا، محمد زیتون بھی حاضر ہوا اور دھول پور کو شاہی ملازموں کے حوالہ کر دیا۔

۱۶ رربیع الاول کو سلطان ابراہیم کی ماں نے باورچیوں سے مل کر ایک سازش کی لیکن خیریت رہی، خام خیال بداندیش اپنی سزا کو پہنچے۔

جب حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کے پاس فرمان پہنچا تو شاہ میر حسین اور امیر سلطان جنید برلاس کو جون پور کی حکومت کے لیے مقرر کیا اور قاضی جیا کو بھی ان کی مدد کے لیے

چھوڑا اور خود دربار کی طرف روانہ ہو گئے، عالم خاں کالپی کو امید دلا کر اور ڈرا کر شاہی غلاموں میں منسلک کیا اور اپنے ساتھ گیتی پناہ (بابر) کے دربار میں لائے، وہ سنیچر کے دن ۳ ربیع الثانی کی ایک مبارک ساعت میں دارالخلافت کے چہار باغ میں آ کر فردوس مکانی کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت سے مشرف ہوئے، اسی روز مہدی خواجہ کا ایک عریضہ بیانہ سے آیا جس میں لکھا تھا کہ رانا سانگا یورش کر کے اپنے پائے جرأت کو مجادلہ کے ارادہ سے دراز کرنا چاہتا ہے، وہ اپنی شجاعت اور فوج پر مغرور ہو کر بادۂ نخوت سے بدمست ہو گیا ہے اور اپنی دلیری دکھانے کے لیے نزدیک آ گیا ہے، اسی لیے حضرت بادشاہ اس کی طرف متوجہ ہوں، برابر خبریں مل رہی تھیں کہ رانا نے بیانہ کے حوالی پر حملہ کیا ہے اور بیانہ کے قلعہ میں جو فوج تھی وہ باہر نکلی لیکن مقابلہ نہ کر سکی، سنکر خاں جنجوہہ شہید ہو گیا، حضرت بادشاہ متواتر کوچ کر کے قصبہ سیکری میں آ کر خیمہ زن ہوئے، فتح کے شکر میں حضرت فردوس مکانی نے سیکری کا نام شکری رکھ دیا اور اب فتح پور کے نام سے مشہور ہے، فتح پور کے پاس ایک بڑا تالاب دریا کی طرح ہے، اسی جگہ پڑاؤ ڈالا گیا اور وہاں سے ایک آدمی کو مہدی خواجہؒ اور دوسرے امرا کو بیانہ سے بلانے کے لیے بھیجا گیا، ایک جماعت خبر رسانی کے لیے بھیجی گئی تھی، اس سے خبر ملی کہ دشمن کا لشکر پشاور سے ایک گروہ آگے بڑھ گیا ہے اور اب دونوں فریقین کے درمیان اٹھارہ کوس کا فاصلہ ہے، اسی روز بیانہ کے امرا نے آ کر آستاں بوسی کی، روزانہ قراولوں کے درمیان ایک جھڑپ ہوتی رہتی، یہاں تک کہ سنیچر کے روز ۱۳ جمادی الآخر ۹۳۳ھ کو خانوہ کے گاؤں میں جو سرکار بیانہ میں ہے شاہی لشکر خیمہ زن ہوا، رانا سانگا بھی بھاری لشکر کے ساتھ آگے بڑھا، حضرت بادشاہ نے اپنے واقعات میں تحریر فرمایا ہے کہ ہندوستان کا قاعدہ ہے ایک لاکھ (آمدنی) کا علاقہ سو سوار اور ایک ایک کرور کا علاقہ دس ہزار سوار فراہم کرتا ہے، رانا سانگا کا علاقہ دس کرور کا تھا، اسی لیے اس کے پاس ایک لاکھ سوار تھے اور ہندوستان کے بہت سے سردار جو کسی کی اطاعت نہیں کرتے تھے، اس کے مطیع ہو کر اس کے لشکر کے ضمیمہ بن گئے تھے، مثلاً رائے سین اور سارنگ پور کا راجہ سلاہدی تیس ہزار سوار، میوات کا حاکم حسن خاں بارہ ہزار سوار، بہارمل ایدری چار ہزار سوار، پربت ہا (؟) سات ہزار سوار، میرٹھ کا راجہ پرم دیو اور برسنگ دیو چوہان (؟) دونوں چار چار ہزار سواروں کے ساتھ شریک تھے، محمود خاں ولد سلطان

سکندر کے پاس کوئی علاقہ نہ تھا لیکن اس کو اپنے اسلاف کی حکومت پانے کی امید تھی، اس لیے اپنے ساتھ دس ہزار سوار ساتھ لایا، سواروں کی مجموعی تعداد دو لاکھ اور ایک ہزار تھی۔

رانا سانگا سے لڑائی: جب دشمنوں کے آنے کی خبر ملی، تو صفوں کی ترتیب ہوئی، حضرت بادشاہ غول (مرکز) میں متمکن ہوئے، غول کے دائیں طرف چین تیمور سلطان، میرزا سلیمان اور دوسرے نامور امرا نامزد کیے گئے، غول کے بائیں طرف علاء الدین بن سلطان بہلول لودی، شیخ زین خافی اور دوسرے لوگ مقرر ہوئے، برانغار کو حضرت جہاں بانی (ہمایوں) سے آراستہ کیا گیا، ان کے یمین نصرت نگیں میں (دائیں طرف) قاسم حسین سلطان اور دوسرے عالی مرتبہ امرا تھے، حضرت جہاں بانی کے یسار ظفر قریں میں (بائیں طرف) محمدی کوکلتاش اور دوسرے امرا متعین تھے، برانغار میں ہندوستان کے امرا میں خانخان اور دلاور خاں خدمت کے لیے تھے، جرانغار میں سید مہدی خواجہ، سلطان میرزا، عادل سلطان اور ہندوستانیوں میں جلال خاں و کمال خاں (اولاد سلطان علاء الدین) علی خاں شیخ زادہ اور بیانہ کا نظام خاں، کمر بستہ تھے، تو لقمہ کی طرف تردی بیگ یکہ اور ملک قاسم تھے، مغلوں کی ایک جماعت برانغار کی طرف تھی، مومن آتکہ، رستم ترکمان اور بادشاہ کی فوج کے خاص خاص لوگ جرانغار میں کھڑے تھے، فوج کی صف کے آگے اہل روم کے قانون کے مطابق عرابے کا ایک حصار بنا کر اس کو زنجیروں سے باندھ دیا گیا تھا، پیام پہنچانے والے شاہی احکام سننے کے لیے حضرت بادشاہ کے آگے کھڑے تھے اور جب ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا، تو حکم صادر ہوا کہ کوئی شخص حکم کے بغیر لڑائی کے میدان میں پاؤں نہ رکھے، دن کی ایک گھڑی گذری ہو گی کہ لڑائی کی آگ بھڑک اٹھی۔

شب و روز را درہم آمیختند | سپاہ از دو سو جنبش انگیختند
دہادہ بر آمد زہر دو طرف | دو دریائے کیں بر لب آورد کف
سم بادپایان فولاد مغل | بخون دلیراں زمیں کرد لعل

برانغار اور جرانغار میں لڑائی کی آگ اس طرح بھڑکی کہ قریب تھا کہ قرص ماہ زمانہ کے تنور میں جل کر رہ جائے، دشمن کا جرانغار شاہی برانغار کی طرف بڑھا اور خسرو کوکلتاش اور ملک قاسم پر حملہ آور ہوا، تیمور چین سلطان ان کی مدد کو پہنچا اور دشمنوں کو مار بھگایا، اس فتح پر اس

کے لیے انعام مقرر ہوا، مصطفیٰ خاں رومی نے اپنے عرابے کو بڑھایا اور توپ اور ضرب زن سے دشمنوں کی صف کو درہم برہم کیا، دشمن کے برانغار نے کئی بار حملے کیے لیکن ہر بار وہ غازیوں کے تیروں کی بارش سے زمیں دوز ہوئے، شاہی لشکر کے تمام امرا اور اعیان جانفشانی کی عزیمت اور جاں ستانی کی ہمت پر کمر بستہ تھے، انھوں نے دشمن سے انتقام لے کر اپنے مقصد کا جھنڈا بلند کیا اور دشمنوں کی امید کے چشمے کو خاک سے بھر دیا۔

گرہ بر گرہ دست پیکاں زناں　　زرہ بر زرہ پشتِ روئیں تناں

زہر سو سنانہائے خارا گذار　　فرو بستہ راہ سلامت بخار

درخشندہ شمشیر ہائے بنفش　　زدیدہ بصر می ربودہ از درفش

دشمن کے بہت ہونے کی وجہ سے لڑائی طویل ہو گئی تو ان ملازموں کے جو ارابے کے پیچھے شیر کی طرح کھڑے تھے، حکم ہوا کہ غول کے دائیں بائیں سے لڑائی لڑیں، شجاعت نہاد جوانوں نے بڑھ کر ایسی دلاوری دکھائی کہ جیسے شیر زنجیر سے چھوٹ گئے ہوں، حکم ہوا کہ غول کے عرابے آگے بڑھیں، خود حضرت بادشاہ اپنے اقبال اور پورے عزم کے ساتھ دشمن کے لشکر کی طرف آگے بڑھے، یہ دیکھ کر شاہی لشکر دریا کی موج کی طرح بڑھا، دن کے آخر میں قتل کی آگ اس طرح بھڑکی اور بہادروں سے متواتر ایسے صدمے پہنچے کہ تیر بختوں کی روح نکل پڑی اور وہ شاہی غول کے دائیں طرف حملہ آور ہوئے اور اپنے کو بہت نزدیک پہنچا دیا، شاہی لشکر کے دلاوروں نے بڑی ہمت سے پایۂ ثبات کو برقرار رکھا، تیر بختوں نے عنان ثبات اپنے ہاتھیوں سے چھوڑ دیا اور فرار ہوئے اور اپنی آدھی جان لے کر بھاگنے ہی میں سلامتی سمجھے، فتح وظفر کی نسیم شاہی جھنڈے پر چلنے لگی، اس گروہ میں جو تلوار سے بچے وہ بڑی فلاکت کے ساتھ اپنے کو اس بھنور سے باہر نکال سکے، حسن خاں میواتی تفنگ کے ضرب سے فنا ہوا، راول اودے سنگ، مانک چند چوہان، رائے چندر بھان، دلپت رائے، کنکو، کرم سنگ، دونگر سین اور دوسرے بڑے بڑے سرداروں نے بھی عدم کی راہ لی، محمدی کوکلتاش، عبدالعزیز اور دوسرے لوگ رانا سانگا کے تعاقب کے لیے مقرر ہوئے لیکن وہ اپنی فتح کا نقارہ بجا کر واپس ہوئے، شیخ زین صدر نے اس کی تاریخ "فتح بادشاہ اسلام (۹۳۳ھ)"، لکھی، میر گیسو نے بھی یہی تاریخ کابل سے لکھ کر بھیجی۔

میوات کی تسخیر: حضرت بادشاہ آگرہ واپس ہوئے محمد علی چنگ چنگ کو راستہ ہی سے الیاس خاں کے خلاف میوات بھیجا گیا، الیاس خاں کو گرفتار کر کے دربار لایا گیا اور وہ اپنی سزا کو پہنچا، پھر حضرت بادشاہ میوات کے قلعہ کی تسخیر کے لیے روانہ ہوئے، بدھ کے روز ۶ رر جب کو الور کے نواح میں نزول اجلال فرمایا، یہاں میوات کا حاکم رہتا تھا، الور کا خزانہ جہاں بانی (ہمایوں) کے انعام میں دیا گیا، پورب کے علاقہ کی طرف رجوع کرنے کے لیے حضرت بادشاہ دارالخلافت واپس ہوئے۔

کابل اور بدخشاں کا انتظام: کابل اور بدخشاں کا انتظام کرنا لازمی تھا، ۹۱۷ھ میں خان میرزا کی وفات ہوگئی تھی، حضرت بادشاہ نے بدخشاں حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کو دے دیا، اس لیے ابوالنصر نصیر الدین محمد ہمایوں الور سے تین کروہ کے فاصلہ پر سے وہاں روانہ ہوگئے۔

بین افغان کی سرکوبی: اسی سال بین افغان کے استیصال کی طرف توجہ ہوئی، وہ بدبخت شاہی لشکر کے آنے کی خبر سن کر اپنا اسباب چھوڑ کر جان لے کر بھاگا، اس سال کے آخر میں حضرت بادشاہ فتح پور اور باری کی سیر کر کے آگرہ پہنچ گئے۔

فتح چندیری: ۹۳۴ھ میں کول کی سیر کی، وہاں سے سنبھل شکار کے لیے گئے، آٹھویں صفر کو فخر جہاں بیگم اور خدیجہ سلطان بیگم کابل سے تشریف لائیں، برابر خبر مل رہی تھی کہ چندیری کا راجہ میدنی رائے لشکر جمع کر رہا ہے اور رانا بھی لڑائی کی تیاری کر کے اپنے ادبار کا سامان کر رہا ہے، اسی لئے چندیری کی طرف توجہ ہوئی، پہلے چھ سات ہزار سوار چین تیمور سلطان کے ہم راہ کالپی سے چندیری کی طرف بھیجے گئے، چندیری کی فتح خاطر خواہ طریقہ پر ہوگئی، جس کی تاریخ "فتح دارالحرب (۹۳۴ھ)" ہے، چندیری کو سلطان ناصر الدین کے پوتے احمد شاہ کے حوالہ کر کے مراجعت کی گئی، شاہی لشکر نے برہان پور کے دریا کو عبور کیا تھا کہ خبر ملی کہ معروف، بین اور بایزید نے قوت پکڑ لی ہے، شاہی ملازم قنوج چھوڑ کر راپری چلے آئے ہیں، دشمنوں نے شمس آباد کے قلعہ کو بھی ابو الحمد نیزہ باز سے لے لیا ہے، اسی لیے عنان عزیمت اس طرف موڑ دی گئی، شاہی لشکر کے پہنچنے پر معروف کا لڑکا قنوج سے بھاگا، بین، بایزید اور معروف بھی شاہی لشکر کے آنے کی خبر سن کر گنگا پار کر کے اس کے پورب طرف قنوج چلے گئے اور راستہ روکنے کے لیے وہاں ٹھہر گئے۔

گوالیار کی سیر: جمعہ کے روز ۳ محرم ۹۳۵ھ کو میرزا عسکری آئے، جمعہ کو جو کہ عاشورہ کا دن تھا، حضرت بادشاہ گوالیار میں خیمہ زن ہوئے، صبح کو راجہ بکر ماجیت اور مان سنگ کی عمارتوں کو دیکھ کر دارالخلافۃ روانہ ہوئے اور جمعرات ۲۵ محرم کو آگرہ کو اپنے فرقدوم گرامی سے سعادت بخشا۔

الامان کی پیدائش: ربیع الاول میں حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کے قاصد کابل اور بدخشاں سے آئے اور اچھی خبریں لائے، یادگار تغائی کی لڑکی کے بطن سے حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا اور اس کا نام الامان رکھا گیا تھا، یہ لفظ عوام کے نزدیک مشتبہ اور غیر سنجیدہ تھا، اس لیے پسند نہ آیا اور اسی ناخوش نودی کی وجہ سے وہ لڑکا زیادہ دنوں زندہ نہ رہا۔

جشن: آگرہ میں ایک شاہانہ جشن منایا گیا، پھر پورب کے باغیوں کو فرو کرنے کے لیے مشورے کیے گئے اور یہ طے پایا کہ میرزا عسکری کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ اس طرف کیا جائے اور گنگا کے اس طرف کے امرا اپنے لشکر کے ساتھ میرزا عسکری کے ساتھ ہو جائیں، دوشنبہ ۷ ربیع الآخر کو میرزا عسکری روانہ ہوئے اور حضرت بادشاہ خود دھول پور کی طرف سیر و شکار کے لیے گئے۔

پورب کی مہم: ۳ رجمادی الاول کو یہ خبر پہنچی کہ اسکندر کا لڑکا محمود بہار پر قبضہ کر کے آمادۂ شورش ہے، حضرت بادشاہ شکار کر کے دارالخلافت واپس پہنچ گئے اور یہ طے پایا کہ وہ خود پورب کی طرف یورش کریں۔

بدخشاں کے معاملات: اس اثنا میں یہ خبر ملی کہ حضرت جہاں بانی (ہمایوں) نے سلطان ولیس کو اپنا مددگار بنا کر چالیس پچاس ہزار سواروں کے ساتھ سمرقند پر حملہ کیا ہے اور وہاں صلح کی بات چیت جاری ہے، اسی وقت ایک منشور عنایت صادر ہوا کہ اگر صلح کی مصلحت ختم نہ ہوگئی ہو تو ہندوستان کی فضا صاف ہونے تک صلح ضرور کر لی جائے اور جب ہندوستان کی مہم ختم ہو جائے گی تو ان شاء اللہ ہم خود اپنے موروثی ملک کی طرف توجہ کریں گے۔

پورب کی مہم کی کامیابی: جمعرات سترہویں تاریخ کو حضرت بادشاہ نے جمنا کو عبور کیا اور پورب کی طرف روانہ ہوئے، اسی روز بنگالہ کے والی نصرت شاہ کی طرف ایلچی آئے اور قیمتی نذرانے لا کر اظہار بندگی کیا، ۱۹ رجمادی الآخر کو میرزا عسکری نے دریائے گنگا کے کنارے آکر حاضری کی سعادت حاصل کی اور حضرت بادشاہ کے کہنے پر ع میرزا عسکری اپنا لشکر لے کر

دریا کے دوسری طرف جا کر ٹھہرے، سلطان سکندر کے لڑکے محمود خاں کی شکست کی خبر کرہ کے نزدیک ملی، اس کے بعد فوج بھوج پور اور غازی پور کے حدود میں بڑھی، بہار کو میرزا محمد زماں کے حوالے کر کے حضرت بادشاہ بین اور بایزید کے شر کو دفع کرنے کے لیے سروار کی طرف متوجہ ہوئے، دشمنوں نے شاہی فوج سے مقابلہ کیا لیکن ان کو شکست ہوئی، خرید اور سکندر پور کی سیر کے بعد حضرت بادشاہ دارالخلافت آگرہ واپس ہو گئے۔

بدخشاں سے ہمایوں کی واپسی: حضرت جہاں بانی (ہمایوں) نے ایک سال تک عشرت کی زندگی بدخشاں میں گذاری، یکا یک ان کو حضرت بادشاہ کی محفل عالی میں شریک ہونے کا شوق گریبان گیر ہوا اور وہ بے اختیار ہو کر بدخشاں کو سلطان ویس کو حوالے کیا، جس کا داماد میرزا سلیمان تھا اور وہ قبلۂ اقبال کی طرف روانہ ہو گئے، ایک روز میں کابل پہنچے، وہاں میرزا کامران قندھار سے آئے ہوئے تھے، عیدگاہ میں دونوں کی ملاقات ہوئی، میرزا کامران حیران ہوئے، آنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ اشتیاق کشاں کشاں لیے جا رہا تھا، انھوں نے میرزا ہندال کو کابل سے بدخشاں کی حفاظت کے لیے بھیجا اور وہاں سے تھوڑی مدت میں دارالخلافت آگرہ پہنچ گئے، جو یمن اورنگ شاہی اور سجدہ گاہ سعادت مندانِ روئے زمین بنا ہوا تھا اور جب فردوس مکانی کی خدمت میں حاضر ہو کر سعادت حاصل کی تو تعجب کی بات یہ ہے کہ حضرت بادشاہ اُن کی والدہ ماجدہ کے ساتھ تخت پر بیٹھ کر ان ہی کے متعلق باتیں کر رہے تھے، کہ یکا یک مطلع بدخشاں سے یہ کوکب درخشاں ظاہر ہوا، میرزا حیدر نے تاریخ رشیدی میں لکھا ہے کہ فردوس مکانی نے ۹۳۵ھ میں ان کو طلب کیا تھا اور انھوں نے بدخشاں میں فقر علی کو چھوڑا تھا، اسی زمانہ میں قرۃ العین میرزا انور (؟) کی وفات ہوئی، اس لیے حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کے آجانے سے حضرت بادشاہ کو بڑی تسلی ہوئی، وہ بھی حضرت بادشاہ کی خدمت میں رہ کر بہرہ مند ہوئے اور باپ بیٹے دونوں مصاحبانہ طور پر رہے، حضرت بادشاہ برابر اپنی زبان اشرف پر یہ بات لائے کہ ہمایوں بڑا اچھا مصاحب ہے اور واقعی حضرت جہاں بانی (ہمایوں) انسان کامل تھے۔

بدخشاں پر دشمنوں کی یورش: جب حضرت جہاں بانی ہندوستان آئے تو سلطان سعید خاں نے بدخشاں پر یورش کی، وہ کاشغر کے خوانین میں سے تھا، حضرت بادشاہ کا رشتہ دار بھی تھا، اسی

لیے ان کے پاس رہ کر بہت سی رعایتیں پا چکا تھا، سلطان ولیس اور بدخشاں کے دوسرے امیروں کی دعوت پر اس کے دل میں خیال خام پیدا ہوا اور رشید خاں کو یارکند میں چھوڑا اور بدخشاں کی طرف بڑھا، اس کے آنے سے پہلے میرزا ہندال بدخشاں پہنچ چکے تھے اور قلعہ ظفر کو اپنی عشرت گاہ بنالیا تھا، سعید خاں نے تین مہینے اس کا محاصرہ کیا لیکن کوئی فائدہ اٹھائے بغیر کاشغر کی طرف لوٹ گیا، ہندوستان میں حضرت بادشاہ کو خبر ملی کہ کاشغریوں نے بدخشاں پر قبضہ کرلیا ہے، انھوں نے اس مہم کے انتظام کے لیے خواجہ خلیفہ کو نامزد کیا لیکن اس نے اپنی نافہمی سے جانے میں دیر کی، اس کے بعد سلیمان میرزا کو رخصت کیا اور سلطان سعید خاں کو لکھا کہ تم پر جو حقوق تھے، اس بنا پر تم نے جو کچھ کیا، اُس پر تعجب ہوا اب ہم میرزا ہندال کو واپس بلا رہے ہیں اور میرزا سلیمان کو بھیج رہے ہیں، اگر تم کو حقوق کا خیال ہے تو تم بدخشاں کو میرزا سلیمان کو دے دو، جو ہم دونوں سے نسبت فرزندی رکھتا ہے، اس کے بعد ہماری ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے اور ہم میراث کو اس کے وارث کے سپرد کر رہے ہیں، میرزا سلیمان کے کابل پہنچنے سے پہلے ہی بدخشاں بداندیشی سے محفوظ اور مصئون ہو گیا، میرزا ہندال بدخشاں کو میرزا سلیمان کے سپرد کر کے ہندوستان آگئے۔

ہمایوں کی علالت اور بابر کی رجعت: حضرت بادشاہ (ہمایوں) اپنی جاگیر سنبھل کی طرف چلے گئے، وہاں چھ مہینے عیش سے گذارے ہوں گے کہ ان کو بخار آگیا اور رفتہ رفتہ طویل ہو گیا، حضرت فردوس مکانی کو حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کے ضعف کی خبر ملی تو وہ بے قرار ہو گئے، حکم ہوا کہ وہ دہلی آجائیں اور دہلی سے کشتی پر ان کے پاس پہنچ جائیں، تاکہ ان کے سامنے اطبا علاج کریں، وہ دریا کے راستے سے آئے، اطبا نے علاج کی بہت کچھ تدبیریں کیں لیکن مزاج صحت کی طرف رجوع نہ ہوا، جب مرض طویل ہو گیا تو ایک دن حضرت بادشاہ جمنا کے کنارے داناؤں کے ساتھ بیٹھے علاج کی فکر کر رہے تھے، میر ابوالبقا فضلائے روزگار میں تھے، انھوں نے عرض کیا کہ پہلے زمانہ کے لوگوں نے بتایا ہے کہ جب اطبا ظاہری علاج سے عاجز ہو جائیں تو پھر چارہ یہ ہے کہ بہترین چیز صدقہ میں دے کر درگاہ الٰہی سے صحت مانگی جائے، حضرت گیتی ستانی فردوس مکانی نے فرمایا کہ ہمایوں کے لیے بہترین چیز میں ہوں، ہمایوں میرے سر سے زیادہ کوئی اور چیز بہتر اور زیادہ قیمتی نہیں رکھتا ہے، میں اس کے لیے فدا ہو جاؤں گا، ایزد جہاں آفریں قبول کرے، بساط

قرب کے مقربوں نے عرض کیا کہ وہ (یعنی ہمایوں) صحت یاب ہو جائیں گے، ایسی بات زبان اقدس پر کیوں لاتے ہیں، بہتر یہ ہے کہ اس بیش قیمت ہیرے کہ جو ابراہیم لودی کی جنگ میں ہاتھ آیا ہے، صدقہ میں دے دینا چاہیے، فرمایا دنیا کا مال کیا وقعت رکھتا ہے، کہ یہ ہمایوں کا بدلہ ہو سکے، میں اپنے کو فدا کرتا ہوں کہ اس پر سخت وقت پڑا ہے، اب میری طاقت سے باہر ہے کہ اس کی بے چینی کو دیکھوں، اسی وقت انھوں نے خلوت میں جا کر مناجات کی اور اس طبقہ کے لیے جو خاص عبادت ہوتی ہے، وہ کی اور تین بار حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کے گرد چکر لگایا، جب ان کو دعاؤں کی اجابت کی عزت حاصل ہوئی تو انھوں نے گرانی محسوس کی اور فرمایا "برداشتیم" ان کو عجیب قسم کا بخار آ گیا، حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کو صحت ہونے لگی اور تھوڑی مدت میں ان کو پوری صحت ہوگئی، حضرت فردوس مکانی کی بیماری بڑھتی گئی، یہاں تک کہ رحلت کے آثار ظاہر ہونے لگے، ارکانِ دولت کو جمع کیا اور ہمایوں کے ہاتھ پر بیعت خلافت لے کر ان کو اپنا جانشین اور ولی عہد بنایا اور ان کو تخت پر بٹھا کر خود سریر خلافت کے پایہ کے پاس صاحب فراش ہو گئے، اس وقت خواجہ خلیفہ، قنبر علی بیگ، تردی بیگ، ہندو بیگ اور دوسرے بہت سے لوگ حاضر تھے، بلند نصیحتیں اور اچھی وصیتیں کیں اور بہت سی کام کی باتیں زبان اقدس پر لائیں، ان وصیتوں کا خلاصہ یہ تھا کہ وہ بھائیوں کے خلاف کچھ نہ کریں، خواہ وہ کیسے ہی ہوں اور اسی کا خیال تھا کہ حضرت جہاں بانی کے بھائیوں نے ہر قسم کی جفائیں کیں لیکن انھوں نے ان سے انتقام لینے کی کوشش نہیں کی، حضرت بادشاہ ۶ / جمادی الثانی ۹۳۷ھ کو چار باغ میں جو سرسبز ہو کر بہار اقبال بنا ہوا تھا، اس عالم بے وفا سے رخصت ہوئے، فضلائے عصر نے تاریخیں اور مرثیے کہے، ان میں سے مولانا شہاب معمائی نے اس مصرع سے ایک تاریخ نکالی:

ہمایوں بود وارث ملکِ وی

بابر کے فضائل: اس ذات قدسی کے ذاتی اور صفاتی کمالات کو جلدوں میں بیان کرنا محال ہے، اجمالی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی جہاں بانی کے یہ آٹھ اصول تھے، (۱) بخت بلند (۲) ہمت ارجمند (۳) قدرت کشور کشائی (۴) ملک داری (۵) کوشش در معموری بلاد (شہروں کو آباد کرنے کی کوشش) (۶) نیت بر رفاہیت عباد (خدا کے بندوں کی فلاح کی نیت رکھنا) (۷) خوش دل

ساختن سپاہی (سپاہیوں کوخوش رکھنا) (۸) اوران کوتباہی سے بچانا۔

وہ فضائل مکتسبہ اور متعارفۂ رسمیہ روزگار میں بھی سرآمد تھے، نظم ونثر میں پایۂ عالی رکھتے تھے، ترکی نظم کہنے میں خصوصی مہارت تھی، ان کے دیوان ترکی میں بڑی مہارت اور عذوبت ہے، اس میں مضامین تازہ درج ہیں، ان کی ایک مثنوی کا نام مبین ہے، یہ بڑی مشہور تصنیف ہے، زبان داں اس کی بڑی تعریف کرتے ہیں، خواجہ احرار کے رسالہ والدیہ کو جو بحر معرفت کا ایک موتی ہے، منظوم کیا، اپنے واقعات ابتدائے سلطنت سے رحلت کے وقت تک فصیح اور بلیغ عبارت میں لکھے، یہ زمانہ کے فرماں رواؤں کے لیے ایک دستورالعمل ہے، اس کا فارسی زبان میں ترجمہ جہاں مطاع شاہنشاہی خلیفہ الٰہی (یعنی اکبر) کے حکم کے بموجب ۳۴ر الٰہی مطابق ۹۹۷ھ میں نواب میرزا خان خاناں بن بیرم خاں نے اُس وقت کیا جب کہ (اکبر کا) شاہی لشکر کشمیر کے بہارستان اور کابل کے گلگشت سے واپس آرہا تھا، اس ترجمہ کا مقصد یہ تھا کہ خاص الخاص کا یہ فیض عام تشنہ لبوں تک بھی پہنچ جائے۔

حضرت بادشاہ موسیقی کے فنون میں بھی پوری مہارت رکھتے تھے، فارسی زبان میں بھی اشعار دل پذیر کہتے تھے، یہ رباعی ان ہی کی واردات طبع ہے:

درویشاں را گرچہ نہ از خویشانیم   لیک از دل و جاں معتقد ایشانیم
دورست مگوئے شاہی از درویشی   شاہیم ولے بندۂ درویشانیم

یہ دو مطلع بھی ان ہی کے ضمیر انوار کے اشراقات سے ہیں:

ہلاک می کندم فرقت تو دانستم   وگر نہ رفتن ازیں شہری توانستم
تا بزلف سہیش دل بستم   از پریشانی عالم رستم

حضرت بادشاہ نے فن عروض پر بھی رسالے لکھے، ان میں ایک کتاب مفصل ہے، جس سے اس فن کی شرح ہوسکتی ہے، انھوں نے ایک خط بھی اختراع کیا، اس کا نام خط بابری ہے، اس خط میں ایک مصحف لکھ کر مکہ بھیجا۔

اولاد: حضرت بادشاہ کے چار بیٹے اور تین لڑکیاں تھیں، ۱- حضرت جہاں بانی نصیرالدین محمد ہمایوں بادشاہ، ۲- میرزا کامران، ۳- میرزا عسکری، ۴- ہندال میرزا، ۵- گلرنگ بیگم، ۶- گل

چہرہ بیگم، ۷-گلبدن بیگم، یہ تینوں ایک ہی ماں سے تھیں۔

مقربین: اہل صحبت میں ایک امیر ابوالبقا تھے، جو طب اور حکمت میں بلند پایہ رکھتے تھے، دوسرے شیخ زین الدین خوانی کے پوتے شیخ زین تھے، علوم متعارفہ حاصل کیا، اپنی جدت طبع کی وجہ سے نظم وانشا دونوں سے آگاہ تھے، حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کے زمانہ میں امارت بھی پائی، ایک اور شیخ ابوالواحد فارغی تھے، جو شیخ زین کے ماموں تھے، خوش صحبت تھے، اچھے اشعار بھی کہتے، ایک اور سلطان محمد کوسہ تھے، لطیف طبع اور شعر شناس تھے، امیر علی شیر نوائی کے مصاحبوں میں سے تھے، پھر حضرت بادشاہ کی ملازمت میں آکر معزز ہوئے، ایک اور مولانا شہاب معمائی تھے، ان کا تخلص حقیری تھا، علم، فضل اور شعر کا بڑا حصہ پایا، ایک اور یوسفی طبیب تھے، جن کو خراسان سے بلایا گیا تھا، ایک اور مولانا بقائی تھے، جو شعر گوئی میں بڑا اچھا سلیقہ رکھتے تھے، مخزن کی زمین میں ایک مثنوی حضرت بادشاہ کے لیے کہی، ایک اور خواجہ حضرت نظام الدین خلیفہ تھے، وہ اپنی خدمت اور محرمیت کی وجہ سے حضرت بادشاہ کی نظر میں بڑا مرتبہ رکھتے تھے اور بھی فضائل و کمالات رکھتے تھے، خاص طور پر طب سے بہرہ مند رہے، ایک اور امیر درویش محمد ساربان تھے، جو ناصر الدین خواجہ احرار کے مرید اور منظور نظر تھے، خوش صحبتی اور فضیلت میں نظیر نہیں رکھتے تھے، ایک اور خواند میر مورخ تھے جو فاضل اور خوش صحبت تھے، ان کی تصانیف میں حبیب السیر، خلاصۃ الاخبار اور دستور الوزرا وغیرہ مشہور ہیں، ایک اور خواجہ کلاں بیگ تھے جو بڑے امرا اور اہل نشست میں تھے، اپنے اطوار کی سنجیدگی اور فضائل کی شائستگی میں ممتاز تھے، ان کے بھائی کچ بیگ خواجہ مہردار، معتمد اور اہل نشست میں تھے، ایک اور سلطان محمد دولوی تھے، جو بڑے امرا میں تھے۔

طبقات اکبری میں ہے کہ حضرت بادشاہ نے بارہ سال کی عمر میں سلطنت حاصل کی اور پچاس سال میں اس جہان فانی سے رخصت ہوئے، اڑتیس سال تک جہانگیری اور مملکت داری کی، ان میں سے پانچ سال ہندوستان میں رہے، اس بادشاہ جہاں پناہ کی بعض خصوصیات عجیب ہیں، ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ دونوں پاؤں میں موزے پہن کر قلعہ کے کنگروں پر کود کود کر دوڑتے پھرتے اور کبھی دو آدمیوں کو دونوں بغل میں دبا کر ایک کنگرہ سے دوسرے کنگرہ پر پھاند جاتے، ان کے احوال کے کمالات اور صفات کی کوئی حد نہ تھی۔

محمد ہاشم خاں خافی خاں مصنف منتخب اللّباب

محمد ہاشم خاں المخاطب بہ خافی خاں (خوافی خاں) نظام الملکی نے منتخب اللباب محمد شاہ کے دور میں لکھ کر ختم کی جو ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء میں تخت نشیں ہوا، یہ تاریخ بابر کے حالات سے شروع ہوتی ہے، محمد شاہ کے عہد ۱۱۳۵ھ/۱۷۲۲ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے، محمد ہاشم خاں اورنگ زیب کی حکومت میں بھی شاہی ملازم رہا، فرخ سیر کے دور حکومت میں حیدر آباد کے نظام الملک نے اس کو دیوان کے عہدہ پر مقرر کیا تھا، اس لیے وہ اپنے نام کے ساتھ نظام الملکی بھی لکھتا رہا، اس کا آبائی وطن خواف تھا، جو نیشاپور (خراسان) کا ایک قصبہ ہے، اس کی وفات ۱۱۴۴ھ/۱۷۳۱ء میں ہوئی۔

ذیل کے اقتباسات سے صرف ایک نئی چیز یہ معلوم ہوتی ہے کہ کنواہہ کی جنگ میں افغانوں اور راج پوتوں نے مسلمانوں کے ملی اور مذہبی جذبات کو ابھار کر بابر کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کیا تھا لیکن اس سلسلہ میں ہاشم خاں نے جو تفصیل لکھی ہے، وہ اس سے پہلے کی تاریخوں میں نہیں، کنواہہ کی جنگ کے ذکر میں بابر لکھتا ہے کہ یہ خبر تحقیق طور سے قسمی ہی لایا تھا کہ حسن میواتی سانگا کے ساتھ ہو گیا ہے، ملا عبدالقادر بدایونی نے حسن میواتی کو ایک کافر کلمہ گو کہہ کر اس کی اہمیت کم کی ہے، فرشتہ صرف اتنا لکھتا ہے کہ سلطان ابراہیم کے جو امرا بابر سے سے نہیں ملے رانا سانگا کے دمساز تھے، ابوالفضل نے اکبر نامہ میں لکھا ہے کہ رانا سانگا نے ہندو مسلمان کا ایک بڑا لشکر جمع کر لیا تھا، میوات کا حاکم حسن خاں میواتی بارہ ہزار سواروں اور محمود خاں ولد سلطان سکندر دس ہزار سواروں کے ساتھ رانا سانگا کی معیت میں تھے، موخر الذکر کو اپنے اسلاف کی حکومت پانے کی امید تھی، طبقات اکبری میں ہے کہ رانا سانگا نے حسن خاں میواتی اور دوسرے شرارت پسندوں کو اپنے ساتھ کر لیا تھا، تاریخ سلاطین افاغنہ کی تو روایت عجیب وغریب ہے کہ اس جنگ کے موقع پر رانا سانگا پوشیدہ طور پر بابری

فوج سے مل گیا تھا اور اس نے میرزا ہندال اور خواجہ مہدی کے پاس یہ پیام بھیجا کہ میں تو بادشاہ کا غلام ہوں، فرماں بردار ہوں، حسن خاں مجھ کو زبردستی جنگ کرنے لایا ہے، میں شاہی فوج کے مقابلہ میں نہ آؤں گا، آپ لوگوں سے تھوڑی لڑائی کے بعد میں چلا جاؤں گا، آپ لوگ اس طرح لڑائی کریں کہ حسن خاں یا تو گرفتار ہو جائے یا مارا جائے، اگر آپ لوگوں نے اس کو مار ڈالا تو میوات آپ کے قبضہ میں ہوگا۔

اب تک بابر سے متعلق جن تاریخوں سے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں ان میں منتخب اللباب مغلوں کے دور حکومت کی لکھی ہوئی اہم تاریخوں میں سے آخری تاریخ ہے، اس لیے ان تاریخوں کے اقتباسات کا ایک جائزہ لینے کی ضرورت ہے، ملا عبدالقادر بدایونی نے بابر کے حالات لکھنے میں بہت اختصار سے کام لیا ہے لیکن اس نے یہ عجیب وغریب بات لکھی ہے کہ پانی پت کی جنگ کے دو قرن بعد تک اس کے میدان سے وہ ستاں، بکش اور بزن کی آوازیں اٹھتی رہیں، انھوں نے ان آوازوں کو خود سنا تھا۔

بابر کے پانچ حملوں کے ذکر میں زیادہ جزوی تفصیلات تاریخ فرشتہ میں ملتی ہیں لیکن تاریخ فرشتہ میں بعض سنین غلط ہیں، فرشتہ نے لکھا ہے کہ بابر کا پہلا حملہ ۹۲۵ھ/ ۱۵۱۹ء میں ہوا لیکن تزک بابری اور اکبر نامہ میں ہے کہ پہلا حملہ ۹۱۰ھ/ ۱۵۰۵ء میں ہوا اور یہی صحیح ہے، فرشتہ نے لکھا ہے کہ پہلے حملہ کے زمانہ میں ہندال پیدا ہوا لیکن تزک بابری اور اکبر نامہ میں ہے کہ ہندال کی ولادت تیسرے حملہ کے زمانہ میں ہوئی، زیر نظر کتاب کے ص ۱۲ پر ایک بغلی سرخی ۹۱۵ھ/ ۱۰-۱۵۰۹ء کے واقعات ہیں، اس میں کتابت کی غلطی ہوگئی ہے، وہ در اصل ۹۲۵ھ/ ۲۰-۱۵۱۹ء ہے، غلط نامہ میں تصحیح کردی گئی ہے، منتخب اللباب میں تاریخ فرشتہ کی طرح ہندال کی پیدائش کا ذکر پہلے ہی حملہ کے سلسلہ میں ہے، فرشتہ پہلے حملہ کے سلسلہ میں کھکروں سے جنگ کا بھی ذکر کرتا ہے، ابوالفضل نے اس کو نظر انداز کر دیا ہے لیکن اس کی تفصیل تزک بابری میں موجود ہے، فرشتہ نے دوسرے حملہ کی بھی تاریخ ۹۲۵ھ/ ۱۵۱۹ء لکھی ہے لیکن اکبر نامہ میں ۹۱۳ھ/ ۱۵۰۷ء ہے، یہی صحیح ہے، اس کی تصدیق تزک بابری سے بھی ہوگی، فرشتہ نے تیسرے حملہ کی تاریخ ۹۲۶ھ لکھی ہے، اکبر نامہ میں یکم محرم ۹۲۵ھ/ ۳ر جنوری

۱۵۱۹ء ہے، منتخب اللباب میں پہلے حملہ کی تاریخ ۹۲۵ھ، تیسرے کی ۹۲۶ھ اور پانچویں کی ۹۳۰ھ ہے، جو صحیح نہیں، منتخب اللباب میں تاریخ فرشتہ کی طرح ہندال کی پیدائش کا ذکر پہلے حملہ کے بعد ہی ہے۔

رانا سانگا کی جنگ سے پہلے فرشتہ گوالیار میں منکت رائے سے لڑائی کا ذکر کرتا ہے اور گوالیار کے قلعہ کو رحیم داد نے تاتارخاں سے جس طرح حاصل کیا ہے، اس کی پوری تفصیل لکھتا ہے، اس کو خافی خاں نے منتخب اللباب میں لکھا ہے لیکن اُس نے رحیم داد کے بجائے رحمٰن داد لکھا ہے، ابوالفضل نے اکبر نامہ میں منکت رائے کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ رحیم داد کی سرگرمیوں کی تفصیل لکھی ہے، وہ صرف اتنا تحریر کرتا ہے کہ تاتارخاں نے بھی گوالیار دے کر آستان بوسی کی، تزک بابری میں اس کی تفصیل موجود ہے، (اردو ترجمہ ص ۳۰۰) طبقات اکبری میں بھی گوالیار کے قلعہ پر قبضہ کی تفصیل ملے گی۔

جن تاریخوں سے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں، ان میں بعض جزوی تفصیلات میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے، مثلاً تاریخ فرشتہ میں ہے کہ بابر نے آگرہ میں جو جشن منایا وہ اس کی ایک بیماری کے بعد صحت کے سلسلہ کا تھا لیکن تزک بابری اور اکبر نامہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جشن صحت نہ تھا، بلکہ ایک سیاسی جشن تھا، چندیری کی تسخیر کی تفصیل تاریخ فرشتہ میں اکبر نامہ سے زیادہ ہے، تاریخ فرشتہ منتخب التواریخ اور طبقات اکبری میں بابر کی موت کی وہ تفصیل نہیں جو اکبر نامہ میں ہے، اکبر نامہ کی روایت کی تائید گلبدن بیگم کی ہمایوں نامہ عبدالباقی نہاوندی کی مآثر رحیمی اور محمد ہاشم خاں کی منتخب اللباب سے ہوتی ہے، جو باپ بیٹے کی ایک پُر کیف داستان بن گئی ہے، تاریخ فرشتہ میں بابر کے دربار کے فضلا کا ذکر نہیں جو اکبر نامہ میں زیادہ اور کچھ ملا عبدالقادر بدایونی کی منتخب التواریخ میں ملے گا، خواجہ نظام الدین احمد بخشی نے قلعہ طوت کی فتح سے پہلے قلعہ کنکوتہ کی تسخیر کا ذکر کیا ہے لیکن اکبر نامہ اور فرشتہ وغیرہ میں اس قلعہ کا ذکر نہیں، حالانکہ تزک بابری میں اس کی تفصیل موجود ہے، (اردو ترجمہ ص ۲۶۱) خواجہ نظام الدین احمد بخشی نے رانا سانگا کی جنگ کے بعد بابر کی سرگرمیوں کے ذکر میں بڑے بخل سے کام لیا ہے، بعض املے بھی مختلف ہیں، مثلاً فرشتہ رانا سانگا لکھتا ہے، گلبدن بیگم رعنا

سانگا لکھتی ہے اور مورخین رانا سانگا لکھتے ہیں لیکن بابر اور ہندو مورخین رانا سانگا تحریر کرتے ہیں۔

جن تاریخوں سے اقتباسات لئے گئے ہیں ان کے اسلوب بیان میں بھی بڑا اختلاف ہے، ملا عبدالقادر بدایونی کی منتخب التواریخ کی تحریروں میں آورد زیادہ نہیں، اسی طرح تاریخ فرشتہ کا طرز ادا بھی زیادہ تکلف سے پاک ہے، اس کا انداز بیان ویسا ہی ہے جیسا کہ ایک مورخ کا ہونا چاہیے، ابوالفضل کی تحریریں بہت ہی مکلف، مرصع اور مزین ہیں، جن کو بعض اوقات سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے، خواجہ نظام الدین بخشی کی عبارتوں میں زیادہ تکلف تو نہیں لیکن وہ بالکل سادہ بھی نہیں، گلبدن بیگم کی تحریروں میں دل نشینی کے ساتھ بڑا گھریلو پن ہے، احمد یادگار خاں کی تاریخ سلاطین افاغنہ، نعمت اللہ کی مخزن افغاناں اور عبداللہ کی تاریخ داؤدی کی عبارتیں سادہ، آسان اور عام فہم ہیں، البتہ محمد ہاشم خاں کی منتخب اللباب کے طرز ادا میں کہیں کہیں ژولیدگی اور پیچیدگی پائی جاتی ہے، جن سے معانی و مطالب میں بے ربطی ہو جاتی ہے۔"

پہلا حملہ: پہلی بار ۹۲۵ھ میں اٹک دریا اور پنجاب کی بعض سرحد تک پہنچے، کھکروں اور اس ضلع کے دوسرے مفسدوں کی تنبیہ کی، اس سے پہلے اس طرف کے اکثر علاقے امیر تیمور صاحب قراں کے تصرف میں آچکے تھے، اس لیے ان کا سر نو نظم کیا اور حکام مقرر کیے، گرم سیر سے فساد آمیز خبریں ملیں، تو حضرت بادشاہ کابل کی طرف مراجعت کر گئے، اسی سفر میں ایک فرزند سعادت مند کے تولد ہونے کا مژدہ ملا اور چونکہ وہ ہند کی تسخیر کا عزم رکھتے تھے، اس لیے مبارک فال کے طور پر اس کا نام ہندال میرزا رکھا۔

دوسرا حملہ: دوسری بار لاہور، ملتان اور سرہند تک بڑھے، راستے میں بہت سے افغان سرکشوں اور مفسدوں کو قتل کیا اور قیدیوں میں سے تین ہزار کو غلام اور کنیز بنایا اور ایک مثقال کے وزن کی چار لاکھ شاہ رخیاں زمینداروں اور محالات اور پرگنات سے مال کے محصول کے طور پر حاصل کیں، کابل اور اس علاقے سے مخالف خبریں ملیں تو حضرت بادشاہ نے اپنی توجہ اس طرف کردی، ان علاقوں کے مفسدوں کی تنبیہ کی اور وہاں ایک قلعہ، ویران عمارتوں اور شکستہ دلوں کی

بھی تعمیر کی۔

تیسرا حملہ: تیسری دفعہ ۹۲۶ھ میں سرہند میں شاہی جھنڈا لہرایا، اس سفر میں افغانوں کی رہنمائی میں بعض بدنصیبوں نے جادۂ اطاعت سے انحراف کیا، ان کو قتل کیا گیا اور ایک کثیر جماعت قیدی بنائی گئی، ملک، مال اور رعایا میں جو خرابی پیدا ہوگئی تھی، ان کو تسلی دے کر ان کو اطاعت گزار اور مطیع بنایا گیا لیکن قندھار کی تسخیر کے خیال سے مراجعت کی اور چار سال تک قندھار کا محاصرہ اور دوسرے موانع کی وجہ سے ادھر رکے رہے، اس زمانہ میں دولت خاں لودی نے اور دوسرے امرا کی طرف سے بھی دوسری بار لکھ کر سلطنت ہند سے اپنی برہمی کا اظہار کیا اور وہاں نزول قدوم کے لیے التماس کی۔

چوتھا حملہ: چوتھی بار ۹۳۱ھ میں فتح ونصرت کی ہم رکابی میں کھکروں کے ملک کی طرف توجہ کی، وہ لاہور پہنچے تو بہار خاں اور مبارک خاں لودی نے افغانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بے ادبی کی جرأت کی، انہوں نے اپنے کردار کی سزا پائی، لاہور کے شہر اور بازار کو جلا کر غارت اور تاراج کر دیا گیا، اسی طرح دیپال پور کے سرکشوں کو سزا میں قتل عام کیا گیا، اسی زمانہ میں دولت خاں لودی سلطان ابراہیم کے یہاں سے بھاگ آیا اور اسی کی طلب پر حضرت بادشاہ آئے تھے، وہ اپنے لڑکوں غازی خاں اور دلاور خاں کے ساتھ آکر حاضری سے شرف اندوز ہوا اور اس نے عرض کیا کہ تہارہ کی طرف افغانوں کی ایک جماعت اسمٰعیل جلوانی کی سرداری میں جمع ہو کر برے ارادے رکھتی ہے، اگر اس کی طرف ایک فوج مقرر کر دی جائے تو بہتر ہے، حضرت بادشاہ اس طرف فوج بھیجنے کا تہیہ کر رہے تھے کہ دولت خاں کے لڑکے دلاور خاں نے خفیہ طور پر عرض کیا کہ میرے باپ اور بھائی غداری کر کے شاہی لشکر کو منتشر کرنا چاہتے ہیں، حضرت فردوس مکانی نے تحقیق کی تو یہ بات سچ نکلی، انہوں نے دولت خاں اور غازی خاں کو گرفتار کر لیا لیکن وقت اور مصلحت کے تقاضے کی بنا پر ان کا قصور معاف کر دیا اور قصبہ سلطان پور کو اس کے توابع کے ساتھ باپ بیٹے کی جاگیر میں مقرر کیا، سلطان پور کو دولت خاں ہی نے آباد کیا تھا، وہ دونوں بدنصیب رخصت ہو کر اپنی جاگیر پر گئے لیکن وہاں سرکشی کر کے پہاڑ کی طرف چلے گئے، اس خبر کے بعد اس علاقہ کو دلاور خاں کو دے دیا گیا، جو حضرت بادشاہ کے رکاب میں موجود تھا، دولت خاں بے دولت کے خلل ڈالنے اور دوسرے موانع

کی وجہ سے حضرت بادشاہ نے سرہند سے لاہور کی طرف مراجعت کی اور وہاں سے کابل پہنچنا ضروری سمجھا، اس سفر میں سلطان ابراہیم کے بھائی سلطان علاء الدین نے حاضری کا شرف حاصل کیا تھا، اس لیے دیبال پور کو سلطان علاء الدین اور بابا قشقہ کو عنایت کر دیا، لاہور کو میر عبدالعزیز اور سیال کوٹ کو خسرو کوکلتاش خاں کے سپرد کیا، حضرت بادشاہ کی مراجعت کے بعد دولت خاں اور غازی خاں نے دلاور خاں پر غلبہ پالیا اور سزا کے طور پر اس کو قید کر دیا اور سلطان پور کی جاگیر پر قبضہ کر لیا اور ایک بڑے لشکر کے ساتھ سلطان علاء الدین کے پاس پہنچ کر اس سے جنگ کی اور اس کو شکست دی، سلطان علاء الدین حضرت بادشاہ کے پاس کابل پہنچ گیا اور وہاں سے دہلی کی تسخیر کے لیے مغل امرا کے نام مدد، اعانت اور رفاقت کا حکم لایا، دولت خاں سلطان علاء الدین کو شکست دینے کے لیے لاہور کے امرا اور حکام کے خلاف لشکر آرا ہوا لیکن بری طرح شکست کھا گیا، اسی اثنا میں سلطان ابراہیم نے ایک فوج دولت خاں کی تنبیہ کے لیے بھیجی لیکن جب یہ پہنچی تو دولت خاں نے تدبیر اور چاپلوسی سے کام لے کر اُس کے سرداروں کو اپنی طرف کر لیا اور وہ منتشر ہوگئی اور جب اس کو خبر ملی کہ سلطان علاء الدین دہلی کی تسخیر کے لیے معاونت کا حکم لایا ہے، تو وہ سلطان علاء الدین سے مل گیا، اس نے ایک اطاعت نامہ لکھ کر بھیجا جس پر قاضیوں اور بڑے بڑے لوگوں کی مہریں تھیں، مغل امرا سے بھی اپنے لیے سفارش کرائی اور ایک بڑا لشکر جمع کر کے اپنے لڑکوں کو سلطان علاء الدین کے رکاب میں دہلی روانہ کیا اور وہ اور غازی خاں دونوں پنجاب میں رہ گئے، سلطان علاء الدین نے سلطان ابراہیم کے پاس جا کر جنگ کی، شب خون مارا لیکن اس کو بڑی شکست ہوئی، دولت خاں علاء الدین کی فتنہ انگیزی سے مایوس ہوا تو اس نے پھر حضرت بادشاہ کے پاس دہلی کی طرف توجہ کرنے کا ایک عریضہ بھیجا۔

پانچواں حملہ: پانچویں بار حضرت کشورستانی (بابر) نے ۹۳۰ھ میں جمعہ کے روز پہلی صفر المظفر کو ہندوستان کی تسخیر کے لیے فوج فتح و ظفر کے ساتھ کابل سے کوچ کیا، اسی روز شہزادہ ہمایوں نے بدخشاں اور خواجہ کلاں بیگ نے غزنین سے آ کر قدم بوسی کی سعادت حاصل کی اور ہم رکاب ہوئے، جب حضرت بادشاہ سیالکوٹ سے گذرے تو سلطان علاء الدین حاضر ہوا، اس کے ساتھ بہت سی عنایتیں کی گئیں اور جب لاہور میں نزول کیا، تو اس ضلع کے اکثر عہدیداروں نے حاضری

کا شرف حاصل کیا، دولت خاں بے دولت مکرر عریضہ بھیجنے کے باوجود اپنے بے سعادت لڑکوں کے ساتھ چالیس ہزار سواروں کو لے کر گستاخانہ طور پر راستے میں حائل ہوا لیکن شکست کھا کر قلعۂ ملوٹ میں چلا آیا، وہاں محصور ہوا، تو پناہ مانگی، مقربوں کی سفارش پر حاضر ہوا، وہ دو تلواریں ہمیشہ باندھا کرتا تھا، ان کو اپنی گردن میں لٹکا کر بادشاہ کے قدم مبارک پر سر تسلیم رکھ دیا، اس کے جرائم کو معاف کر دیا گیا، لشکری افغانوں کے مال کو لوٹنے کے لیے قلعہ کے اندر چلے گئے، منع کرنے کے باوجود نہ مانے، تو حضرت بادشاہ از راہ ترحم خود سوار ہوئے اور لشکر کو تنبیہ کر کے افغانوں کی عزت و ناموس بچائی، ورنہ اس جماعت کے عقل و ہوش باختہ ہو چکے تھے، تاراج کرنے والوں کے ہاتھوں سے پھر بھی بہت سامال و اسباب اور کتابیں بچ گئیں، جو بادشاہ کے قبضہ میں آئیں، کچھ جواہرات اور کتابیں تو اپنے لیے رکھیں، بقیہ شاہزادہ ہمایوں کو بخش دیں اور میرزا کامران کے پاس بھی بھجوا دیں، غازی خاں پہاڑ کی طرف چلا گیا تھا، وہاں سے دہلی روانہ ہو گیا، دولت خاں ہر طرف سے راندہ گیا اور پھر مر کر عدم کی راہ لی۔

پانی پت کی جنگ: بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت بادشاہ نے دریائے سندھ کو عبور کیا تو لشکر کا عرض ہوا، سواروں کی تعداد دس ہزار تھی، جاسوسوں نے خبر دی کہ سلطان ابراہیم ایک لاکھ سواروں اور بہت سے جنگی ہاتھیوں کے ساتھ دہلی سے روانہ ہو گیا اور دہلی سے چالیس کروہ پر سرہند اور دہلی کے درمیان پانی پت پہنچ گیا ہے، حضرت کشور ستانی سرہند پہنچے تو سرکشوں کی ایک جماعت کو ان کے اعمال کے بدلے، شاہین اجل کے پنجہ میں گرفتار کیا گیا اور جو باقی رہے ان میں سے بعض بڑی شرمندگی سے توبہ کر کے حاضر ہو گئے، بدانجاموں کے استیصال سے فراغت پا کر اس جگہ حق شناس اور انصاف پسند حکام کو مامور کیا گیا، پھر حضرت بادشاہ نے سلطان ابراہیم بدسگال کے استیصال کے لیے سرہند سے کوچ کیا، جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل میں ہوئیں تو حضرت کشورستانی کی فوج دشمن کے مقابلہ میں دسویں حصہ سے زیادہ نہ تھی، نیک اندیشوں نے جنگ کو مصلحت نہ سمجھا اور پہلے کی طرح واپس جانے کی ترغیب دی لیکن کشورستانی نے قوت، حوصلہ، ذاتی شجاعت اور توکل سے کام لے کر فوجوں کو آراستہ کیا، لڑائی کے تجربہ کار امیروں کو ہمایوں میرزا کے ساتھ میمنہ میں مقرر کیا اور تجربہ کار دلیروں کی ایک جماعت کو سلطان میرزا کی

سرداری میں میسرہ میں متعین کیا اور اسی طرح فوج کے اور حصوں کو فوج کے آزمودہ کار بہادروں کے سپرد کیا، دونوں طرف سے فوجیں دریا کی لہروں کی طرح جنبش اور جوش وخروش میں آئیں، لڑائی کا غلغلہ ہر طرف بلکہ شش جہت سے بلند ہوا اور جاں باز تیغ بازوں کے نعرے بزم ورزم کے لیے زینت افروز ہوئے اور جس طرف نظر جاتی قوی دل جانبازوں کے خون کے فوارہ کے سوا اور کچھ نہ دکھائی دیتا، بہادر گھوڑوں کے سموں اور صف ربا ہاتھیوں کے حملہ سے دن اور رات میں کوئی فرق باقی نہیں رہا:

زسم ستوراں در آں پہن دشت　　زمیں شش شد و آسماں گشت ہشت

افغانوں کی فوج مور وملخ سے زیادہ تھی، انھوں نے ایسا حملہ کیا کہ قریب تھا کہ ایک بڑا زلزلہ زمین میں آجائے اور طلوع آفتاب سے نصف النہار تک بہادروں کی کئی ہزار سران کے تنوں سے جدا ہو کر میدان کارزار کے چوگاں بازوں کے گھوڑوں کے سموں کے نیچے گیند کی طرح لڑھکتے نظر آئے، آخر کار چغتائیوں کی فتح وفیروزی کی آواز ارض وسما میں گونجی اور میدان جنگ کے جوانوں اور بوڑھوں کے لیے سامعہ افروز ہوئی، سلطان ابراہیم نے راجہ بکرماجیت اور پانچ ہزار افغان سواروں کے ساتھ زمین کو رنگین بنا کر اپنی حیات کو بادفنا کے حوالہ کر دیا اور جب تک اس خبر کی تحقیق نہیں ہوئی، حملہ آور جوان، افغانوں کے تعاقب کرنے اور ہزیمت خوردہ فوج سے لڑنے سے باز نہیں آئے، ہر طرف کشتوں کے پشتے لگ گئے، یہاں تک کہ سلطان ابراہیم کے سر پر بادشاہ کی نظر پڑی، بہادروں نے لڑائی سے ہاتھ روکا، کہتے ہیں کہ پندرہ سولہ ہزار افغان راجپوت، میواتی اور دوسری قوم کے لوگ اس جنگ میں مارے گئے، فتح کی ندا بلند ہوئی، تو بلند اقتدار سلاطین (میرزا) اور نامدار امیروں نے آکر تہنیت کے آداب بجالائے، اُس روز تھکے ماندہ ہونے کے باوجود طالبان ننگ ونام کو آگرہ کی تسخیر اور دہلی کے جواہرات اور خزانے پر قبضہ کرنے کے لیے مقرر کیا گیا، شاہزادہ ہمایوں میرزا نے ظفر ونصرت کی ہم رکابی میں اپنے کو بڑی عجلت سے آگرہ پہنچایا، حضرت فردوس مکانی زبانی تائید اور کامرانی کے ساتھ منگل کے روز ۱۲؍رجب ۹۳۲ھ کو دہلی کو اپنے نزول سے مشرف فرمایا، شیخ زین الدین صدر کو حکم ہوا کہ کشورستانی ظہیرالدین محمد بابر بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھا جائے، دوسرے دن قلعہ، باغات اور عمارتوں کی سیر اور مشائخ کے مقبروں کی زیارت

کی، پھر دس روز کے بعد آگرہ روانہ ہوئے۔

آگرہ میں تقسیم انعامات: قلعہ آگرہ راجہ بکرماجیت کے لشکریوں کے ہاتھ میں تھا، اس نے جنگ کے روز سلطان ابراہیم کی رفاقت کی، حضرت بادشاہ کے نزول اجلال ہونے سے پہلے شاہزادہ ہمایوں کے قبضہ میں آ گیا تھا، شاہزادہ ہمایوں نے حضرت بادشاہ کے آگرہ قلعہ میں داخل ہونے کے شگون میں ایک ہیرا آٹھ مثقال کے وزن کا پیش کیا، یہ سلطان علاء الدین خلجی کے جواہر خانہ سے حاصل ہوا تھا، جو اس کو دکن کی تسخیر کے سلسلہ میں ہاتھ لگا تھا، اس کو قبول کرنے کے بعد جوہریوں سے اس کی قیمت اور وزن کا تخمینہ لگوایا لیکن وہ نہ لگا سکے، تو پھر شاہزادہ محمد ہمایوں کو واپس کر دیا، اس کے ساتھ ساڑھے تین لاکھ رائج الوقت چاندی کے تنکے اور ایک خزانہ سربستہ بھی عنایت کیا، سلطان محمد میرزا کو دو لاکھ نقرئی تنکے جواہرات کے ساتھ دیے، خزانہ کو معائنہ کرنے کے بعد حکم دیا کہ مکہ متبرکہ، مدینہ منورہ، کربلائے معلی، نجف اشرف، مشہد مقدس کے سادات اور فضلا اور ساتوں اقلیم کے دوسرے بزرگوں کے لیے بہ حصہ رسد سونے بھیجے جائیں، کابل کے ہر مرد و زن، بیگانہ و غلام آزاد اور فقیر و غنی کے لیے ایک ایک شاہ رخی بھیجی جائے، جس کا وزن ایک مثقال نقرہ ہوتا تھا، دور اور نزدیک کے جتنے جاں نثار اور ہر ملک کے جتنے مستحقین حضرت بادشاہ کو یاد تھے، سب کو انعام دے کر خوش کیا، پھر ملک کے انتظام کی طرف مائل ہوئے، جو فتنہ اور پراگندگی سے بھر گیا تھا، ہر طرف فوجیں مقرر کیں۔

ہندوستانیوں کی مخالفت: جب ہندوستان کے سواد اعظم میں خاندان تیموریہ کی سلطنت کا طبل بجایا گیا، تو ہندوستانی یہ سمجھے کہ اگر یہ ملک چغتائیوں کے اقتدار میں رہا تو تمام راجاؤں اور افغانوں کا عرصۂ زندگی تنگ ہو جائے گا، افغانوں کی ملت میں خلل آ جائے گا اور راجاؤں کے بت خانے توڑ دیے جائیں گے، اطراف و جوانب کے راجاؤں، خاندان لودی کے سرداروں، جو مشرقی پنجاب میں اپنی موروثی سلطنت سے دست بردار نہیں ہوئے تھے، میوات کے سرکشوں اور دوسرے مفسد زمینداروں نے التیام آمیز پیغام اور رقت انگیز پیام بھیج کر آپس میں اتفاق کر لیا، انھوں نے دور و نزدیک سے رانا سانگا اور راجہ چتور کے پاس درخواست بھیجی کہ اگر یہ ملک امیر تیمور صاحب قراں کی اولاد کے تصرف میں رہے گا تو ا- بتوں کا نام و نشان صفحۂ روزگار سے مٹ

جائے گا اور ملت بے مدار کی بنیاد میں ایسا رخنہ پڑ جائے گا کہ اس کا علاج کسی طرح پھر نہ ہو سکے گا، ۲- اور پھر یہ موروثی اور آبائی ملک مغلوں کے تصرف اور تعدی میں آ جائے گا، تو ہم لوگ محکوم اور غلام بن کر رہ جائیں گے، بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ یہ بے بضاعت مغل اپنے وطن والوں کے لیے اس ملک کے زمینداروں کے لڑکوں، لڑکیوں اور عورتوں کو سوغات اور ہدیے کے طور پر بھیجا کریں گے، اس لیے ملت کی غیرت اور حمیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے نفاق کو اتفاق میں بدل دیں اور کمر ہمت باندھ کر اس کام کے لیے اپنی دولت کو تیار کریں، اپنی جان کو اپنے عالی تبار راجاؤں اور نامور سلاطین کی آبرو کی خاطر صدقہ کر کے اپنی حالت کو سدھاریں، اس کے بعد رانا نے تمام راجاؤں، سلاطین زادوں، مفسد سرداروں اور کوتاہ اندیشوں کی طرف سے دو لاکھ راجپوتوں اور افغان سواروں اور بہادروں اور دو ہزار کوہ پیکر جنگی ہاتھیوں اور توپ خانوں کا ایک لشکر جمع کیا اور وہ سب اپنے اپنے گھروں سے جنگ کے لیے نکلے، ان کے اجتماع کی خبر آگرہ پہنچی، بزم و رزم کے بوڑھوں اور جوانوں نے اس خبر کو نقل کیا، اس وحشت افزا خبر کے آنے سے پہلے وہاں کی آب و ہوا میں ایسی تبدیلی ہوئی کہ مغلوں میں سے چھوٹے بڑے خاص و عام کسی کے مزاج کے موافق نہیں ہوئی اور وہ طرح طرح کے مرض میں مبتلا ہو گئے، سلاطین زادے اور گستاخ امرا تنہائی میں یہ گفتگو کرنے لگے کہ بادشاہ سے کابل واپس جانے کے لیے التماس کیا جائے، فردوس مکانی نے لوگوں کی ان تمام باتوں کو بے سروپا اور لغو سمجھ کر سنی کو ان سنی کر دیا اور ان کا جواب دینا پسند نہیں کیا لیکن اس سلسلہ میں بعض قابوچی افغان اور بداصل میواتی جو وقت کی مصلحت سے ساتھ ہو گئے تھے، اپنے وطن چلے گئے اور ایک جماعت دشمنوں سے مل گئی۔

گوالیار کی مہم: اسی اثنا میں خبر ملی کہ راجہ منگٹ رائے گوالیار پر اپنا موروثی حق سمجھ کر خاں جہاں بندیلہ کے ساتھ آگے بڑھا اور اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا، اس کا قلعہ دار سلطان ابراہیم کا ایک نوکر تاتار خاں تھا، جس نے اس کو مضبوط بنا رکھا تھا، جب اس نے اس قلعہ کی حفاظت کی طاقت نہیں پائی تو اس نے حضرت فردوس مکانی کو ایک عرض داشت بھیجی کہ اگر وہ اپنے کسی شاہی ملازم کو بھیج دیں تو وہ قلعہ اس کے حوالے کر دے گا، اس عرض داشت کے ملنے کے بعد حکم ہوا کہ شاہی ملازم جا کر قلعہ کو تصرف میں لے آئے، راجہ منگٹ رائے نے چغتائیوں کی کمک کے آنے کی خبر سنی تو اس

نے محاصرہ اٹھالیا اور دو تین منزل دور جا کر رانا کے لشکر کے راستہ پر جا بیٹھا، تاتارخاں نے اپنے
عہد و پیمان پر شرمندہ ہو کر اطاعت نہیں کی، رحمٰن داد کو بڑی پریشانی ہوئی، گوالیار میں حقائق آگاہ شیخ
محمد غوث تھے، جو حقیقت نشان درویشوں اور اس زمانہ کے دانش مندوں میں سے تھے، انہوں نے
رحمٰن داد کو کہلا بھیجا کہ جہاں تک ہو سکے حسن سلوک کر کے قلعہ دار سے قلعہ کے اندر جانے کی
اجازت لے کر میرے پاس پہنچ جاؤ، رحمٰن داد نے تاتارخاں کو ایک پیغام بھیجا کہ میں دشمنوں کے
شب خون اور شر سے محفوظ نہیں ہوں، میں دو باتیں آپ سے بالمشافہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ
دشمنوں کی طرف سے اطمینان ہو جائے، اگر مجھ کو چند خدمت گاروں کے ساتھ اسلحہ کے بغیر طلب
کرلیں تو یہ بڑی مروت کی بات ہوگی، تاتارخاں نے اس پیام کو قبول کرلیا اور جب اجازت مل گئی
تو وہ قلعہ کے اندر داخل ہوا، تاتارخاں سے ملا، محبت بھری باتیں کیں، پھر مردہ اور زندہ بزرگوں کی
زیارت کی اجازت حاصل کی اور حضرت شیخ محمد غوث کی خدمت میں حاضر ہو گیا، شیخ محمد غوث کے
کہنے پر اس نے تاتارخاں کو کہلا بھیجا کہ ہمارے تمام لشکر اور سلاح دار قلعہ سے باہر ہیں، تاکہ
دشمنوں کے شر کو دفع کریں، اگر حکم ہو تو میرے کچھ وابستگان قلعہ کے اندر آجائیں، میرا ایک آدمی
قلعہ کے دروازہ پر ہوگا، جو کسی غیر کو اندر نہ آنے دے گا اور وہ چند خدمت گاروں کے ساتھ کچھ
ڈولیوں کو پہچان کر اندر لے آئے گا، اگر ایسا ہو جائے تو بڑے کرم کا اظہار ہو، تاتارخاں زمانہ کے
کھیل سے غافل تھا، اس نے اجازت دے دی، تمام دروازوں پر شیخ محمد غوث کے معتقد اور مرید
تھے، ان کو خفیہ طور پر مدد دینے کو راضی کرلیا گیا، ان سے طے پایا کہ رات کو عورتوں کی سواری کے
آنے کی شہرت دے کر قلعہ کے دروازے کو فتح کرلیا جائے گا، جب آدھی رات ہوئی اور مور و مار سو
گئے تو جیسا کہ طے تھا رحمٰن داد کے آدمی، جاں باز اور آزمودہ کار بہادروں کی جماعت کے ساتھ قلعہ
کے اندر داخل ہوئے اور جن دربانوں نے مخالفت کی، وہ مارے گئے، دروازہ باقی لشکریوں کے
لیے کھول دیا گیا اور آفتاب کی روشنی ابھی در و دیوار پر نہیں پھیلی تھی کہ فلک عذار کی نیرنگی سے لشکری
غافل تاتارخاں کے سر پر پہنچ گئے اور وہ بوق، کرنا اور نقارے کے ساتھ قلعہ کے چاروں طرف پھیل
گئے، جب تاتارخاں نے دیکھا کہ قلعہ ہاتھ سے جا چکا اور اب جان و آبرو بھی جانا چاہتی ہے تو
الامان الامان کی فریاد بلند کی اور خوشی یا ناخوشی سے خزائن اور دفائن کی کنجی رحمٰن داد کے حوالے کردی

اورزیادہ سے زیادہ معذرت کر کے جدید قلعہ دار سے اپنی نافرمانی کی سفارش چاہی اور وہ فتح نامہ اور راضی نامہ کے ساتھ دربار روانہ ہوگیا۔

رانا سانگا سے جنگ: دربار میں تاتار خاں کے آنے کے بعد چتوڑ کے رانا کے نزدیک پہنچ جانے کی خبر سے انتشار پھیلا، اس بدنصیب گروہ کی فوج کی کثرت کا ذکر خاص و عام کی زبان پر تھا، کہن سال بہادروں کے دلوں میں بھی اندیشہ پیدا ہوگیا لیکن کشورستانی (بابر) نے اندیشہ کو راہ نہ دیا اور دشمن بدسگال کے استیصال کے لیے آگے بڑھے، کچھ فوج کو بیانہ کے توابع میں آگے بھیجا، پھر خود پہنچے، مخالفوں کی خبر لانے کے لیے قراولوں کو بھیجا، قراولوں کی جماعت عبدالعزیز کے ساتھ گئی لیکن اس میں زیادہ تر لوگ مارے گئے، عبدالعزیز زخمی ہوکر چند سواروں کے ساتھ واپس آیا، اس نے دشمنوں کی کثرت کو کچھ اس طرح بیان کیا کہ خوفزدہ دلوں میں اور بھی تشویش پیدا ہوئی، حضرت فردوس مکانی نے اپنے ساتھ کو سلاطین و امرا کو مشورہ کے لیے جمع کیا، ہر ایک سے حوصلے کا اندازہ لگانے کے لیے کچھ نہ کچھ پوچھا، اکثر لوگوں نے پنجاب اور کابل کی طرف مراجعت کرنے کی رائے دی اور اپنی طرف سے عقلی و نقلی دلیل و برہان پیش کیے، یہ سن کر فردوس مکانی نے فرمایا:

> ''کیا دین اسلام کی یہی غیرت ہے کہ ایک ملک کو اتنی کوشش سے حاصل کیا لیکن غیر مسلموں کے ڈر سے ہم بھاگ جائیں، ہم شہادت کے درجہ کا ثواب حاصل کرنے کی ہمت باندھیں، اگر ہم غالب آئے تو غازی کہلائیں گے، ورنہ شہادت سے کوئی اور رتبہ بہتر نہیں ہے، ہمارا ذکر شہیدوں میں کیا جائے گا اور ہم ان ہی میں شمار کیے جائیں گے، کیا یہ بہتر ہے یا یہ کہ سلاطین کی گذشتہ تاریخوں میں ہمارا ذکر غیر مسلموں سے شکست کھا کر بھاگنے والوں میں ہو۔''

یہ غیرت بھری باتیں خوفزدہ دلوں اور ایران اور توران کے فدائیوں کے لیے موثر ہوئیں، انھوں نے اس جہاد کو سرمایۂ اطاعت اور اعتقاد سمجھا اور اپنی جانوں کو نثار کرنے اور دشمنوں کو مارنے کے لیے عہد و پیمان کر کے کلام الٰہی کی سخت قسمیں کھائیں، شیخ زین الدین صدر کی رہنمائی میں بادشاہ نے شراب اور دوسرے منہیات الٰہی، حتی کہ داڑھی منڈوانے سے

توبہ نصوح کی، حالانکہ داڑھی منڈوانا موروثی بادشاہت میں شانِ شجاعت سمجھا جاتا تھا۔

۱۰ر جمادی الاول ۹۳۳ھ کو نوروز کے دن شاہی فوج آراستہ کی گئی، تمام تہور پیشہ سپہ سالاروں کو تعلیم دی گئی اوران سے وعدہ وعید کیا گیا، پھر خدا کو عزیمت اور عظمت کے ساتھ یاد کیا گیا، دشمن تین کروہ پر تھا، ایک کروہ آگے بڑھ کر بادشاہ نے نزول اجلال کیا، اُس روز بہادر جوان تفریح اور سیر کی خاطر دشمن کے لشکر کے پاس جاتے، ان پر حملہ کرتے اوران میں سے چند لشکریوں کے سر اپنے گھوڑوں کے شکار بند میں لٹکا کر لاتے اور سرداروں کو تحفے کے طور پر پیش کرتے، دوسرے دن آفتاب جہاں تاب کے پورب سے نکلنے کے بعد فوج نے ایک کروہ کوچ کیا اور ایک جگہ مقرر کر کے وہاں رایاتِ ظفر آیات کا نزول ہونے ہی کو تھا اور ابھی اونٹوں اور ہاتھیوں پر سے اسباب اتر ہی رہا تھا کہ دشمنوں کے لشکر اوران کے شیر شکار ہاتھیوں کی گرد نظر آئی، اس طرف برانغار میں شاہزادہ محمد ہمایوں میرزا کو قوی دل بہادروں اور لشکر گسل امیروں کے ساتھ مقرر کیا گیا اور ان صف شکن بہادروں کے یمین و یسار میں صفیں آراستہ ہوئیں، جرانغار میں سید خواجہ اور دوسرے بلند پایہ امیر متعین ہوئے اوران کے یسار و یمین محمد سلطان میرزا اور دوسرے نامور امرا بزم ورزم کے زینت بخشنے والے ہوئے اور کئی ہزار سوار ایک شیر شکار دلاور کے ماتحت علاحدہ رکھے گئے کہ جس طرف مدد کی ضرورت ہو وہاں وہ پہنچ جائیں اور بادشاہ خود آفتاب عالم تاب بن کر لشکر کے قلب میں جلوہ افروز ہوئے، ہر طرف ہزاروں جان چھڑکنے والے مقربین اپنی اپنی جان کو ہتھیلیوں پر لے کر شاہی گھوڑے کے قدم اور سم کے نیچے نثار اور قربان ہونے کے لیے فوج ظفر موج کی زینت بنے، ان کے نام گنوانا تحصیل حاصل ہے، بقیہ فوجیں جابجا متعین ہوئیں، چار گھڑی گذرنے کے بعد آفتاب جب خانہ سلطنت اور مشتری امید ورجا کے بیت میں نور افگن ہوا تو حضرت بادشاہ نے فتح ونصرت کے رکاب میں پاؤں رکھ کر فوج دریا موج میں برے انجام رکھنے والوں کے مقابلہ میں حرکت پیدا کی، دونوں فوجیں خون کے سیلاب کی طرح مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے بڑھیں، ناری اور ناجی دونوں ظلمت ونور کی طرح ملے تو اسلام کی فتح ونصرت کی خوشی سے بھری ہوئی ندا طرفین کے خاص وعام کے کانوں تک پہنچائی گئی، کوہ پیکر ہاتھیوں نے شیروں کو شکار کرنے والوں اور ہاتھیوں کو پچھاڑنے والوں کے مقابلہ میں آکر ایسا زلزلہ پیدا کردیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ

اونچے اونچے پہاڑ حرکت میں آگئے ہیں:

زغریدن ژندہ پیلانِ مست گرہ در گلوے ہژ براں شکست

رومی اور ہندی نقار خانے، جنگی کرنا کی آوازوں اور لڑنے والوں کے زہرہ شگاف نعروں سے زمین و آسمان گونجنے لگے، کئی ہزار جسم بے سر کے ہوگئے، نام پیدا کرنے والے عاشقوں نے اس لڑائی کو عروسی کا سیر وتماشا سمجھا اور اس کا نظارہ کرتے رہے، عرب اور عجم کے لڑنے والوں اور ایران و توران کے سپہ سالاروں نے اس رزم کی بزم کو عرب و عجم کا ایک کھیل تصور کیا اور اس جولانگاہ کو رنگین بنانے ہی میں اپنی سرخروئی سمجھے اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی اور دشمنوں کے سروں کو میدان کے گیندوں کی طرح لڑھکانے لگے، دشمنوں کا غلبہ ہوا اور نزدیک تھا کہ چغتائیوں کو شکست ہو جائے، حسن خاں میواتی کی فوج ہراول دس بارہ ہزار سواروں اور خیرہ سر اور جرار راجپوتوں کی ایک جماعت کے ساتھ حملہ آور ہوئی، چغتائی بہادروں کی ایک جماعت شہید ہوئی، اُس وقت کشورستاں بادشاہ نے اپنے قلب کے لشکر کو حرکت دی اور چغتائی بہادر دشمنوں پر حملہ آور ہوئے، اس دشت پر وحشت میں غازیوں کی تکبیروں سے زمین و آسمان کانپ اٹھے، بے خطا تیر اندازوں کے پہلے ہی حملہ میں حسن خاں میواتی جوان خونی لوگوں اور شیر کی طرح لڑنے والوں سے مقابلہ کے لیے آگے بڑھ آیا تھا، ایک جماعت کے ساتھ مارا گیا، اس سے دشمنوں کی صف میں ہزیمت کا غلغلہ اٹھا اور دشمن کے لشکر کے ہزاروں سواروں کے سر، ہاتھ، پاؤں جاتے رہے اور وہ دل باختہ ہو کر ایک دوسرے پر گرتے پڑتے بھاگنے میں سبقت لے جانے لگے، رانا بھی چغتائی بہادروں کی جنگ کے پنجہ سے رہا ہو کر گھوڑے پر اپنی جان لے کر باہر چلا گیا، افغانوں کی جماعت بھی مغلوب ہوئی اور اپنے پیچھے کشتوں کا ایک پشتہ چھوڑ گئی، ہندوستان کے ہر طرف نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ کی آواز گونج رہی تھی، ثابت قدم شہزادے، چچا زاد سلاطین اور امرا فتح پر ہندوستان، ایران اور توران کے آداب کے مطابق تسلیمات بجالائے، اس فتح کی تاریخ ''فتح بادشاہ اسلام'' لکھی گئی اور حضرت بادشاہ کا لقب خطبہ میں غازی ہوگیا۔

میوات میں ورود: اس فتح کے بعد اہل عناد کی نفرت کی وجہ سے بادشاہ اسلام نے وہاں سے

کوچ کیا اور شکار کرتے ہوئے میواتیوں کی تنبیہ کے لیے میوات کی طرف بڑھے، حسن خاں کے لڑکے ناہر خاں میواتی نے ایک جماعت کے ساتھ نذرانے دے کر حاضری دی اور اس علاقے کو حسین تیمور خاں کے حوالہ کیا اور اس کو بہادر کے خطاب سے بھی سرفراز کیا گیا۔

انتظامات: شاہزادہ ہمایوں میرزا کو ہدیے اور فتح نامے کے ساتھ کابل بھیجا گیا اور بعض افغانوں کو جو تنبیہ کے لائق ہو گئے تھے، سزا دی گئی، محمد سلطان کو لکھنؤ کے انتظام کے لیے روانہ کیا گیا، اس کے بعد حضرت بادشاہ آگرہ چلے آئے۔

چندیری کی مہم: آگرہ میں زیادہ آرام کیے بغیر چندیری کے زمیندار راجہ میدنی رائے کی طرف توجہ کی اور چند روز کے بعد چندیری کا قلعہ تصرف میں آ گیا اور قلعہ والوں کی جان بخشی کی گئی لیکن راجپوت جب قلعہ سے باہر آنے لگے تو لڑائی پر آمادہ ہو گئے، تین چار ہزار مارے گئے، میدنی رائے نے پناہ مانگی، مگر اپنی عورتوں، لڑکوں اور دوسرے چھوٹے بڑے وابستگان کو جو قریب ایک ہزار کے تھے، پرانے راجاؤں کے دستور کے مطابق تہ تیغ کر دیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ حضرت بادشاہ کے پاس پہنچا، اس علاقہ کے باقی اور دوسرے زمینداروں اور راجاؤں نے اطاعت قبول کر لی، مسجدوں اور خانقاہوں کو کافروں نے اپنے گھوڑوں اور گایوں کی پائے گاہ بنالیا تھا، ان کو صاف کیا گیا اور ان کو درست کر کے ان میں موذن اور جاروب کش مقرر کیے گئے، چندیری، رن تھنبور، سارنگ پور اور رائے سین میں قلعہ دار اور خدا ترس اور رعیت پرور حکام متعین کیے گئے، اس فتح کی تاریخ "فتح دارالحرب" کہی گئی، حضرت بادشاہ کی نظر سے گذری تو پسند آ گئی اور فی البدیہہ یہ کہا (یہاں پر صرف ایک شعر نقل کیا جاتا ہے):

فتح کردم بجر قلعۂ او گشت تاریخ "فتح دارالحرب"

اس جگہ کی حکومت اور ایالت احمد شاہ کو مرحمت کی گئی جو اس پر موروثی حق رکھتا تھا اور اس نے لڑائیوں میں بڑی محنت کی تھی، اس کے بعد حضرت بادشاہ گوالیار کی عمارتوں، باغوں، مسجدوں اور دوسرے مکانوں کی سیر کے لیے روانہ ہوئے اور وہاں کے بزرگوں اور حکمرانوں کے مزاروں پر فاتحہ پڑھ کر آگرہ تشریف لائے۔

اسی زمانہ میں حبیب السیر کا مورخ خواند میر اور ملا شمس الدین معمائی ہرات سے

آئے اور حاضری کا شرف حاصل کیا، اسی اثنا میں احمد نگر کے والی نظام الملک بحری کے یہاں سے ایک عریضہ تحفوں اور ہدیوں کے ساتھ پہنچا، جس میں پہلے اور بعد کی فتوحات پر مبارکباد بھی پیش کی گئی تھی۔

پورب کی مہم: خبر پہنچی کہ سلطان بہلول لودی کے پوتے سلطان محمود نے بہار میں بغاوت کردی ہے، اسی کے ساتھ ملتان میں بلوچیوں کے فساد کی بھی خبر آئی، پورب فساد کا منبع بنا ہوا تھا، ہر مہینہ اور ہر سال وہاں کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا، حضرت بادشاہ نے پورب کے فساد کو ملتان کے مفسدوں کی تنبیہ پر مقدم جانا اور بہار کی طرف اپنی توجہ کی، سلطان محمود نے چغتائیوں کے آنے کی خبر سنی تو ان کے دبدبہ سے سراسیمہ ہو کر چند روز کے لیے مفقود ہو گیا لیکن پھر ایک لشکر فراہم کیا اور جب حضرت بادشاہ گنگا عبور کر رہے تھے تو وہاں پہنچ کر چھیڑ چھاڑ کی، عسکری میرزا کو اس کے خلاف مامور کیا گیا، حضرت بادشاہ نے خود دریا عبور کیا، افغان بے فائدہ ہاتھ پاؤں مار کر بھاگ کھڑے ہوئے، جب برسات کا موسم آیا تو بادشاہ کو وہاں کی آب و ہوا موافق نہیں ہوئی، نصرت شاہ ممتاز افغانوں میں تھا، وہ تسلیمات بجالایا تو اس کے قصور معاف کردیے گئے اور وہ اس طرف کے ملعونوں کو دفع کرنے کے لیے مقرر کیا گیا، اس کو بہت سی عنایتوں کا فخر حاصل ہوا، اس کے بعد حضرت بادشاہ آگرہ کی طرف لوٹ گئے، ہمایوں میرزا حکم پا کر کابل سے سنبھل چلے آئے تھے، وہاں ان کو ایک شدید عارضہ ہوا جو طول کھینچ گیا، بادشاہ نے باپ کی غایت محبت کے جذبہ سے اپنے پاس بلالیا۔

وفات: اسی ایام نافرجام میں خبر ملی کہ بدخشاں کا نظم درہم برہم ہو گیا ہے اور مخالفوں کی مخالفت برابر جاری ہے، وہاں کے مفسدوں کے استیصال کے لیے برابر امرا بھیجے گئے لیکن اس وقت تک حضرت بادشاہ کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی، جب مرض طویل ہو گیا تو سفر آخرت کا تہیہ کرلیا، شاہزادہ ہمایوں میرزا کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور وصیت کرنے کے بعد ۹۳۷ھ میں فردوس اعلیٰ کو چل بسے، اڑتیس سال تک تاج و تخت کی زینت بنے رہے اور پچاس سال کی عمر پائی۔

جہاں اے پسر ملک جاوید نیست ز دنیا وفاداری امید نیست

فضائل: زمانہ کے انصاف پسندوں کا اس پر اتفاق ہے کہ محمد بابر بادشاہ غازی انار اللہ برہانہ کی

طرح شجاعت، سخاوت، مروت، حمیت، حدثت جوہر، خطا بخشی اور جرم پوشی میں تاریخ سلاطین میں کوئی اور بادشاہ نہیں گذرا اوران کے دور اور نزدیک کے امرا اور رشتہ دار برابر عناد آمیز قصور اور فتنہ انگیز حرکتیں قصداً کرتے رہتے لیکن جب وہ ان کے پاس آتے اور توبہ کرتے تو پھر جرم کردہ کو ناکردہ اور شنیدہ کو ناشنیدہ تصور کر لیتے، حالانکہ یہ عرب وعجم اور ہند کے سلاطین کا یہ دستور نہ تھا۔

علم فقہ، انشا، نظم فارسی وترکی میں بڑی مہارت رکھتے، ترکی زبان میں اپنے حالات لکھے ہیں جو یادگار کے طور پر چھوڑا ہے اور اہل ذوق اس کو بہت پسند کرتے ہیں، صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے اور دوسرے احکام الٰہی کا خیال رکھتے، ان کی تاریخ وفات ''بہشت روزی باد'' ہے۔

مرض الموت کی تفصیل: کہتے ہیں کہ جب محمد ہمایوں بادشاہ آگرہ سے سنبھل پہنچے تو ان کے عارضہ میں شدت پیدا ہوگئی، دعا اور دوا سے کوئی فائدہ نہیں ہوا، ایک دن میر ابوالبقا نے جو فضلائے روزگار میں شمار کئے جاتے تھے کہا کہ صدقہ رد اجل ہوتا ہے، اگر کوئی قیمتی چیز جس سے بڑھ کر کوئی اور قیمتی چیز نہ ہو، آپ اپنے فرزند کے لیے صدقہ کردیں تو اغلب ہے کہ خدا تعالیٰ شفا عطا کردے، مصلحت یہ ہے کہ وہ قیمتی ہیرا جو آگرہ کے فتح کے دن بادشاہ زادہ ہمایوں کو ملا تھا اور جو سلطان علاء الدین کے خزانہ کا تھا اور جس کو بادشاہ زادہ نے اپنے باپ کی خدمت میں پیش کیا تھا لیکن بادشاہ نے اس کو دو لاکھ نقرئی تنکے اور دوسری عنایتوں کے ساتھ واپس کردیا تھا، اسی کو فروخت کرکے مستحقوں کو دے دیا جائے، بادشاہ نے فرمایا وہ پتھر کا ٹکڑا میری اور میرے فرزند کی جان سے زیادہ عزیز نہیں ہے، میں اپنے جان کو ہمایوں کی جان کے بعد سب سے عزیز رکھتا ہوں، اس لیے کیوں نہ اس پتھر کے ٹکڑے کے بجائے اپنی جان کو اپنے فرزند گرامی کے لیے صدقہ کردوں:

بہ پیش نقد جاں گوہر چہ باشد   نثار دوست باشد ہر چہ باشد

وہ خلوت میں گئے، خدا کی بارگاہ میں روئے، پھر اپنے سے عزیز تر فرزند کے نزدیک آئے، تین بار چکر لگایا اور کہا برداشتم، برداشتم، برداشتم، اسی روز سے ہمایوں کو صحت ہونے لگی اور محمد بابر بادشاہ بیمار پڑ کر رخصت ہوگئے۔

اوصاف: کہتے ہیں کہ بادشاہوں، امیروں اور سلاطین کی سواری کے وقت جریب کا استعمال کرنا فردوس مکانی کی ایجاد ہے، سفر اور شکار میں مسافت معلوم کرنے کے لیے کروہ کا تعین جریب سے ہو جاتا ہے، کروہ جریبی ہندوستان کے دوسو جریب کے ایک پختہ کروہ کے برابر ہوتا ہے، ہر جریب چالیس گز کے برابر ہے، ہر گز نو مستوی القامہ مشت کا ہوتا ہے، عام کروہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں ان کے حالات کے مطابق مختلف ہے، صوبہ مالوہ اور راجپوتانہ کے بعض سرحدی مقامات کا کروہ جریبی سے کم نہیں ہے، بلکہ کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے لیکن ملک دکن کا کروہ برہان پور، احمد آباد، آگرہ سے لے کر پنجاب بلکہ کابل کی سرحد تک تین سو چودہ جریب سے کچھ کم وبیش ہے، دو کروہ عرفی دو کروہ جریبی کے برابر ہوتا ہے، راقم نے خود قدم اور رسی سے بار بار ناپا ہے۔

اس انصاف پسند بادشاہ کے منجملہ اوصاف میں سے اس کی حق شناسی اور خدا ترسی کا یہ واقعہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ شباب کے شروع زمانہ میں شراب بہت پیا کرتا، شباب اور شراب کی مستی کے ساتھ ریاست اور حکمرانی بھی تھی لیکن سلطنت ابھی اچھی طرح قائم نہیں ہوئی تھی، اس لیے اس کو روپیے کی برابر حاجت رہتی، اسی زمانہ میں اس کو خبر ملی کہ ملک خطا کا ایک کارواں غلطی سے جنگل کی طرف چلا گیا، جہاں صبح سے شام تک کوئی بھی آدمی نہیں ملا، شام کے بعد برف گرنی شروع ہوئی، ٹھنڈی ہوا چلنے لگی، بجلی کی کڑک اور زمین اور برف کی ٹھنڈک سے صبح صادق تک اس قافلہ میں سے کوئی زندہ نہیں رہا، دو آدمی قافلہ کے پیچھے نیم جان ہو کر آئے، ان ہی سے اس جماعت کی حقیقت معلوم ہوئی، فردوس مکانی نے ان تاجروں کے وارثوں کو دریافت کرنے اور ان کے آنے تک ان کے درم و دینار پر قبضہ نہیں کیا، ان کے متروکہ مال کو ان وارثوں تک پہنچا دیا، اسی طرح کی اور اچھی باتیں ان کے متعلق سننے میں آئیں۔

غلام حسین خاں طباطبائی مصنف سیر المتاخرین

''غلام حسین خاں طباطبائی نے اپنی تاریخ سیر المتاخرین ۱۷۸۳ء میں لکھی، وہ شاہ عالم کے زمانہ میں میر منشی تھا، اس کا باپ شاہ عالم کا میر بخشی رہا، یہ تاریخ تین حصوں میں ہے، جو بڑی تقطیع کے ۹۶۲ صفحے پر مشتمل ہے، شروع میں ہندوؤں کی تاریخ بھی لکھی گئی، پھر غزنویوں، غوریوں، غلاموں، خلجیوں، تغلقوں، سیدوں، لودیوں اور مغلوں کی تاریخ ہے، آخر میں ۱۷۸۳ء تک انگریزوں کی سیاسی سرگرمیوں کا ذکر ہے۔

بابر کے جو اقتباسات یہاں پر پیش کیے گئے ہیں، ان سے کچھ زیادہ مفید حالات نہیں معلوم ہوتے، مصنف نے واقعات کو قلمبند کرنے میں تقدیم و تاخیر کا زیادہ لحاظ نہیں رکھا ہے اور جو کچھ لکھا ہے اس کو سطحی اور سرسری جائزہ کہا جا سکتا ہے، اس میں ہندوستان پر بابر کے چوتھے حملہ کی تاریخ تو صحیح ہے لیکن اور حملوں کی تاریخ غلط لکھی گئی ہے، اسی طرح اور بھی غلط بیانیاں ہیں، مثلاً اس میں ہے کہ پانی پت کی لڑائی کے بعد بابر نے ہمایوں کو ستر لاکھ سکندری تنکے اور ایک شاہی مکان انعام میں دیا، اکبر نامہ اور تاریخ فرشتہ میں ہے کہ خزانے کا ایک گھر عطا کیا، اس میں ہے کہ خزانے کے انعامات دہلی میں تقسیم کیے گئے لیکن اور تاریخوں میں ہے کہ یہ انعامات آگرہ میں تقسیم ہوئے، دہلی اور آگرہ کے قیام کا بیان بہت گنجلک ہو گیا ہے، قیمتی ہیرے کے متعلق بھی بیان میں ژولیدگی پیدا ہو گئی ہے، اس میں ہے کہ سلطان ابراہیم کی ماں نے بابر کو پیش کیا، حالانکہ خود بابر کا بیان ہے کہ ہمایوں کو راجہ بکرماجیت کی اولاد سے آگرہ میں ملا اور ہمایوں نے اپنے باپ کی خدمت میں گذارا، اس میں ہمایوں کی علالت اور بابر کی موت کی جو مدت بتائی گئی ہے، وہ بھی صحیح نہیں ہے، اس میں ایک نئی بات یہ ہے کہ بابر نے کامراں کو لاہور اور ملتان جاگیر میں دیے اور ملتان جو مدتوں سے سلاطین دہلی کے قبضہ سے نکل چکا تھا، پھر مرکزی حکومت کے قبضہ میں آ گیا۔''

ہندوستان پر بابر کے حملے: بابر پہلی بار ۹۱۲ھ میں تربیلہ مضافات ملتان تک، دوسری بار ۹۱۳ھ میں فرد کابل کی راہ سے اول (مندروال عرف لمغان) کے نواح تک، تیسری بار ۹۲۵ھ میں بھیرہ پنجاب تک، چوتھی بار ۹۳۰ھ میں لاہور اور دیبال پور تک، پانچویں بار ۹۳۲ھ میں آیا، جب کہ سلطان ابراہیم لودی کی بدسلوکی اور ظلم سے ہندوستان کے اطراف کے اکثر امرا نے برگشتہ ہو کر فتنہ و فساد کا جھنڈا بلند کر رکھا تھا اور سلطان کے نوکروں نے بغاوت کر رکھی تھی، دولت خاں لودی لاہور سے کابل پہنچا اور بابر کو دہلی آنے کی ترغیب دی، جس کے بعد بابر بادشاہ نے ہندوستان کا قصد کیا، اس نے اپنے سے پہلے بعض امرا کو لاہور اور اس دیار کی طرف بھیجا اور خود اپنے بخت و اقبال کی قیادت میں چل کر دریائے سندھ کے کنارے پہنچا، ملاحظہ کے بعد سپاہیوں میں سے سواروں اور پیادوں اور پھر سوداگروں، بڑوں اور مسافروں میں سے سب ملا کر دس ہزار ہوئے۔

دولت خاں کی بدعہدی: اس اثنا میں خبر ملی کہ دولت خاں اور غازی خاں اپنے عہد کو توڑ کر چالیس ہزار سواروں اور پیادوں سے کلانور کے حصار کو اپنے تصرف میں لے آئے ہیں اور جو شاہی امرا پہلے لاہور پہنچ چکے تھے، ان سے لڑائی کا ارادہ رکھتے ہیں، سیالکوٹ کے شاہی لشکر سے بھی لڑائی کرنے پر آمادہ ہیں، بابر نے یہ خبر سن کر تیزی سے چناب دریا کو عبور کر کے بہلول پور کے حوالی میں نزول اجلال کیا اور حکم دیا کہ سیالکوٹ کو تباہ کر کے وہاں کے لوگوں کو بہلول پور میں آباد کیا جائے اور وہاں سے آگے بڑھا۔

سلطان ابراہیم سے اس کے امرا کی لڑائی: کچھ روز پہلے تائید خداوندی یہ ہوئی کہ عالم خاں اور دوسرے امرا نے سلطان ابراہیم سے منحرف ہو کر اس کی مخالفت میں جھنڈا بلند کیا اور اس سے لڑنے کے لیے چالیس ہزار سوار جمع کر لئے اور دہلی کی طرف چل کھڑے ہوئے، جب سلطان ان کے مقابلہ کے لیے آیا تو ان امرا نے میدان کی لڑائی لڑنا مناسب نہ سمجھا اس لیے شبخون مارا، دوسرے دن میدان میں سخت لڑائی ہوئی، امرا کو شکست ہوئی اور سہرند کی طرف چلے آئے، جہاں بابر کے شاہی لشکر کے آنے کی خبر سنی تو خوش ہوئے، اس کے یہاں حاضری کو غنیمت جانا اور جب اس کے آستانے پر پہنچے تو ان کے ساتھ بڑی مہربانیاں کی گئیں۔

دولت خاں کی ندامت اور وفات: بابر بادشاہ سیالکوٹ سے آگے بڑھ کر پرسرور کے راستے سے کلانور پہنچا اور وہاں سے کوچ کر کے بلوت کو تسخیر کیا، دولت خاں اپنے عہد سے پھر گیا تھا، اس لیے شرمندگی میں سامنے نہیں آتا تھا لیکن جب نادم ہو کر حاضر ہوا تو خیر خواہوں کے مشورے سے اس کو اس کے ساتھیوں کے ساتھ قلعہ بلوت میں قید کر دیا گیا اور وہیں اس کی روح اس کے بدن کے قفس سے پرواز کر گئی۔

فیروزہ کی تسخیر: بابر بادشاہ انبالہ پہنچا، شاہزادہ ہمایوں میرزا کو حصار فیروزہ کی فتح کے لیے روانہ کیا، شاہزادہ اس نواح کو فتح کر کے حاضر ہوا تو اس خدمت کے انعام میں اس کو حصار فیروزہ اور ایک کروہ تنکہ نقد مرحمت ہوا۔

پانی پت کی جنگ: انبالہ میں خبر ملی کہ سلطان ابراہیم ایک لاکھ سواروں اور بہت سے توپ خانوں اور ایک ہزار کوہ شکوہ ہاتھیوں کے ساتھ دہلی سے جنگ کرنے کے لیے نکل پڑا ہے اور منزلیں طے کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے، بابر نے انبالہ میں ٹھہرنا پسند نہ کیا اور شہر پانی پت کے نواح میں نزول اقبال کیا، سلطان ابراہیم بھی اس شہر کے نواح میں پہنچ کر لڑائی کے لیے تیار ہو گیا، روزانہ طرفین کی طرف سے قراولوں میں لڑائی ہوتی رہی، بابری لشکر کے بہادر تائید الٰہی سے غالب آئے اور وہ مورد تحسین و آفریں ہوئے۔

اس کے بعد سلطان ابراہیم ہاتھی پر سوار ہو کر بڑی شوکت سے میدان میں آیا، اس لڑائی میں افغانوں نے کوہ پیکر ہاتھیوں کا انتخاب کیا اور ان کو جھیم اور دوسرے ہتھیاروں سے آراستہ کر کے بابر کے لشکر کی طرف ہانکا، یہ عفریت پیکر ہاتھی اپنی تندخوئی اور عربدہ جوئی کے ساتھ جس طرف دوڑ جاتے مغلوں کی صفوں میں شگاف پیدا کر دیتے، ولایتی فوج کا نظم جاتا رہا، مغلوں کے گھوڑوں نے ایسے خوفناک جانور نہیں دیکھے تھے، سامنے آنے سے بھاگتے، اگر کوئی سوار دلیری کر کے سامنے آجاتا تو ہاتھیوں کی سونڈ سے موت کے پنجہ میں گرفتار ہو جاتا اور ہلاک ہو کر خاک میں مل جاتا، بابر بادشاہ نے اپنے لشکریوں کی بے دلی دیکھی تو امید و بیم کی ترغیب و تہدید کر کے ان کو لڑنے کی تاکید کی اور رشہ دی اور جان چھڑکنے والوں کے دلوں کو مضبوط کر کے دشمنوں پر حملہ کرایا اور قادر توانا کی مشیت یہ ہو چکی تھی کہ لودیوں کا سلسلہ ختم ہو جائے اور

ہندوستان خاندان بابری کے جھنڈے کے سایہ کے نیچے آجائے، اس لیے تمام کوششوں کے باوجود اس کے لیے فتح وظفر کی نسیم چلی اور غنچہ مراد آمال بابری کے گلبن کے لیے شگفتہ ہوگیا، سلطان ابراہیم میدان میں مارا گیا، اس کے لشکری بھی تیغ بے دریغ کے نشانہ بن گئے اور سلطان کی لاش کے پاس پانچ چھ ہزار آدمی قتل ہوئے اور جو تلواروں سے بچے وہ شکست کھا گئے اور تائید ایزدی سے فتح کا ظہور ہوگیا، یہ فتح ہندوستان کی فتوحات کا مقدمہ تھی، بابری فوج کی تیغ کی برق بارقہ سے سلطان ابراہیم لودی کی حکومت اور عمر جل کر رہ گئی، فتح کے بعد بابر اپنی جبین نیاز زمین عجز پر رکھ کر سجدۂ شکر درگاہ بے نیاز میں بجالایا اور دہلی میں آکر جو سلاطین ہند کی تخت گاہ تھی اپنے نام سے خطبہ اور سکہ جاری کرایا۔

تقسیم انعامات: سلاطین نے جو خزانے جمع کئے تھے، بابر نے ان کے دروازے کھول دیے، ستر لاکھ تنکہ سکندری شاہزادہ ہمایوں کو دیا اور ایک شاہی مکان بھی اس کے ساتھ انعام میں عطا کیا، جس کے متعلق یہ نہ تحقیق ہوسکی کہ یہ کس کا تھا، دس لاکھ تنکہ امرا کو مرحمت کیا، تمام بہادروں بلکہ لشکر کے ہر لشکری کو انعام دیا، جو شاہزادہائے کامگار کابل میں رہ گئے تھے، ان کے اور شبستان اقبال کی پردہ نشیں بیگمات کے لیے ان کے درجات اور مرتبے کے مطابق نقد اور جنس روانہ کی گئی، دہلی کے انتظامات کے بعد آگرہ بابر آیا، یہ شہر دارالسلطنت تھا، یہاں مالی اور ملکی انتظام کے لیے ٹھہرے، دہلی اور آگرہ تو بابر کے ملازموں کے قبضے میں تھے لیکن ملک کے اور حصوں میں افغانوں نے مخالفت کا جھنڈا بلند کر رکھا تھا لیکن بادشاہ نے اپنی صائب تدبیروں سے وقت گذرنے پر اکثر مخالفوں کو اپنا اطاعت گذار اور مطیع بنالیا اور ہر شخص کو اس کے رتبہ کے مطابق اپنی مہربانیوں سے نوازا، نئے اور پرانے امرا کو بھی ان کی لیاقت کے مطابق جاگیریں مرحمت کیں، سلطان ابراہیم کی ماں، اس کے لڑکوں اور مقربوں کے ساتھ بھی مہربانیاں کیں، ان کو دولت اور خزانے مرحمت کئے بلکہ اس میں یہ اضافہ کیا کہ سلطان کی ماں کے لیے بطور سیورغال سات لاکھ تنکے مقرر کئے، سلطان کی ماں اس عنایت سے بہت ممنون ہوئی، ایک ہیرے کا وزن آٹھ مثقال تھا، جوہر شناس مبصر اس کی قیمت حد قیاس سے زیادہ لگاتے، یہ سلطان علاء الدین خلجی کے خزانہ میں تھا، اس کو راجہ بکرماجیت کی اولاد سے ہاتھ لگا تھا، یہ بابر بادشاہ کو پیش کیا گیا۔

بابر آگرہ آیا تو انتظامات میں لگ گیا، پوری برسات عیش و عشرت میں گذاری، اس کی عدل گستری اور رعیت پروری کے فیض سے وہاں کے رہنے والے خوش ہوئے اور جب برسات ختم ہوئی تو دسہرہ کے بعد جو ہندوؤں کی عید ہے، مخالفوں کے استیصال کی طرف توجہ کی۔

رانا سانگا سے لڑائی: رانا سانگا ہندوستان کے بہت بڑے راجاؤں میں سے تھا، اس نے حسن خاں میواتی کے اغوا سے ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا، جرأت اور بے باکی سے اپنی جگہ سے حرکت کر کے بابر سے جنگ کرنے کے لیے بیانہ پہنچا، جو آگرہ سے متصل ہے، اسی کے ساتھ افغان امرا کا ایک گروہ جو سلطان ابراہیم سے بھی مخالفت رکھتا تھا، پچاس ہزار سواروں اور بہت سے ہاتھیوں کو لے کر قنوج کے نواح پر حملہ آور ہو گیا اور پہاڑ خاں ولد دریا خاں کو بادشاہ بنا کر سلطان محمد کا لقب دیا، ہر طرف ایک بڑی شورش اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

کابلی امرا سرد ملک کے خوگر تھے، وہ عاجز آ گئے، وہ گرمی کی تکلیف اور مسلسل لڑائیوں سے بددل تھے، ان کو رانا سانگا اور افغانوں کی مخالفت کا بھی خوف تھا، اس لیے یہاں سے واپس ہو جانا مرجح سمجھتے تھے، مشورے کے موقع پر انھوں نے بابر سے کہا کہ ہر طرف دشمنوں کا ہجوم ہے، ملک ابھی تک پورے قبضہ میں نہیں آیا ہے، اس لیے بہتر ہے کہ یہاں پر کچھ قلعے بنا دیے جائیں اور پنجاب میں جا کر مقیم ہوں اور وہاں انتظار کیا جائے کہ غیب سے کیا ہوتا ہے، بادشاہ نے فرمایا:

> ''اتنا بڑا ملک بہت ہی مشقت سے حاصل کیا ہے اور خود اپنے ہم مذہبوں کی کثیر جماعت کو مارا ہے، آج کے دن ایک ہندو کے سامنے سے لڑائی کیے بغیر چلا جاؤں، تو زمانہ کے بادشاہ کیا کہیں گے، بادشاہوں کی محفلوں میں میرے نام کا ذکر کس طرح ہوگا، افسوس، یہ وہ وقت ہے کہ عزیمت کو شجاعت کا ہمدوش بنا کر ایسی لڑائی کی جائے کہ یاد کی جائے، اگر تائید الٰہی سے فتح ہو گئی تو ہم غازی ہوں گے اور اگر مارے گئے تو شہدا کے زمرہ میں شمار ہوگا۔''

اسی قسم کی مردانگی اور شجاعت سے بھری باتیں کیں اور لشکر کی دلدہی کی اور ان کی ہمت بڑھا کر آگرہ سے باہر نکلا، ساتھیوں نے اتفاق کیا اور مرنے کے لیے تیار ہو گئے، لڑائی کی

صفیں آراستہ کیں، دوسری طرف رانا سانگا بھی لڑائی کے لیے تیار ہوا، قوی دل بہادر لڑائی کے میدان میں اس طرح آئے جس طرح شیر زنجیر کو توڑ دیتا ہے اور ایسی لڑائی لڑے کہ دیکھنے والوں کا خوف سے پتہ پانی ہو گیا اور رستم وافراسیاب کی لڑائی کا افسانہ خواب معلوم ہونے لگا۔

به جنبش در آمد و لشکر چو کوه — ازاں جنبش آمد زمیں درستوه
زپولاد پوشانِ لشکر شکن — تن کوه لرزید بر خویشتن
زباریدنِ تیر ہمچو تگرگ — بهر گوشه برخاست طوفانِ مرگ
زهر جا دلیرانِ زور آوراں — کشیدند شمشیرِ کیں از میاں
زخوں جو یہاشد سبک ترروں — یکے جاں فشاں و یکے جانستاں

تائید الٰہی اولیائے دولت بابری کے ساتھ تھی، اس لیے مطلع فیروزی سے صبحِ اقبال نمودار ہوئی، رانا سانگا، مضطرب الاحوال ہو کر شکست کھا گیا اور بڑی محنت و مشقت کے بعد افتاں وخیزاں اپنے گھر پہنچا، اس کے لشکری تیغ بے دریغ سے مارے گئے۔

نظم ونسق: بابر بادشاہ اس فتح کی نعمت بیکراں پر خداوند تعالیٰ کی درگاہ میں سجدۂ شکر بجالایا اور آگرہ کی طرف مراجعت کی اور اپنی مناسب تدبیروں سے دشمنوں اور باغیوں کے خس وخاشاک کے وجود کو ملک سے پاک کیا، دہلی اور آگرہ کے اطراف اس کے تصرف میں آ گئے، افغانوں نے قنوج کے پاس جو ہنگامہ بپا کر رکھا تھا وہ بھی درہم برہم ہو کر فرو ہو گیا، ان فتوحات پر کابلی امرا کی دل جمعی ہوئی، وہ بابر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کو حسب مدعا جاگیریں ملیں اور ان کا دل کابل واپس جانے سے ہٹ گیا اور انھوں نے ہندوستان ہی میں سکونت اختیار کر لی اور جہاں انتشار تھا وہاں نظم پیدا ہو گیا اور سلطنت کے تمام کاموں کا انتظام ہونے لگا، شاہزادہ ہمایوں کو سنبھل کی پراگندگی کو دور کرنے اور اس کے انتظام کے لیے بھیجا گیا، شاہزادہ کامراں میرزا کو لاہور اور ملتان جاگیر میں مرحمت کئے گئے، اس کو کابل سے بلا لیا گیا، وہ کابل سے لاہور آیا اور ملتان کو جو مدتوں سے سلاطین دہلی کے قبضہ سے نکل چکا تھا، اپنے حسن تدبیر، شمشیر ہمت اور اقبال بابری کی مدد سے تسخیر کر لیا، ملتان ابتدائے ۸۵۷ھ سے ۹۳۷ھ یعنی اسی برس تک دہلی کے فرمانرواؤں کے تصرف سے باہر تھا لیکن اب پھر دہلی کے فرمانروا

کے ممالکِ محروسہ میں داخل ہو گیا، جب کہ شاہزادہ کامراں نے اس پر تسلط کر لیا۔

ہمایوں کی علالت اور بابر کا مرض الموت: اسی زمانہ میں بابر کی خدمت میں یہ عرض کیا گیا کہ شاہزادہ ہمایوں میرزا کو جو سنبھل کے نظم ونسق پر مامور ہوا تھا، ایک سخت بیماری لاحق ہو گئی ہے، حکم ہوا کہ وہ دریا کے راستہ سے اس کے پاس پہنچا دیا جائے، شاہزادہ حکم کے بموجب آگرہ پہنچا، اس کو مختلف امراض اور متضاد شکایتیں تھیں، ایک مرض کا علاج ہوتا تو دوسرا بڑھ جاتا، حاذق طبیبوں نے علاج کی بہت کچھ کوشش کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا، یہاں تک کہ علاج کی کوئی صورت باقی نہ رہی، مرض طویل ہو گیا اور جب مدت بڑھتی گئی تو ناامیدی ظاہر ہونے لگی، خیر اندیش مخلصوں نے عرض کیا کہ ایسے موقع پر جب دوا کارگر نہ ہو، تو پھر صدقہ اور دعا سے چارہ جوئی کرنا چاہیے، خداوند تعالیٰ کے حضور میں جو قادر اور توانا ہے، صدقہ اور ہمایوں کی جان کا ایسا فدیہ پیش کرنا چاہیے، جس سے زیادہ قیمتی چیز شاہی خزانہ میں نہ ہو، مناسب ہے کہ اس ہیرے کو جو کہ سلطان ابراہیم کی والدہ نے پیش کیا تھا اور جس کے برابر کوئی اور دوسری چیز نہیں، شاہزادہ کے لیے صدقہ کر دینا چاہیے، تاکہ خداوند تعالیٰ شفا بخشے، بابر نے جواب میں کہا کہ ہمایوں کی جان اس قدر عزیز ہے کہ دنیا کا کوئی مال اس کا فدیہ نہیں ہو سکتا ہے، میں اپنی جان کو اس کے لیے فدیہ کرتا ہوں اور مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھی اور اپنی حاجت اس طرح بیان کی کہ خداوندا! میں اپنی جان ہمایوں کی جان کے لیے بطور فدیہ پیش کرتا ہوں اور اس جان کو تیری بارگاہ میں لایا ہوں، امید ہے کہ یہ قبول ہو گی، ہمایوں کو شفا عطا کر، اسی وقت سے ہمایوں کے مرض میں کمی پیدا ہونے لگی اور بابر کے بدن میں گرانی اور بیماری ظاہر ہوئی، لوگوں کو حیرت ہوئی، ہمایوں کا مرض دمبدم کم اور بابر کا عارضہ زیادہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ تھوڑے زمانہ ہی میں شاید پانچ چھ روز بھی نہ گذرے ہوں گے کہ ہمایوں کو شفا ہو گئی اور بابر انچاس برس کی عمر میں عالم آخرت کو سدھارا، اس کی نعش کابل لے جائی گئی اور کسی نہر کے کنارے سپرد خاک ہوئی، اس کی حکومت کی مدت اڑتیس سال رہی، جس میں سے ہندوستان میں پانچ سال پانچ روز رہی۔

شمس العلما مولوی ذکاء اللہ مصنف تاریخ ہندوستان

جلد سوم

''شمس العلما خان بہادر مولوی ذکاء اللہ ۱۸۳۲ء میں دہلی میں پیدا ہوئے، وہیں ۱۷ نومبر ۱۹۱۰ء کو انتقال کیا، انھوں نے سرسید، مولانا شبلی، محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد اور مولانا الطاف حسین حالی کی طرح اردو زبان کو مختلف حیثیتوں سے مالا مال کیا، گو اردو کے ان عناصر خمسہ کی طرح ان کی تحریروں میں کیفیت نہیں لیکن جہاں تک کیت کا تعلق ہے، وہ اپنی کثرت تصانیف کے اعتبار سے تمام معاصرین میں ممتاز اور نمایاں تھے، ان کی تصانیف کی تعداد ۱۴۰ بتائی جاتی ہے، جن میں سب سے اہم علمی سرمایہ ان کی تاریخ ہندوستان ہے، انھوں نے ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کی تاریخ نو جلدوں میں لکھی، ان کے علاوہ انگریزوں اور ہندوؤں کے عہد کی تاریخیں مزید تین جلدوں میں قلم بند کیں، ان کے حجم کو دیکھ کر بقول ڈپٹی نذیر احمد ''حیرت ہوتی ہے یہ شخص ایسی بڑی کتاب لکھنے کے لیے کیسے فرصت پاتا تھا، آج کل جب ہر قسم کی سہولتیں میسر ہیں، کسی نے تاریخ ہند پر تنہا اتنا بڑا کام انجام دینے کی ہمت نہیں کی، مولوی ذکاء اللہ نے جن جن کتابوں سے اپنی مختلف جلدیں مرتب کی ہیں، ان کا جابجا حوالہ تو ضرور دیا ہے لیکن یہ حوالے موجودہ مذاق کے مطابق نہیں ہیں، خصوصاً ان میں صفحات درج نہیں ہیں، اگر کوئی ان جلدوں کو باضابطہ اڈٹ کرے اور موجودہ مذاق کے مطابق ان کے حوالے دے دے تو مولوی ذکاء اللہ کا درجہ وہی ہو جائے جو انگریزی دانوں کے نزدیک ہنری ایلیٹ کا ہے۔

مولوی ذکاء اللہ کے اس سلسلہ کی تیسری جلد میں بابر، ہمایوں اور شیر شاہ کے حالات ہیں، انھوں نے بابر کے حالات کی تاریخ کا نام بابرنامہ رکھا ہے اور ان کا خود بیان ہے کہ یہ زیادہ تر تزک بابری پر مشتمل ہے، جس کو وہ طبقات بابری کہتے ہیں، انھوں نے بابر

کے حالات ۹۳ صفحوں میں لکھے ہیں اور اب تک جتنے مؤرخین کے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں، اُن میں بابر کی تفصیلی حالات کا سب سے زیادہ احاطہ اسی کتاب میں کیا گیا ہے، جیسا کہ خود فاضل مصنف کا بیان ہے کہ انھوں نے زیادہ تر تزک بابری سے حالات لیے ہیں اور جہاں پر تزک بابری کام نہ دے سکی وہاں اور دوسری مستند تاریخوں سے مدد لی ہے، اس لیے بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ اس کی کوئی سطر بھی ایسی نہیں جو کسی نہ کسی مستند تاریخ کی مدد سے نہیں لکھی گئی۔

ذیل میں جو اقتباسات پیش کیے جارہے ہیں وہ کچھ طویل ضرور ہوگئے ہیں لیکن یہ اقتباسات زیادہ تر تزک بابری کے ہیں، ہم نے شروع میں تزک بابری کے اقتباسات ضرور دیے ہیں لیکن وہ اقتباسات اجمالی ہیں، اُن کو لیتے وقت یہ خیال ہوا کہ جب اس کا اردو ترجمہ موجود ہے تو پھر اس کے اقتباسات جتنے زیادہ مختصر ہوں، اچھا ہے، ورنہ کتاب تو اس لائق ہے کہ شروع سے آخر تک نقل کردی جاتی، تو بھی ناظرین کی دلچسپی قائم رہتی لیکن طوالت کے خوف سے اس کے اقتباسات بہت مختصر کردیے گئے ہیں لیکن شاید ہمارے بعد ناظرین کو جزوی تفصیلات کی بھی تلاش ہو، کیونکہ تزک بابری ہی تمام مورخوں کا اصلی ماخذ رہا ہے، اس خیال سے مولوی ذکاءاللہ کی کتاب سے تزک بابری کے زیادہ سے زیادہ اقتباسات پیش کیے جارہے ہیں، تاکہ زیر نظر کتاب کے شروع میں جو کمی رہ گئی ہو، اس کی تلافی حسب ذیل اقتباسات سے پوری ہوجائے، ان اقتباسات میں بابر کے لیے واحد غائب استعمال کیا گیا ہے لیکن تزک بابری میں واحد متکلم ہے اور کوئی فرق نہیں ہے اور جہاں کوئی اختلاف یا کمی یا ترمیم ہے اس کی وضاحت حاشیہ میں کردی گئی ہے، مولوی ذکاءاللہ نے بھی طوالت سے بچنے کی خاطر میوات، قنوج، اودھ، چندیری، گوالیار، رنتھنبور بہار اور بنگال کی یورش کی تفصیلات کو مختصر طریقہ پر پیش کیا ہے، ان کی جزوی تفصیلات تزک بابری ہی میں ملیں گی، اس لیے حاشیہ میں اس سے اقتباسات لے کر درج کردیے گئے ہیں۔

آخر میں مولوی ذکاءاللہ کے بابر سے متعلق جو تاثرات ہیں وہ بھی درج کردیے گئے ہیں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ انھوں نے بابر کو کس زاویہ نظر سے دیکھا تھا۔''

۶ر محرم ۸۸۸ھ کو قتلغ نگار خانم کے بطن سے بابر پیدا ہوا، قتلغ نگار خانم یونس خاں کی دوسری بیٹی اور سلطان محمود خاں کی بڑی بہن تھی، بابر کا نسب ماں کی طرف سے چنگیز خاں اور باپ کی طرف سے چوتھی پشت میں امیر تیمور تک پہنچتا ہے، اس کی دادھیال اور ننہال مغل تھی، مگر وہ مغلوں کو باوجود اس رشتہ مندی کے اپنی سرگذشتوں میں حقارت کے ساتھ یاد کرتا تھا، اس کی تاریخ ولادت مولانا جامی نے یہ لکھی ہے:

چوں در شش محرم زاد آں شہ مکرم تاریخ مولدش ہم آمد شش محرم

حضرت ناصر الدین خواجہ احرار نے اُس کا نام ظہیر الدین محمد رکھا، اس نام کے الفاظ ترکوں کی زبان سے اچھی طرح نہیں ادا ہو سکتے تھے، اس لیے انھوں نے اس کا نام بابر رکھا۔

ہندوستان پر حملے: ۱۴ر صفر ۹۲۵ھ/ ۱۵ر فروری ۱۵۱۹ء کو جب بابر نے بجور کو چھوڑا تو اس کا ارادہ ہوا کہ کابل سے پہلے بھرہ (یعنی بھیرہ) پر حملہ کرے، بابر کو ہندوستان کی فتح کا ہمیشہ خیال رہتا تھا، مگر بعض موانع ایسے پیش آجاتے تھے کہ وہ خیال پورا نہیں ہوتا تھا، بجور میں چار مہینے تک لشکر کشی رہی، مگر مال غنیمت میں کوئی قیمتی چیز ہاتھ نہ آئی، بھیرہ ہندوستان کی سرحد پر اس سے قریب تھا، اس لیے ارادہ ہوا کہ وہاں جریدہ یعنی پرتل کے بغیر جائے کہ وہاں لشکریوں کے ہاتھ کچھ آئے، اس خیال سے وہ افغانوں کو لوٹتا ہوا چلا، جب وہ مقام کے اندر آیا تو بعض دولت خواہوں نے سمجھایا کہ اگر آپ ہندوستان جاتے ہیں تو ٹانٹھ کے ساتھ جایئے، اگرچہ ان کا یہ سمجھانا معقول تھا، مگر بابر نے عزیمت کرلی تھی، اس لیے اس سمجھانے پر کچھ نظر نہ کی، صبح وشام کوچ کرتا ہوا وہ گزر سندھ کی طرف چلا، پیر محمد[1] جالہ بان کو اس کے بھائیوں اور چند نوجوانوں کے ساتھ بھیجا کہ وہ اب سندھ کے کنارے کے پایاب آب اور بالائے آب کو دریافت کرلینے کے بعد لشکر کو دریا کی طرف روانہ کیا اور خود سوالی کی طرف جس کو گرگ[2] خانہ کہتے ہیں، گینڈے کا شکار کرنے کے لیے آیا، کئی گینڈے دکھائی دیے[3]، مگر جنگل ایسا گھنا تھا کہ ان کو باہر نہیں نکال سکے، جنگل کو جلایا تو گینڈا سوختہ ہاتھ آیا، جس کو کھایا، جو جماعت دریا کے گھاٹ کو دیکھنے گئی تھی، وہ بھی آگئی۔

کچھ کوٹ میں نزول: پنجشنبہ ۱۶ر ماہ صفر کو گھوڑوں، اونٹوں اور پرتال نے گھاٹ سے عبور کیا اور

---

[1] تزک بابری، میر محمد جان بان، ص ۲۲۳ [2] تزک بابری، میر محمد جان بان، کرک خانہ [3] ایضاً۔

بازار کے پیادوں کو اجالہ بانوں (ملاحوں) نے اجالہ (کشتی) میں اتارا، اسی روز گزر دریا پر اہل نیلاب نے (جو اٹک سے پندرہ میل نیچے دریائے سندھ پر ہے) ایک گھوڑا با ساز اور تین سو شاہ رخی (ڈیڑھ سو روپیہ زمانہ حال پیش کش میں دی، دریا سے پار ہو کر ظہر کی نماز کے قریب کوچ کیا اور پھر رات گئے دریا کچ کوٹ پر پہنچے، یہاں سے پھر صبح کو کوچ کر کے اس دریا سے عبور کیا اور درۂ سنگ داکی پر چڑھ کر قیام کیا، سید قاسم ایشک آقا (چیمبرلین یعنی حاجب) تھا، وہ پچھلی سپاہ کے ساتھ تھا، وہ چند گوجروں کا سر کاٹ کر لایا، وہ لشکر کے پیچھے پڑے تھے، صبح کو سنگ داکی سے کوچ کر کے ظہر کی نماز پڑھی اور آب سوہان کو (سندھ و جہلم کے درمیان ہے) عبور کیا، آدھی رات تک پچھلا لشکر اترتا رہا، یہ دور دراز کا سفر بڑا نامبارک تھا، گھوڑے دبلے اور کمزور ہو رہے تھے، ان پر یہ سفر نہایت سخت تھا، بہت سے گھوڑے راستے میں گر پڑے۔

کوہ جود: بھیرہ سے سات کوس پر ایک پہاڑ تھا، اس پہاڑ کو ظفر نامہ میں اور دوسری کتابوں میں کوہ جود لکھا ہے، پہلے اس کی وجہ تسمیہ بابر کو معلوم نہ تھی، مگر اب معلوم ہوا کہ اس پہاڑ پر ایک باپ کی نسل سے دو خیل آباد تھے، ایک کا نام جود تھا، دوسرے کا نام جنجوہہ، بھیرہ، خوشاب، چناب اور چنوٹ کئی دفعہ ترکوں کے قبضہ میں آچکے تھے، (زمانہ حال میں پنڈی دادن خاں کے قریب جہلم کے جنوب مشرق میں بھیرہ ہے لیکن بابر کے زمانہ میں یہ ضلع دریا کے دونوں طرف تھا اور اس کا دارالسلطنت شمال کو تھا) خوشاب دریا سے زیادہ نیچے ہے، چناب وہ ضلع ہوگا جو اس دریا کے گرد پھیلا ہوگا، چنوٹ کا پتہ نہیں کہاں تھا[1]، اس ملک کو بابر اپنے ملک کی میراث جانتا تھا، یہ ارادہ کیا کہ اس ملک پر خواہ بزور یا بہ صلح قبضہ کیجئے، مگر لازم و واجب یہ ہے کہ اس پہاڑ کے آدمیوں کے ساتھ مدارات اچھی طرح کی جائے، اس نے حکم دیا کہ کوئی شخص ان کے گلہ ورمہ کو انگلی نہ لگائے، بلکہ ایک رسی کے ٹکڑے اور ٹوٹی سوئی کو بھی ضرر اور نقصان نہ پہنچائے۔

باغ صفا: یہاں سے آگے کوچ کر کے کلاہ کہار[2] (کلرہ کہار) میں بابر آیا، یہاں اس کے آس پاس خویدزار تھا (یعنی خوید کے کھیت کے کھیت تھے) یہ جگہ ایسی تھی کہ بابر نے ایک باغ کی بنیاد ڈالی اور اس کا نام باغ صفا رکھا، صبح کو کلاہ کہار سے دو سوار ہوا، مختلف مقاموں پر یہاں کے مشہور آدمی

---

[1] چنوٹ بھیرہ سے ستر میل جنوب کی طرف تھا۔ [2] تزک بابری، کلاہ کنار، ص ۲۲۵۔

کم قیمت پیش کش لائے اور ملازمت اختیار کی۔

بھیرہ: عبدالرحیم شقاول کے ساتھ ترکوں کو بھیجا کہ بھیرہ کے آدمیوں کی استمالت کریں اور ان سے کہیں کہ یہ ولایتیں قدیم سے ترکوں سے متعلق رہی ہیں، ہرگز کچھ دغدغہ نہ کریں، ہم اس کو ویران کرنے نہ دیں گے، ہم اس ولایت اور ملک کے کاروار ہیں، اس کو تاراج نہیں کریں گے، پھر دن چڑھے بیابان کوتل میں پہنچے، قربان فرخی[۱] اور عبدالملک[۲] ہستی کو سات آٹھ آدمیوں کے ساتھ خبر لانے کے لیے بھیجا، اس اثنا میں افغانوں کے بڑے بڑے آدمی پیش کش لے کر حاضر ہوئے اور ملازمت کی، بابر نے لشکر خاں[۳] کو ان کے ہمراہ اہل بھیرہ کے پاس استمالت کے لیے بھیجا، کوتل سے گذر کر اور جنگل سے نکل کر برانغار، جرانغار قول اور یساول کو آراستہ کر کے بابر بھیرہ کی طرف متوجہ ہوا، جب وہ اس کے قریب آیا تو دیو ہندو او سکتو کا بیٹا جو علی خاں پسر دولت خاں یوسف خیل کے ملازم اور بھیرہ کے سردار تھے[۴]، بابر سے ملے اور ہر ایک نے ایک گھوڑا اور ایک اونٹ پیش کش میں دیا اور اطاعت و خدمت اختیار کی، ظہر کی نماز پڑھ چکے تھے کہ بھیرہ کے مشرق میں دریائے بہت کے کنارے سبزہ زار پر بابر مقیم ہوا اور بھیرہ کے آدمیوں کا ذرہ برابر بھی نقصان نہیں کیا، اُس وقت سے کہ امیر تیمور بیگ نے ہندوستان فتح کیا تھا، بھیرہ، خوشاب، چناب، چنوٹ کی ولایتیں تیمور کی اولاد یا اس کے توابع اور لواحق کے تصرف میں تھیں، شاہ رخ میرزا کا پوتا سیور غتمش کا بیٹا سلطان مسعود میرزا اس فرصت کے زمانہ میں کابل و زابل کی فرماں روائی کرتا تھا اور اسی وجہ سے اس کو سلطان مسعود کابلی کہتے تھے، میر علی بیگ کے بیٹے بابائے کابلی، دریا خاں اور اپاق خاں جس کو آخر میں غازی خاں کہتے تھے، یہ سب سلطان مسعود کے پرورش یافتہ تھے، اس کے اور اس کے بیٹے علی اصغر میرزا کے مرنے کے بعد وہ متغلب ہو کر کابل، زابل اور

---

۱ تزک بابری، قربان حرجی، انگریزی ترجمہ قربان چرچی، جلد اول، ص ۳۸۱ ۲ انگریزی ترجمہ خوستی ایضاً

۳ انگریزی ترجمہ لنگر خاں، ایضاً ۴ تزک بابری اردو ترجمہ میں ہے، "بھیرہ کے نزدیک جب ہم پہنچے تو دولت خاں یوسف خیل کا بیٹا علی خاں اور دیوہ ہندو وغیرہ بھیرے سے آ کر شرف یاب ہوئے۔" (ص ۲۲۵)

انگریزی ترجمہ میں There Came in of the servants of Danlat Khan Yusuf Khail's son Ali Khan.

Siktu's son Diwa Hindu (Vol-I, Page-382)۔

ہندوستان کی ولایت مذکور پر متصرف ہوئے، ۹۱۰ھ میں بھیرہ، خوشاب اور چناب کی حکومت میر علی بیگ کے پوتے اور غازی خاں کے بیٹے سید علی خاں سے تعلق رکھتی تھی، اس نے سکندر لودی کے نام کا خطبہ پڑھوایا اور اس کی اطاعت کی، وہ بابر سے ڈر کر موضع بھیرہ سے شیر کوٹ چلا گیا، دوسرے روز صبح کو بعض مناسب مقامات میں علف و چارہ کے لیے آدمیوں کو بھیجا اور سوار ہو کر بھیرہ کی سیر کی، چہار شنبہ ۲۲ رصفر ۹۲۵ھ کو بھیرہ کے چودھریوں اور بڑے بڑے آدمیوں کو بلا کر چار لاکھ شاہ رخی (بیس لاکھ روپئے) مال امانی ٹھہرا کر محصولوں کو متعین کیا اور پھر خود معجون کھا کر کشتی میں سوار ہوا، پنجشنبہ کی صبح کو معلوم ہوا کہ بھیرہ کے آدمیوں پر بادشاہ کے آدمی دست درازی کرتے ہیں، بابر نے اپنے آدمی ایسے آدمیوں کو پکڑنے کے لیے بھیجے، وہ چند سپاہیوں کو پکڑ کر لائے، تو ان میں سے بعض کو اس نے مروا ڈالا اور کئی کی ناک کو چروایا اور ان کو لشکر کے گرد پھروایا، بابر اس ملک کو اپنا سمجھتا تھا، اس لیے وہ اس کو لٹنے کا روادار نہ تھا۔

بابر کے آدمی ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ اگر مصالحت کی نظر سے ایلچی ان ملکوں میں بھیجا جائے جو ترکوں سے پہلے تعلق رکھتے تھے تو کچھ مضائقہ نہ ہوگا، سلطان سکندر لودی کو پانچ چھ مہینے مرے ہوئے تھے کہ اس کا بیٹا سلطان ابراہیم باپ کی جگہ ہندوستان کا تخت نشین ہوا تھا، اس کے پاس بابر نے ملا مرشد کو ایلچی بنا کر بھیجا کہ اس سے یہ درخواست کرے کہ جو ملک ترکوں سے متعلق تھے وہ مجھے حوالہ کرے، دولت خاں حاکم لاہور اور سلطان ابراہیم کے نام خطوط لکھ کر ملا مرشد کو دیے تھے اور زبانی باتیں بھی کہہ کر اس کو رخصت کیا، ہندوستان کے آدمی عموماً اور افغان خصوصاً ہوش، خرد، رائے اور تدبیر سے دور رہتے ہیں، نہ میدان رزم میں مردانہ وار قدم جماتے ہیں، نہ بزم دوستی و محبت میں قائم رہتے ہیں، اس قاصد کو لاہور میں دولت خاں نے روک لیا اور سلطان ابراہیم شاہ دہلی کے پاس آگے نہ بڑھنے دیا، پانچ مہینے کے بعد یہ قاصد بے نیل مرام کابل چلا آیا۔

بھیرہ کا انتظام: جمعہ کو مردم خوشاب کی عرض داشت آئی، ۲۵ ررجب شنبہ کو شاہ حسین خوشاب بھیجا گیا، یکشنبہ کو ایسا مینہ برسا کہ صحرا بڑا دریا ہو گیا، دریا سے کشتیاں منگا کر لشکر ان میں سوار ہوا اور قلعہ بھیرا میں جس کا نام جہاں نما تھا، ایک روز قیام کیا، سہ شنبہ کو باران وسیل کے خوف سے بھیرہ کے شمال میں جو بلندیاں ہیں، اُن پر لشکر آیا، اہل بھیرہ نے جو زر دینا قبول کیا تھا، اس کے

ادا کرنے میں تاخیر کرتے تھے، اس لیے بابر نے چار سرکاریں مقرر کیں، ایک سرکار خلیفہ کو، دوسری قوج بیگ کو، تیسری ناصر بیگ اور چوتھی قاسم و محبت علی کو دیں۔

ہندال کی پیدائش: کابل سے روز جمعہ ۲ر شعبان کو میرزا ہندال کے پیدا ہونے کی خبر آئی، اس کا نام ہندال اسی وجہ سے رکھا کہ وہ ہند کی تسخیر کے زمانہ میں پیدا ہوا۔

مجلس شراب: دوسرے دن صبح کو دیوان (دربار) کے برطرف ہونے کے بعد کشتی میں بابر سوار ہوا اور ایک مجلس آراستہ ہوئی، اس نے اور بعض اس کے مصاحبوں نے معجون کھائی اور بعض دوستوں نے شراب پی، صحبت معجون، کبھی صحبت شراب کے ساتھ راست نہیں ہوتی، مستوں نے شراب پی پی کر بدمستی میں معجون اور معجونیوں کی خوب خاک اڑائی، جس سے صحبت بے مزہ ہوگئی، مجلس کا خاتمہ بے لطفی کے ساتھ ہوا[1]۔

---

[1] اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

دوسرے دن دربار برخاست کرنے کے بعد سیر کے لیے کشتی میں سوار ہوا، شراب کا دور چلا، اہل مجلس خواجہ دوست خاوند، خسرو، میرم، میرزا قلی محمدی، احمدی، کدائی، لقمان، لشکر خاں، قاسم علی، ترپاکی، یوسف علی اور تنگر قلی تھے، کشتی کے سرے پر ایک پٹا ہوا دالان تھا، اس کی چھت ہموار تھی، میں چند مصاحبوں کے ساتھ اسی پر بیٹھا تھا، کچھ لوگ نیچے دالان میں تھے، کشتی کے دنبالہ کی طرف بیٹھنے کی جگہ تھی، محمد کدائی اور لقمان وہاں بیٹھے تھے، عصر کے وقت تک شراب کا شغل رہا، پھر اس سے دل بھر گیا تو معجون کھائی گئی، کشتی والوں کو معلوم نہ ہوا کہ میں نے معجون کھائی ہے، وہ یہی جانتے تھے کہ شراب پی رہے ہیں، عشا کے وقت اندھیرے میں کشتی سے اتر کر ہم لشکر میں آئے، محمد اور کدائی یہی خیال کرکے کہ میں نے صرف شراب ہی پی ہے، شائستہ خدمت کرنے پر آمادہ ہوئے، شراب کی ایک ٹھلیا باری باری سے گھوڑوں پر رکھ کر کچھ عجیب خوشی اور اتراہٹ کے ساتھ لے کر آئے اور کہنے لگے کہ اس اندھیری رات میں ہم باری باری سے اٹھا کر لائے ہیں، مگر انہوں نے دیکھا کہ صحبت کا اور رنگ ہے، کچھ معجونی ہیں اور کچھ شراب سے متوالے ہیں، معجونی اور شرابی کی ذرا نہیں بنتی، اس سبب سے وہ شرمندہ ہوئے، میں نے کہا کہ یہ بات کچھ نہیں، جلسہ کا مزا کرکرا نہ کرو، جس کا دل شراب پینے کو چاہے وہ شراب پیے، جس کا دل معجون کھانے کو چاہے وہ معجون کھائے، کوئی کسی سے الجھے نہیں، اس کہنے سے کسی نے شراب پی اور کسی نے معجون کا استعمال کیا، تھوڑی دیر تک یہ جلسہ رہا، بابا جان (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۲ پر)

گھکر: ان ہی دنوں منوچہر پسر سید علی خاں کو تاتار خاں گھکر نے اپنی بیٹی بیاہ کے داماد بنالیا، وہ بابر کی خدمت میں حاضر ہوا۔

نیلاب و بھیرہ کے درمیانی کوہستانی کے اندر جود و جنجوہہ سے کوہستانِ کشمیر کے متصل تک جاٹ و گوجر رہتے ہیں اور اسی طرح کے قوموں کے آدمی یہاں بستے رہتے ہیں اور ہر پشتہ و درہ میں گاؤں کے گاؤں آباد کرتے رہتے ہیں، ان کے حاکم قبیلہ گھکر سے ہوتے ہیں، ان کی حکومت بھی مثل جود و جنجوہہ قوموں کے ہوتی ہے، اس زمانہ میں دامنِ کوہ کی خلائق پر تاتار خاں گھکر کی اور ہاتی گھکر[۱] کی خلافت تھی، وہ ایک باپ کی اولاد میں چچازاد بھائی تھے، کھلون[۲] اور ڈھلانوں پر ان کے محکم مقامات بنے ہوئے تھے، تاتار خاں کے حصار کا نام پرہالہ تھا، وہ بہت نیچا تھا، ایسی بلندی پر نہ تھا، جہاں برف پڑتی ہو، ہاتی کا ملک کوہستان سے متصل تھا، ہاتی نے بابا خاں حاکم کالنجر کو یار بنالیا تھا، تاتار خاں دولت خاں کا ایک طرح کا ملازم اور تابع تھا، وہ اس سے ملا بھی تھا، مگر ہاتی گھکر دولت خاں سے نہ ملا اور ہمیشہ فتنہ و فساد مچاتا رہا، تاتار خاں ہندوستان کے امیروں کے اشارہ سے اوران کے اتفاق سے کئی میل پر اپنا لشکر لئے اس طور سے پڑا تھا کہ ہاتی گھرا ہوا بیٹھا تھا، جب بابر بھیرہ میں تھا تو ایک بہانہ بنا کر اور تاتار خاں کو غافل پا کر اس پر وہ چڑھ گیا اور اس کو مار ڈالا، اس کے ملک و خزانہ اور تمام اسباب پر قابض ہوگیا، بابر کشتیوں میں سوار ہو کر باغوں، شگوفوں، نیشکر کے کھیتوں، رہٹوں کی سیر کرتا ہوا خوشاب آیا جو ولایت اس کو مل گئی تھی اس کا بندوبست ایسا کیا کہ اس میں صلح و امن و امان رہا، ربیع الاول ۹۲۶ھ کو بھیرہ سے کابل کی مراجعت کے لیے سفر کیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۱) کشتی ہی میں تھا، جب ہم خانہ سفید میں آئے تو اس کو بلایا، اس نے شراب مانگی، تردی محمد قبچاق کو بھی بلایا، ان کو مستوں نے شریک صحبت کیا، معجونیوں اور شرابیوں کی تو بنتی نہیں، شرابیوں نے واہی تباہی بکنا شروع کیا، وہ لوگ معجون اور معجونیوں پر منھ آنے لگے، بابا خان بھی نشہ میں بہک رہا تھا، تردی محمد کو بھی گلاس پر گلاس پلا کر مستوں نے بے سدھ کر دیا، میں نے بہت چاہا کہ سنبھالوں مگر نہ سنبھال سکا، بڑی دھندمچی، جلسہ مٹی ہوگیا۔ (ص ۲۲۸، اردو ترجمہ)

---

[۱] اردو ترجمہ، ہاتی گھکر، ص ۲۲۹ انگریزی ترجمہ ہاتی ککر، ص ۳۸۷ جلد اول [۲] اردو ترجمہ ٹیلوں اور کھڈوں، ص ۲۲۹۔

ہاتی گھکر سے لڑائی: ایک جماعت نے جو اس ولایت کی زمین، ملک، آب و نان سے واقف تھی اور قوم جنجوہہ نے جو گھکر کے قدیمی دشمن تھے، بابر سے عرض کیا کہ ہاتی گھکر نے بڑے ظلم و ستم برپا کر رکھے ہیں، رستے لوٹتا ہے اور مسافروں کو رستہ نہیں چلنے دیتا، اس کو یہاں سے آپ دفع کریں، یا اس کی گوشمالی فرمائیں، اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے بابر نے خواجہ میر میران اور مرزا ناصر کو لشکر میں متعین کیا اور خود لشکر لے کر ہاتی پر حملہ کرنے کو روانہ ہوا، تاتار خاں کو مار کر چند روز سے ہاتی پر ہالہ میں رہتا تھا، وہ یہیں تھا، ظہر[1] کی نماز پڑھ کر اور گھوڑوں کو دانہ کھلا کر عشا کے وقت باہر سوار ہوا، ملک ہست کا نوکر ایک گوجر رہبر تھا، اس کا نام سوپا[2] تھا، رات بھر وہ چلا، سحر کو اترا، بیگ محمد مغول کو لشکر کے گرد پھرایا، جب روشنی ہوئی تو پھر وہ سوار ہوا اور چاشت کو جبہ پہن کر تیز روانہ ہوا، ایک کروہ سے سوا پر ہالہ نمودار ہوا، چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی، میمنہ پر ہالہ کے مشرق کی طرف گیا، قوج بیگ جو کہ جرانغار کا سردار تھا، برانغار کے عقب سے کمک کو بھیجا گیا، جرانغار اور قول کے سپاہی پر ہالہ پر گئے، دوست بیگ کو جرانغار کے آدمیوں کے عقب سے اس سپاہ کی کمک کو بھیجا گیا جو پر ہالہ پر حملہ کرنے گئی تھی، گھری ہوئی وادی اور غاروں کے اندر ایک بلند جگہ پر ہالہ واقع تھا، اس میں جانے کی دو راہیں تھیں، جنوب مشرقی راہ سے بابر کی سپاہ گئی تھی، راہ غاروں کے کناروں پر جاتی تھی، اس کے دونوں طرف غار اور ڈھلان تھے، پر ہالہ سے آدھ کوس سے پر ہالہ کی راہ شہر کے دروازوں تک بڑی دشوار گذار تھی، یہ غاروں کی راہ پانچ چار جگہ سے ایسی تنگ اور ڈھلوان ہوگئی تھی کہ صرف ایک آدمی اس پر ایک وقت میں چل سکتا تھا اور ایک تیر کے فاصلہ پر راہ بہت ہی دیکھ بھال کر چلنی پڑتی تھی، دوسری راہ جو کہ مابین مغرب و شمال کے ہے، وہ ایک کھلی وادی میں سے جاتی تھی، ان دو راہوں کے سوا کوئی اور راہ نہیں تھی، اگرچہ پر ہالہ کی فصیل اور کنگرے نہیں تھے، مگر وہ ایسی جگہ بھی نہ تھی کہ اس پر زور کیا جاتا، اس کے گرد آٹھ سات گز اونچی عمود وار پہاڑی تھی، جرانغار ان تنگیوں میں سے گذر کر دروازوں کی طرف چلا، ہاتی تیس یا چالیس جبہ دار مسلح سواروں اور بہت سے پیادوں کو

---

[1] لشکر سے ہم علاحدہ ہوئے اور چلتے چلتے عصر کے وقت ٹھہرے، گھوڑوں کو ذرا ستایا اور دانہ کھلایا، عشا کے وقت وہاں سے چلتے ہوئے۔ (اردو ترجمہ، ص ۲۳۱) [2] اردو ترجمہ، سرپا نام کھوری، ص ۲۳۱ سروپا انگریزی ترجمہ جلد اول، ص ۳۸۹۔

ساتھ لے کر لڑنے والوں پر حملہ آور ہوا اور ان کو ہٹا دیا، دوست بیگ عقب میں تھا، اس نے دشمنوں پر بڑا زور کیا، ان میں سے بہت سے آدمیوں کو مارا اور ہاتی کو شکست دی، ہاتی ککر اس ملک میں مردانگی میں مشہور تھا، وہ خوب لڑا، مگر میدان جنگ میں ٹھہر نہ سکا، بھاگا، وہ تنگ مقاموں کی حفاظت بھی نہ کر سکا، جب وہ قلعہ میں گیا تو اس کی حفاظت بھی اس کے اختیار سے باہر تھی، بابر کی سپاہ اس کے پیچھے ایسی لگی ہوئی تھی کہ اس کے ساتھ ہی قلعہ میں داخل ہوئی، ہاتی مجبور ہو کر شمال مغرب کے دروازہ سے جریدہ (؟) بھاگ گیا، دوست بیگ نے بڑی بہادری کی، جس کے لیے بابر نے اس کو خوب انعام دیا، اسی وقت بابر پر ہالہ میں جا کر تاتار خاں کے مکانوں میں فروکش ہوا، ان ہنگاموں میں بعض آدمی جن کو بابر نے اپنے آگے رہنے کا حکم دیا تھا مخالفوں سے مل گئے تھے، ان میں امین محمد قراتی[۱] ترخاں ارقون تھے، ان پر بابر نے یہ جرمانہ کیا کہ سرو پا[۲] گوجر کو حکم دیا کہ ان کو جنگل اور صحرا میں بے سروسامان چھوڑ دے، کہ وہ حیرانی اٹھا کر لشکر میں واپس آئیں۔

قیام اندرابہ: پنجشنبہ ۱۵ ربیع الاول کو اندرابہ میں دریائے سوہان کے کنارہ پر بابر آیا، یہ قلعہ اندرابہ قدیم ہے، ملک ہست کے باپ سے متعلق تھا، جس کو ہاتی گھکر نے مار کر قلعہ ویران کر دیا تھا، ان دنوں بھی ویران پڑا تھا، ہاتی نے تاتار خاں کے مارنے کے بعد اپنے ایک خویش پربت کو بابر کی خدمت میں پیش کش اور ایک گھوڑا مع ساز و سامان دے کر بھیجا تھا، اگر چہ وہ بابر سے نہیں ملا، مگر جو بابری لشکر عقب میں تھا، وہاں پہنچا اور پیش کش دی اور اطاعت بابری قبول کی، لنگر[۳] خاں جو بھیرہ میں مقرر کیا گیا تھا، بعض کاموں کے لیے کیمپ میں آیا اور بابر سے ملا اور سب کاموں کو انجام دے کر بھیرہ چلا گیا، اس کے ساتھ کچھ بھیرہ کے زمینداروں کو بھی رخصت کیا، پھر بابر دریائے سوہان سے پار اتر کر ایک پشتہ پر اترا، ہاتی کے رشتہ دار پربت کو خلعت دے کر رخصت کیا اور ہاتی کو فرامین استمالت لکھ کر اس کے ہاتھ بھیجے، محمد علی جنگ جنگ کو اس کے ساتھ کیا[۴]۔

۱؎ اردو ترجمہ امین محمد، قراجہ اور ترخاں ارغوں، ص ۲۳۲، امین محمد، ترخاں، ارغون اور قراچہ، جلد اول، ص ۲۹۰

۲؎ اردو ترجمہ کجو راہیر، ص ۲۳۲ ۳؎ اردو ترجمہ لشکر خاں ص ۲۳۲، انگریزی ترجمہ لنگر خاں، ص ۳۹۱ ۴؎ اردو ترجمہ محمد علی جنگ جنگ کے ایک ملازم کو اس کے ساتھ کر دیا، ص ۲۳۲ انگریزی ترجمہ ایضاً ص ۳۹۱ جلد اول، اس کے بعد کچھ سطریں حذف کر دی گئی ہیں۔

پھر بابر چاشت کے وقت سنگ[1] درگی کے درہ میں پہنچا، صبح کو یہاں سے کوچ کر کے بلندی پر آیا اور لشکر کا ملاحظہ کیا، اس کے پاس اونٹ گھوڑے پانچ سو ستر تھے، یہاں سے آگے کوچ کیا، راستہ میں ایک کشتی اناج سے بھری ہوئی دلدل اور کیچڑ میں پھنسی ہوئی دیکھی، مالکوں نے ہر چند کوشش کی، مگر وہ نہ نکل سکی، بابر نے اس کا اناج نکلوا کر اپنے لشکر میں تقسیم کر دیا، یہ غلہ اس وقت خوب ہاتھ آیا، شام کے وقت جہاں آب سند اور آب نیلاب ملتے ہیں، وہاں آب نیلاب سے بہت نیچے ایک بلند جگہ پر قیام کیا، نیلاب سے پانچ چھ کشتیاں منگا کر سپاہ جرانغار اور برانغار کئی روز میں پار اتری۔

ہاتی اور نیلاب کی اطاعت گذاری: ہاتی کا رشتہ دار پربت جو محمد علی جنگ جنگ (کے ملازم) کے ہمراہ گیا تھا، وہ دریا کے کنارہ پر پھر آیا اور ہاتی کی طرف سے ایک گھوڑا با ساز اور پیش کش لایا، نیلاب کے باشندوں نے ایک گھوڑا با ساز پیش کش کے طور پر دیا اور اطاعت کی۔

محمد علی جنگ جنگ بھیرہ میں رہنا چاہتا تھا، مگر بابر نے یہ ہندو بیگ کو دے دیا تھا، اس لیے اس کو وہ ملک دے دیا گیا، جو بھیرہ اور سندھ کے درمیان تھا، اسی کے ساتھ قاربوق، ہزارا، ہاتی غیاث وال[2] اور کھپ بھی دیے اور اس کو ایک ترکی شعر کہہ کر سمجھا دیا کہ جو شخص رعیت ہونے پر گردن رکھے، اس کے ساتھ رعایت کرنی چاہیے اور جو ولایت میں اطاعت نہ کرے، اس کو تاخت و تاراج کر کے مطیع و منقاد کرے[3]۔

مراجعت کابل: ۲۱ ربیع الاول ۹۲۵ھ کو دریا کے کنارے سفر کیا اور ۲۷ کو کابل پہنچ گیا، ہندو بیگ کو بھیرہ میں بے سامان صلح کی امید میں چھوڑا تھا، وہ ۲۵ ربیع الاول روز دوشنبہ کو آیا، اس نے صلح و اصلاح میں کوشش نہیں کی اور بابر کی باتوں کو اس کان سنا اس کان سے اڑا دیا، بابر کی بازگشت کے بعد افغان اور ہندوستانی جمع ہو کر بھیرہ میں ہندو بیگ کے سر پر جا چڑھے، وہ وہاں ٹھہر نہ سکا، خوشاب میں آیا اور دین کوٹ اور نیلاب کے راہ سے کابل پہنچ گیا، دیو ہندو پسر سکتو اور چند ہندو

---

[1] اردو ترجمہ سنکہ دوا، ص ۲۳۲، انگریزی ترجمہ سنگد کی، ص ۳۹۲ جلد اول [2] اردو ترجمہ عنایت وال اردوکھت قوموں کی حکومت ص ۲۳۳، انگریزی ترجمہ غیاث وال اور کتب، ص ۳۹۳ جلد اول [3] اردو ترجمہ، جو اطاعت نہ کرے اس پر چڑھائی کیجیے، جب وہ دب جائے تو پھر اس سے بھلائی کیجیے، ص ۲۳۳۔

بھیرہ سے قید ہو کر آئے تھے، ان کو خلعت وانعام دے کر بابر نے رخصت کیا، روز جمعہ کو بابر کو بخار آیا، فصد لی، مگر دوسرے تیسرے روز تپ آتی رہی، وہ یوسف زئی اور افغانوں کی سزا دہی کے درپے رہا، افریدی افغانوں کی سزا کے لیے اس نے بکرام کی طرف آنے کا قصد کیا، علی مسجد میں آیا کہ ابوالہاشم سلطان علی نے اس کے پاس آکر کہا کہ میں نے سنا ہے کہ سلطان سعید خاں نے بدخشاں فتح کرنے کا عزم جزم کیا......، بابر نے بدخشاں کی طرف مراجعت کی۔

ہندوستان پر بابر کا آخری حملہ: پہلی صفر ۹۳۲ھ/ ۱۵۲۵ء کو کہ آفتاب برج قوس میں تھا، کابل سے بابر نے ہندوستان کی عزیمت سے سفر کیا، اول منزل وہ یعقوب میں کی، یہاں دو روز لشکر جمع ہونے کے لیے قیام کیا، یہاں سے بادام چشمہ میں آیا، بدھ کو نور بیگ اور خواجہ حسین دیوان لاہور سے بیس ہزار شاہ رخی اشرفی اور روپے لائے، جن کو اس نے بلخ بھجوایا۔

۲۸ر کو دریائے سند کے کنارے پر قیام ہوا، اس دریا سے پہلی ربیع الاول روز شنبہ کو عبور ہوا، کچ کوٹ کے دریا کو عبور کر کے اس کے کنارہ پر خیمہ زن ہوا، امرا، بخشیوں اور دیوان نے لشکر کی موجودات کی تو سب چھوٹے بڑے نیک و بد نوکر وغیرہ دس[1] ہزار آدمی لکھے گئے، اس سال صحرا اور دامن کوہ میں برسات کم ہوتی تھی، مگر دامن کوہ میں جو شہر تھے، اُن میں خوب برسات ہوئی تھی، غلہ کی مصلحت سے دامن کوہ میں ہو کر سیالکوٹ کی راہ پر وہ چلا، جب ولایت ہاتی ککھر کے برابر آیا تو وہاں ایک ندی میں ہر جگہ پانی گھرا کھڑا تھا اور یخ بستہ ہو رہا تھا......، سند سے پانچ کوچ کر کے چھٹے کوچ میں کوہ جود پر جو کوہ بای ناتھ جوگی کے نیچے ہیں، ایک ندی کے کنارے پر باکیان میں منزل کی، صبح کو یہاں غلہ جمع کرنے کی مصلحت سے قیام کیا، غلہ کے لیے جو آدمی گئے تھے، وہ غلہ کو چھوڑ کر جنگل، کوہ اور قلب جگہوں میں پریشان ہو کر بہت دور چلے گئے اور چند آدمیوں کو پکڑ لائے، یہاں سے کوچ کر کے آب بہت سے جہلم کے نیچے پایاب عبور کر کے قیام کیا، اسی منزل سے سید طوفان اور سید لاچین کو ان لوگوں کے پاس کہ لاہور میں تھے، دو دو گھوڑے دے کر روانہ کیا کہ وہ اہل لاہور سے جا کر کہہ دیں کہ لڑائی نہ لڑیں، سیالکوٹ یا پرسرور میں میری سپاہ کے ساتھ شریک ہو جائیں۔

---

[1] اردو ترجمہ، بارہ ہزار، ص ۲۵۵۔

یہ خبر اڑ رہی تھی کہ غازی خاں نے تیس چالیس ہزار سپاہ جمع کی ہے اور بوڑھے دولت خاں نے بھی دو تلواریں کمر میں بابر سے لڑنے کے لیے کس لی ہیں، بابر کو یہ مثل یاد تھی کہ نو دوستوں سے دس دوست اچھے ہوتے ہیں، اس لیے لڑنے سے پہلے یہ ارادہ کرلیا کہ لاہور کی سپاہ کو اپنے ساتھ ملائے، اس نے امیروں کے پاس آدمی بھیجے، ایک منزل درمیان میں کر کے آئے، چناب کے کنارہ سے اتر کر منزل کی، بہلول پور کی راہ سے کہ خالصہ میں تھا، سیر کی، اس کا قلعہ دریائے چناب کے کنارہ پر ایک بلندی پر واقع تھا، وہ اس کو بہت پسند آیا اور سیالکوٹ کے آدمیوں کو یہاں لانے کا ارادہ کیا، بہلول پور سے وہ اپنے لشکر میں آیا، شراب کی محفلیں آراستہ کی، گھوڑوں کو دریا کے کنارے ایک دن آرام دیا، ۱۴ ربیع الاول روز جمعہ کو سیالکوٹ آ گیا۔

جاٹوں اور گوجروں کی لوٹ مار: ہر دفعہ بابر جب ہندوستان آتا تو جاٹ اور گوجر بے شمار پہاڑوں اور جنگلوں سے گائے بیل اور بھینسوں کے لوٹنے کے لیے آتے تھے اور یہ بدبخت بڑا ظلم کرتے تھے، اس سے پہلے یہ ولایت باغی تھے تو اس کی گرفت و گیر نہ ہوتی تھی، اب یہ تمام ولایتیں تابع ہو گئی تھیں، مگر پھر بھی انھوں نے وہی اپنا پرانا طریقہ لوٹ مار کا اختیار کیا، بابر کی سپاہ سیالکوٹ سے تنگی، بھوکی فقیر مسکین آئی تھی، انھوں نے غوغا مچایا اور اس پر لوٹ کے لیے ٹوٹ پڑی، بابر نے لٹیروں کو پکڑوایا اور ان میں سے دو تین کے پرزے اڑا دیے۔

سلطان ابراہیم لودی سے عالم خاں کی لڑائی: عالم خاں یعنی سلطان علاء الدین دہلی کے سلطان ابراہیم لودی کا چچا تھا، وہ بابر سے کابل میں ملا تھا، اس سے رخصت ہو کر ایک منزل کی دو منزلیں کرتا ہوا لاہور آیا، اُس وقت سخت گرمی تھی، آگ برس رہی تھی، مگر اس نے اپنے ہمراہیوں کا کچھ خیال نہیں کیا، جب عالم خاں کو بابر نے رخصت کیا تھا تو ازبکوں نے بلخ میں قتل عام کر رکھا تھا، اس لیے جب عالم خاں ہندوستان روانہ ہوا تو بابر بلخ گیا، اب عالم خاں نے بابر کے ان سرداروں کو جو ہندوستان میں تھے کہنا شروع کیا کہ بادشاہ نے تم کو میری مدد کے لیے حکم دیا ہے، میرے ہمراہ چلو، غازی خاں کو بھی اپنے ہمراہ کرلوں گا، پھر ہم سب دہلی اور آگرہ پر چڑھائی کریں گے، بابر کے امیروں نے کہا ہم غازی خاں کے ساتھ کس اعتماد پر چلیں، ہمارے بادشاہ کا حکم ہے کہ جب غازی خاں اپنے چھوٹے بھائی حاجی خاں کو اپنے بیٹے سمیت لاہور یا بادشاہ کے

پاس بطور اول کے بھیجے تو اس کے ہمراہ ہونا، ورنہ ہمراہ نہ ہونا، تم نے کل ہی غازی خاں سے جنگ کر کے شکست کھائی ہے[1]، پھر کس اعتماد پر اس کے ہمراہ ہوتے ہو، ہم تم کو بھی یہ مصلحت بتاتے ہیں کہ اس کے ہمراہ نہ ہو، ہر چند انھوں نے اس طرح اس کو منع کیا، مگر اس نے نہ سنا، اس نے اپنے بیٹے شیر خاں کو غازی خاں اور دولت خاں کے پاس بھیج کر ان کو اپنے ساتھ ملا لیا، دلاور خاں بھی جو بندی خانے سے بھاگ کر تین مہینے ہوئے تھے کہ لاہور آ گیا تھا، اس کے ہمراہ ہو گیا، میرزا محمود خاں خان جہاں، جس کو لاہور کا قید خانہ سپرد تھا، عالم خاں کی باتوں میں آ گیا، غالباً ان میں آپس میں یہ قرار پایا تھا کہ دولت خاں غازی خاں اور بابری امرا جو ہندوستان میں ہیں، اس ملک کو اور اس کے تمام اطراف کو اپنے قبضہ میں رکھیں، دلاور خاں اور حاجی خاں کو عالم خاں کے ہمراہ کریں اور دہلی اور آگرہ کو اپنے قبضہ میں لائیں، اسمٰعیل جلوانی اور بعض اور امرا بھی عالم خاں سے آن کر ملے، وہ بے توقف کوچ کرتا ہوا دہلی کی طرف روانہ ہوا، اندری میں اسے سلیمان شیخ زادے بھی آن ملے، کل اس کی جمعیت تیس چالیس ہزار آدمیوں کی ہو گئی، اس نے دہلی کا محاصرہ کیا، مگر نہ اس کو لڑ کر اور نہ اس کا غلہ اور آذوقہ بند کر کے لے سکتا تھا۔

جب سلطان ابراہیم نے اس جمعیت کی خبر پائی کہ اس کے ملک پر حملہ آور ہوئی تو وہ لشکر لے کر ان سے مقابلہ کرنے لگا، جب انھوں نے سلطان ابراہیم کے لشکر کے آنے کی خبر سنی تو قلعہ کا محاصرہ چھوڑ کر اس سے برسر مقابلہ ہوئے، ان میں یہ قرار پایا کہ اگر دن کو لڑیں گے تو افغان اپنے ناموس کا پاس کر کے بھاگنے کا نہیں، کشت و خون اور قتل زیادہ ہو گا اور اگر شبخون ماریں گے تو رات اندھیری ہو گی، کوئی کسی کو دیکھے گا نہیں، ہر سردار اپنے اہتمام میں رہے گا، بس اس شبخون کے مارنے کے ارادے سے وہ چھ کوس دور چلے گئے اور دو دفعہ دو پہر کے گھوڑوں پر سوار ہو کر رات کو آدھی اور سہ پہر رات تک چڑھے رہے، مگر آگے نہ گئے، نہ پیچھے ہٹے، آپس میں کوئی بات ہی قرار نہ پائی، تیسری دفعہ وہ پہر رات باقی رہے دشمن کے خیمے پر پہنچے، ان کا شبخون صرف یہ تھا کہ خیموں اور گھروں میں آگ لگا دیں اور کچھ اور کوشش نہ کریں، انھوں نے

---

[1] اردو ترجمہ، تم ہی کو کل وہ لڑوا دے گا اور پٹوا دے گا، بھلا پھر کس بھروسہ پر اس کے ساتھ ہوتے ہو۔ (ص ۲۵۷)

یہی کیا، کہ پہر رات رہے، پیچھے سے آن کر خیموں میں آگ لگادی اور غوغا مچادیا، جلال خاں جگہت اور بعض اور امیروں نے بھی آن کر عالم خاں سے ملاقات کی۔

سلطان ابراہیم اپنے چند خاصہ خیل کے ساتھ اپنے سراپردہ سے نہ نکلا، مگر صبح تک آمادہ بیٹھا رہا، اس وقت اس نے دیکھا کہ عالم خاں کی سپاہ لوٹ پر جھک رہی ہے، اس وقت اس کے پاس بہت سپاہ نہ تھی لیکن تھوڑی سپاہ اور ایک ہاتھی کے ساتھ اپنی جگہ سے جنبش کی، ہاتھی کے پہنچتے ہی عالم خاں کی فوج مقابلہ کی تاب نہ لاسکی اور بھاگ گئی، ان کے بھاگتے ہی عالم خاں میان دوآب کی طرف سے گذر کر پانی پت آیا، یہاں پہنچ کر ایسا داؤں اندری میں میاں سلیمان پر چلا کہ اس سے تین چار لاکھ معلوم نہیں کہ کتنا سا روپیہ لے کر چنبت[۱] بنا، اسمٰعیل جلوانی، ببن اور جلال خاں پسر کلاں عالم خاں اس سے جدا ہوگئے اور میانِ دوآب چلے آئے، امرا اور سپاہ کا ایک حصہ جو عالم خاں نے جمع کیا تھا، سلطان ابراہیم سے جاملے، ان میں سیف الدین، دریا خاں، محمود خاں، خانجہاں اور شیخ جمال فرملی تھے، عالم خاں، دلاور خاں اور حاجی خاں نے سرہند سے گذر کر بابر کے آنے کا حال سنا کہ وہ قریب آگیا ہے اور ملوٹ کو لے لیا ہے[۲]، دلاور خاں بابر کا خیر خواہ ہمیشہ سے تھا، اس کے لیے تین چار مہینے قید میں بھی رہ چکا تھا، ان سے جدا ہوکر سلطان پور اور کوچی میں آیا اور بابر سے جس نے تین چار روز ہوئے تھے کہ ملوٹ کو فتح کیا تھا، آن کر ملا۔

قلعہ کنکوٹہ: عالم خاں اور حاجی خاں دریائے ستلج سے گذر کر آخر کنکوٹہ میں پہنچے، کنکوٹہ ایک مستحکم قلعہ کا نام ہے جو کوہستان کے اندرون اور میدان میں واقع ہے[۳]، ان کو بابر کی سپاہ کے ایک دستہ نے جس میں افغان اور ہزارہ تھے، جاگھیرا اور اس مضبوط قلعہ کو قریب تھا کہ فتح کر لیتا لیکن رات ہوگئی، اب امرا نے قلعہ سے نکلنے کا ارادہ کیا، مگر دروازہ میں گھوڑے ایسے بڑے تھے کہ وہ باہر نہیں نکل سکتے تھے، ہاتھی ان کے ساتھ تھے، انھوں نے کچھ گھوڑوں کو کچلا اور مارا، مگر پھر بھی یہ امرا گھوڑوں پر سوار ہوکر راہ نہ پاسکے، پیادہ پا اندھیری رات میں ہزاروں تشویشیں اٹھا کر غازی خاں سے جاملے، غازی

۱؎ اس کی تصدیق انگریزی ترجمہ سے ہوتی ہے، (حصہ دوم، ص ۴۵) مگر اردو ترجمہ میں ہے کہ اندری پہنچے تو سلیمان تین چار آدمی لے کر چل دیا۔ (ص ۲۵۸) ۲؎ یہ ایک قلعہ تھا جو سوالک کے پہاڑی علاقہ میں تاتار خاں یوسف خیل لودی نے بہلول لودی کے زمانہ میں تعمیر کیا تھا۔ ۳؎ جالندھر دوآب میں ہے۔

خاں جب بھاگا تو یہ سمجھ کر کہ وہ ملوت میں پناہ گزیں نہیں ہوسکتا، پہاڑ میں بھاگ گیا تھا، یہیں عالم خاں اس سے ملا تھا، مگر اس نے آؤ بھگت اچھی طرح اس کی نہیں کی، تو عالم خاں دون کے پاس میں نواحی فلور میں بابر کی خدمت میں حاضر ہوا، بابر کے امرا جولا ہور میں تھے، ان کے پاس سے آدمی نے آن کر سیالکوٹ میں اطلاع دی کہ وہ صبح کو بابر کی خدمت میں حاضر ہوں گے، صبح کو کوچ کرکے بابر پرسرور آیا، محمد علی جنگ جنگ، خواجہ حسین اور بعض اور جوان جولا ہور سے آئے تھے بابر سے ملے، دریائے راوی کے کنارے پر لاہور کی سمت میں غنیم کا لشکر تھا، وہاں بابر نے بوچکہ کو اس کے ہمراہیوں سمیت بھیجا کہ وہاں کی خبر لائے، شب سہ پہر کو وہ یہ خبر لائے کہ غنیم نے بابر کی خبر پانے کے بعد حیران و پریشان ہوکر بھاگنا شروع کیا اور ایک نے دوسرے کی خبر نہ لی۔

ملوٹ کا محاصرہ: دوسرے روز صبح کو شاہ میر حسین اور بعض دوسرے افسروں کو پرتل اور لشکر کی نگہبانی کے لیے چھوڑ کر بابر شاہ حسین اور بعض اور آدمیوں کو لے کر تیز روانہ ہوا، عصر وظہر کے درمیان کلانور (راوی اور بیاس کے درمیان ہے) پہنچا، محمد سلطان مرزا اور امرا نے یہاں اس کی ملازمت کی، کلانور سے صبح کو کوچ کیا، راہ میں غازی خاں اور بھگوڑوں کے سراغ سے یہ خبر معلوم ہوئی کہ وہ نزدیک ہی ہیں، محمدی احمدی اور بعض اور بیگ جو بابر کے ساتھ تھے، اور ان کے کابل میں بیگ بنایا تھا، وہ ان مفروروں کے تعاقب میں بھیجے گئے اور یہ امر قرار پایا کہ اگر وہ غنیم مفرور کو جالیں تو فبہا ورنہ قلعہ ملوٹ کے اطراف کی خوب احتیاط کریں کہ قلعہ کے آدمی بھاگ نہ سکیں، بابر کی بڑی غرض اس انتظام میں یہ تھی کہ غازی خاں ہاتھ آئے، اب ان امرا کو بھیج کر بابر دریائے بیاہ (بیاس) سے اتر کر کیوامین[1] کے مقابل مقیم ہوا، تین[2] سفروں کے بعد قلعہ ملوٹ کے درہ دامنہ میں باہر آیا، امرا کو جو پہلے یہاں آگئے تھے اور ہندوستانی امرا کو حکم ہوا کہ یہاں خیمے ڈال کر قلعہ کا محاصرہ کریں، دولت خاں کے بڑے بیٹے علی خاں کا بیٹا یہاں آیا تھا، کچھ وعدہ وعید اور کچھ استمالت وتہدید کے ساتھ اس کی معرفت قلعہ میں پیغام بھیجا گیا۔

دولت خاں کی عذر خواہی: جمعہ کو بابر لشکر کو پہلے روانہ کرکے آدھ کوس اور قریب آگیا، قلعہ کو

---

[1] اردو ترجمہ میں کیوامین کا نام نہیں ہے، (ص ۲۵۸) انگریزی ترجمہ میں کیوامین ہے (جلد دوم، ص ۴۵۸) [2] اردو ترجمہ دو منزلہ (ص ۲۵۹) انگریزی ترجمہ ایضاً (جلد دوم، ص ۴۵۸)۔

دیکھ کر برانغار اور جرانغار اور قول میں لشکر تقسیم کر کے اپنے اردو میں واپس آیا، دولت خاں نے ولی خاں کو بھیج کر بابر کو اطلاع دی کہ غازی خاں تو پہاڑ میں بھاگ گیا، اگر حضور میرے گناہ معاف کر دیں تو غلامی میں حاضر ہو کر قلعہ حوالہ کرتا ہوں، بابر نے خواجہ میران کو بھیجا کہ دولت خاں کی خاطر سے تو ہم کو دور کرے اور اس کو لائے، علی خاں اس کا بیٹا ہمراہ گیا، بابر نے اس سے یہ بھی کہلا دیا تھا کہ ہوشیاری کر کے دولت خاں کو ہمارے پاس اس طرح لانا کہ اس کی گردن میں وہی دو تلواریں بندھی ہوئی ہوں جو اس نے ہم سے لڑنے کے لیے باندھی تھیں، باوجودیکہ اس روستائی احمق کی یہ نوبت پہنچی تھی، مگر پھر بھی وہ آنے میں حیلہ حوالہ کرتا تھا، مگر آخر کو جب وہ بابر کے روبرو آیا تو اس نے حکم دیا کہ اس کی گردن سے دونوں تلواریں کھول لی جائیں اور سامنے دوزانوں بیٹھے، جب یوں بیٹھنے میں تاخیر کی تو بابر کے حکم سے آدمیوں نے اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر دو زانو بیٹھا دیا، بابر نے ایک شخص کو بلایا جو ہندوستانی جانتا تھا، اس کو حکم دیا کہ باتیں جو میں کہتا ہوں وہ اس کی خاطر نشان کرے، اس نے کہا کہ میں نے تجھے پدر کہا، تعظیم واحترام تیری اس سے زیادہ کی کہ تو چاہتا تھا، ملوں خاں کی محتاجگی سے تجھے اور تیری بیٹیوں[1] کو خلاصی دی، تمہارے خیلوں اور حرموں کو ابراہیم کی قید سے میں نے آزاد کیا، یا تاتار خاں کی ولایت تین کرور کی تجھے عنایت کی، میں نے تیرے حق میں کیا بدی کی تھی کہ تو نے دو شمشیریں کمر میں باندھ کر مجھ سے لڑنے کا ارادہ کیا اور میری ولایت پر چڑھ آیا اور اس میں فتنہ وفساد مچایا، یہ پیر مبہوت ایک دو باتیں منہ کے اندر ہی بڑبڑاتا تھا، کچھ معاملہ کی بات نہ کہتا تھا، ان باتوں کا جواب بھی سکوت کے سوا کچھ اور نہ تھا۔

قرار یہ پایا کہ اس کے خیل خانے اور حرم اس کو دے دیے جائیں، باقی اور سب اسباب اور خزانے ضبط کیے جائیں، ان کو حکم ہوا کہ وہ خواجہ میران کے ہمراہ نیچے آئیں، بروز شنبہ ۲۲ ربیع الاول کو اس کے خیل خانوں اور حرموں کو صحیح سالم نکالنے کے لیے بابر خود دروازۂ ملوٹ کی بلندی پر بیٹھا، علی خاں نے آن کر ایک اشرفی نذر دی[2]، ظہر کی نماز کے وقت خیل خانے اور حرم میں باہر آنی شروع ہوئیں، عبدالعزیز محمد علی جنگ جنگ[1]، قتلق قدم، محمد اور احمدی کو حکم ہوا

---

[1] اردو اور انگریزی ترجمہ بیٹوں، (ص ۲۵۹ و جلد دوم، ص ۴۵۹) [2] اردو ترجمہ کچھ اشرفیاں (ص ۲۵۹) انگریزی ترجمہ ایضاً (جلد دوم، ص ۴۶۰)۔

کہ قلعہ کے اندر جا کر ان کے خزانے اور مال و اسباب ضبط کریں، بعض یہ کہتے تھے کہ غازی خاں نکل کر بھاگ گیا، بعض کہتے تھے کہ ہم نے اس کو قلعہ میں دیکھا ہے، اس لیے بابر نے بعض آدمیوں کو متعین کیا کہ جہاں اس کے ہونے کا گمان ہو وہاں تلاش کیا جائے، مبادا وہ مغالطہ دے کر نکل نہ جائے، اصل غرض تو اس کو پکڑنا ہی تھا، اس کے جواہر اور خزانے جو پنہاں ہوں وہ نکال کر ضبط کئے جائیں۔ قلعہ کے دروازہ پر آدمیوں کا ہجوم تھا، وہ لوٹتے تھے، سیاست کے لیے بابر نے ان پر تیر چلائے، ہمایوں کا ایک آدمی تیر کے لگتے ہی مر گیا[1]، وہ قلعہ کے اندر آیا، سیر کی، غازی خاں کے کتاب خانے میں گیا، چند نفیس کتابیں اس میں سے لیں، ان میں سے بعض اپنے مطالعہ کے لیے رکھیں اور چند ہمایوں کو دیں، چند کامران کو بھیجیں، ملایانہ کتابیں بہت تھیں، جتنی صورت میں وہ اچھی معلوم دیتی تھیں، ایسی وہ سیرت میں نہیں تھیں، رات کو یہیں رہا، صبح کو باہر آیا، غازی خاں کا خیال تھا کہ قلعہ میں ہوگا، مگر وہ بے حمیت نامرد پدر، برادر خورد، مادر، خواہر خورد کو ملوٹ میں چھوڑ کر چند آدمیوں کے ساتھ پہاڑ میں بھاگ گیا:

بہ بیں آں بے حمیت را کہ ہرگز نہ خواہد دید روئے نیک بختی
تن آسانی گزیند خویشتن را زن و فرزند بگذار رو بہ سختی

غازی خاں کا تعاقب: روز چہار شنبہ کو یہاں سے کوچ کر کے جس پہاڑ میں غازی خاں گیا تھا، اس کی طرف کوچ کیا، درہ ملوٹ میں ایک کوس چلا تھا کہ دلاور خاں نے آن کر ملازمت کی، دولت علی خاں، علی خاں، اسمٰعیل خاں اور بڑے بڑے امیروں کو قید کر کے کتہ بیگ کے حوالے کیا کہ وہ اس قلعہ تلوکی[2] میں بھیرہ کے اندر قید رکھیں، بابر نے ملوٹ کا قلعہ محمد علی جنگ جنگ کے حوالے کیا، اس نے اپنے بھائی ارغون کو سپاہ کے ساتھ متعین کیا اور دو ڈیڑھ سو[3] افغان اور ہزارہ کے آدمی بھی کمک کے لیے اس قلعہ پر متعین ہوئے، خواجہ کلاں غزنین کی شرابیں اونٹ پر لاد کر

---

[1] اردو میں ہر جگہ جنک جنک ہے لیکن انگریزی ترجمہ میں ہر جگہ جنگ جنگ ہے۔ [2] اردو ترجمہ قضارا ایک تیر ہمایوں کے چوبان کے قبضہ میں لگا، وہ فوراً مر گیا، (ص ۲۶) انگریزی ترجمہ ہمایوں کے آدمی اور چوبان کے بجائے ہمایوں کا قصہ خواں ہے، (جلد دوم ص ۴۶۰) [3] اردو ترجمہ ملونی، (ص ۲۶۰) [4] اردو ترجمہ دو سو سے ڈھائی سو، (ص ۲۶۰)

لایا تھا، وہ مجلسوں میں خوب پی گئیں، بابر اب کند کے پہاڑوں سے گذر دون میں آیا جس کو ہندوستانی زبان میں جل گا دُوں[1] کہتے ہیں[2]۔

غازی خاں کے قلعے: غازی خاں کی خبر محقق بابر کو کسی جگہ نہ معلوم ہوئی، اس نے ترد یکھ[3] کو برم دیو منہاس کے ساتھ بھیجا کہ جہاں غازی خاں ملے اسے پکڑ کر لاؤ، اس کوہستان خرد کے اندر دون میں عجیب مضبوط قلعے موجود ہیں، شرق وشمال میں ایک قلعہ ہے، جس کا نام کوٹلہ ہے، اس کے گرد پہاڑ ستر اسی گز ایک انداز کا ہے، غازی خاں نے جو یہاں مضبوط قلعے بنائے تھے، اُن میں سے ایک یہ قلعہ ہے، قلعہ میں آدمی تھے، بابر کی سپاہ کے ایک دستہ نے اس پر حملہ کیا اور قریب تھا کہ اس کو وہ لے لیتا، مگر رات ہوگئی، اہل قلعہ بھاگ گئے، قلعہ خالی کر گئے۔

قلعہ کنکوٹہ[4]: دون کے قریب ایک اور قلعہ کنکوٹہ ہے، جس کے گرد تمام ملک کوہستانی ہے، مگر وہ پہلے قلعہ کے برابر مضبوط نہیں ہے، عالم خاں اسی قلعہ میں تھا، جس کا بیان پہلے مذکور ہوا، غازی خاں کے لیے ایلغار روانہ کیا۔

سلطان ابراہیم لودی کے خلاف لشکر کشی: پھر بابر ہمت کی رکاب میں پاؤں رکھ کر اور توکل کی باگ ہاتھ میں لے کر سلطان ابراہیم بن سلطان سکندر بن بہلول لودی افغان سے لڑنے چلا، ان دنوں میں دہلی پائے تخت تھا، ممالکِ ہندوستان اس کے قبضہ میں تھے، لشکر حاضر اس کے پاس ایک لاکھ تھا، امرا اور وزرا کے پاس ایک ہزار فیل تھے، ایک کوچ کے بعد باقی شقاول کو دیبال پور

---

[1] اردو ترجمہ میدان کو دون، (ص ۲۶) انگریزی ترجمہ جل گا (جلد دوم، ص ۴۶۲) [2] اس کے بعد تزک بابری کی یہ عبارت چھوڑ دی گئی ہے:

''ہندوستان میں ایسے کھیت جن میں پانی رواں ہو، اسی میدان میں ہیں، میدان کے گرد بہت سے دیہات ہیں، یہ میدان دلاور خاں کے ماموں جسوان کا پرگنہ تھا، خوش قطع مقام ہے، اس کے اطراف میں دو مرغزار ہیں، اس میں دھان بوئے جاتے ہیں، تین چار آسیا کے برابر پانی بہتا رہتا ہے، میدان کی وسعت کہیں کوس دو کوس اور کہیں کہیں تین کوس کی ہوگی، جہاں آبادی ہے وہاں مور اور بندر کثرت سے ہیں، چڑیوں جیسے جانور بھی بہت ہیں، صورت تو مرغ کی سی ہے مگر اکثر ایک رنگ۔ (ص ۲۶۰) [3] اردو ترجمہ تردی بیگ، (ص ۲۶۱) انگریزی ترجمہ تردیکہ [4] اردو ترجمہ کنکوتہ، (ص ۲۶۱) انگریزی ترجمہ گنگوٹہ، (جلد دوم، ص ۴۶۲)۔

عنایت کیا اور بلخ کی مصلحت کے لیے کمک بھیجی، خویشوں، عزیزوں، فرزندوں اور چھوٹوں کو جو کابل میں تھے، بہت سارو پیہ اور فتح ملوٹ میں جو پونجی ہاتھ لگی تھی وہ اور سوغاتیں بھیجیں۔

پہاڑی قلعوں پر قبضہ: برذرا[1] اور دھلور[2] اور قلعہ ہائے کوہستان پر اس نواح میں مدتوں سے بہ سبب ان مقاموں کے استحکام کے کسی دشمن نے قدم نہ رکھا تھا، مگر اس سپاہ نے جو ملوٹ قلعہ سے آگے بھیجی گئی تھی، جا کر ان سب پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے آدمیوں کو لوٹ لیا اور بابر سے آن ملی، عالم خاں بھی خراب ہو کر پیادہ اور برہنہ بابر کے پاس ملنے کو آیا تو اس نے اس کے استقبال کے لیے امرا اور مقرب بھیجے، کچھ گھوڑے بھی بھیجے، اس نے اس نواح میں آن کر اس کی ملازمت اور اطاعت اختیار کی، اس نواح کے کوہ اور درہ میں میر حسین خاں بیگ اور بعض جوان رخصت لے کر سپاہ کے ساتھ گئے اور دو تین رات رہے، مگر کوئی چیز معتد بہ ان کو ہاتھ نہ آئی، دون سے کوچ کر کے بابر روپڑ آیا، پھر روپڑ سے سفر کر کے سرہند کے برابر کرنال پہنچا۔

سلطان ابراہیم کا ایلچی: ایک ہندوستانی نے اپنے تئیں سلطان ابراہیم کا ایلچی بیان کیا، اگرچہ اس کے پاس کوئی خط نہ تھا، مگر اس نے بابر سے یہ درخواست کی کہ ایک آدمی اس کے ساتھ بطور ایلچی بھیجا جائے، بابر نے اس درخواست کو منظور کیا اور بسوادی قتقطار[3] اس کے ساتھ بھیجا، یہ بیچارے دونوں ابراہیم کے پاس جاتے ہی قید ہوئے اور ان کے مارنے کا حکم ہوا، سوادی نے اس روز قید سے رہائی پائی، جب کہ ابراہیم کو بابر نے شکست دی، بابر دون سے سفر کرنے کے بعد بنور وسنور[4] ندی کے کنارہ آیا، اس ندی کو گکر کہتے ہیں، چناب اس کے کنارہ پر ہے، اس منزل میں خبر آئی کہ سلطان ابراہیم خود دہلی کے اس طرف آگے بڑھا چلا آتا ہے۔

ہمایوں سے جھڑپ: یہ بھی خبر ملی کہ حمید خاں قشفال شقدار حصار فیروزہ بھی دس کوس بابر کی طرف بڑھ آیا ہے، اس کے پاس حصار فیروزہ کا لشکر اور گرد و نواح کی سپاہ ہے، بابر نے کتہ بیگ کو بھیجا کہ وہ ابراہیم کے لشکر کی خبر لائے اور مومن آتکہ کو بھیجا کہ لشکر حصار کی خبر لائے، روز یکشنبہ

---

[1] و [2] اردو ترجمہ ہندور اور کھلور، (ص ۲۶۱) انگریزی ترجمہ ہرور اور کھلور، (جلد دوم ص ۴۶۴) [3] اردو ترجمہ میں نے بھی ایک لفنگا سواتی اسی طرح بھیج دیا، (ص ۲۶۲) انگریزی ترجمہ میں تون قیطار ہے، جس کے معنی رات کا نگراں لکھا ہے۔ [4] اردو ترجمہ بھور دستور (ص ۲۶۲) انگریزی ترجمہ بنور اور سنور (جلد دوم ص ۴۶۴)۔

۲۳ر جمادی الاول کو انبالہ سے بابر نے کوچ کیا اور ایک تالاب کے کنارے پر فروکش ہوا، کہ مومن آتکہ اور کتہ بیگ دونوں اس روز واپس آئے، بابر نے برانغار کی تمام سپاہ ہمایوں کے حوالے کی اور اس کے ساتھ خواجہ کلاں سلطان محمد دولدائی، ولی خازن اور وہ امرا جو ہندوستان میں رہ چکے تھے[1]، ساتھ گئے، دوسرے روز دوشنبہ کو ۱۴ر تاریخ[2] کو ہمایوں اپنی سپاہ سمیت حمید خاں کے سر پر یکا یک جا چڑھا، ہمایوں نے پہلے سو ڈیڑھ سو سپاہ قراولی کے طور پر بھیجی تھی، دشمن کے قریب پہنچ کر قراول اس سے جا بھڑا، ایک دو دفعہ ان میں ردو بدل ہوئی کہ پیچھے سے ہمایوں کا لشکر نمودار ہوا، اس کے دیکھتے ہی دشمن فرار ہوا، ہمایوں کے لشکر نے سو دو سو آدمیوں کو نیچے گرایا اور ان میں سے آدھے آدمیوں کا سر اڑا دیا اور آدھے آدمیوں کو زندہ مع سات آٹھ فیل کے ہمایوں کے لشکر گاہ میں لایا، بروز دوشنبہ ۲۱ر کو بابر کے پاس سو قیدی اور سات آٹھ ہاتھی لایا، سیاست کے لیے بابر نے استاد علی قلی خاں اور تفنگ اندازوں کو حکم دیا کہ ان سب قیدیوں کو تفنگ سے مار ڈالیں، یہ ہمایوں کی پہلی یورش تھی اور اول کام تھا، جس کو باپ نے کہا کہ یہ ایک ہمایوں شگون تھا، قادغونچی یعنی ہلکی سپاہ مفروروں کے پیچھے گئی اور حصار فیروزہ کو جاتے ہی لے لیا اور اس کو لوٹ کر مراجعت کی، فیروزہ کا حصار مع اس کے توابع و مضافات کے ایک کرور محاصل تھا، وہ اور کرور زر نقد ہمایوں کو بابر نے دیا اور یہاں سے کوچ کر کے شاہ آباد آیا، سلطان ابراہیم کی خبر لانے کے لیے آدمی بھیجا، اسی منزل میں چند روز توقف کیا اور رحمت پیادہ کو فتح نامہ دے کر کابل روانہ کیا، اس منزل میں ہمایوں نے اپنا خط استرہ اور مقراض سے درست کیا[3]۔

---

[1] اردو ترجمہ میں ہے، برانغار کی فوج میں سے خواجہ کلاں، سلطان محمد دولدائی، ولی خازن، خسرو بیگ، ہندو بیگ، عبدالعزیز اور محمد علی جنگ جنگ اور قول میں سے بھی شاہ منصور برلاس، کتہ بیگ اور محب علی وغیرہ کو ہمایوں کے ساتھ کر کے حمید خاں کے مقابلہ کے لیے مقرر کیا، امین نے بھی آ کر اس منزل میں ملازمت حاصل کی، یہ پٹھان بھی بڑے گنوار اور جاہل ہیں، باوجودیکہ دلاور خاں عہدہ اور مرتبہ میں اس سے زیادہ ہے، عالم خاں اس کا سردار زادہ ہے اور یہ میرے سامنے نہیں بیٹھنے پاتے، مگر اس نے بیٹھنے کی خواہش کی، (ص ۲٦۲) [2] اردو ترجمہ ۲۴ر تاریخ میں ص ۲٦۲، انگریزی ترجمہ ۱۴ر تاریخ [3] اردو ترجمہ، اسی مقام پر ہمایوں نے اپنی داڑھی منڈائی، اس کو آج اٹھارہواں سال ہے اور مجھ کو چھیالیسواں، (ص ۲٦۳)۔

بابر کی احتیاط: ۲۸/ جمادی الاول روز دوشنبہ کو آفتاب نے برج حمل میں تحویل کی اور لشکر ابراہیم سے متواتر خبر آئی کہ وہ آہستہ آہستہ ایک روز میں دو کوس چل کر ہر منزل میں دو دو تین تین روز قیام کرتا ہے، بابر بھی شاہ آباد سے ایک منزل درمیان کر کے دریائے جمن کے کنارے پر سرساوہ کے مقابل آیا، خواجہ کلاں بیگ کے ملازم حیدر قلی کو خبر لانے کے لیے بھیجا، بابر نے جمنا سے آکر سرساوہ کی سیر کی، اس منزل سے دریا کے نیچے کی طرف دو منزل کنارہ کے قریب کوچ کیا تھا کہ حیدر قلی جو خبر لینے کے لیے بھیجا گیا تھا، وہ یہ خبر لایا کہ داؤد خاں اور ہتیم خاں دریا پار میان دوآب میں چھ سات ہزار سواروں کے ساتھ بھیجے گئے ہیں، وہ ابراہیم کے مقام سے آگے تین چار کوس پر ہماری طرف کی راہ پر مقیم ہیں، بروز یکشنبہ ۱۸/ جمادی الاول کو اس سپاہ کے مقابلہ کے لیے چین تیمور سلطان اور افسروں کو مع کل سپاہ جرانغار کے جو سلطان جنید کے ماتحت تھا، روانہ کیا، سپاہ کے ایک حصہ قول کو بھی جو یونس علی اور افسروں کے ماتحت تھا، بھیجا اور یہ ہدایت کی کہ دفعۃً غنیم پر یلغار کر کے چڑھ جائیں، دوسرے روز صبح کو نماز کے وقت دریا سے اترے اور عصر و مغرب کے درمیان دشمن کے قریب آئے اور کچھ اپنے تئیں قریب کیا اور دشمن سے لڑنے چلے گئے، مگر بجرد اس لشکر کے پہنچنے کے دشمن بھاگا اور وہ اس کے پیچھے آدمیوں کو مارتے ہوئے لشکر ابراہیم تک پہنچے، ہیتم خاں کو جو داؤد خاں کا بڑا بھائی اور ایک سردار تھا اور ستر اسی قیدیوں اور چھ سات ہاتھیوں کو گرفتار کر کے لائے، دشمن کی سیاست کے لیے اکثر کی گردن اڑائی گئی۔

فوج کا جائزہ: یہاں سے کوچ کر کے بابر نے کل سپاہ کو جنگ کے لیے جرانغار، برانغار و قول و یساول میں مرتب کیا اور اس کو ملاحظہ کر کے دم کیا، دم کی یہ رسم ہے کہ جب سپاہ سوار ہوتی ہے تو اس کا سپہ سالار کمان یا چابک ہاتھ میں لیتا ہے اور بموجب دستور مقررہ کے سپاہ کے شمار کا تخمینہ کرتا ہے، جس کے موافق وہ حکم لگاتا ہے کہ سپاہ کی مقدار اتنی ہوگی، اس طرح بابر نے جو سپاہ کا قیاسی تخمینہ کیا تھا، اتنا ہی تھا جتنی کہ سپاہ نظر میں آئی، اس منزل میں توقف ہوا کہ وہ اپنے حال کے موافق اسباب کو درست کریں، سات سو ارابہ (یعنی توپیں) تیار ہوئے۔

صف آرائی: استاد قلی کو حکم ہوا کہ روم کے دستور کے موافق ارابوں یعنی توپوں کے رہکلوں کو

گائے کے چمڑے کے رسوں کے بجائے زنجیر سے باندھ دیے اور توپوں کے درمیان چھ سات توڑوں کی جگہ چھوڑے، (بدایونی نے کئی جگہ توپوں کے بجائے توبرا لکھا ہے کہ وہ مٹی سے بھرے ہوئے تھے) ان ارابوں کے پیچھے تفنگ انداز کھڑے ہو کر تفنگ چھوڑیں، (تفنگ سے مراد توڑے دار بندوق سے ہے) اس اسباب کی ترتیب کرنے میں پانچ چھ روز اس منزل میں توقف ہوا، اسباب کے تیار و تکمیل ہونے کے بعد امرا اور اہل علم و صاحب تمیز جوانوں کو مشورۂ عام کے لیے جمع کیا، اس مجلس میں یہ رائیں قرار پائیں کہ پانی پت ایسا شہر ہے کہ اس میں محلے اور گھر بہت سے ہیں، وہ لشکر کے لیے خاصی ایک دیوار ہے اور دوسری طرف اس کے ارابے و توڑے مضبوط کئے جائیں اور ان کے پیچھے تفنگچی اور پیادے کھڑے کئے جائیں، بعد اس کے کوچ ہو، ایک منزل درمیان کر کے پنجشنبہ سلخ جمادی الاول کو پانی پت کے قریب بابر کا لشکر آیا، دائیں ہاتھ کی طرف شہر کے محلے تھے اور سامنے ارابے و توڑے لگائے گئے، بائیں طرف اور کئی مختلف جگہ خندق کھودی اور درختوں کی شاخوں کی باڑھ لگائی اور ایک ایک تیر کے فاصلہ پر اس قدر جگہ چھوڑ دی کہ سوسو پچاس پچاس[1] آدمی باہر نکل آئیں، بابر لکھتا ہے کہ میرے لشکر کے بعض آدمیوں کو بہت تردد و توہم تھا مگر یہ توہم و تردد ناحق ہوتا ہے، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ازل میں تقدیر کیا ہے وہی ہوتا ہے، کچھ اور نہیں ہوتا، مگر میں ان آدمیوں کو بھی کچھ الزام نہیں لگاتا، اس لیے کہ وہ دو تین مہینے سے اپنے وطن سے آئے تھے، ایک ایسی بیگانی قوم سے لڑائی تھی کہ وہ نہ اس کی زبان سمجھتے تھے، نہ وہ ان کی زبان جانتے تھے[2]۔

سلطان ابراہیم کی فوج: غنیم کے لشکر کا لاکھ تخمینہ کرتے تھے اور امرا و وزرا کے ہاتھی ہزار تھے، اس کے پاس باپ دادا کا خزانہ جمع کیا ہوا نقد موجود تھا، ہندوستان میں یہ رسم ہے کہ جس وقت ضرورت ہوتی ہے تو روپیہ دے کر سپاہ کو ایک مدت کے لیے نوکر رکھ لیتے ہیں اور ان آدمیوں کو سربندی کہتے ہیں، اگر سلطان ابراہیم کو اس کا خیال آتا تو ایک لاکھ سپاہ اور جمع کر سکتا تھا، مگر اللہ

---

[1] اردو ترجمہ، سوڈیڑھ سو، (ص ۲۶۴) انگریزی ترجمہ، سو دو سو (جلد دوم، ص ۴۶۹) [2] اردو ترجمہ میں اس کے بعد یہ شعر ہے:

شدہ جمع و بود جمع پریشاں — گرفتار تو ے و قومے عجائب

تعالیٰ کو تو میرا کام بنانا منظور تھا، نہ وہ اپنے جوانوں کو راضی کر سکا نہ اپنے خزانہ کو قسمت کر سکا، بخل و امساک اس کی طبیعت پر ایسا غالب تھا کہ وہ اپنے جوانوں کو راضی نہیں کر سکتا تھا، وہ خود بیحد زر جمع کرنے کا طالب تھا، وہ ایک ناتجربہ کار جوان تھا، وہ اپنی سب حرکتوں میں غافل تھا، اس کا آنا بغیر انتظام کے تھا، اس کا قیام اور جانا بے تدبیری کے ساتھ تھا، اس کا لڑنا بغیر دور اندیشی کے تھا، جس وقت پانی پت اور اس کے اطراف میں میرا لشکر اپنے مقام کو ارابوں و شاخوں و خندق سے مضبوط و مرتب کر رہا تھا، تو درویش محمد ساربان نے عرض کیا، اس قدر احتیاط اس مقام کے استحکام میں کی گئی ہے کہ ممکن نہیں، دشمن کو خیال یہاں آنے کا ہو، میں نے اس سے کہا کہ تو دشمن کو ازبکوں کے خانوں اور سلطانوں پر قیاس کرتا ہے[1] مگر تجھے چاہیے کہ ان دشمنوں کو ان دشمنوں پر قیاس نہ کر جن سے ہم پہلے لڑ چکے ہیں، ان دشمنوں کو یہ تمیز ہی نہیں ہے کہ کہاں آگے بڑھنا چاہیے اور کہاں پیچھے ہٹنا چاہیے، خدائے تعالیٰ نے تیرے سب کام درست کیے اور جو میں نے کہا تھا، وہی ہوا، ہم پانی پت میں آٹھ سات روز رہے، ہمارے تھوڑے تھوڑے آدمی دشمن کے بڑے لشکر کے سپاہیوں پر تیر چلاتے تھے، مگر وہ کوئی جنبش و حرکت نہ کرتے تھے۔

شب خون: آخر کو بعض ہندوستانی امرا نے خیر خواہ کی رائے پر عمل کیا، میں نے ملک خواجہ[1] اور امرا کو چار پانچ ہزار سپاہ دے کر شب خون مارنے کے لیے بھیجا، مگر وہ آپس میں اول اچھی طرح نہ ملے اور ایسے پریشان روانہ ہوئے کہ وہ دشمن کے لشکر تک پہنچ کر کچھ کام نہ کر سکے، جب دن نکل آیا تو غنیم کے لشکر کے پاس پہنچے، غنیم بھی نقارے بجا کر اپنے ہاتھیوں کو درست کر کے لڑنے آئے، اگرچہ میرا لشکر ان کا کچھ نہ کر سکا، مگر یہ خیر ہوئی کہ اس قدر سے اپنے تئیں بچا کر صحیح سلامت الٹا چلا

---

[1] اردو ترجمہ میں یہ عبارت بھی ہے جو حذف کر دی گئی ہے:

"جس سال کہ ہم سمرقند سے چلے، ہم سب مع گھربار بیس ہزار آدمی تھے، ہم نے حصار کے محلات کو خوب مضبوط کر لیا، دشمن فوج کی آمد و رفت وغیرہ سے آگاہ تھے، انہوں نے دیکھا کہ ان لوگوں نے حصار کو پناہ کی جگہ بنا لیا ہے اور دل میں ٹھان لی ہے کہ یہیں مرنا یہیں جینا ہے، چڑھائی کا موقع نہیں ہے، وہ الٹے پھر گئے۔ (ص ۲۶۵)

آیا اور کسی آدمی کی جان کو ضائع نہ ہونے دیا، محمد علی جنگ جنگ کے پاؤں میں تیر لگا، اگرچہ وہ مہلک نہ تھا، مگر وہ میدان جنگ میں پھر نہ جاسکا، میں نے یہ خبر سن کر ہمایوں کو کوس یا ڈیڑھ کوس آگے ان کے پاس بھیجا اور خود لشکر میں رہ کر اس کو درست کیا اور لے کر بابر کے پاس چلا، شب خون کی سپاہ ہمایوں کے لشکر کے ہمراہ ہوئی، کوئی غنیم کا آدمی بھی آگے نہ بڑھا، ہم بھی پھر کر اپنے لشکر میں چلے آئے، اسی رات کو ایک چھوٹا غوغا مچا اور ایک گھڑی تک لشکر کے تیار ہونے کا شور مچتا رہا اور غل غپاڑہ رہا، جنھوں نے پہلے ایسے غوغا نہیں دیکھا تھا، ان کو تردد تو ہم ہوا، پھر کچھ دیر کے بعد یہ غوغا موقوف ہوا۔

میدان جنگ میں صف آرائی: صبح کی نماز کے وقت خبر آئی کہ غنیم درست ہو کر ہماری طرف آتا ہے، ہم بھی جیبہ پہن کر اور ہتھیار باندھ کر سوار ہوئے، برانغار ہمایوں کو اور اس کے ساتھ اور افسروں[1] کو اور جرانغار سلطان مرزا کو اور اس کے ساتھ اور امیروں کو اور قول کا دست راست چین تیمور سلطان اور اس کے ساتھ اور امیروں کو اور قول کا دست چپ خلیفہ اور اس کے اور ہمراہیوں کو ہراول خسرو تاش اور امیروں کو حوالہ ہوا اور عبدالعزیز میر آخور، طرح میں متعین ہوا اور برانغار کی اوج میں ولی قزل اور امرا مقرر ہوئے، بابا قشقہ کو مع مغلوں کے تلغمہ میں اور جرانغار کے اوج میں

---

[1] اردو ترجمہ میں نام یہ ہیں، مہدی خواجہ، محمد سلطان میرزا، عادل سلطان، خسرو شاہ، میر حسین، سلطان جنید برلاس، عبدالعزیز، میر آخور، محمد سلطان جنگ جنگ، قتلق قدم، ولی خازن، محب علی خلیفہ، محمد بخشی، جان بیگ اور قراقوی وغیرہم، (ص ۲۶۵) [2] اردو ترجمہ، برانغار میں ہمایوں، خواجہ کلاں، سلطان محمد دولدائی، ہندو بیگ، ولی خازن اور میر قلی سیستانی تھا، جرانغار میں مہدی خواجہ دولدائی، میرزا عادل سلطان، شاہ میر حسین، سلطان جنید، قتلق قدم، جان بیگ، محمد بخشی اور شاہ حسین مغل غانچی تھا، قول کے دست راست میں چین تیمور سلطان، سلیمان محمدی کوکلتاش، شاہ منصور برلاس، یونس علی، درویش محمد ساربان اور عبداللہ کتاب دار تھا، قول کے دست چپ میں خلیفہ، خواجہ میر میران، احمد پروانچی، تردی بیگ، قوج بیگ، محب علی خلیفہ، میرزا بیگ ترخان تھا، ہراول میں خسرو کوکلتاش جنگ جنگ تھا، عبدالعزیز میراخور کو طرح میں مقرر کیا، برانغار کے اوج میں ولی قزل، ملک قاسم اور بابا قشقہ کو مع مغلوں کے تولقمہ پر متعین کیا، جرانغار کے اوج میں قراقوزی، ابوالمحمد نیزہ باز، شیخ جماری بازی، مندی اور تنگری قلی مغل کو تولغمہ پر کھڑا کیا۔ (ص ۲۶۶)

قراقری کوتنکری قلی مغول کو، تلغمہ کے راست میں مقرر کیا اوران کو ہدایت ہوئی کہ اگر دشمن بہت قریب آجائے تو چکر کھا کراس کے پیچھے آئیں۔

لڑائی: جب غنیم سامنے آیا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ برانغار کی طرف اس کا میلان بہت ہے، اس سبب سے عبدالعزیز کو کہ طرح میں متعین تھا، برانغار میں کمک کے لیے بھیجا، سلطان ابراہیم کی سپاہ دور سے نمودار ہوئی تھی، وہ کسی جگہ ٹھہری نہیں اور تیز چلی، جب ہماری سپاہ ان کو نمودار ہوئی اور آدمیوں نے دیکھا کہ وہ ترتیب سے حصوں میں بٹی ہوئی کھڑی ہے اوراس کی حفاظت ایسی ہوئی ہے جیسی کہ اوپر بیان ہوئی، تو وہ ٹھہری اور سوچ بچار میں ہوئی کہ ہم ٹھہرے رہیں یا نہیں ہم آگے بڑھیں یا نہیں، وہ کھڑے نہیں ہو سکتے تھے، نہ پہلی طرح سے تیزی کے ساتھ آگے بڑھ سکتی تھی، میں نے احکام بھیجے کہ سپاہ جو تلغمہ میں موجود ہے، وہ دشمن کے دائیں بائیں طرف سے پھر کران پر تیر لگائیں، جرانغار سے مہدی خواجہ پہلے آیا، دشمن کا ایک گروہ ایک ہاتھی کے ساتھ اس سے لڑنے آیا، میری سپاہ نے ان پر تیروں کا مینھ برسایا، یہ حصہ دشمن کی فوج کا الٹا چلا گیا، جرانغار کی کمک کو احمد[1] پروانچی کو بھیجا، دائیں جانب لڑائی سخت تھی، وہاں میں نے محمدی کوکلتاش[2] کو بھیجا، استاد علی قلی نے بھی بہت دفعہ توپوں کی باڑھ ماری اور سامنے کے دشمنوں کو خوب مارا اور مصطفیٰ توپچی نے بائیں طرف کے اپنے توپخانے سے خوب کام لیا، برانغار و جرانغار وقول وتولغمہ نے غنیم کو چاروں طرف سے گھیرلیا اور جنگ میں بڑی کوشش سے مشغول ہوئے اوران پر خوب تیر برسائے، ایک دفعہ دشمن نے کوتاہ حملے میرے لشکر کے جرانغار اور برانغار پر کیے، جن کو میرے لشکر نے ہٹادیا، غرض دو لشکر آپس میں ایسے گتھ گئے کہ نہ ان کو آگے بڑھنے کی راہ تھی نہ بھاگنے کا رستہ تھا[3]، خدا کی عنایت سے یہ میرا مشکل کام سہل ہوا اور ایسے بڑے زبردست دشمن کا لشکر دوپہر میں خاک میں مل گیا، میدان جنگ میں پانچ چھے ہزار آدمی مرے

---

[1] اردو ترجمہ، احمدی پروانچی، تردی بیگ، قوج بیگ اور محمد علی، (ص ۲۶۶) [2] اردو ترجمہ، محمدی کوکلتاش، شاہ منصور برلاس، یونس علی اور صدراللہ، (ص ۲۶۶) [3] اردو ترجمہ، گھمسان کی لڑائی ہونے لگی، غبار ایسا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھتا تھا، آفتاب کوئی ایک نیزہ بلند ہوا ہوگا کہ جنگ مغلوبہ شروع ہوئی، دوپہر تک تلوار چلتی رہی، دوپہر ہوتے ہی دشمن پست ہوا، (ص ۲۶۶)۔

ہوئے ابراہیم کے پاس پڑے ہوئے تھے، میدان جنگ اور اِدھر اُدھر کے مرے ہوئے آدمی جو شمار ہوئے تو پندرہ سولہ ہزار تھے، آگرہ میں پہنچ کر بعض ہندوستانیوں کی زبانی معلوم ہوا کہ چالیس پچاس ہزار آدمی اس معرکہ میں مردہ ہوئے، باقی کے پیچھے قتل اور اسیر کرتا ہوا، میر الشکر گیا، جو امرا پیش رو تھے، وہ امیروں اور افغانوں کو اسیر کر کے لانے لگے اور بہت سے آدمی مع فیل بانوں کے لاکر پیش کش میں دینے لگے، غنیم کا کچھ فاصلہ تک تعاقب کر کے اور یہ سمجھ کر کہ ابراہیم زندہ میدانِ جنگ سے بھاگ گیا ہے، میں نے کشمی میرزا کو مقرر کیا کہ وہ آگرہ تک اُس کا تعاقب کرے، جب میں ابراہیم کے لشکر کے درمیان سے گذرا اور اس کی سرایوں اور گھروں کی سیر کی تو سیاہ آب (کالندی) پر اترا، ظہر کی نماز پڑھی تھی کہ خلیفہ کے چھوٹے بھائی طاہر طبری کو ابراہیم مردوں میں ملا، اس کا سر کاٹ کر وہ میرے پاس لایا، یہ حال ہم نے طبقات بابری سے نقل کیا ہے۔

بابر کی سلطنت کی آمدنی: اگرچہ تزک بابری کے فارسی ترجمہ میں یہ نقشۂ آمدنی نہیں ہے لیکن چغتائی ترجمہ میں یہ لکھا ہے کہ دریائے سندھ کے اس طرف جو ملک بابر کی حکومت کے اندر ہیں، ان کی آمدنی یہ ہے:

نام ملک	آمدنی ٹنکوں میں
۱- سرکار جو ستلج کے اس طرف ہے، بھیرہ، سیالکوٹ، دیبال پور اور بعض اور ملک	۳۶۳۱۵۹۸۹
۲- سرہند مع مضافات	۱۲۹۳۱۹۸۵
۳- حصار فیروزہ	۱۳۰۷۵۱۰۴
۴- دار الملک دہلی کے ممالک اور دوآبہ	۳۶۹۵۰۲۵۴
۵- میوات جو سکندر لودی کے زمانہ میں سلطنت کا حصہ تھا	۱۶۹۸۱۰۰۰
۶- بیانہ	۱۴۴۱۴۹۳۰
۷- آگرہ	۲۹۷۶۹۱۹
۸- (میان ولایت) شاید دوآبہ کے کسی حصہ سے مراد ہو	۲۹۱۱۹۰۰۰

۹-گوالیار	۴۲۳۵۷۴۵۰
۱۰-کالپی، ستھندہ، گررا	۴۲۸۵۵۹۵۰
۱۱-قنوج	۱۳۹۶۳۳۵۸
۱۲-سنبھل	۱۳۸۴۴۰۰۰
۱۳-لکھنؤ و بکسر	۱۳۹۸۲۴۳۳
۱۴-خیر آباد	۱۲۶۵۰۰۰
۱۵-اودھ و بہرائچ	۱۱۷۲۱۳۶۹
۱۶-جون پور	۴۰۰۸۸۳۳۳
۱۷-کڑا مانک پور	۱۸۳۲۷[illegible]
۱۸-بہار	۴۰۵۶۰۰۰۰
۱۹-سروھی	۱۵۵۱۷۵۰۶ ½
۲۰-سارن	۱۱۰۱۸۶۷۹
۲۱-جے پارہ (چنپارن)	۱۹۰۸۶۸۶۰۹
۲۲-گونڈ	۴۳۳۰۳۰۰
راجہ مثانہ، راجہ ادب برن (نرائن) چاندی کا ٹنکہ	۲۵۵۰۱
سیاہ ٹنکہ	۲۷۵۰۰۰۰
مشتبہ	۲۰۰۰۰۰۰
ناگور، راجہ بکرماجیت، رنتھنبور، راجہ کالنجری، راجہ سنگھ دیو، راجہ بکرم دیو، راجہ بکرم چند جو رقمیں دیتے تھے وہ مشتبہ ہیں	
۲۳-ترہت خدمتانہ راجہ ترہت	۲۵۰۰۰۰ ٹنکہ نقرہ و ۲۷۵۰۰۰۰ ٹنکہ سیاہ
۲۴-رنتھنبور	۲۰۰۰۰۰۹ ٹنکہ
۲۵-ناگور	۱۳۰۰۰۰۰۰

۲۶- راجہ بکرماجیت — یہ سب مل کر ۴۴۳۷۸۳۴۵۷ ۱/۴ دیتے تھے۔

۲۷- راجہ کالنجری — ترہت کی سیاہ ٹنکہ ۲۷۵۰۰۰۰

کل ۴۴۶۵۳۳۴۵۷ ۱/۴ ٹنکہ

۲۸- راجہ نرسنگھ دیو — اس کے علاوہ ۲۵۰۰۰۰۰ نقرہ ٹنکہ ترہتی خدمتانہ ہے اور بہت سے راجاؤں کا خراج نامعلوم ہے۔

۲۹- راجہ بھیکم دیو

۳۰- راجہ بھیکم چند

ہندوستانی امرا کی مخالفت: بابر لکھتا ہے کہ جب میں آگرہ میں آیا تو میرے آدمیوں اور ہندوستانیوں میں عجیب مغائرت اور منافرت تھی، میرے آدمیوں کی آواز سے رعیت اور سپاہی دوردور بھاگتے تھے، بعدازاں سوائے دہلی اور آگرہ کے باقی سب جگہ کے قلعہ داروں نے اپنے قلعوں کو خوب مضبوط کیا اور اطاعت نہ کی، مخالفت پر کمر باندھی، قائم خاں نے حصار سنبھل سنبھالا، نظام خاں نے بیانہ میں اپنا انتظام جمایا، راجہ حسن خاں نے میوات میں علم مخاصمت بلند کیا، یہ مردود ملحد سب شروں اور فسادوں کی جڑ تھا، دھول پور میں محمد زیتون نے منازعت اختیار کی، گوالیار کو تاتار خاں سارنگ نے مستحکم کیا، رابری[1] میں حسین خاں[2] لوحانی نے اور اٹاوہ میں قطب خاں نے، کالپی میں عالم خاں (عالی خاں) نے مخالفت کی، قنوج اور دریائے گنگ کے اس طرف کا ملک مخالف افغانوں کے پاس تھا، مثلاً ناصر خاں لوحانی، معروف فرملی اور امرا بھی جو سلطان ابراہیم کے مرنے سے دو تین برس پہلے باغی ہو رہے تھے، جب میں نے ابراہیم کو زیر کیا تو انھوں نے اس طرف کا اور ملک بھی دبا لیا تھا اور قنوج سے دو تین کوچ ادھر آن کر ہو بیٹھے، بہار خاں پسر دریا خاں کو اپنا بادشاہ بنایا، سلطان محمد خطاب دیا، مہابن میں سلطان ابراہیم کا غلام مرغوب ہک بن رہا

---

[1] انگریزی ترجمہ، راپری، (جلد دوم، ص ۵۲۳) [2] اردو ترجمہ، حسن خاں نوحانی، (ص ۲۹۱) انگریزی ترجمہ، حسین خاں نوحانی (جلد دوم، ص ۵۲۳)۔

تھا، اگر چہ مجھ سے اتنا قریب تھا، مگر چند مدت تک میرے پاس نہ آیا، جب میں آگرہ میں آیا تو گرمی کا موسم تھا، خلقت کو ایسا توہم عام ہوا کہ وہ سب بھاگ گئی، اب یہاں سپاہیوں کو اجناس کھانے پینے کو نہیں ملتی تھیں، نہ گھوڑوں کو دانہ گھاس ملتا تھا، مغائرت اور منافرت کے سبب سے دہاقین نے راہزنی اور دزدی اختیار کی، اس لوٹ مار سے راہیں بند ہو گئیں، خزانہ تقسیم کرنے کے بعد مجھے اتنی فرصت نہ ملی کہ پرگنات اور مقامات میں مضبوط آدمی انتظام کے لیے متعین کرتا، یہ مصیبتیں تو تھیں، ان پر یہ اور اضافہ ہوا کہ گرمی بڑی شدت کی پڑی اور میرے بہت سے آدمی لوؤں سے مر گئے، اس سبب سے بہت سے اچھے اچھے امرا اور جوانوں کے دل چھوٹ گئے اور وہ ہندوستان میں رہنے پر راضی نہ ہوئے اور واپس جانے کی تیاری کی، اگر امرائے کہن سال اور تجربہ کار باتیں بناتے تو کچھ عجب نہ تھا، مگر وہ چھوٹے چھوٹے آدمی طنز آمیز باتیں بنانے لگے کہ جن میں عقل و ہوش اتنا نہ تھا کہ تقریر کرنے کے بعد وہ اپنی فلاح و فساد میں اور نیک و بد میں فرق کر سکتے، ایک بھیڑیا چال تھی، جو ایک نے کہا دوسرے نے اُس کا اعادہ کیا، جس میں کچھ مزہ نہ تھا، ان چھوٹے آدمیوں کی رائیں بے مزہ اور بے وجہ تھیں اور تعجب یہ تھا کہ اس مرتبہ جو میں کابل سے روانہ ہوا تھا، تو بہت سے چھوٹے چھوٹے آدمی میرے ساتھ تھے، جن میں سے میں نے چند کو امارت پر پہنچا دیا تھا اور مجھے ان سے امید یہ تھی کہ اگر میں آب و آتش میں جاؤں گا تو میرے ساتھ جائیں گے اور جب میں اس سے نکلوں گا تو میرے ہمراہ نکلیں گے اور میں جس طرف ہوں گا اس طرف وہ ہوں گے، وہی آدمی میرے مقصود کے خلاف باتیں کرتے تھے، میں نے ہر کار اور ہر مہم کو مشورہ و اتفاق سے کیا، مگر اب وہ سب اپنی باتوں سے پھر گئے، احمدی پروانچی، دولی خان[1] کا حال سب سے بدتر تھا، ابراہیم کے زیر کرنے میں اور آگرہ کے لینے میں خواجہ کلاں نے خوب خوب کام کیے، مردانہ باتیں کہتا تھا اور صاحب ہمتوں کی سی رائے دیتا تھا لیکن آگرہ کے لینے کے بعد چند روز میں اس کی ساری رائیں کچھ اور ہی ہو گئیں، سب سے زیادہ وہی جانے پر بضد تھا، جب مجھے آدمیوں کی یہ بد دلی معلوم ہوئی تو مجلس شوریٰ جمع کر کے میں نے کہا کہ جہانگیری و سلطنت بے اسباب و آلات کے ہاتھ نہیں لگتی، بادشاہی و امیری بے نوکر اور ولایت

[1] اردو ترجمہ، ولی خازن، (ص ۲۹۲) انگریزی ترجمہ، ایضاً، (جلد دوم، ص ۵۲۴)۔

کے ممکن نہیں، کتنے برسوں محنت اٹھائی، کن مشقتوں سے دراز راہ کو طے کیا، لشکر کشیوں میں اپنے تئیں اور لشکروں کو حرب وقتال کے مخاطروں میں ڈالا، عنایت الٰہی سے اس قدر باغیوں کو زیر کیا، ایسی وسیع ولایتوں اور مملکتوں کو تسخیر کیا، اب کون سی ایسی مصیبت اور آفت ہم پر آئی کہ ان ممالک مقبوضہ کو جن پر ہزاروں جانیں ہم نے کھوئی ہیں، چھوڑ کر کابل میں چلے جائیں اور تنگ دستی کی بلا میں مبتلا ہوں، پس جو شخص دولت خواہ ہو وہ ایسی باتیں پھر نہ کہے، جس شخص میں یہاں رہنے کی طاقت نہ ہو اور وہ جانے کا ارادہ کر چکا ہو، وہ چلا جائے، یہ معقول اور موجہ باتیں میں نے ان کے خاطر نشین کیں تو خواہی نہ خواہی ان کے دل سے دغدغہ جاتا رہا، خواجہ کلاں کا دل یہاں رہنے کو نہیں چاہتا تھا، اس لیے یہ ٹھہرا کہ اس کو بہت سی سوغاتیں دی جائیں اور بہت آدمی اس کے ساتھ جائیں اور وہ غزنی و کرویز ہزارہ[1] کا جا کر انتظام کرے، وہاں کوئی منتظم نہیں ہے، یہ سب ولایتیں اس کو میں نے دیدیں اور ہندوستان میں پرگنہ کہرام[2] میں کہ جس کی جمع تین چار لاکھ ہے، اس کو دی اور خواجہ میر میران کو اس کے ساتھ کیا، خواجہ ہندوستان سے ایسا متنفر تھا کہ چلنے کے وقت دہلی کی عمارتوں کی دیوار پر یہ شعر لکھ گیا:

اگر بخیر و سلامت گذر ز سند کنم   سیاہ روئے شوم گر ہوائے ہند کنم

جب تک میں ہندوستان میں ہوں، اس ظرافت آمیز بیت کے کہنے اور لکھنے سے کیا فائدہ تھا، اس کے جانے سے میرے دل میں ایک کدورت پیدا ہوئی تھی اور اس طرح کی ظرافت سے ایک اور کدورت پیدا ہوئی، میں نے بھی ایک رباعی بدیہی کہی[3]۔

ہندوستانی امرا کی اطاعت: ملا اپاق کہ پہلے کم تر درجہ کا آدمی تھا، اس نے دو تین سال

---

[1] اردو ترجمہ، ہزارہ سلطان مسعودی، (ص ۲۹۳) انگریزی ترجمہ، ایضاً، (جلد دوم، ص ۵۲۵) [2] انگریزی ترجمہ میں کہرام کے بجائے گہرام ہے۔ [3] اردو ترجمہ میں بھی یہ رباعی نہیں ہے لیکن انگریزی ترجمہ میں اس رباعی کا انگریزی ترجمہ ہے، جس کے معنی یہ ہیں، بابر خدا کا صدہا شکر بجالا، کیوں کہ اس نے تجھ کو سندھ، ہند اور دوسری سلطنتیں عطا کی ہیں، اگر تو اے خواجہ کلاں یہاں کی گرمی کو برداشت کرنے کی قوت نہیں رکھتا ہے تو تیرے لیے غزنی جیسی ٹھنڈی جگہ موجود ہے لیکن اس ترجمہ سے شعر کا اصلی مزہ نہیں ملتا۔ (جلد دوم، ص ۵۲۶)

ہوئے کہ اپنے بھائی بندوں کو جمع کر کے جمعیت بہم پہنچائی تھی، اس کو ادرک زئی اور بعض افغانوں کو ساتھ کر کے کول بھیجا[1] اور اس نواح کے ترکش بندوں اور سپاہیوں کی استمالت کے فرمان لکھ کر بھیجے، شیخ گوزن (گھورن) نے اخلاص واعتقاد کے ساتھ ملازمت کی اور میان دوآب کے ترکش بندوں میں سے دو تین ہزار آدمیوں کو نوکر رکھا دیا، ہمایوں سے یونس علی جب راہ بھول کر جدا ہوا تھا تو اس سے پسر علی خاں و فرملی اور اس کے خویش دہلی اور آگرہ کے درمیان مقابل ہوئے، یونس علی نے کچھ لڑ کر ان کو زیر کیا اور علی خاں کے بیٹوں کو قید کر لیا، اس تقریب سے پسر دولت قدم مرزا مغول کو مقید بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو ساتھ کر کے علی خاں کے پاس بھیجا اور وہ ان ایام فتور میں میوات میں آ گیا تھا اور اس کے پاس فرمان استمالت بھی بھیجا، وہ چلا آیا، اس کی میں نے پرورش کی کہ اس جگہ کے پرگنے پچیس لاکھ کے اس کو دے دیے، سلطان ابراہیم نے مصطفیٰ فرملی اور فیروز خاں سارنگ خانی کو چند امرا کے ساتھ پورب کے باغیوں سے لڑنے کے لیے بھیجا، ان امراء باغی سے مصطفیٰ نے خوب خوب حرب وضرب کی اور چند مرتبہ باغیوں کو زیر کر کے شکست دی، ابراہیم و مصطفیٰ مر گئے، مصطفیٰ کے چھوٹے بھائی بایزید نے اپنے بھائی کے آدمیوں کو سربراہ کیا، سرفراز خاں و شیخ و بایزید و محمود خاں لوحانی اور قاضی ضیاء نے میری بندگی اختیار، ان کی بھی میں نے ان کے مدعا سے زیادہ رعایت کی، جون پور میں سے ایک کرور[2] کی جاگیر فیروز خاں کو اور ایک کرور[3] کی شیخ بایزید کو اور تیس[4] لاکھ کی قاضی ضیاء[5] کو اور غازی پور میں سے پونے[6] دو لاکھ کی محمود خاں کو عنایت کی، عید شوال کے بعد چند روز حرم سرائے کے گنبد ایوان ستون سنگ میں بڑی مجلس ہوئی اور ہمایوں و امرا کو امارات عنایت ہوئے، محمد کوکلتاش کو سامانہ عنایت ہوا، ہندو بیگ وکتہ بیگ و ملک قاسم، بابا قاقشال کو مع اس کے بھائیوں اور خویشوں کے اور ملا آپاق کو میان

---

[1] اردو ترجمہ، کوئل، (ص ۲۹) انگریزی ترجمہ، کول (جلد دوم، ص ۵۲۶) [2] انگریزی ترجمہ، ایک کرور چھیالیس اور پانچ ہزار تنکے جون پور سے، (جلد دوم، ص ۵۲۷) [3] ایک کرور اڑتالیس لاکھ پچاس ہزار تنکے اودھ سے، (ایضاً) [4] اردو ترجمہ، بیس لاکھ جون پور سے (ص ۲۹۳) انگریزی ترجمہ، بیس لاکھ، (جلد دوم، ص ۵۲۷) [5] انگریزی ترجمہ، قاضی جیا (جلد دوم، ص ۵۲۷) [6] اردو ترجمہ، نوے لاکھ پینتیس ہزار، (ص ۲۹۳) انگریزی ترجمہ، ایضاً۔

دوآب کے ترکشوں کے ہمراہ بطور ایلغار کے سنبھل بھیجا، قاسم سنبھلی نے تین چار دفعہ آدمی بھیج کر اطلاع دی تھی کہ ببن نے سنبھل کو قتل کیا[2] اور ہم کو عاجز کیا، ایلغار کے طور پر آئے تو بہتر ہوگا، ببن نے اس شق میں اپنی اس ہیئت سے گرمی سے بھاگ کر دامن کوہ کو گھیر لیا تھا اور پریشان اور گریختہ افغانوں کو جمع کر کے اوران فتوروں کے زمانہ میں میدان خالی دیکھ کر سنبل کو قتل کیا، ہندو بیگ وکتہ بیگ جو ایلغار کئے تھے، وہ گھاٹوں[3] سے اترتے تھے، ملک قاسم اور بابا قاقشال مع اپنے بھائیوں کے آگے جدا ہو کر چلا گیا تھا، جب وہ دریا سے گذرا تو سوڈیڑھ سوآدمیوں کے ساتھ تیز چل کر ظہر کی نماز کے وقت سنبھل میں پہنچا، ببن بھی درست ہو کر لشکر سمیت لڑنے آیا، ملک قاسم قلعہ کو پس پشت رکھ کر جنگ میں مشغول ہوا، ببن اس کے سامنے نہ کھڑا رہ سکا، ایک جماعت نے اس کے آدمیوں کو مار کر سر کاٹ لیے، تھوڑے ہاتھی اور بہت سے گھوڑے اور اسباب غنیمت میں ہاتھ لگا، صبح کو اور امرا بھی آئے، قاسم سنبلی ان سے ملا، اس کو قلعہ سپرد کرنا ناگوار تھا، اس کے دینے میں حیلے حوالے کئے، ایک دن شیخ کوگوزن (گھورن) نے ہندو بیگ سے باتیں کر کے ایک بہانہ سے قاسم سنبھلی کو ان امرا کے آگے بلایا اور اپنے آدمیوں کو قلعہ سنبھل میں داخل کیا، قاسم سنبھلی کی بیویوں اور متعلقوں کو سلامت وسالم نکال کر بھیج دیا، بیانہ میں قلندر پیادہ کو بھیجا اور وعدہ وعید کے فرمان اس کے ہاتھ نظام خاں کے پاس بھیجے اور یہ قطعہ بھی بدیہہ لکھ کر روانہ کیا:

با ترک ستیزہ مکن اے میر بیانہ	چالاکی و مردانگی ترک عیان است
گر زود نیائی و نصیحت نہ کنی گوش	آنرا کہ عیان ست چہ حاجت بہ بیان است

---

[1] اردو ترجمہ، ہمایوں کو چارقب، کمربند تلوار اور گھوڑا مع طلائی زین کے عطا ہوا، حسن تیمور سلطان، مہدی خواجہ اور محمد سلطان میرزا کو بھی چارقب کمربند اور تلوار اور خنجر عنایت کیے، ان کے علاوہ اور امرا کو ہر ایک کے مرتبہ کے موافق کمربند اور خنجر وغیرہ مرحمت ہوئے، چنانچہ ان کی تفصیل یہ ہے کہ گھوڑا مع زین طلا ایک، تلواریں دو، خنجر مرصع پچیس، مرصع قبضے کی کٹاریں سترہ، جمدھر مرصع دو، چارقب چار، سقرلاتی لباس اٹھائیس، دربار کے دن خوب مینھ برسا، تیرہ مرتبہ بارش ہوئی، جولوگ دالان سے باہر تھے وہ سارے بھیگ گئے۔ (ص ۲۹۴)

[2] اردو ترجمہ میں بھی قتل کیا ہے، (ص ۲۹۴) لیکن انگریزی ترجمہ میں ہے کہ سنبھل کا محاصرہ کیا ہے۔

[3] اردو ترجمہ ... کے گھاٹ، (ص ۲۹۴)

قلعوں کی فتح: ہندوستان کے مشہور قلعوں میں سے قلعہ بیانہ ہے، نظام خاں نے اپنے قلعہ کی مضبوطی پر تکیہ کر کے اپنے حوصلہ سے زیادہ استدعا کی، اس نے جو آدمی بھیجا تھا، اس کو خوب جواب باصواب نہ دیا گیا، قلعہ گیری کی تیاری کی، محمد زیتون (حاکم دھول پور) کے پاس وعدہ وعید کے فرمان بابا قلی کے ہاتھ بھیجے گئے، اس نے بھی حیلے وعذر کیے، میں جب کابل میں تھا تو رانا سانگا نے ایلچی بھیجا تھا اور دولت خواہی کا اظہار کیا تھا اور یہ اقرار کیا تھا کہ اگر بادشاہ اس طرف سے نواح دہلی تک آئے گا تو میں آگرہ پر روانہ ہوں گا[1]، میں نے دہلی کو زیر کرلیا اور آگرہ کو لے لیا، اس وقت تک رانا نے کوئی حرکت نہ کی، بعدازیں اس نے آن کر گندھار[2] (مضبوط قلعہ رنتھبور سے شرق سے چند میل پر ہی) کا محاصرہ کیا، یہ قلعہ حسن پسر مکن کے تصرف میں تھا، حسن مکن نے چند مرتبہ آدمی میرے پاس بھیجے تھے، مکن مجھ سے ابھی ملا نہ تھا، گرد کے قلعہ مثل اٹاوہ و دھولپور، گوالیار و بیانہ میرے قبضے میں ابھی تک نہیں آئے تھے، شرق کی طرف پوربیوں نے سرکشی وعناد پر کمر باندھ رکھی تھی، قنوج سے دو تین منزل آگرہ کی طرف آگئے تھے اور یہاں لشکر گاہ اپنا بنایا تھا، میں اپنے ملک میں خاطر جمع نہ تھا، حسن مکن کی اعانت و کمک کے لیے کیسے سپاہ کو جدا کرسکتا تھا، دو تین مہینے کے بعد حسن سے کچھ بن نہ پڑا، عہد کر کے قلعہ گندھا دے دیا، رانا سانگا نے جو بابر کے ساتھ خط وکتابت کی اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دہلی کے بادشاہوں کے ساتھ قاطبۃً دشمنی رکھتا تھا، جب دلی کا بادشاہ سلطان ابراہیم تھا تو اس کو بیخ کنی میں سائی تھا اور اب دلی کا بادشاہ بابر ہوا، اس کی جان کا عدو ہوا۔

رابری میں حسین خاں لوحانی تھا، اس کو ایسا توہم ہوا کہ وہ رابری چھوڑ کر چلا گیا، محمد علی جنگ جنگ کو رابری دے دیا، اٹاوہ میں قطب خاں لوحانی تھا، کئی بار اس کو وعدہ وعید کے فرمان بھیجے گئے، کہ آن کر ملازمت کرے، وہ بھی قلعہ اٹاوہ کو چھوڑ کر نکل آیا، میں نے اٹاوہ مہدی خواجہ کو عنایت کیا اور محمد سلطان مرزا و سلطان محمد دولدی کے ہمراہ محمد علی جنگ جنگ اور عبدالعزیز میر آخور اور بعض اور امرا کو بہت سی سپاہ دے کر اٹاوہ کی راہ پر بھیجا، قنوج سلطان محمد دولدی کو دیا اور فیروز

---

[1] اردو ترجمہ، چڑھائی کردوں گا، (ص ۲۹۵) [2] اردو ترجمہ، کنداز (ص ۲۹۴) انگریزی ترجمہ، ایضاً (جلد دوم، ص ۵۲۹)۔

خاں و محمود خاں و شیخ بایزید و قاضی ضیاء اور ان کے ہمراہی امرا کو بہت رعایت کے ساتھ پورب کی طرف پرگنے دیے، ان کو بھی اٹاوہ کی چڑھائی پر متعین کیا، دھول پور میں محمد زیتون بیٹھا ہوا حیلے کر رہا تھا اور آیا نہ تھا، دھول پور سلطان حسین برلاس کو عنایت کیا اور عادل سلطان محمدی کوکلتاش ،شاہ منصور و تغلق قدم و ولی خازن بیگ عبداللہ پیر قلی شاہ حسین باربگی کو متعین کیا کہ دھول پور کو بزور لے کر سلطان جنید برلاس کے حوالہ کریں اور پھر بیانہ جائیں۔

پورب کی یورش: ان سپاہیوں کے متعین کرنے کے بعد امرائے ترک و امرائے ہند کو طلب کر کے مشورہ کیا گیا کہ پورب میں امرا باغی نصیر خاں لوحانی و معروف فرملی اور اس کے ہمراہی ہیں، چالیس پچاس ہزار آدمیوں کے ساتھ دریائے گنگ سے اتر کر قنوج کے اس طرف دو تین منزل آگئے ہیں، رانا سانگا نے گندھار کو فتح کر لیا اور فتنہ و فساد مچا رہا ہے اور اب برسات بھی ختم ہونے کو ہے، اب کیا کرنا واجب و لازم ہے، باغیوں کے سر پر جانا یا کافر کے سر پر چڑھنا[1]، گرد و نواح کے قلعوں کا کام سہل ہے، ان غنیموں کے رفع کرنے کے بعد اور غنیم کہاں جائیں گے، رانا سانگا کا قصور باغیوں کے برابر نہیں، سب نے متفق الکلمہ ہو کر کہا کہ رانا سانگا بہت دور ہے، معلوم نہیں کہ نزدیک آسکے، یہ باغی سب نزدیک ہیں، ان کا دفع کرنا اولیٰ ہے، میں ان دشمنوں سے لڑنے کے لیے سوار ہوتا تھا کہ ہمایوں نے یہ عرض کیا کہ بادشاہ کے سوار ہونے کی حاجت کیا ہے، اس خدمت کو میں بجالاتا ہوں، یہ بات سب کو پسند آئی، امرا ترک و ہند نے بھی اس رائے کو پسند کیا، ہمایوں کو پورب میں متعین کیا جو لشکر کہ دھولپور روانہ ہوئے تھے، ان کے پاس قاسم احمد کو دوڑا کر حکم بھیجا کہ وہ چندوار میں ہمایوں کے ہمراہ ہوں اور مہدی خواجہ و محمد سلطان جو اٹاوہ لشکر لے کر گئے تھے، ان کو بھی حکم ہوا کہ ہمایوں کے ہمراہ ہوں، روز پنجشنبہ ۱۳ ذی قعدہ ۹۳۲ھ کو ہمایوں سفر کر کے جلیسر میں آیا، یہ ایک گاؤں آگرہ سے تیس کوس ہے، وہاں ایک روز توقف کیا، پھر وہاں سے کوچ پر کوچ کیا[2]۔

جاجموَ پر قبضہ: جب ہمایوں سوار ہوا تو جاجموَ میں سفیر خاں لوحانی، معروف فرملی اور امرائے باغی کی

---

[1] اردو ترجمہ میں یہ جملہ نہیں ہے، (ص ۲۹۵) [2] اردو ترجمہ میں اس کے بعد نواح آگرہ میں باغ و مکانات بنانے اور خراسان پر عبید خاں کے حملے کا ذکر ہے جن کو ذکاء اللہ صاحب نے حذف کر دیا ہے۔

جمعیت جمع تھی، ہمایوں نے پندرہ کوس سے مومن آتکہ کو خبر کے لیے بھیجا، جب باغیوں کو مومن آتکہ کی خبر ہوئی تو باغی وہاں سے بھاگ گئے، جب اس کی خبر ہمایوں کے پاس آئی تو اس نے جا کر جاجمؤ کو لے لیا، جب وہ نواحی بلو میں آیا، تو فتح خاں شروانی ہمایوں سے ملنے آیا، اس نے مہدی خواجہ اور محمد سلطان کے ہمراہ میرے پاس اس کو بھیج دیا، جب وہ میرے پاس آیا تو اس کے باپ اعظم ہمایوں کی جاگیر میں نے دے دی اور اس پر اور ولایتوں کی زیادتی ہوئی، ایک کرور ساٹھ لاکھ کی جاگیر اس کو عنایت کی، ہندوستان میں جن امرا کے ساتھ بڑی رعایت کی جاتی ہے، ان کے خطاب بھی مقرر ہوتے ہیں، ایک خطاب اعظم ہمایوں، دوسرا خانجہاں تیسرا خانخاناں ہے، میں فتح خاں کو اس کے باپ کا خطاب اعظم ہمایوں تو نہیں دے سکتا تھا، اس لیے کہ ہمایوں خود موجود تھا، میں نے خان جہاں کا خطاب اس کو دیا، ۸ر صفر ۹۳۳ھ کو ایک دربار میں یہ خطاب دے کر اس کو اپنی ولایت میں رخصت کیا اور یہ قرار پایا کہ اس کا بیٹا محمود خاں ہمیشہ بادشاہ کی ملازمت میں رہے[1]۔

جون پور کی فتح: ہمایوں نے پورب میں باغیوں کے سر پر چڑھ کے جون پور کو فتح کر لیا اور غازی پور میں وہ نصیر خاں سے لڑنے گیا، وہ آب سرد (گھاگھرہ) سے پار اتر گیا، سپاہ جو آگے بڑھی وہ ملک کو لوٹ مار کر الٹی واپس چلی آئی، میں نے جو ہمایوں کو انتظام بتایا تھا وہ کیا، شاہ میر حسین و سلطان جنید کو خوب جوانوں کی ایک جمعیت کے ساتھ جون پور میں متعین کیا، شیخ بایزید اور قاضی ضیاء کو بھی یہاں مقرر کیا، ہمایوں مہمات کا ضبط و سرانجام کر کے کڑہ و مانک پور کے نواح میں ہو کر درگنگا پار کر کے کالپی میں آیا، عالم خاں، جلال خاں، جگہت کالپی میں تھے، ان کی عرضداشتیں آتی تھیں، جب ہمایوں کالپی کے برابر آیا تو اس نے ان کا دغدغہ دور کیا اور ہمراہ لے کر روز یکشنبہ ۳ر ربیع الاول ۹۳۳ھ کو باغ ہشت بہشت میں میری خدمت میں آیا۔

روز چہارشنبہ ۲۴ر محرم کو محمد علی حیدر رکاب دار کو ہمایوں کے پاس میں نے اس غرض کے لیے بھیجا کہ باغیوں کے لشکر کو جون پور میں شکست ہوگئی ہے، وہاں چند مناسب امیروں کو

---

[1] اردو ترجمہ میں ہے فتح خاں شروانی کو خان جہاں کا خطاب دیا گیا، چارشنبہ کے دن آٹھویں صفر کو حوض کے کنارہ پراو پر کی طرف شامیانہ ایستادہ کروا کر میں نے ایک بزم نشاط منعقد کروائی، فتح خاں شروانی کو اس میں بلا کر شراب عنایت کی اور ملبوس خاص عطا فرمایا۔ (ص ۲۹۹)۔

مقرر کر کے خود لشکر لے کر میرے پاس آؤ کہ رانا سانگا نزدیک آ گیا ہے۔

بیانہ پر چڑھائی: جب لشکر پورب بھیجا تھا تو اس کے بعد تردی بیگ، قوچ بیگ اور اس کے چھوٹے بھائی شیر افگن کو اور بعض اور امیروں[1] کو بھیجا تھا کہ وہ بیانہ کے نواح میں جا کر ملک کو تاراج کریں اور آگرہ قلعہ کے اندر کے آدمیوں کو وعدہ واستمالت سے میرے پاس لاسکیں تو لائیں، ورنہ تاخت وتاراج کر کے غنیم کو عاجز کریں، نظام خاں حاکم بیانہ کا بڑا بھائی عالم خاں قلعہ تھنکر میں تھا، اس کے آدمی بار بار آ کر بندگی اور دولت خواہی کا اظہار کرتے تھے، عالم خاں نے اپنے ذمہ یہ کام لیا کہ بادشاہ ایک فوج متعین کر دے، بیانہ کے تمام سرکش ہندوؤں کو وعدہ واستمالت سے قلعہ بیانہ سے لانا میرا کام ہے، ان جوانوں کو کہ تردی بیگ کے ہمراہ گئے تھے، حکم ہوا کہ عالم خاں مرد ذمہ دار ہے اور اس طرح کی بندگی اور خدمت گذاری کو اپنے ذمہ لیتا ہے، بیانہ کے لیے بھی مصلحت ہے، کہ اس کی صلاح وصوابدید پر عمل ہو، ہندوستان کے آدمی شمشیر زنی کرتے ہیں، مگر سپاہی گری وقائم وقتل کی راہ وروش سے عاری و بے بہرہ ہیں، عالم خاں بڑی جماعت ایلغار کے ہمراہ ہوا اور کسی کی بات کو نہ سنا اور نیک وبد کا م ملاحظہ نہ کیا، وہ اس سپاہ ایلغار کو بیانہ کے نزدیک لے گیا، میرے لشکر میں ترک ڈھائی تین سو کے قریب تھے اور ہندوستانی واطرافی لشکر دو ہزار سے زیادہ تھے، میرے اس قدر سوار و پیادہ دیکھ کر دیدہ ودانستہ اس پر نظام خاں چڑھ آیا، اگر چہ وہ بہت آدمی تھے، مگر لشکر ایلغار نے تیر پھینک کر اور گھوڑے دوڑا کر ان کو بھگایا، عالم خاں تھنکری نے اتر کر پانچ چھ آدمی گرفتار کر لیے[2] اور پرتال کا ایک حصہ لے لیا، باوجود اس حرکت کے وعدۂ استمالت کر کے نظام خاں کے سابق ولاحق جرائم میں نے معاف کر دیے اور فرمان بھیجے، جب اس نے رانا سانگا کے آنے کی خبر تیز سنی تو اس کو کچھ چارہ نہ تھا، سید رفیع کو طلب کرے اس کے توسط سے قلعہ میرے آدمیوں کے حوالہ کیا اور سید کے ساتھ میرے پاس آیا، میں نے دوآب میں بیس لاکھ کی جاگیر اس کو عنایت

---

[1] اردو ترجمہ، تردی بیگ، قوچ بیگ، اس کے چھوٹے بھائی شیر افگن، محمد جلیل، آختہ بیگی، رستم ترکمان (مع ان کے بھائیوں کے) اور امراء ہندوستان میں سے ولی شروانی کو بیانہ کے نواح میں بھیجا۔ (ص ۲۹۹)

[2] اردو ترجمہ عالم خاں تھنکری گھوڑے سے گرا اور پانچ چھ آدمیوں سمیت پکڑا گیا، کچھ بھیڑ بھی پکڑی گئی، اس حرکت پر بھی میں نے استمالت کی۔

کی، دوست ایشک آقا کو بیانہ میں عاریۃً بھیج دیا، بعدازاں مہدی خواجہ کو بیانہ عنایت کیا ہستر لاکھ کی جاگیر دے کر بیانہ روانہ کیا۔

گوالیار کی فتح: تاتار خاں سارنگ خانی گوالیار میں تھا، ہمیشہ اس کے آدمی آکر بندگی اور دولت خواہی کا اظہار کرتے تھے، جب رانا سانگا نے گندھار لے لیا اور بیانہ کے نزدیک آگیا تو گوالیار کے راجاؤں میں سے ایک راجہ درمنکت دوسرے خانجہاں گوالیار کے نواح میں آکر قلعہ کی طمع میں گفتگو وفتنہ انگیزی کرنے لگے تو تاتار خاں نے تنگ آکر قلعہ سپرد کرنے کا ارادہ کیا، امراو مقرب اور اکثر خوب جوان تمام لشکروں میں ہر طرف ایلغار کو گئے ہوئے تھے، میں نے رحیم دادخاں کے ساتھ بھیرہ کی اور لاہوری جماعت کو گوالیار اور اس کے پرگنوں میں متعین کیا[1] اور شیخ گوزن (گھورن) کو بھیجا کہ وہ گوالیار میں رحیم دادخاں کو بٹھا کر چلا آئے، جب یہ لوگ گوالیار کے نزدیک پہنچے تو تاتار خاں کی رائے بدل گئی، اس نے ان کو قلعہ کے اندر نہ آنے دیا، اسی اثنا میں شیخ محمد غوث کہ بہت بڑے درویش تھے اور ان کے مرید و اصحاب بھی بہت تھے، انھوں نے قلعہ کے اندر سے اپنا آدمی رحیم دادخاں کے پاس بھیج کر اطلاع دی کہ تم سے جس طرح ہوسکے اپنے گروہ کو قلعہ کے اندر داخل کرو، تاتار خاں نے اپنی پہلی رائے بدل ڈالی ہے اور خیال فاسد رکھتا ہے، جب رحیم دادخاں کے پاس یہ خبر آئی تو اس نے آدمی بھیج کر تاتار خاں سے کہا مجھے قلعہ سے باہر کافروں[2] کا بڑا خطرہ ہے، مجھے چند آدمیوں کے ساتھ قلعہ کے اندر آنے دیجئے، باقی اور سب آدمی قلعہ سے باہر رہیں گے، بہت مبالغہ کے بعد تاتار خاں اس پر راضی ہوا، جب تھوڑے سے آدمی قلعہ کے اندر آگئے تو اس نے کہا کہ ایک دروازہ بھی مجھے دو کہ میں اپنے آدمی اس پر مقرر کروں، ہتیاپول کا دروازہ اس کو حوالہ کیا گیا، اس رات کو اس دروازہ سے اس نے اپنے سب آدمیوں کو قلعہ کے اندر داخل کیا، صبح کو جب تاتار خاں نے یہ حال دیکھا تو اس کو کچھ اور بن نہ پڑا، خواہی نخواہی قلعہ رحیم داد کو سپرد کر کے وہ آگرہ میں میرے پاس آیا، بیس

---

[1] اردو ترجمہ، رحیم داد کو بھیرہ اور لاہور کی فوج دے کر مستی جی نت قطار کو مع اس کے بھائیوں کے ہم راہ کیا اور گوالیار کی جانب روانہ کر دیا (ص ۳۰۰) انگریزی ترجمہ، ایضاً (جلد دوم، ص ۵۳۹) [2] اردو ترجمہ، ہندوؤں (ص ۳۰۰)۔

لاکھ کا پرگنہ اس کو جاگیر میں دیا۔

دھول پور پر قبضہ: محمد زیتون کو بھی کوئی چارہ اس کے سوا نہ بنا کہ دھول پور اس نے حوالہ کیا اور میری ملازمت کے لیے آیا، دھول پور کو خالصہ کر کے اس کی شق داری ابوالفتح ترکمان کو دے کر اس کو وہاں بھیج دیا۔

حصار فیروزہ کے باغیوں کا استیصال: نواحی حصار فیروزہ میں حمید خاں سارنگ خانی نے اور پنی افغانوں اور افغانوں نے چار پانچ ہزار کی جمعیت بہم پہنچا کر ایک فتنہ وشور مچایا، روز چہار شنبہ ۱۵ر صفر چین تیمور سلطان احمدی اور امیروں[1] کو ان افغانوں کی سرکوبی کے لیے مقرر کیا، انھوں نے جا کر افغانوں کو خوب زیر کیا اور ان کے بہت سے آدمیوں کو مار کر اکثر کے سر میرے پاس بھیجے۔

زہر خورانی کا واقعہ: ہم تزک بابری سے اپنی اس کتاب کے ص ۹۸، ۹۷ پر یہ واقعہ نقل کر چکے ہیں، اس لیے اس کو حذف کرتے ہیں۔

رانا سانگا سے لڑائی: ان ہی دنوں میں مہدی خواجہ کے آدمی پے در پے پاس آ کر کہتے کہ رانا سانگا کا آنا تحقیق ہے، حسن خاں میواتی بھی رانا سے مل گیا ہے، اس کی فکر کرنی چاہیے، پہلے اس سے کہ لشکر آئے کمک کے طور پر بیانہ میں ایک جماعت آ جائے، تو میں نے لشکر کے بھیجنے کا عزم جزم کیا، اس سے پیشتر محمد سلطان مرزا یونس علی شاہ، منصور برلاس، کتہ بیگ کو بطریق ایلغار کے بیانہ بھیجا، جنگ ابراہیم میں حسن خاں میواتی کا بیٹا طاہر خاں ہاتھ آ گیا تھا، اس کو بطریق گرد گاں (اول) کے اپنے پاس رکھا، اس سبب سے اس کا باپ حسن خاں ظاہر میں آمد ورفت رکھتا تھا اور ہمیشہ اپنے بیٹے کو طلب کرتا تھا، میرے بعض امرا کے دل میں آیا کہ حسن خاں کی استمالت کے لیے اگر اس کے بیٹے کو میں بھیج دوں تو وہ مستمال ہو کر خدمت گذاری بجا لائے گا، طاہر خاں کو خلعت پہنا کر اور اس کے باپ سے وعدہ کر کے میں نے رخصت کیا، جوں ہی حسن خاں نے بیٹے کی رخصت کی خبر سنی، پہلے اس سے کہ وہ اس کے پاس پہنچے، الور سے نکل کر

---

[1] اردو ترجمہ، چین تیمور سلطان، احمد پروانچی، ابوالفتح ترکمان، ملک داؤد کرمانی اور مجاہد خاں ملتانی۔ (ص ۳۰۱)

رانا سانگا سے جاملا، اس وقت اس کے بیٹے کا رخصت کرنا بے موقع تھا، انہی دنوں میں بارش خوب ہوئی، خوب شراب کی صحبتیں ہوئیں، ہمایوں جس کو شراب سے نفرت تھی، اس کو شراب پلائی گئی، روز دوشنبہ ۹ رجمادی الاول ۹۳۳ھ کو میں نے رانا سانگا سے لڑنے کے قصد سے سفر کیا۔

رانا سانگا کی لڑائی کی تفصیل: یہ تفصیل ہم اپنی اس کتاب کے ص ۹۹، ۱۰۵ پر تزک بابری سے لے کر نقل کر چکے ہیں، اس لیے اس کو حذف کرتے ہیں، اس موقع پر بابر نے مسلمانوں کے لیے تمغا کی معافی کا جو فرمان صادر کیا، اُس کا مختصر ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔

معافی کا فرمان: فرمان ظہیر الدین محمد بابر **ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطہرین ویشکر ہادی المومنین ویغفر المستغفرین ونصلی علی خیر خلقہ محمد و آلہ الطیبین والطاہرین**، ارباب الرائے جو صور اسباب کے محاسن و صدق و صواب کو خوب سمجھتے ہیں، وہ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ طبیعت انسانی بہ مقتضائے فطرت لذاتِ نفسانی پر مائل ہے اور منہیات کا ترک کرنا توفیق یزدانی و تائید آسمانی پر موقوف ہے، نفس بشر کا شر سے میل کرنا کچھ دور نہیں ہے، غرض اس مقال کی تصویر اور اس مقولہ کی تقریر سے یہ ہے کہ بہ مقتضائے بشریت بادشاہوں کے مراسم اور بادشاہی لوازم کے موافق اور صاحب جاہوں کی عادت کے مطابق خواہ وہ بادشاہ ہوں یا سپاہ، عنفوان ایام شباب میں بعض مناہی و ملاہی کا میں مرتکب ہوا، بعد چند روز کے مجھے اس سے ندامت و حسرت حاصل ہوئی، ان مناہی میں سے میں نے ایک ایک کو ترک کیا اور توبۃ النصوح سے اس کی طرف رجوع کا دروازہ بند ہوا، مگر شراب کی توبہ کے اہم مطالب اس مقصد کا اور اعظم مآرب اس مقصود کا ہے، ''الامور مرہون باوقاتہا کہ حجاب میں ایسا محجوب رہا کہ اپنا منہ نہیں دکھاتا تھا، یہاں تک کہ ان مبارک اوقات اور سانحات میں کہ جہد تمام سے جہاد کا احرام کر کے عساکر اسلام کے ساتھ کفار کے مقابلہ میں مقاتلہ کے لیے بیٹھا، ملہم غیبی و ہاتف لاریبی سے میں نے اسباب معصیت کو مٹایا، توبہ کا دامن پکڑا، کفار کے ساتھ جہاد کا آغاز جہاد اکبر سے کیا، جس کے معنی مخالفت نفس ہیں، شراب کی توبہ کا میرے دل میں بہت دنوں سے ارادہ تھا، اب میں نے اس کو پورا کیا اور صراحی و جام اور تمام آلاتِ نقرہ کہ میری مجلس کو ایسی زینت دیتے تھے، جیسے آسمان کو کواکب، ان کو زمین پر ذلت و خواری کے ساتھ دے

پٹکا اور انشاء اللہ جیسے بتوں کے توڑنے کا ارادہ ہے، اُن کو پارہ پارہ کیا اور ہر پارہ ایک مسکین بیچارے کو دے دیا، اس میرے انابت قریب الاجابت سے میرے بہت سے مقربوں کے بہ مقتضائے **الناس علی دین ملوکھم** توبہ کی اور شرب وخمر کو تکلف سے چھوڑا اور ابھی بہت سے آدمی اوامر ونواہی کے مطیع ہو کر سعادت مند ہوتے جاتے ہیں اور امید ہے کہ بہ مقتضائے **الدال علی الخیر کفاعلہ**، اس توبہ کا ثواب میرے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا اور بعد اس فرمان جاری کرنے کے میں نے حکم دے دیا کہ کوئی شخص شراب نہ پیے، نہ اس کی تحصیل میں کوشش کرے، نہ شراب بنائے، نہ بیچے، نہ خریدے، نہ رکھے اور میں نے جمیع ممالک میں مسلمانوں کو تمغا معاف کر دیا، جس کا حاصل بہت ہی کچھ تھا، باوجودیکہ سلاطین سابق ضوابط و شریعت کے خلاف مدتوں سے اسے لیتے تھے، میں نے فرمان صادر کیا کہ کسی شہر و بلدہ میں راہ گذر و معبر پر تمغہ کسی مسلمان سے نہ لیں اور اس حکم میں تغیر وتبدل کو راہ نہ دیں اور میرے حکم کی تعمیل کریں۔''

فتح نامہ: رانا سانگا سے لڑائی کے بعد ایک فتح نامہ جاری کیا گیا، جس کے بارہ میں بابر لکھتا ہے، ''میں نے زین خاں کے فتح نامہ کو بغیر گھٹانے اور بڑھانے کے اپنی تزک بابری میں نقل کر دیا ہے''، (لیکن ذکاء اللہ صاحب نے اس کو اختصار کے ساتھ اس طرح درج کیا ہے)

جب بابر نے ممالک دہلی وآگرہ وجون پور و بہار وغیرہ تک کو فتح کر لیا تو اکثر طوائف اقوام ہنود واسلام نے اطاعت اختیار کی، مگر اب انھوں نے سرکشی کی، ولایت ہند میں رانا سانگا کا استیلا ایسا ہوا کہ بڑے بڑے راجاؤں نے اس سے مدارا ومواسا کر لی اور بلاد اسلام میں قریب دو سو شہروں کے اس کا علم ایسا بلند ہوا کہ اس نے مساجد و معابد کو خراب کر کے ان شہروں کے مسلمانوں کو عیال واطفال کو اسیر کیا، دس بڑے بڑے نامی ہندو اس کے طرفدار تھے، جن کی سپاہ کی تفصیل یہ ہے، ۱- صلاح الدین ۳۰ ہزار سوار، ۲- راول اودے سنگھ باکری ۱۲ ہزار سوار، ۳- میدنی رائے ۱۲ ہزار سوار، ۴- حسن خاں میواتی ۱۲ ہزار، ۵- باربل اندری چار ہزار، ۶- پربت بارو سات ہزار سوار، ۷- سردی پکی ۶ ہزار سوار، ۸- بیرم دیو چار ہزار سوار، ۹- برسنگ دیو چار ہزار سوار، ۱۰- محمود خاں ولد سکندر کے پاس اگرچہ کوئی ولایت و پرگنہ نہ تھا، مگر تخمیناً دس ہزار سوار اس نے

اس امید پر جمع کئے تھے کہ میں سردار ہو جاؤں گا، غرض ولایت و پرگنہ کے قاعدہ کے موافق اس کے پاس دو لاکھ ایک ہزار سوار تھے اور ۱۳ر جمادی الاخریٰ ۹۳۳ھ کو موضع خانوہ (کانوہ) میں بادشاہی لشکر آیا، غنیم نے لشکر اسلام سے لڑنے کے لیے ہاتھی بھی بہت جمع کئے تھے، ورودے اسلام سے مقابلہ وکارزار میں آئے لشکر اسلام نے بھی اپنی صف بندی کی اور ترکوں نے سروں پر اپنے خودوں کو چمکایا اور بطریق غزاتِ روم تفنگچیوں اور رعد اندازوں کی پناہ کے لیے سپاہ کے آگے ارابوں کی صفیں مرتب ہوئیں، میدان جنگ میں طرفین کے لشکر شائستہ آئین کے ساتھ کھڑے ہوئے، بابر نے حکم دیا کہ کوئی شخص بے حکم اپنی جا سے حرکت نہ کرے اور بے اجازت میدانِ جنگ میں قدم نہ رکھے، پہر دن تک آتش جنگ مشتعل ہوئی، برانغار و جرانغار میں بہت سے آدمی قتل ہوئے اور مخالف کے جرانغار نے بادشاہ کے برانغار کی طرف جنبش کر کے خسرو کوکلتاش و ملک قاسم و بابا قشقہ پر حملہ کیا، بابر نے چین تیمور سلطان کو اس کی کمک کو بھیجا، اس نے مردانہ دستبرد کر کے مخالفوں کو ان کے قول کے عقب کے قریب پہنچایا، جس کے انعام میں یہ فتح ان کے نام پر لکھی گئی، مصطفیٰ رومی نے بادشاہ کے لشکر میں سے ارابوں کو آگے لاکر تفنگ وضرب زن ایسے مخالفوں کو صفوں پر لگائے کہ ان کو توڑ دیا اور بہت سے مخالفوں کو ہلاک کر کے خاک میں ملا دیا، دشمنوں کی سپاہ پے درپے نئی آتی تھی، بابر بھی متواتر چیدہ چیدہ سپاہ کمک کے لیے بھیجتا تھا، ایک دفعہ قاسم حسین سلطان واحمد یوسف وقوام بیگ کو حکم ہوا، دوسری دفعہ ہندو بیگ قوچین مامور ہوا، تیسری دفعہ محمدی کوکلتاش وخواجگی اسد کو فرمان ہوا، بعد ازاں یونس علی وشاہ منصور برلاس و عبداللہ کتابداران کے پیچھے دوست ایشک آقا ومحمد خلیل اختہ بیگی کمک کے لیے مامور ہوئے، مخالف کے برانغار نے باربار بادشاہ کے لشکر جرانغار پر حملہ کیا، کبھی تیروں سے کبھی خنجر وشمشیر سے، طرفین کے آدمی کام آئے، بادشاہ کے حکم سے مومن آتکہ رستم ترکمان دشمن کی سپاہ کے پیچھے جا کر حملہ آور ہوئے، خواجہ خلیفہ کے ملازم ملا محمود اور علی آتکہ باشلیق ان کی کمک کو گئے، محمد سلطان مرزا عادل، سلطان عبدالعزیز، میر آخور وقتلق قدم، قراول ومحمد علی جنگ جنگ، وشاہ حسین یار بیگی مغول غانچی نے محاربہ میں دست کشائی کر کے پائے ثبات مستحکم کیا اور خواجہ حسین نو آنیوں کی ایک جماعت لے کر ان کی کمک کو گیا، طرفین کے بہادروں نے جانستانی میں

جانفشانی کی، جب کارزار میں دیر ہوئی تو بادشاہ نے اپنے خاص ملازموں کو جو ارابوں کے پیچھے ایسے بیٹھے تھے، جیسے شیر زنجیروں میں ہوتا ہے، حکم دیا کہ راست چپ قول سے باہر آئیں اور تفنگچیوں کی جگہ بیچ میں چھوڑ دیں اور دونوں طرف سے لڑائی شروع کریں، غرض انھوں نے داد دلاوری و دلیری دی، تلواروں کی چکا چک اور تیروں کی شپاشپ کا آوازہ بلند ہوا، نادر العصر علی قلی مع اپنے توابع کے لشکر کے آگے کھڑا تھا، سنگ اندازی، ضرب زنی اور تفنگ چلانے میں کارنامہ دکھارہا تھا، اس اثنا میں بابر نے حکم دیا کہ قول کے ارابے آگے روانہ ہوں اور وہ خود لڑائی میں مصروف ہوا اور ایک دفعہ دشمن پر حملہ کیا، جب دن چھپنے کو ہوا تو قتال وجدال کی آگ نے خوب اشتعال پایا اور بادشاہ کے میمنہ ومیسرہ نے دشمن کے میمنہ ومیسرہ کو پرے ہٹا دیا، دشمن نے قول شاہی کے چپ وراست پر حملہ کیا اور اس کے بہت قریب آ گیا، غرض بادشاہ کی سپاہ نے دشمنوں پر ایسی دلاوری سے حملہ کیا کہ ان کے قدم میدان جنگ سے اکھڑ گئے اور وہ بھاگ گئے، حسن خاں میواتی تفنگ کی ضرب سے فنا ہوا، اراول اودے سنگھ والی ولایت نگر پورہ مانک چند چوہان، رائے چندر بھان، دولت رائے کنکو، کرم سنگھ ڈونگر اور بہت سے بڑے بڑے نامی سردار رانا سانگا کے مارے گئے اور کئی ہزار آدمی زخمی ہوئے۔

فتح کے بعد مراجعت: بابر نے مخالفوں کو جنگ گاہ سے بھگا کر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اتنے میں رات ہوگئی جو دشمنوں کے لیے روز سیاہ تھا اور دوستوں کے لیے شبستان عشرت تھی، بابر اپنی منزل گاہ میں آیا، اس فتح کی تاریخ شیخ زین صدر نے "فتح بادشاہ اسلام" کہی ہے، ایک اور شاعر کو بھی اس تاریخ کا توارد ہوا، بعد اس فتح کے طغرا میں بابر کے نام کے ساتھ غازی لکھا گیا، زین خاں کے فتح نامہ کے نیچے بابر نے ترکی زبان میں ایک رباعی لکھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے واسطے میں صحرا میں آوارہ ہوا، کفار وہنود سے لڑا، میں نے تو عزم جزم یہ کیا تھا کہ شہید ہوں، مگر غازی ہوا۔

دشمنوں کا لشکر میرے لشکر سے دو کوس تھا، میں نے دشمن کے تعاقب میں محمدی و عبدالعزیز وعلی خاں اور امیروں کو بھیجا، مگر مجھے کسی اور پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے تھا، محمد شریف منجم بھی جو کیسی بدفالیاں کرتا تھا، فتح کی مبارک باد دینے آیا، میں نے اس کو بہت گالیاں دے کر دل کی

بھڑا اس نکالی اگرچہ وہ کافر وش، شوم نفس بہت مغرور اور سرکش تھا، مگر قدیمی نوکر تھا، ایک لاکھ تنکہ انعام دے کر میں نے رخصت کیا اور حکم دیا کہ میری قلمرو میں نہ رہے، یہ لڑائی ایک پہاڑی کے پاس ہوئی تھی، میں نے وہاں دشمنوں کی کھوپڑیوں کا مینار یادگار بنوایا۔

دوآبہ میں فساد: الیاس خاں نے دوآبہ میں بڑا غدر اور شور مچا رکھا تھا، کول پر قبضہ کیا، کچک علی کو قید کیا، جب میرا لشکر پہنچا تو الیاس خاں نے جانا کہ اس لشکر کا سامنا نہ ہو سکے گا، چاروں طرف کی راہ لی، کوئی اِدھر گیا، کوئی اُدھر، تھوڑے دنوں میں جب میں آگرہ میں آیا تو الیاس خاں پکڑا ہوا آیا، میں نے اس کی زندہ کھال کھچوائی۔

میوات کی یورش: میوات کا ملک دہلی کے قریب ہے اور اس کی آمدنی تین چار کرور تنکہ کی تھی، حسن خاں میواتی کو ریاست یہاں کی وراثت میں ہاتھ لگی تھی، اسی خاندان میں حکومت دو سو سال سے چلی آتی تھی، وہ شاہ دہلی کا مطیع برائے نام تھا، سلاطین ہند کو کبھی پوری حکومت ملک میوات پر میسر نہ ہوئی، اس کا سبب یہ ہوا ہوگا کہ میوات کا ملک فراخ تھا، پہاڑ اس میں بہت تھے، ان پہاڑوں میں میواتیوں کو پناہ لینے کا خوب موقع ملتا تھا، جب میں نے ملک ہند کو فتح کیا تو سلاطین سابق کے موافق حسن خاں پر میں نے بھی نہایت عنایت کی، مگر اس کافر نعمت نا احسان مند نے میری اس مروت و عنایت کا کچھ خیال نہ کیا، اس کا دل ہندوؤں کی طرف راغب تھا، جتنے فساد برپا ہوئے سب کا بانی مبانی وہی تھا، اس لیے میں نے ہندوؤں کا ملک چھوڑ دیا اور اس ملک کے نظم و نسق کا ارادہ کیا، میں چار پانچ کوچ کر کے قلعہ الور کے پاس پہنچا، یہ میواتیوں کا دارالقرار تھا، حسن خاں کے باپ دادا کا دارالسلطنت تجارا تھا، ایک شخص کرم چند حسن خاں کے سرداروں میں تھا اور وہ اس وقت بھی آگرہ آیا تھا، جب حسن خاں کا بیٹا طاہر خاں قید تھا، اب اس نے اس طاہر خاں کی طرف سے مراحم شاہانہ کی التجا کی، میں نے اس کے ساتھ عبدالرحیم کو بھیجا اور خطوط لکھ دیے جس سے طاہر خاں کے دل کو تسلی و تسکین ہو اور خوف جاتا رہے، اس پر وہ میرے پاس چلا آیا اور میں نے اس پر عنایت کی اور ایک پرگنہ لاکھ تنکہ کا جاگیر میں دیا اور چین تیمور سلطان کو شہر تجارا دے دیا، پھر میں الور میں گیا اور وہاں ایک شب رہا، غرض میوات کا انتظام پہلے سے اچھا ہو گیا اور الور کے پاس سے ممالک کابل کے انتظام کے واسطے شہزادہ ہمایوں کو روانہ کیا، وہاں خان مرزا کا انتقال ہو گیا

تھا، اس کے ساتھ وہ فریق بھی تھا، جنہوں نے کابل جانے کی رخصت اس لڑائی کے پہلے چاہی تھی اور بہت سا خزانہ اور لشکر ساتھ کر دیا[1]۔

گرد و نواح کی فتوحات: محمد علی جنگ جنگ اور سرداروں کو اس کام پر متعین کیا کہ حسن خاں، دریا خاں افغان نے جو چندوار اور رابری میں اور قطب خاں نے جو اٹاوہ میں بغاوت اختیار کی ہے اس کا انسداد کریں، حسن خاں تو بے لڑے میدان سے بھاگا، دریا پار جاتا تھا کہ راہ ہی میں دزیائے فنا میں ڈوب گیا، دریا خاں کہیں آوارہ ہو کر چلا گیا، ببن کا فساد دور کرنے کے واسطے محمد سلطان مرزا قنوج کو روانہ ہوا، وہ خیر آباد کی طرف بھاگ گیا، ۱۹؍ ذی الحجہ ۹۳۴ھ/ ۱۵۲۸ء کو بادشاہ کول اور سنبھل میں شکار کھیلنے گیا، پھر یہ سیر و تماشا دیکھ کر آگرہ میں آیا، غرض جن صوبوں کا انتظام لڑائی کے سبب بگڑ گیا تھا، چھ مہینہ میں سب درست ہو گیا، برس دن کے اندر اندر گنگا پار کے ملکوں میں اودھ کے سوا بابر کی سلطنت قائم ہو گئی، فقط صوبہ اودھ میں ایک گروہ افغانوں کا رہ گیا تھا، اس کی سرکوبی کے واسطے فوج روانہ کی گئی[2]۔

چندیری کی فتح: ۹۳۴ھ/ ۱۵۲۸ء میں بابر نے چندیری پر چڑھائی کی، وہ اپنے واقعات میں لکھتا ہے کہ ربیع الاول کی چودھویں تاریخ دوشنبہ کے دن چندیری فتح کرنے کے لیے روانہ ہوا اور جلیسر اور کھجوہ میں ہوتا ہوا چندیری سے تین کوس پر خیمہ ڈالا، حصار چندیری پہاڑ پر واقع ہے اور سارا شہر اور یہ قلعہ پہاڑیوں کے ڈھلان پر بنا ہوا ہے، پھر آگے بڑھ کر تمام لڑائی اور مورچوں کی تیاری کی اور قلعہ فتح کرنے کا سب سامان جمع کیا، چندیری پہلے ماندو (مالوہ) سے علاقہ رکھتا تھا، سلطان نصیر الدین کی وفات کے بعد اس کا ایک بیٹا سلطان محمود مانڈو کا مالک ہوا اور اس کا دوسرا بیٹا محمد شاہ چندیری پر قابض ہوا اور سلطان سکندر لودی سے حمایت کا طالب ہوا، سلطان سکندر نے اپنے لشکر کو بھیج کر اس کی حمایت کی، پھر سلطان ابراہیم کے وقت میں محمد شاہ مر گیا اور ایک کم عمر بیٹا احمد شاہ چھوڑ گیا، سلطان ابراہیم نے اس احمد شاہ کا کام تمام کر کے ایک اپنا آدمی وہاں حاکم بنایا، جب رانا سانگا ابراہیم سے لڑنے کے واسطے دھول پور تک آیا تو اس شاہزادہ کے امرا اس کے خلاف

---

[1] بابر نے اپنی تزک میں کچھ ضمنی باتیں بھی لکھی ہیں لیکن ذکاء اللہ صاحب نے اختصار سے کام لے کر واقعات بیان کیے ہیں۔ [2] اس سلسلہ میں بھی بعض جزوی باتیں حذف کر دی گئی ہیں۔

ہو گئے، غرض رانا سانگا کے ہاتھ چندیری آ گیا، اس نے میدنی رائے کو یہاں کا راج دے دیا، اب اس وقت وہ یہاں کا راجہ تھا اور پانچ ہزار سپاہ پاس رکھتا تھا، میں نے اس کے پاس پیغام بھیجا کہ چندیری میرے حوالہ کر دے اور اس کے عوض میں شمس آباد لے لیے مگر اس کے دو تین صلاح کاروں نے اس صلح کو نہ ہونے دیا، غرض میں نے چندیری کا محاصرہ کیا، دوسرے دن محصورین مایوس ہو گئے اور وہی کام جو مایوسی کی حالت میں راجپوت کیا کرتے ہیں، کیا کہ اپنے جورو بچوں کو قتل کیا اور برہنہ ہو جان لڑانے کے واسطے دوڑے، جو مسلمان فصیل پر چڑھے ہوئے تھے ان کے سامنے آئے، ان کو مار بھگا دیا اور فصیل سے کود کر خوب دل کھول کر لڑے اور آخر کو مغلوب ہو کر سب پائمال ہو گئے، دو تین سو راجپوت میدنی راؤ کے گھر میں گھس گئے اور آپس میں اس طرح قتل ہوئے کہ ایک آدمی تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑا ہوا اور اس کے گرد سب راجپوت جمع ہو گئے اور خوشی خوشی اپنی گردن اس کی تلوار کے آگے جھکاتے گئے اور سر اڑواتے گئے اور میدنی رائے بھی اسی طرح قتل ہو گیا، دو تین گھڑی میں یہ مشہور قلعہ خدا کی عنایت سے ہاتھ لگ گیا، ''فتح دار الحرب'' اس کی تاریخ ہوئی، یہاں بھی ایک مینار دشمنوں کی کھوپڑیوں کا پہاڑ پر قائم کیا[1]۔

افغانوں کی سرکشی: دوسرے دن قلعہ کی بابر نے سیر کی اور ملوخاں کو یہ قلعہ سپرد کیا اور یہ ارادہ ہوا کہ بھیلسہ اور چتوڑ کو فتح کیجئے، مگر یہ ارادہ اس سبب سے فسخ ہوا کہ جب چندیری کا محاصرہ ہوا تو خلیفہ نے دو ایک خط دیے، ان کا مضمون یہ تھا کہ پورب کو جو سپاہ روانہ ہوئی تھی وہ بے ترتیب کوچ کر رہی تھی، اس پر افغانوں نے حملہ کیا اور شکست دے کر پریشان اور منتشر کر دیا، وہ لکھنؤ چھوڑ کر قنوج میں چلی آئی ہے، جب چندیری فتح ہو گیا تو بادشاہ نے اس باب میں صلاح و مشورہ کیا، سب کی مرضی ہوئی کہ پہلے سرکشوں کا سر کاٹنا چاہیے، اس لیے وہ سب منصوبے ممالک ہنود کی فتح کے چھوڑ دیے اور چندیری احمد شاہ کو جو سلطان ناصر الدین کا پوتا تھا سپرد کیا اور اس سے اقرار ٹھہرا لیا کہ پچاس لاکھ تنکہ خزانہ شاہی میں سالانہ داخل کیا کرے اور جمادی الاول کی گیارہویں تاریخ اتوار کے دن اس مہم پر بابر بادشاہ روانہ ہوا اور وہاں پہنچا، جہاں جمنا اور چنبل ملتے ہیں، یہاں اس کے پاس خبر آئی کہ جو فوج قنوج میں اس کی تھی وہ رابری میں ہے اور شمس آباد

---

[1] تزک بابری میں اس مہم کی لمبی تفصیل ہے، جس کا صرف خلاصہ اوپر درج کیا گیا ہے۔

کا قلعہ جس میں ابو محمد نیزہ باز کی فوج تھی، دشمنوں نے حملہ کر کے لے لیا ہے، اس خبر کو سن کر بابر شاہ جھٹ پٹ دریا کو عبور کر کے قنوج کی طرف روانہ ہوا اور آگے فوج کو دشمنوں کی خبر لانے کے لیے بھیجا، جب وہ دو تین منزل پر تھا تو اس کے پاس یہ خبر آئی کہ ببن، شیخ بایزید امیر معروف اور افغانوں کے سردار اس کے آنے کی خبر سن کر قنوج سے گنگا پار اتر گئے ہیں اور مشرقی کنارے پر گنگا کے انھوں نے پڑاو ڈالا ہے، غرض بابر بھی قنوج میں پہنچا، یہاں تیس چالیس کشتیاں جا بجا سے جمع کر کے گنگا کا پل باندھنا شروع کیا اور استاد علی قلی نے بھی اپنے توپخانہ کو چلانا شروع کیا اور ایک توپ جس کا نام دیگ غازی تھا، وہ بھی چلائی گئی، غرض اس توپ خانہ کی توپیں پہلے دن آٹھ دفعہ اور دوسرے دن سولہ دفعہ چلیں اور اسی طرح پانچ چھ روز تک وہ چلتی رہیں اور پل بنتا رہا، جب پل تیار ہو گیا تو سپاہ نے عبور کیا، یہاں بابر نوروز اور ایام کے مسعود اور منحوس ہونے کے حساب میں رہا، نہیں تو وہ دشمنوں کا جلد کام تمام کرتا، افغان بھی اپنی صفیں باندھ کر اور ہاتھیوں کو سامنے کر کے لڑائی کے میدان میں آئے اور لڑائی ہوئی اور افغان میدان سے بھاگے اور چینن تیمور سلطان ان کے تعاقب میں گیا، مگر جو سپاہ اس تعاقب میں گئی، اس نے کچھ کام نہ کیا، بابر خود بھی لکھنؤ میں پہنچا اور گومتی کے پار اترا اور اجودھیا سے دو تین کوس پر پہنچا، شیخ بایزید بھی کہیں یہیں تھا، بابر کی فوج اس کے پیچھے روانہ ہوئی تو وہ جنگل میں بھاگ گیا، بابر یہاں چند روز مقیم رہا اور اودھ کا خاطر خواہ بندوبست کیا، غرض دشمنوں کو گھا گھرا پار اتار دیا[1]۔

سیر گوالیار: اب بابر بادشاہ کا ارادہ گوالیار کی سیر کا ہوا، جمنا پار ہو کر قلعہ آگرہ میں آیا اور یہاں اس کو بخار آنا شروع ہوا اور اس حالت مرض میں اس نے خواجہ عبداللہ احرار کے رسالہ ولدیہ کو نظم کیا، پھر غسل صحت ہوا اور اس کا ایک جشن عالیشان ہوا، اس کی عادت تھی کہ مصیبت کے دنوں کو ایسی ایسی دل لگیوں اور مشغلوں میں کاٹتا[2]۔

رن تھنبور: رانا سانگا کا ایک بیٹا رانی پدماوتی سے بکرماجیت تھا، وہ رن تھنبور میں رہتا تھا، ایک بڑا معتبر سردار اس کا اسوک[3] نامی میرے پاس پیغام لایا کہ راجہ حضور کی فرماں برداری کے واسطے اور

---

[1] افغانوں کی سرکشی اور ان کی سرکوبی کی تفصیل تزک بابری میں زیادہ ہے، یہاں اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ [2] گوالیار کی سیر کے لیے دیکھیے اس کتاب کا صفحہ ۱۱۸-۱۱۳ [3] اردو ترجمہ، اسواک، (ص ۳۳۲)۔

ستر لاکھ ٹنکہ نذرانہ دینے کے لیے موجود ہے، میں نے اس پر کہا کہ مجھے یہ امر منظور ہے، وہ قلعہ رن تھنبور میرے حوالہ کردے، میں اس کو اسی قدر جاگیر دے دوں گا، جس قدر وہ مانگتا ہے، یہ پیغام لے کر ایلچی واپس گئے اور جب گوالیار میں آیا تو ایک دن ملاقات کا بکرماجیت کے آدمیوں کے ساتھ مقرر کیا، مگر اس روز معین پر کوئی آدمی حاضر نہ ہوا، بعد چند روز کے پھر اسوک آیا، اس نے بکرماجیت اور اس کی ماں کو خود جا کر جو کچھ حال گذرا تھا سنایا، یہ ماں بیٹے دونوں بابر کی اطاعت پر راضی ہو گئے، جب رانا سانگا نے سلطان محمود کو شکست دی تھی اور قید کیا تھا اس کے پاس ایک تاج اور کمر بند بڑا گراں بہا تھا، رانا نے جب اس قیدی کو رہا کیا تو یہ دونوں چیزیں اس سے لے لیں، اب وہ بکرماجیت کے پاس تھیں، یہ دونوں بیش بہا تحفے میری پیش کش میں آدمی کے ہاتھ بھیجے اور رن تھنبور کے عوض میں بیانہ مانگا، مگر شمس آباد میں نے اس کو دیا۔

بہار کی مہم: میں شکار کھیل رہا تھا کہ آگرہ سے خلیفہ نے خط بھیجے، ان میں یہ لکھا تھا کہ شاہ سکندر لودی کے بیٹے محمود نے بہار کو فتح کر لیا، (یہ محمود وہی ہے، جو رانا سانگا کے ساتھ بابر سے لڑا تھا) اس خط کو پڑھتے ہی میں ایک دن میں آگرہ کے اندر آ گیا اور مشورہ سے یہ امر قرار پایا کہ ممالک شرقیہ کی فتح کے واسطے خود جاؤں، غرض سب سپاہ کا سامان تیار کر کے ۹۳۵ھ/ ۲۹-۱۵۲۸ء میں میں روانہ ہوا[1]، وکدکی پہونچا، یہ مقام پرگنہ کڑہ میں ہے، یہاں یہ متواتر خبر آئی کہ سلطان محمود کے پاس ایک لاکھ لشکر جمع ہو گیا ہے اور اس نے شیخ بایزید اور ببّن کو بہت سا لشکر دے کر سلطان کی طرف روانہ کیا ہے اور وہ خود اور فتح خاں گنگا کے کنارہ پر پڑا ہے اور چنار گڑھ پر حملہ کرنے کا ارادہ ہے اور شیر خاں کو جس پر میں نے بہت سے احسان کیے تھے اور بہت سے پرگنے جاگیر میں دیے تھے اور اس اطراف

---

[1] تزک بابری میں کوچ کی بڑی تفصیل ہے، بابر جلیسر، انوار، دریاپور، راپری، کین، اٹاوہ، موری داؤد، کلور، مماولی، کالپی، آدم پور، کورہ، کربہ، فتح پور ہسوہ، مہید سرائے، وکدکی، لوائن اور وہاں سے ٹونس دریا کے اوپر چل کر تیلا مار پھر کدریلوہ، بنارس سے اوپر کی جانب چل کر غازی پور سے کوس بھر نیچے، پھر چوسہ، بوج پور، لہیہ، ہوتا ہوا بہار میں مقیم ہوا، محمد زماں میرزا کو خاص سروپا، تلوار، گھوڑا اور چتر عنایت کر کے بہار کی حکومت دی، اس نے اس سرفرازی کی نذر گزرانی، سرکار بہار میں سوا کرور کا ملک شریک خالصہ کیا اور وہاں کی دیوانی مرشد قلی کے سپرد کی۔ (ص ۵۱-۳۴۷)۔

میں اس کو حاکم بنایا تھا، وہ بھی افغانوں کے ساتھ شریک ہو گیا، غرض یہ جمگھٹ بنارس کی طرف آیا، سلطان جلال الدین کے آدمی بنارس کو ان دشمنوں سے نہ بچا سکے، بنارس کو چھوڑ کر چل دیے اور یہ بہانہ بنایا کہ وہاں قلعہ میں ہم اپنے آدمی چھوڑ آئے ہیں کہ وہ اس کی حفاظت کے واسطے کافی ہیں اور ہم آگے گنگا کے کنارے پر لڑنے کے لیے چلے آئے ہیں، تھوڑے دنوں بعد محمد بخشی کشتی میں سوار ہو کر دوسری طرف گنگا کے آیا اور یہ خبر لایا کہ محمود خاں پسر سلطان سکندر لودی، جس کو افغانوں نے محمود شاہ بنایا تھا، اس کا یہ حال ہوا کہ جب لشکر نے چنار گڈھ کا محاصرہ کیا اور ان کو میرے پاس جانے کی خبر پہنچی تو ان کے ہوش اڑ گئے اور گھبرا کر اِدھر اُدھر تتر بتر ہو گئے اور چنار کا محاصرہ اٹھا لیا اور بنارس پر جو افغان بڑھ آئے تھے، وہ بھی الٹے ایسے بے سر و پا بھاگے کہ درمیان میں دو کشتیاں ڈوب گئیں اور بہت سے آدمی ان کے دریا میں خاک کے اندر مل گئے، پھر میں نے جمنا کے کنارے سے کوچ کیا اور چنار کے قلعہ کی سیر کی، یہاں باقی خاں خبر لایا کہ محمود خاں دریائے سون کے کنارے پڑا ہوا ہے، میں نے امیروں سے صلاح و مشورہ کیا تو یہ قرار پایا کہ کوچ پر کوچ کر کے جلد غنیم کی خبر لینی چاہیے، اس میں توقف نہ کرنا چاہیے، غرض میں غازی پور پہنچا اور چوسہ (چوسر) میں مقام کیا اور لشکر نے کرم ناسا پر خیمے ڈالے، پورب میں اس وقت لوحانی اور لودی افغانوں میں آپس میں لڑائی جھگڑے ہو رہے تھے، بہت سے طرفدار جلال خاں لوحانی پسر محمد شاہ لوخانی کے ہو رہے تھے، اس جلال خاں نے بابر کے پاس پیغام بھیجا کہ میں حاضر ہوتا ہوں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ افغانوں کے ہاتھ سے اس نے صدمہ اٹھایا تھا اور وہاں سے بھاگ کر بابر کے پاس آیا تھا، ان باہمی فسادوں ہی نے افغانوں کی قوم کو تہس نہس کر دیا، اب بہار گنگا کے جنوب میں بابر کے تصرف میں تھا۔

بنگال کی مہم: بابر کا ارادہ تھا کہ سلطنت دہلی میں [1] سے جس قدر ملک اس کے قبضہ میں تھا،

---

[1] تزک بابری میں ہے کہ بابر بہار سے اری اور منیر ہوتا ہوا دریائے گنگ اور سرود (سرجو) کے سنگم سے چل کر ہلدی گھاٹ پہنچا، جہاں بنگالیوں سے مڈبھیڑ ہوئی، اس جنگ کی تفصیل وہ اس طرح لکھتا ہے:

"میں نے اپنی رائے بیان کی کہ سکندر پور سے اور جرموک سے داؤ دتک سرود دریا کے گھاٹ جا بجا ہیں، یہ جو دشمنوں کا گروہ پڑا ہوا ہے، اس کے لیے بہت سی فوج میں معین کرتا (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۴ پر)

اسی پر اکتفا کرے اور باقی ملک پر جو لوگ قابض ہیں اُن سے لڑائی جھگڑا نہ کرے، اس نیت سے

یہی رائے قرار پائی، جو لشکر گنگا کے شمال میں تھا، اس کے چار حصے کر کے عسکری کو اس پر سردار مقرر کیا اور اس کو ہلدی کے گھاٹ کی طرف روانہ کر دیا، یہ چار حصے یوں کیے، ایک حصہ میں عسکری اور اس کے ملازم دوسرے حصے میں سلطان جلال الدین کی فوج، تیسرے میں سلطان ازبک یعنی قاسم حسین، بنجوب سلطان، تائک انمیلش سلطان، محمد خاں ماتو، غازی پوری کوکی، بابا قشقہ، قریمیش ازبک، قربان جرجی، حسین خاں نادر وغیرہ چوتھے میں موسیٰ سلطان، سلطان جنید برلاس اور تمام فوج جون پور، یہ سب تخمیناً بیس ہزار فوج تھی، محصل مقرر کر دیے گئے کہ آج ہی یکشنبہ کی رات کو اس لشکر کو چلتا کر دو، صبح اتوار کے دن لشکر گنگا سے اترنے لگا، میں پہر دن چڑھے کشتی میں سوار ہو کر روانہ ہوا، تیسرے پہر روی زرد جو گھاٹ دیکھنے گئے تھے، آئے، گھاٹ کا کہیں پتہ نہ ملا، کشتیوں کے راستے میں ملنے اور فوج متعین ہونے کی خبر لائے، منگل کے دن ہم دریا سے پار ہو گئے، چلتے چلتے دونوں دریاؤں کے ملنے کے پاس کوس بھر پر جہاں جنگ کا میدان قرار دیا تھا، لشکر اترا، میں نے جا کر استاد علی قلی کی گولہ اندازی کا تماشہ دیکھا، آج ہی استاد علی قلی نے انگریزی توپ کے گولے سے دو کشتیوں کو توڑ کر غرق کر دیا، لڑائی کے میدان میں بڑی توپ لے جانے کے لیے اور اس کے واسطے جائے درست کرنے کے لیے ملا غلام کو مقرر کیا، کچھ یساول اور سپاہی بھی اس کے سپرد کر دیے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۳) ہوں کہ ہلدی کے گھاٹ سے کشتیوں میں بیٹھ کر اترے اور ان پر جا پڑے، اس فوج کے پہنچنے تک استاد علی قلی اور مصطفیٰ انگریزی توپوں اور بندوقوں سے لڑتے رہیں، میں بھی گنگا سے پار ہوا استاد علی قلی کی کمک پر تیار کھڑا ہو جاتا ہوں، جب فوج گھاٹ سے اتر کے قریب پہنچے تو میں بھی ہلا کر کے جا پہنچوں، محمد زماں میرزا اور امرائے متعینہ بہار کی طرف کے دریائے گنگ سے مصطفیٰ کے ساتھ لڑائی میں مصروف ہوں۔

ادغان تردی مغل کو ہزار سپاہی پر سردار کر کے روانہ کیا تھا کہ جس طرح ہو سکے دو تین کوس اوپر کی جانب سے دریا کے پار ہو جا، یہ فوج اس موقع پر پہنچی کہ عسکری کے لشکر کے قریب بیس تیس کشتیوں میں سے بنگالی دریا کے پار ہو رہے ہیں اور لوٹ مار کرنے کی فکر میں ہیں، ادغان تردی کی فوج نے گھوڑے ڈپٹا کر بنگالیوں کو بھگا دیا، بہت سوں کو تیروں سے مارا، کچھ آدمیوں کے سر کاٹ لیے اور سات آٹھ کشتیاں بھی گرفتار کر لیں، آج ہی محمد زماں میرزا کی طرف بھی بنگالیوں نے چند کشتیوں میں اتر کر مقابلہ کیا (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۵ پر)

اس کا سفیر اسمٰعیل متا بابر کے پاس رہتا تھا، بابر نے اس سفیر اور ایک اپنے آدمی کو شاہ بنگال کے پاس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۴) محمد زماں میرزا کی فوج نے حملہ کر کے بنگالیوں کو بھگا دیا، تین کشتیاں دریا میں ڈبو دیں، ایک کشتی پکڑ کر میرے پاس لے آئے، اس موقع پر بابا چہرہ نے اچھا حملہ کیا، میں نے حکم دیا کہ ان سات آٹھ کشتیوں میں جن کو اوغان تردی وغیرہ پکڑ لائے ہیں محمد سلطان میرزا، آتکہ خواجہ، یونس علی، اوغان تردی اور وہ فوج جو پہلے جانے کے لیے مقرر ہوئی تھی، بیٹھ کر اندھیرے منہ پار ہو جائیں، آج ہی عسکری کے پاس سے آدمی آیا، اس نے کہلا بھیجا کہ جہاں دریا پایاب نہ تھا، وہاں سے ہم پار اتر گئے، کل جمعرات کے دن باغیوں پر حملہ کریں گے، میں نے حکم دیا کہ اور لوگ بھی جو پار اتر گئے ہیں، عسکری کے ساتھ ہو جائیں، ظہر کے وقت استاد کے پاس سے آدمی آیا، اس نے کہا کہ گولہ تیار ہو گیا ہے، کیا حکم ہے، میں نے حکم دیا کہ اس کو تو چھوڑ دو اور میرے آنے تک دوسرا تیار کر رکھو، عصر کے وقت میں ایک بنگالی ڈونگے میں سوار ہو کر مورچے پر پہنچا، استاد نے ایک بار تو بڑا گولہ مارا، پھر کئی دفعہ انگریزی گولے مارے، بنگالی آگ برسانے میں مشہور تھے، ایک دفعہ میں نے ان کو خوب دیکھا، ایک جائے سے آتش بازی نہیں کرتے، جائے جائے سے کرتے ہیں، اسی عصر کے وقت میں نے حکم دیا تھا کہ دریائے سرو میں بیس کشتیاں بے تحاشا اور بے پناہ کھینچتے ہوئے لے جاؤ، تیمور سلطان، توختہ بوغا سلطان، بابا سلطان، آرائش خاں اور شیخ گھورن کو حکم دیا کہ ان کشتیوں کی تم حفاظت کرو، اس کے بعد میں وہاں سے پلٹا، اور پہر بھر میں داخل لشکر ہوا، آدھی رات کو مذکورہ کشتیوں والوں نے کہلا بھیجا کہ جو فوج متعین ہوئی تھی وہ آگے چلی گئی، ہم کشتیاں کھینچے لیے جاتے تھے، ہم نے دیکھا کہ بنگالی کشتیاں جمع کیے ہوئے، ایک تنگ مقام پر آمادۂ جنگ ہیں، ہماری ایک پچھلی کشتی کے پاؤں میں گولہ لگا، اس کا پاؤں ٹوٹ گیا اور ہم آگے نہ جا سکے، دوسرے دن جمعرات کو مورچے والوں نے کہلا بھیجا کہ کشتیاں آگئیں اور ان میں جو سوار ہیں، کشتیوں ہی میں بیٹھے ہوئے ہمارے مقابلے میں آگئے، ہم بھی جلدی سے ان کشتیوں پر جو رات کو بھیجی گئی تھیں، آن چڑھے، میں نے آدمی دوڑایا کہ محمد سلطان میرزا وغیرہ جو لوگ پار ہو جانے کے لیے مقرر ہوئے ہیں، فوراً عسکری کے پاس جا پہنچیں، تیمور سلطان اور توختہ بوغا سلطان کو جو کشتیوں میں تھے، حکم بھیجا کہ تم چلے جاؤ، کہیں نہ رکو، بابا سلطان ابھی مقام مقرر پر نہ آیا تھا، تیمور سلطان اپنے تیس چالیس آدمیوں اور گھوڑوں سمیت ایک کشتی میں بیٹھ چلتا ہوا، ان کے پیچھے ایک کشتی اور روانہ ہوئی، بنگالیوں نے جو ان کو دیکھا تو بہت سے پیدل ان (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۶ پر)

بھیجا اور یہ لکھا کہ وہ اپنی تمام فوج کو اس ملک سے جس میں وہ کوچ کر رہا ہے، اپنے پاس بلا لے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۵) کی طرف متوجہ ہوئے، تیمور سلطان کے ساتھ آٹھ آدمی سوار ہو کر ان پیدلوں کے مقابل ہوئے، سلطان کے سوار ہونے تک ان پیدلوں نے حملہ کر دیا اور وہ سلطان کی طرف بڑھے، اس عرصہ میں سلطان بھی سوار ہو گیا، اتنے میں دوسری کشتی بھی آ گئی، بیس تیس سوار اور پیدلوں نے حملہ کر کے ان کو نوک دم بھگا دیا، سلطان نے بڑا نمایاں کام کیا اول تو خود بے دھڑک سب سے آگے پہنچا، دوسرے تھوڑی سی فوج نے بہت سوں کو مقابلہ کر کے ان کو شکست دی، توختہ بوغا سلطان بھی پہنچ گیا اور کشتیاں بھی پے در پے جا پہنچیں، لاہوری اور ہندوستانی فوج کے دستے اور دستوں سے علاحدہ متفرق اترنے شروع ہوئے، یہ حالت دیکھتے ہی بنگالی کشتیاں دریا کے نیچے کی طرف جو مورچہ تھا اس کے سامنے سے بھاگنے لگیں، درویش محمد ساربان، دوست ایشک آغا اور نور بیگ وغیرہم مورچوں کے آگے سے چلنے لگے، میں نے سلطان کو کہلا بھیجا کہ اترنے والوں کو اچھی طرح جمع کرتے جاؤ، زیادہ فوج اکٹھی ہو جائے تو پہلو کی طرف سے پھر غنیم کو آگے دھر لو، سب سلاطین نے فوج کی چار ٹکڑیاں کر کے غنیم پر یورش کر دی، ان فوجوں کے قریب ہونے تک غنیم نے اپنے پیادوں کو آگے کر لیا اور آرام سے ٹھہر ٹھہر کر چلنا شروع کر دیا، ادھر سے عسکری والے حصہ فوج میں سے کوکی ایک ٹکڑی کو لے کر آیا، ادھر سے سب سلاطین پہنچے، غنیم کو مارتے اور گراتے چلے، بسنت راؤ (ہندوؤں کے ایک سردار) کو کوکی نے گرفتار کر کے اس کا سر کاٹ لیا، اس کے دس بارہ آدمی کوکی پر آ پڑے، وہیں اس کا کام تمام کر دیا، توختہ بوغا سلطان نے غنیم کے آگے سے نکل کر خوب شمشیر زنی کی، دوست ایشک آقا، مغل عبد الوہاب اور اس کے چھوٹے بھائی نے بھی خوب تلواریں ماریں، اگرچہ مغل تیرنا نہ جانتے تھے مگر ہاتھ پاؤں مار کر دریا سے نکل ہی گئے، میری کشتیاں پیچھے تھیں، کشتیاں لانے کے لیے میں نے آدمی بھیجا، کشتی فرمائش سب سے پہلے آ گئی، میں اسی میں بیٹھ گیا اور بنگالیوں کی فرودگاہوں کو دیکھا..........۔

چوں کہ آٹھ سات ہزار پٹھان امیدوارانہ آئے تھے، اس لیے ان کو نا امید کیوں کر کیا جاتا، ملک بہار میں سے ایک کرور کا ملک شامل خالصہ کر کے پچاس لاکھ کا علاقہ محمود خاں لوحانی کو دینے کے لیے رکھا تھا، وہی اس جلال خاں کو دے دیا اور ایک کرور خدمت کے عوض میں دینا قبول کر لیا، اس روپیہ کی تحصیل کے لیے ملا غلام یساول کو بھیجا، محمد زماں میرزا کو جون پور کا علاقہ عطا کیا۔

جمعرات کی رات کو غلام علی (خلیفہ کا نوکر) اور اسماعیل میتا کے پاس سے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۷ پر)

اور یہ بھی وعدہ کیا کہ اس سپاہ کو خیر و عافیت سے ترک آس پاس پہنچا دیں گے اور کچھ ان کو راہ میں تکلیف نہ ہوگی، اگر اس امر سے شاہ بنگال انکار کرے گا تو خود اپنے پاؤں میں کلہاڑی مارے گا اور جو آفت اس پر پڑے گی وہ اپنے ہاتھ سے اس پر آئے گی، غرض اس بات کا جواب نہ آیا اور بابر سے صبر نہ ہوسکا وہ گنگا سے اتر کر بنگالیوں سے لڑنے لگا، اگرچہ بابر گنگا پار اتر گیا تھا، مگر گھا گھرا اترنا باقی رہا تھا، غنیم وہاں پڑا تھا، جہاں گھا گھرا اور گنگا یہ دونوں دریا ملتے ہیں، مگر بابر کے پاس کشتیوں کا سامان ایسا اچھا تھا کہ اس نے بنگالیوں کی کشتیوں کو مار پیٹ کر بھگا دیا، اگر یہ صورت پیش نہ آتی تو وہی کشتیاں بابر کے قدمیں سنگ راہ ہوتیں، بنگالیوں نے بابر کو اتارنے سے روکا، بنگالی توپ چلانے میں بڑے استاد مشہور تھے، اس طرف بھی علی قلی توپچی موجود تھا، غرض دونوں طرف سے توپوں کی مار شروع ہوئی، دریاؤں کے پار جا کر لڑائیاں شروع ہوئیں، بابر کی فوج نے بنگالیوں کی فوج کو مار کر بھگا دیا اور بہت سے سپاہیوں کو قید کر لیا تھا، پھر شاہ بنگال سے صلح ہوگئی اور جب بابر کا ارادہ آگرہ کا ہوا تو اس کو خبر ملی کہ بِبَن اور بایزید بنگال سے فوج لے کر گھا گھرا پار اتر گئے ہیں اور لکھنؤ پر قبضہ کر لیا ہے، یہاں کے قلعہ میں گھاس ایک جگہ بہت سی جمع تھی، اس میں آگ لگ گئی، اس آگ کی گرمی سے قلعہ تنور ہوگیا اور اس کی فصیل پر کھڑے رہ کر لڑنا دشوار ہوگیا اور اس کے پیچھے جو لشکر روانہ ہوا، اس نے ان کو بندیل کھنڈ میں گنگا جمنا وار پراگندہ کر دیا، اب برسات گئی، بادشاہ آگرہ میں آگیا اور باغ بہشت میں مزے اڑانے لگا اور بنگالہ سلطان جنید برلاس کے سپرد کر دیا[1]۔

بابر کی سلطنت: بابر نے سلطنت کو اتنا بڑھا کر دنیا سے آگے قدم بڑھایا کہ ہندوکش سے پرے بدخشاں اور قندز تک اور دریائے جیحون کے تمام جنوبی اضلاع بلخ کی سرحد تک اور ہندوکش سے جنوب کی طرف کابل، غزنی، قندھار، ہندوستان میں پنجاب اور کوہ ہمالیہ اور راجپوتانہ کے درمیان

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۶) شاہزادہ میکر اور حسن خاں کے خطوط، جو انہوں نے خلیفہ کو لکھتے تھے، لایا، تینوں باتیں قبول کر لیں، ان میں سے بعض نے خودسری کر کے مزہ چکھا اور بعض نے اطاعت قبول کر لی، کچھ جورہ گئے، بنگالی کے دست نگر ہوگئے، ان کو بنگالی نے اپنی پناہ میں لے لیا، برسات بھی سر پر آگئی تھی، میں نے بھی اس کے جواب میں مذکورہ شرائط کے ساتھ صلح کا پیغام لکھ کر بھیجا۔

---

[1] بہار اور بنگال کی تفصیل بیان کرنے میں بھی اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

کا حصہ اور پہاڑ کا بڑا حصہ سوائے اس کے افغانستان کے بہت سے کوہستانی اضلاع ایسے تھے کہ جن کے اندر اس کی سلطنت برائے نام تھی۔

واقعات بابری پر ایک نظر: بابر کا جو کچھ حال ہم نے لکھا ہے اس سے عادتیں اور خصلتیں اس کی سمجھدار سمجھ جائیں گے، مگر جب تک واقعات بابری کا بیان زبان پر نہ آوے بابر کے کمالات اور فضائل پردہ کے اندر ہی رہتے ہیں، اس کتاب میں اس نے سوانح عمری اپنی ۹۳۶ھ/ ۱۵۲۹ء تک سچی سچی ٹھیٹھ ترکی زبان میں لکھی ہے، کہیں کہیں غوطہ بھی لگ گیا ہے، ۱۵۱۸ء سے ۱۵۱۹ء تک کچھ حال نہیں لکھا اور سوائے اس کے کہیں اور بھی کسی کسی زمانہ کا حال چھٹ گیا ہے، اکبر کے ۳۴ جلوس مطابق ۹۹۸ھ/ ۱۵۹۰ء میں مرزا خان خاناں نے فارسی زبان میں اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے، اس میں نہ تو تزک تیموری کی سی بناوٹ اور نہ تزک جہانگیری سی طمطراق پائی جاتی ہے، واقعات کا ایک بے تکلف بیان سادہ اور سچا کرتا جاتا ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عجیب وغریب کتاب بے نظیر ہے، زبان کی فصاحت، بیان کی بلاغت اس کی اہل زبان کے نزدیک مسلم ہے، زبان اس کی ٹھیٹھ ترکی ہے، عربی وفارسی الفاظ کا خرچ اس میں زیادہ نہیں ہے، طرز ادا اور انداز بیان وہ غضب کا ہے کہ اگر اس کو کھول کر پڑھیے تو کہیں افسانہ کا مزہ آتا ہے، کہیں تاریخ کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، کہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کے کسی بڑے محقق جغرافیہ داں کا جغرافیہ پڑھ رہے ہیں، جو کبھی کسی ایشیا والوں کو لکھنا نصیب نہیں ہوا، جن ملکوں میں وہ رہا سہا، لڑا بھڑا ان کا حال تو ایسا لکھا ہے کہ تصویر اس کی آئینہ کے اندر نظر آتی ہے، پہاڑوں کا بیان، ان پر برف گرنے کا تذکرہ، ان پر سیروں کو رکھ رکھ کر کھسکنا، سبزہ زاروں کا لہلہانا، نہروں کا لہرانا اور دریاؤں کا بہنا، جنگلوں کا گھنا گھنا ہونا، غرض کسی بات کو چھوڑا نہیں، نباتات اور حیوانات کا جو حال لکھا ہے اور اس میں ایک ملک کے میوؤں کی پود دوسرے ملک میں لگانے کی جو حکمتیں ایسی ہی اجنبی ملکوں میں جو جانوروں کی پرورش کی ترکیبیں لکھی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ایک عجیب قدرت خداداد قدرتی اشیا کے بیان کرنے کی حاصل تھی، خدا نے اس کی طبیعت ایسی رنگین اور شگفتہ بنائی تھی کہ باوجود اس کے کہ زمانہ نے اس کو اس قدر نشیب وفراز دکھائے ہیں، کبھی تخت پر بٹھایا اور کبھی بوریا بیٹھنے کو نہ دیا، مگر اس کا مزاج اس شاہی اور گدائی میں ایک ہی طرح کا رہا، جس حال میں رہا، خوش رہا، جس وقت کہ سمرقند کی سلطنت

سے محروم ہوا اور چپہ بھر اس کے پاس نہ رہی تو وہ لکھتا ہے کہ آج میں نے پیٹ بھر کے کھایا اور نیند بھر کے سویا، اگر رزم کا بیان ہے تو دلچسپ ہے اور اگر بزم کا ذکر ہے تو دل کش ہے، وہ اپنے شراب کے جلسوں کا ذکر جا بجا کرتا ہے، وہ لکھتا ہے کہ پہلے پہل شراب ہرات میں چچازاد بھائیوں نے بڑی منت سے پلائی، پھر اس کا چسکا ایسا لگا کہ کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں اس کا لطف نہ اٹھتا، یاروں کے جلسے جماتا اور خوب شرابیں اڑاتا، ایک سنگ مرمر کا حوض بنوایا اور اس کو شراب سے لبالب بھر دیا اور اس کے کنارہ پر یہ شعر کندہ کرایا:

نوروز ونو بہار و مے و دلربا خوش است   بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

بابر کی دوست نوازی: دوستوں کو ساتھ لے کر کبھی باغوں کی سیر کرتا، کبھی سبز پہاڑوں پر چڑھتا، کبھی کشتیوں میں بیٹھتا اور عالم آب کی سیر کرتا، کشتیوں کو دوڑاتا، آپ گاتا اوراوروں کو گواتا، رُباب پر ترکی تانوں کو اڑاتا، شراب خود پیتا اور دوستوں کو منتیں کر کے پلاتا، کبھی کوئی نشہ میں لڑکھڑاتا تو اور یاروں کے ہاتھ اسے گھر بھجواتا، یاروں کے ساتھ دھول دھپا لڑتا، خود ان کو کچھ کہتا اور آپ کچھ سنتا، غرض کس کس بات کا بیان کیجئے، وہ جن عیبوں کو کرتا ایسے ہنر کے ساتھ کرتا کہ وہ عیب عیب نہ معلوم ہوتے، برے کاموں میں شہد کی مکھی نہ بنتا کہ جب نکلنے کا قصد کرے، پر ٹوٹ کر وہیں رہ جائیں بلکہ وہ مصری کی مکھی بنتا کہ مزا اڑاتا اور جب چاہتا اڑ جاتا، ایک جگہ وہ لکھتا ہے کہ نیت ہے کہ ۴۰ برس کی عمر کے بعد شراب سے توبہ کروں اور پھر اسے منہ نہ لگاؤں، اس لیے انتالیسویں برس میں بہت سی شراب پیتا ہوں، مگر یہ عہد اس کا پرانا ہوا، ۹۳۳ھ میں اس نے شراب سے توبہ کی ہے، وہ اس بادشاہی پر عمر گذشتہ کا تاسف کیا کرتا تھا، اپنے لڑکپن کے دوستوں کی یاد میں پہروں رویا کرتا تھا، ماں، بہنوں اور عزیز واقارب کا تذکرہ اس طرح کرتا کہ گویا یہ ان کی بغل میں بیٹھا ہوا تھا، دوست، آشناؤں کے سب برے بھلے کاموں کو بے تکلف بیان کرتا، خواجہ کلاں اس کا بڑا دوست تھا، کابل میں اس کی نیابت کا کام کرتا تھا، اس کے ایک خط میں اول کچھ کاروبار سلطنت کا ذکر لکھا ہے، پھر یہ لکھا ہے کہ اب میں نے شراب سے توبہ کی ہے، تم بھی توبہ کرلو، شراب پینے کا جب ہی تک لطف تھا کہ ہم سب پرانے یار ایک جگہ بیٹھ کر پیتے تھے، تنہا شراب پینے میں کیا خاک مزہ ہے، صرف دو قدیمی یار حیدر قلی اور شیر احمد تمہارے پاس باقی رہ گئے ہیں، ہائے مجھے کیا رشک اس پر آتا ہے کہ تم

کابل کے مزے اڑاتے ہو، اتفاق سے ایک تربوزہ میرے پاس آیا، اسے جب تراشا تو مجھے اپنی تنہائی پر کیسا افسوس آیا، قتلے تربوز کے منہ میں رکھتا جاتا اور آٹھ آٹھ آنسو روتا جاتا تھا، یہ سب یارانے کی باتیں لکھ کر اس نے معذرت میں یہ فقرہ لکھا کہ میری اس تحریر سے تم مجھے احمق نہ سمجھنا۔

بابر کی سپہ گری: جس عمر میں لڑکے گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں، اُس عمر میں وہ شہسوار بن کر میدانِ جنگ میں وہ جید سپاہیوں کی طرح کام کرتا کہ عقل حیران ہوتی تھی، گو لڑکپن ہی سے وہ بڑا سپاہی تھا، مگر عمدہ سپہ سالار جب ہی بنا کہ بہت سی شکستیں کھائیں اور دیں، ہندوستان کے میدانوں میں جو لڑائیاں لڑا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو سپہ سالاری کے کام میں بھی پرلے درجہ کا کمال حاصل ہو گیا تھا۔

رحم دلی: وہ آزاد منش اور رحم دل تھا، بعض مثالیں اس کی رحم دلی کے واقعات میں قابل یاد رکھنے کی ہیں، ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اس کا ایک دوست شراب کی مجلس میں گر کر مر گیا، اس کے غم میں دس روز تک آنکھ سے آنسو نہ تھمے، جانوں کی بڑی حفاظت کرتا، جن دشمنوں نے اس کے ساتھ دغا و فریب بھی کیا، ان کا قصور اس حالت میں معاف کر دیا کہ انتقام لینا اس کے ہاتھ میں تھا، ابراہیم کی ماں کا بیان پڑھ آئے ہو کہ اس زہر دینے والی عورت کو اس نے چھوڑ دیا۔

غصہ: مگر کبھی کبھی تیموری اور چنگیز خانی رگ بھی چڑھ آتی تھی، افغانستان اور ہندوستان کی لڑائیوں میں اس نے قیدیوں کو بڑی بے رحمی سے قید کیا اور کھوپڑیوں کے مینار کس خوشی و مسرت سے اپنی آنکھوں کے سامنے چنوائے، ایک دفعہ اس قدر قیدی قتل کروائے کہ ان کا خون اس قدر بہا کہ تین دفعہ خیمۂ بادشاہی اس اندیشہ سے اکھیڑا گیا کہ خون آلودہ نہ ہو۔

سیمابی کیفیت: اس کا یہ دستور تھا کہ وہ ایک جگہ پڑا نہ رہتا تھا، مرنے سے تھوڑے دنوں پہلے لکھتا ہے کہ "گیارہ برس کی عمر سے دو رمضان ایک جگہ جمع نہیں ہوئے، کیوں ہوتے، جب لڑائی بھڑائی سے فرصت نصیب ہوئی تو سیر و شکار سے رخصت نہ ملتی، باوجود علالت مزاج فقط تفریح طبع کے واسطے دو دن میں کالپی سے آگرہ (۱۶۰ میل) گھوڑے پر اڑ گیا، دو دفعہ ایسا ہوا کہ کشتیاں موجود تھیں مگر وہ گنگا جیسے دریا کو کپڑے اتار کر اور ننگی تلوار ہاتھ میں لیے تیر کر پار اتر گیا، وہ لکھتا ہے کہ جو دریا راہ میں آتا اس سے تیر کر پار اترتا، الحاصل جیسی خدا نے اس کو جہاں بانی اور کشورستانی کے لیے

عقل مناسب اور ہمت بلند عطا فرمائی تھی، ایسی ہی اور کاموں کے واسطے فہم اور سمجھ عنایت کی تھی، عمدہ عمدہ باغ لگوائے، نہریں تالاب بڑے بڑے فائدہ مند کھدوائے، بیگانہ ملکوں کے پھول پھلواری میوہ دار درخت لگوائے، یہ اسی کا کام تھا کہ یہ کام اس وقت کرتا کہ زمانہ اس کے نیچے گراتا اور مصیبتوں اور آفتوں کو اس کے سر پر چڑھاتا، وہ ان گل بوٹوں اور شعر و غزل سے دل بہلاتا۔

علمی وادبی لیاقت: سوائے واقعات بابری کے اس کی اور تصنیفات بھی ہیں، ایک ترکی زبان میں دیوان ہے، متانت اور بلاغت اس کی مشہور ہے، مثنوی مبین اس کی ایسی مثنوی ہے جس کو سب استاد مستند گنتے ہیں، ترجمہ رسالہ والدیہ خواجہ احرار کا مطبوع خاص و عام ہے، ان تمام تصنیفات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی، فارسی، ترکی، ہندی زبانوں کا ماہر تھا اور شاعر شیریں کلام تھا، علم عروض وقوافی سے بہرہ کافی رکھتا تھا، وہ اپنی طبقات میں ایک جگہ لکھتا ہے ۹۳۲ھ میں جب ہندوستان کو آتا تھا، ایک دن میں کشتی میں سوار تھا اور اس میں بعض شاعر بھی میرے ساتھ تھے، جیسے کہ شیخ ابوالوجد و شیخ زین و ملا علی خاں، تردی بیگ اور بعض اور بھی تھے، اس صحبت میں محمد صالح کی اس بیت کا مذکور ہوا:

محبوبہ بے عشوہ گرے را چہ کند کس جائے کہ تو باشی دگرے را چہ کند کس

میں نے کہا کہ اس زمین میں اشعار کہیں، صاحب طبع اس میں مصروف ہوئے، ملا علی خاں کے ساتھ مطالبہ کے طور پر بطریق بدیہہ میں نے یہ بیت کہی:

مانند تو مدہوش گرے را چہ کند کس نرگاؤ کسے مادہ خرے را چہ کند کس

اس سے پہلے نیک و بد و جد و ہزل جو دل میں آتا تھا بطریق مطائبہ کے کہتا تھا، ان ایام میں مبین کو نظم کرتا تھا، میری خاطر فاتر میں اور دل حزین میں یہ آیا کہ حیف ہے کہ جس زبان سے میں ایسے الفاظ کو درج کروں پھر اپنا فکر ایسے قبیح سخنوں میں خرچ کروں اور افسوس ہے کہ جس دل سے ایسے معانی ظہور میں آئیں پھر اس کے خیال میں زشت مضامین سمائیں، پھر اس دن سے میں نے شعر و نظم ہزل وہجو کو چھوڑ دیا، مگر بیت مذکور کے کہنے کے وقت مجھے اُس اپنی پہلی بات کا خیال نہ رہا، بعد ایک دو روز کے جب میں بکرام (پیشور) میں آیا تو لرزہ سے بخار آیا، پھر کھانسی ہوئی، اس میں خون آنے لگا تو میں نے جانا کہ یہ تنبیہ کیوں ہوئی ہے۔ فَمَنْ نَکَثَ

فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ط۔

اشعار ترکی میں لکھے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ، اے زبان میں تیرا کیا کروں، تیرے سبب سے میرا دل تمام خون ہورہا ہے، تو کب تک اس طرح کے شعر کہے گی کہ جن میں سے ایک فحش ہے اور ایک ان میں سے دروغ ہے، اگر تو یہی کہے تو اس عرصہ سے اپنی باگ موڑ، پھر میں نے ازسرِ نو استغفار مانگی اور اعتذار کیا اور پھر اس اندیشۂ باطل کے سوچ سے اور اس پیشۂ نالائق سے دل کو سرد کر، قلم کو توڑا۔

کارنامے: بابر ہی تھا کہ جس نے ہندوستان میں خاندان مغلیہ کی سلطنت کی بنیادیں جمائیں، تیمور اس کا دادا اور چنگیز خاں نانا تھا، ۱۴۸۲ء میں پیدا ہوا، ۱۵۳۰ء میں مر گیا، گیارہ برس کی عمر میں فرغانہ میں بادشاہ ہوا، انتیس برس بادشاہ رہا، اس چھوٹی سی ریاست کو وراثت میں پاکر ایسا سلطنت کو وسیع کیا کہ ہندوستان کا مالک ہوا، دس ۱۰ برس بھائی بندوں سے اور دشمنوں سے لڑتا بھڑتا رہا اور اتنی تھوڑی مدت میں وہ آفتیں اٹھائیں اور مصیبتیں جھیلیں کہ شاید کسی بادشاہ نے کئی کئی پشتوں میں اٹھائی ہوں گی کبھی سر پر تاج شاہی ہوتا، کبھی قدم رکھنے کو جگہ نہ ملتی، جیسا دل کا سخت اور طبیعت کا مصیبت پسند تھا، ایسا ہی مزاج کا رنگین تھا، رنج اور مصیبت میں عیش و عشرت کرنا، اسی کا کام تھا، کوئی مصیبت اس کے دل کو ہرا نہ سکی، ایک ملکہ خداداد اس کو قدرتی اور فطری تماشوں کے سمجھنے کا تھا، عربی، فارسی، ترکی، ہندی زبانوں کا خوب ماہر تھا، شعر خوب کہتا تھا، دشمنوں کے ساتھ سلوک کرنے میں فیاض اور رحمدل تھا، اگرچہ کبھی کبھی ایسی حرکتیں کرتا تھا، جس سے وہ تیمور کا پوتا معلوم ہوتا تھا، مگر ایسے کاموں کا کرنا اس زمانہ میں بادشاہوں کو سزاوار تھا، وطن میں مصیبتوں کے ہاتھ تنگ ہوکر بے وطن ہوا اور کابل کا بادشاہ بنا، اس وقت ہندوستان میں افغانوں کی سلطنت آپس کی نااتفاقی سے خراب خستہ ہورہی تھی، اس کو آکر لے لیا، وہ اہل ہند کے ساتھ موانست اور الفت و محبت پیدا کر کے سلطنت قائم کرنے کے لئے آیا تھا، جب اس نے بادشاہ اور حاکم ہوکر محکوموں کے ساتھ محبت پیدا کی، تو پھر اس کا اکھیڑنا اور ہندوستان سے نکالنا، دشمنوں کی حد اختیار سے باہر ہو گیا، ایک بڑے زبردست راجہ سے بھی لڑا اور فتح یاب ہوا، پھر اپنے عقیدہ کے موافق اپنے بیٹے ہمایوں کی جان کے عوض جان دی۔

خاکسار مرتب

بابر کے اوصاف اور ذوق میں جو رنگارنگی اور ہمہ گیریت رہی، وہ مشکل سے کسی اور حکمراں میں رہی ہوگی، وہ عدیم المثال سپاہی، عظیم المرتبت فاتح، جلیل القدر بانی سلطنت، بلند پایہ اہل قلم، قابل قدر شاعر تھا، اسی کے ساتھ موسیقی، مصوری اور باغبانی کا بھی ماہرانہ ذوق رکھتا تھا، اس کی فتح و کامرانی، نبرد آزمائی اور پامردی کی تفصیلات گزشتہ صفحات میں آچکی ہیں، اس کے علمی کمالات کا بھی جابجا ذکر آیا ہے، ہم نے اپنی کتاب بزم تیموریہ کے پہلے باب میں اس کے علمی و ادبی ذوق کو تفصیل سے لکھا ہے، یہاں پر اس کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے، تاکہ ناظرین کے سامنے اس کے یہ اوصاف بھی آجائیں، اس کے بعد اس کے کچھ اور اوصاف بیان کئے جائیں گے۔

علمی و ادبی ذوق: بابر کا نانا تاشکند کا ایک مشہور چغتائی خان تھا، تاریخ رشیدی کے مصنف کا بیان ہے کہ اس کے ایسا خان اس سے پہلے اور بعد میں نہیں پیدا ہوا، وہ استاد یونس کے نام سے مشہور تھا، قرآن کی قرأت خوب کرتا، موزوں طبیعت بھی رکھتا، موسیقی اور مصوری میں بھی ماہر تھا،[1] اسی کی لڑکی قتلق نگار خانم کے بطن سے بابر پیدا ہوا، بابر کا باپ عمر شیخ مرزا بھی خوش اعتقاد آدمی تھا، پانچوں وقت کی نماز پڑھتا، حضرت خواجہ عبداللہ احرار کا مرید تھا، خمسۂ نظامی، خمسۂ خسروی، مثنوی جلال الدین رومی اور شاہنامہ برابر اس کے مطالعہ میں رہتی تھیں[2]، تیموری نسل سے تھا، اس لیے علم نوازی اور علم پروری اس کی نسل میں برابر منتقل ہوتی رہی۔

بابر باپ اور ماں دونوں طرف سے علمی حیثیت سے متمول تھا، اس لیے شیخ مزید بیگ، بابا قلی علی اور شیخ فدائی بیردی بیگ جیسے اساتذہ کی نگرانی میں اچھی تعلیم پائی[3]، اس کی مادری زبان ترکی تھی، مگر اس کے علاوہ عربی اور فارسی کی بھی تعلیم پائی اور جب سنِ شعور کو پہنچا تو اپنی

---

[1] تاریخ رشیدی قلمی، نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی، انگریزی ترجمہ از اس، وائی، ڈی، راس، ص ۱۵۵-۱۴۷

[2] تزک بابری اردو ترجمہ، ص ۷ [3] تزک بابری اردو ترجمہ، ص ۱۳-۱۴۔

سیاسی اور جنگی مشغولیتوں کے باوجود سمرقند، فرغانہ، خراسان اور ہرات کے ارباب کمال سے بھی مستفیض ہوتا رہا، وہ خراسان کے شیخ الاسلام سیف الدین کے زہد و تقویٰ سے متاثر تھا، ارباب علم میں ملا شیخ حسن کے علم کلام، میر جمال الدین کے علم حدیث، میر عطاء اللہ مشہدی کے علم وادب اور قاضی اختیار کے علم وفقہ کا قدر دان تھا، اپنے عہد کے شاعروں میں علی شیر بیگ، شنجم بیگ، آصفی، بنائی، صیفی، بخاری، ہاتفی، میر حسن معمائی، ملا محمد بدخشی، یوسف بدیعی، محمد صالح، شاہ حسین کالی اور ہلالی کا معترف رہا[1]۔

بابر کے فطری علمی ذوق میں فضلا کی صحبت اور شعرا کے مطالعۂ کلام سے جو جلا ہوئی، اُس کا نتیجہ اس کی تزک بابری ہے، جس کا شمار آج بھی دنیا کے بہترین علمی اور تاریخی سرمایہ میں کیا جاتا ہے، یہ کتاب ترکی زبان میں ہے، گو ترکی کسی زمانہ میں اعلیٰ قسم کی علمی زبان نہیں رہی لیکن بابر نے اپنی غیر معمولی ذہانت اور طباعی سے اس زبان میں بھی ایسا سلیس اور شگفتہ طرز بیان اختیار کیا کہ اس کی کتاب ادب العالیہ میں شمار ہونے لگی ہے۔

بابر ایک اعلیٰ قسم کا ادیب ہونے کے ساتھ ترکی زبان کا ایک بلند پایہ شاعر بھی تھا، مرزا حیدر دوغلت نے تاریخ رشیدی میں لکھا ہے کہ میر علی شیر بیگ نوائی کے بعد ترکی شاعروں میں اور کوئی بابر کا مد مقابل اور ہمسر نہ تھا، اس کا ایک ترکی دیوان رام پور کے کتب خانہ میں موجود ہے، اس کی اور ترکی تصانیف کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

بابر نے اپنے تاثرات وواردات قلب کا اظہار فارسی اشعار میں بھی کیا ہے، مگر ان کی تعداد بہت کم ہے، تزک بابری اور اکبر نامہ میں اس کے فارسی اشعار جا بجا پائے جاتے ہیں، تذکرۂ مرأۃ الخیال (ص ۹۸) میں اس کی ایک غزل منقول ہے، جو ہم اپنے ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے اپنی کتاب بزم تیموریہ سے لے کر ایک بار پھر نقل کرتے ہیں:

در دور ما زکہنہ سواراں یکے می است	واں کو دم از قبول نفس می زند نے است
ایں سلطنت کہ ما ز گدایش یافتم	دارا نداشت ہرگز و کاؤس را کے است
دارد بزلف او دلِ زنار بندما	سودائے کفر و کافری و ہرچہ دردے است

---

[1] تزک بابری اردو ترجمہ، ص ۱۷۵، ۱۷۸، ۱۸۴، ۱۸۶ وغیرہ۔

بابر رسید نالۂ زارت بگوش یار مجنوں وقوف یافت کہ لیلیٰ دریں مے است

اس کے جلو میں ابوالوجد فارغی، سلطان محمد کوسہ، سرخ وداعی، مولانا بقائی اور مولانا شہاب الدین وغیرہ جیسے شعرا رہا کرتے تھے، وہ ہندوستان آیا تو یہاں کے شعرا کو بھی اپنی طرف مائل کیا، ان میں شیخ جمالی (المتوفی ۹۴۲ھ/ ۱۵۳۵ء خاص طور پر قابل ذکر ہیں، وہ لودی سلاطین سے بھی وابستہ رہے، ایک عابد وزاہد اور صوفی منش بزرگ ہونے کے علاوہ ذوق علم اور ذوق شعری بھی رکھتے تھے، صوفیہ کرام کا ایک تذکرہ سیر العارفین لکھا جو بہت مقبول ہے، شعروشاعری میں مثنوی مہر وماہ اور ایک دیوان بھی اپنی یادگار چھوڑا ہے، بابر ہندوستان آیا تو اس سے بھی وابستہ رہے، اس کی شان میں کئی قصیدے کہے، ایک قصیدہ میں پانی پت کی جنگ کا بھی ذکر ہے، جس کے کچھ اشعار یہ ہیں:

زافغاں فغاں برآمد آندم کہ شد حسامت اشباح را مخرب ارواح را محصل
از صدمۂ سمندت، ہر فیل کوہ پیکر درخاک وخوں فروشد ہمچوں حمار درگل
درحلقۂ سپاہت کامد عدو پراز خوں چوں نقطۂ ز سرخی درچشم گشتہ داخل
چوں دردعا برآمد بسم اللہ از زبانت از خنجرت ہماں دم خصم تو گشت بسمل
یک دم ز قلب افغاں تیغت نگشتہ یکسو کے آب دور گردد یا خوں چو گشت واصل
مردن گزید خصمت بر زندگی کہ اورا مشکل نمود آساں آساں نمود مشکل

اسی قصیدہ میں بابر کی بزم آرائی کا بھی ذکر کرتے ہیں:

درمکتب سعادت بہر فضائے گردوں برجبیں را ضمیرت آموختہ مسائل
در بزم نکتہ دانی فکر تو ماہ مجلس در مجمعِ معانی رائے تو شمع محفل
لعل وزمرد آرد برجائے سبزہ وگل باران ابر دستت جائے کہ گشت نازل
از دست درفشانت دیوانہ گشت دریا باشد کشد از آں رو پیوستہ در سلاسل

ایک دوسرے طویل قصیدہ میں بابر کی گوناگوں صفات کا ذکر ہے:

باد جاں پرور وزید اے ابرنوروزی ببار شد چمن سرسبز بر فرش لآلی کن نثار
چار باغ بادشہ دارو نشاں ہشت خلد آب جو آمد مثال سلسبیلش درکنار

شد کنار جوئبار از سبزہ، مینائی بساط
تا دہد سلطانِ گل اندر کنار جوئبار

رشتہاے از ہوا چوں تارِ زر بیروں کشید
میکند ہر رشتہ پر باراں بدر شاہوار

لالہ دارد جامِ یاقوتی پر از می از چہ روی
نرگس اندر عین مستی سرگراں گشت از خمار

تا کلیم عندلیب آید بدوستاں در کلام
از برائے او ہوا بر شاخِ گل افروخت نار

شاخسار سرو و اوراقِ شجر بنگر کہ ہست
در بر ہر برگ طوطی، بر سرِ ہر شاخ ہسار

ہمچو لعلِ جانفزاں یا غنچہ را شیریں دہن
ہمچو روئے دلکشایاں لالہ را رنگیں عذار

صوفیانِ سبز پوش باغ را وجدست و حال
از سرودِ بلبل و از دستک برگِ چنار

اندریں موسم کہ در کشتی نشنید بادشاہ
آفتابے داں کہ اندر ماہِ نو گیرد قرار

در بہار مجلسش میخواند بلبل ایں غزل
بر مثالِ عاشقِ شوریدہ دل بر بوئے یار

آرے زرشک عارضت پیوستہ گل در خار خار
در غم رویت چو من جاں دادہ در ہر سو ہزار

از چہ رو سر برندارد لالہ در صحن چمن
گر نماند از عارضِ رنگینت اے گل شرمسار

سنبل پیچانِ تو از سرکشی مشکیں کمند
نرگس فتانِ تو، از خون خوری مردم شکار

چشم تو با طاق ابرو ہندوے محراب گیر
خالِ تو با زلفِ مشکیں کافر زنار دار

میدود پیوستہ دل بر رشتہ ہر موئے تو
بر مثالِ عنکبوتے کو دود بر روئے تار

جان سرگرداں زروزنہا کہ دارد سینہ ام
سوئے خورشید رخت رقصاں بر آید ذرہ وار

چشم تو در عین بیماری زخونِ مردماں
باز می ناید، نمی ترسید ز عدل شہر یار

شاہ جم سیرت ظہیر الدین محمد بابر آنکہ
خاک درگاہش بود مسجود شاہان کبار

از خراساں چوں بہندستان شدی آمد ترا
بخت و دولت در یمین و فتح و نصرت در یسار

دشمنت را زندگی شد خواب آسایش محال
خود خیال و خوابِ را چنداں بنا شد اعتبار

در صف ہیجا شد از گرد و غبار موکبت
چہرۂ افلاک تیرہ دیدۂ خورشید تار

صور اسرافیل گشتہ بانگِ سرنائے و نفیر
فیلہا جنبیدہ ہر سو چوں بہ محشر کوہسار

خون بدخواہاں دمادم شد رواں مانند جوئے
نیزہ ہا بنمود سروستاں کنار جوئبار

اندراں معرض ندا از ہاتف غیبی رسید
سوئے تو نصر من اللہ سوئے دشمن الفرار

از مہیب شوکت شیر افگنت در روز رزم شد زمیں در اضطراب و آسماں در اضطرار
از جلوست شد مشرف تخت دار الملک ہند آسماں بر پایۂ تخت تو شد کوکب نثار
ملک ہندوستاں ز انصافت چناں رونق گرفت رستۂ بازار اردو شد ز کابل تا بہار

یہ اشعار مقالات شیروانی سے لئے گئے ہیں۔ (ص ۱۹-۳۱۷)

ذوق موسیقی: بابر کو موسیقی کا بھی ذوق رہا، وہ اپنے زمانہ کے سازندوں اور گویوں کے فن سے محظوظ ہوتا رہا، وہ خواجہ عبداللہ مروارید کو اس لیے پسند کرتا کہ اس کے خیال میں اس سے بہتر کوئی قانون نہ بجاتا تھا، اسی طرح جو عود اور غشیرک اچھا بجاتا، اس کی وہ قدر کرتا، اس نے اپنی تزک میں قل محمد عودی، شیخم نائی، شاہ قلی غشیر کی اور حسین عودی کا ذکر خاص طور پر کیا ہے، شیخم نائی کے بارہ میں لکھتا ہے کہ عود اور غشیرک خوب بجاتا تھا، بارہ تیرہ برس کی عمر سے نئی بجانی شروع کی تھی، اس کو اتنے نغمے یاد تھے کہ جہاں کوئی نغمہ سنتا کہہ دیتا کہ فلاں پردہ کی فلاں آہنگ ہے، اس کے دو ایک نفس بھی مشہور ہیں، گویوں میں غلام شادی کو پسند کرتا اس کے بارہ میں لکھتا ہے کہ اس کے برابر کوئی دوسرا نفس وصورت نہ بنا سکتا تھا، ایک اور گویئے میر عزیز کے بارہ میں رقمطراز ہے کہ سازندہ بھی تھا اور گویا بھی، اگر چہ اس نے کم چیزیں بنائی تھیں، مگر جو بنائی ہیں، مزہ کی ہیں،[1] موسیقی میں اس کی مہارت کا ذکر تمام مورخوں نے کیا ہے۔

ذوق مصوری: اس کو مصوری کا بھی ذوق رہا اور اپنے زمانہ کے مصوروں کے کارنامہ پر ماہرانہ تنقیدیں کرتا تھا، مثلاً اس عہد کے مشہور مصور بہزاد کے بارہ میں لکھتا ہے کہ "وہ بڑی باریک مصوری کرتا تھا، مگر امرد کا چہرہ اچھا نہ بناتا تھا، غبغب کو بہت بڑھا دیتا تھا، ریش دار چہرہ اچھا بناتا تھا" یہ وہی بہزاد ہے جس نے ایران میں مصوری کے فن کو اتنا اونچا کیا کہ اسی کا فن ایرانی طرز مصوری کہلایا اور اس سے خود ہندوستان بھی متاثر ہوا۔

ایک دوسرے مصور شاہ مظفر کی تعریف کرتے ہوئے بابر لکھتا ہے کہ وہ بہت عمدہ مصور تھا، اس کی عمر نے وفا نہ کی، ترقی کے زمانہ میں مر گیا۔[2]

---

[1] مزید تفصیل کے لیے دیکھو، تزک بابری اردو ترجمہ، ص ۱۸۶-۱۸۷ [2] تزک بابری اردو ترجمہ، ص ۱۸۶۔

ذوق باغبانی: بابر کو باغبانی سے بھی غیر معمولی شغف رہا وہ ہندوستان آیا تو اس کو یہ دیکھ کر دکھ ہوا کہ یہاں اچھے انگور نہیں، خربوزہ نہیں، باغوں میں آب رواں نہیں، آبشار نہیں، اس لیے موقع پاتے ہی اس نے آگرہ میں چار باغ لگوایا، جس میں حوض، بارہ دری، خلوت خانہ اور حمام بنوائے، باغ کے ہر ٹکڑے میں چمن لگایا اور ہر چمن میں طرح طرح کے گل بوٹے لگائے، باغ کی عمارتوں کے اجارے میں سنگ مرمر اور باقی حصوں میں فرش اور چھت میں سنگ سرخ لگوائے، اسی کی تقلید میں اس کے امرا نے دریا کے کنارے خوش قطع اور وضع دار باغات اور حوض بنوائے اور ان میں رہٹ سے پانی جاری کیا[1]، تمام مورخوں کو اس کا اعتراف ہے کہ ہندوستان میں باغوں میں چمن بندی، خیاباں، جدول، تختہ بندی اور آبشار وغیرہ بابر ہی کے ذوق کی وجہ سے رائج ہوئے، بابر نے پھلوں اور پھولوں سے متعلق اپنی تزک میں جو تفصیلات لکھی ہیں، ان سے آج بھی ماہرین نباتات کے معلومات میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

اس نے کابل اور ہندوستان میں باغ وفا، باغ افشاں، آرام باغ، بہشت باغ، چار باغ، صفا باغ اور نیلوفر باغ کے نام سے بہت سے باغات لگائے، وہ دھول پور پہنچا تو باغ نیلوفر کے نام سے ایک باغ لگایا، اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

اتوار کے دن تیسرے پہر باغ مذکور میں داخل ہوا، باغ کے گرد امرا اور مصاحبین کے مکانات بنانے کے لیے مقامات تجویز کیے اور حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے مکانات بنوائیں اور باغ لگوائیں، جمعرات کے دن تیسری جمادی الاول کو باغ کے جنوب و مشرق میں حمام بنانے کے لیے جگہ تجویز کی، مزدوروں نے فی الفور اس قطعہ کو صاف اور ہموار کردیا، میں نے حکم دیا کہ پہلے اس جگہ کرسی دیجائے، پھر حمام بنایا جائے، ایک کمرہ میں دہ در اور حوض تیار ہوں۔

(تزک بابری اردو ترجمہ ص ۳۴۲)

بابر کی موت اسی چار باغ میں ہوئی جو اس نے جمنا کے کنارے لگایا تھا لیکن اس کی وصیت کے مطابق اس کی لاش کابل پہنچادی گئی اور اس مقام پر جو بابر نے خود اپنی قبر کے لیے منتخب کیا تھا، سپرد خاک کردی گئی، اس کی قبر کے متعلق ولیم ارسکن ایک سفرنامہ کے حوالہ سے

---

[1] تزک بابری اردو ترجمہ، ص ۲۹۶۔

لکھتا ہے:

"اگر میرے پڑھنے والے ایک ایسے میدان کا تصور کر سکتے ہیں جو تقریباً ۲۰ میل کے دائرہ میں ہو اور جس میں ہر طرف باغات اور سبزہ زار غیر منظم شکل میں بکھرے ہوئے ہوں اور اس تمام علاقے کو تین چشمے اس طرح کاٹتے ہوں جیسے کوئی سانپ چل رہا ہو اور بہت سے چھوٹے چھوٹے قلعے اور گاؤں کو سیراب کرتے ہوں، تو اس کے سامنے کابل کے ایک مرغزار کا نقشہ سامنے آجائے گا، اس مرغزار کے شمال میں پگمن پہاڑوں کا سلسلہ ہے، جو آدھے برف سے ڈھکے ہوتے ہیں اور آدھا انتہائی دیدہ زیب ہے، سبز چادر سے ڈھکا ہوا ہے، دوسری طرف بھی پہاڑ ہیں، یہ جگہ بادشاہوں کی شکارگاہوں کے لیے مخصوص علاقہ ہے، ان مقاموں کے باغات اپنے پھلوں کے لیے دنیا بھر میں مشہور ہیں ناممکن ہے کہ انسان وہاں جائے اور قدرت کے نظاروں میں محو نہ ہو جائے، بابر نے خود کہا تھا کہ جب پھول کھلتے ہیں اور موسم برسات شروع ہو جاتا ہے، تو کابل جنت نظیر بن جاتا ہے[1]"

ذوقِ تعمیرات: بابر اپنی جنگی سرگرمیوں میں بے حد مشغول رہا لیکن اس کو تھوڑی سی بھی فرصت مل جاتی تو باغات یا مکانات بنانے میں منہمک ہو جاتا، آگرہ میں اس کو تھوڑا سا سکون مل گیا تو وہ اپنے ذوقِ تعمیرات کا اظہار کرنے کی طرف مائل ہوا، تزک بابری میں لکھتا ہے:

"قلعہ اور ابراہیم کے محلات کے بیچ میں زمین کا ایک قطعہ خالی پڑا تھا، وہاں بھی ایک بڑا مکان دس گز سے دس گز بنانے کا میں نے حکم دیا، ہندوستانیوں کی اصطلاح میں بڑے چھتے زینہ دار کو دائی کہتے ہیں اس دائی کو چار باغ سے پہلے بنانا شروع کیا تھا، ٹھیٹھ برسات میں بنیاد کھودی تھی، کئی دفعہ دیواریں گریں اور مزدور دب گئے، رانا سانگا کو شکست دینے کے بعد وہ عمارت بن کر تیار ہو گئی، چنانچہ اس غزوہ کے بعد تمام ہونا تاریخ میں لکھا گیا ہے، اچھا مکان بنا ہے، اس دائی میں سہ طبقہ مکان ہیں، سب سے نیچے کی منزل میں تین دالان ہیں، ان سے کنوئیں میں راستہ اتر جاتا ہے، راستہ کا زینہ تینوں دالانوں میں سے ہے، تینوں دالانوں کا راستہ

---

[1] ہسٹری آف انڈیا انڈر دی فرسٹ ٹو سوورنس آف دی ہوس آف تیمور، بابر اینڈ ہمایوں، ص ۹-۱۸، ۱۵، اس کا اردو ترجمہ حسین انور صاحب کے ترجمے ظہیر الدین بابر اور ان کا عہد سے لیا گیا ہے۔ ص ۵۳-۵۲۔

ایک ہے، ہر دالان دوسرے سے تین سیڑھی اونچا ہے، سب سے نیچے کے دالان میں پانی کھینچتے وقت ایک بار پانی ضرور گرتا ہے، برسات میں جب پانی کنوئیں میں چڑھتا ہے تو اوپر کے دالان میں صحن سے باہر کنوئیں کے اوپر پانچ چھ سیڑھی نیچا، زینہ سے دونوں طرف کے دالان میں سیدھی جانب راستہ جاتا ہے، راستہ کے سامنے تاریخ کا پتھر لگا ہوا ہے، اس کنوئیں کے پہلو میں ایک اور کنواں بنایا ہے، جس کی تہ پہلے کنوئیں سے گز بھر اونچی ہے، اس گنبد میں جس کا ذکر اوپر ہوا ہے، بیل چرخ پھراتے ہیں، پہلے کنوئیں سے اس کنوئیں میں پانی آتا ہے، اس دوسرے کنوئیں میں دوسرا چرخ لگا ہوا ہے، جس سے فصیل پر پانی پہونچتا ہے اور باغ میں جاتا ہے، کنوئیں کے زینہ سے نکلنے کی جاے بھی سنگین عمارت بنائی ہے، اس کنوئیں کے احاطہ کے باہر ایک سنگین مسجد بنائی گئی ہے، مگر وہ کچھ عمدہ نہیں ہے، ہندوستانی قطع کی ہے۔'' (ص ۹۷-۲۹۶)

دھول پور پہونچا تو وہاں بھی اس کو عمارتیں بنانے کی فرصت مل گئی، لکھتا ہے:

''عصر کے بعد ہم دھول پور پہونچے، دھول پور سے کوس بھر پر مغرب کی جانب جس باغ کو تیار کرایا تھا، اس میں اترے، اس جاے پہاڑ کی پوری بینی گاہ ہے اور بینی گاہ ساری سنگ سرخ کی اور ایک پتھر کی ہے، جو قابل مکان بنانے کے ہے، میں نے حکم دیا تھا کہ اس پہاڑ کو کھود کر زمین تک پہونچا دو، اگر ایک پتھر اتنا اونچا رہے کہ ایک پتھر کا تراشا ہوا مکان بن سکے، تو بناؤ اور اگر اتنا بلند نہ ہو تو اس پتھر کا ایک حوض بنالو، اتنا اونچا پتھر نہ نکلا کہ مکان بن جاتا، استاد شاہ محمد سنگ تراش کو حکم دیا کہ ایک مثمن حوض اس پتھر پر جو صحن ہو گیا ہے، تیار کردے، تاکید کی گئی کہ سنگ تراش جلدی جلدی کام کرے، اس جاے کے شمال میں آم جامن اور اور قسم کے بہت درخت ہیں، ان درختوں میں ایک دہ دردا کنواں تیار کرنے کا حکم دیا گیا تھا، یہ کنواں تیار ہونے کو تھا، اس کنوئیں سے حوض میں پانی جاے گا، اس حوض کے مغرب میں سلطان سکندر والا بند تھا، بند پر سلطان کے بنائے ہوئے مکان ہیں، بند کے اوپر بڑا تالاب بن گیا ہے، جس میں برسات کا پانی جمع ہو جاتا ہے، تالاب کے گرد پہاڑ ہیں، اس تالاب کے مشرق کی طرف ایک پتھر کا چبوترہ تیار کرنے کے لئے میں نے حکم دیا، اس کے مغرب میں ایک مسجد بنانے کے لئے بھی کہہ دیا، سہ شنبہ اور چہار شنبہ کو اسی کام کے واسطے ٹھہرا رہا۔''

گوالیار کی واپسی میں وہ ایک بار پھر دھول پور آیا تو اس سلسلہ میں لکھتا ہے اور عشا کے بیچ میں داخل دھول پور ہوا، ابوالفتح نے چراغ حمام بنایا ہے، اس کی سیر دیکھی اور یہاں سے اس چار باغ میں آیا جو بند پر نیا بنا ہے، دوسرے روز ان ان مقاموں کو ملاحظہ کیا، جن جن کی تعمیر کا حکم دیا گیا تھا، جس سنگین حوض کے بنانے کے لیے میں کہہ گیا تھا، اس کا منھ اوپر کی طرف کا بن گیا تھا، میں نے حکم دیا کہ سنگتراشوں کی مدد بڑھا کر اس کے نیچے کی طرف کا رُخ بھی درست کر دو تا کہ اس میں پانی چھوڑ کر ناپ تول دیکھ لی جائے، عصر کے بعد تک حوض کا یہ رُخ بھی پورا ہو گیا، میں نے کہا پانی بھر کر دیکھو، پانی بھر کر اطراف کی ناپ تول کی اور پنسال درست کر لی، اب کی بار میں نے حکم دیا کہ ایک جل محل بنے، ایک پتھر کا ترشا ہوا، اس کے اندر کا حوض بھی ایک ہی پتھر کا ہو، پیر کے دن معجون خوری کا جلسہ ہوا، منگل کو یہیں رہا، چار شنبہ کے دن روزہ کھولنے کے بعد کچھ کھایا پیا اور سیکری چلنے کے لیے سوار ہو گیا۔ (ص ۳۴۴، ۳۳۰)

بابر نے جو عمارتیں آگرہ، دھول پور سیکری اور کول میں بنائیں، ان کا ذکر گلبدن بیگم نے بھی کیا ہے، جس کی تفصیل اس کتاب میں بھی ملے گی۔

بزرگان دین سے عقیدت: بابر کو بزرگان دین اور اولیاء اللہ سے بھی برابر عقیدت رہی ہے، وہ حضرت خواجہ عبید اللہ کا مرید بھی ہو گیا تھا، ان کے وصال کے بعد ان کا تصور کر کے کہتا ہے:

در ہوائے نفس گمرہ عمر ضائع کردہ ایم — پیش اہل اللہ از افعال خود شرمندہ ایم
یک نظر با مخلصانِ خستہ دل فرما کہ ما — خواجگی را ماندہ ایم و خواجگی را بندہ ایم

حسب ذیل دو شعر میں بابر یا تو اپنے مرشد کی طرف سے مذکورۂ بالا اشعار کا جواب دیتا ہے، یا اپنے شیخ کو پھر مخاطب کرتا ہے:

اخلاص و عقیدۂ تو روشن شدہ است — حالات و طریقہ ات مبرہن شدہ است
حائل چو نماند زود برخیزد و بیا — دل خواہ تو تربیت معین شدہ است

حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ سے عقیدت: وہ ہندوستان آیا تو یہاں کے بزرگوں سے بھی تعلقات پیدا کیے، ان میں حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ تھے، جنھوں نے اس کو ایک مکتوب میں لکھا کہ عالی ظرف لوگ دنیا کو آخرت کی ایک کھیتی سمجھتے ہیں اور جو کچھ دنیا میں کرتے ہیں خدا ہی کے

لیے کرتے ہیں، اللہ کے حکم کی تعظیم خلق اللہ کی شفقت سے وابستہ ہے اور اسی پر عمل کرنے سے ابدی فلاح حاصل ہوتی ہے، اسی خط میں لکھتے ہیں کہ آپ کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرنے کی خاطر لوگوں کے سروں پر عدل کا سایہ اس طرح قائم کریں کہ کوئی شخص کسی پر ظلم نہ کرے اور پھر یہ بھی تلقین کرتے ہیں کہ نظام ایسا ہو کہ تمام مخلوق اور فوجی اوامر ونواہی اور شریعت کے پابند ہوں، وہ نماز با جماعت ادا کریں اور یہ بھی نصیحت کی کہ آپ علم اور علما کو دوست رکھیں، ہر شہر کے بازاروں میں محتسب مقرر کریں تا کہ وہ شرع محمدی کے انصاف کے مطابق ان بازاروں کو اسی طرح آراستہ کریں، جس طرح خلفائے راشدین کے عہد میں تھے[1]۔

حضرت غوث گوالیاریؒ: شطاریہ سلسلہ کے بزرگ حضرت غوث گوالیاری (المتوفی ۹۷۰ھ/ ۱۵۶۲ء بابر کی طرف خود ہی مائل ہو گئے تھے، قلعۂ گوالیار کی تسخیر ان ہی کی وساطت سے ہوئی، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر آچکا ہے، بابر اپنی تزک میں ۹۳۶ھ/ ۱۵۲۹ء کے واقعات کے سلسلہ میں لکھتا ہے:

> ”محرم کی تیسری کو گوالیار سے شہاب الدین خسرو کے ساتھ شیخ محمد معظم گوالیاری رحیم داد کی سفارش کرنے آئے، شیخ ممدوح ایک درویش اور معظم آدمی ہیں، ان کے فرمانے سے رحیم داد کی خطا معاف کردی گئی۔“ (ص ۳۶۳، اردو ترجمہ)

حضرت غوث گوالیاری کے گہرے تعلقات مغلیہ دربار سے ہمایوں اور اکبر کے عہد تک قائم رہے، ہمایوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ان کا مرید بھی ہو گیا تھا[2]، اکبر بھی ان کا بہت معتقد تھا۔

فتاویٰ بابری: بابر کی یہ خواہش ہوئی کہ مسائل شرعیہ میں ایک کتاب فارسی میں تیار کی جائے اور اس کے لیے اس نے حکم بھی جاری کیا، اس کے بعد شیخ نور الدین خوافی نے اس کام کو اپنے ذمہ لیا، وہ شیخ زین الدین خوافی کی اولاد میں سے تھے، ہرات میں نشو ونما پائی، شیخ الاسلام سیف الدین احمد کے شاگرد تھے، جو ملا سعد الدین تفتازانی کی اولاد میں سے تھے، انھوں نے مستند روایتوں اور کتابوں سے مسائل شرعیہ کو ضبط تحریر میں لانا شروع کیا اور ہدایہ، کافی، شرح وقایہ، شرح مختصر وقایہ، خزانہ،

---

[1] مکتوبات قدوسیہ، ص ۳۳۷ [2] منتخب التواریخ، جلد سوم، ص ۴۔

فتاویٰ قاضی خاں وغیرہ کی مدد سے ایک کتاب تیار کی اور اس کا نام فتاویٰ بابری رکھا[1]۔

بابر اور یورپین مصنّفین: یورپین اور خصوصاً انگریز مصنّفین کے یہاں مسلمان فاتحوں اور حکمرانوں کے خلاف زہر چکانی کر کے عام مسلمانوں کی دل آزاری کرنا، ایک مستقل فن ہوگیا ہے لیکن بابر ایک ایسا خوش قسمت مسلمان فاتح اور حکمراں ہے، جس کے خلاف انگریز مصنفوں نے زیادہ زہر افشانی نہیں کی ہے، بلکہ اس کے حالات قلم بند کرنے میں ان کا قلم نرم اور خوش گوار ہوگیا ہے، مسز اے ایس بیورج نے بڑی محنت اور کاوش سے بابرنامہ کا انگریزی ترجمہ کیا ہے اور اس میں اتنے مفید حاشیوں اور ضمیموں کا اضافہ کیا ہے کہ یہ ترجمہ اس وقت بابر کے حالات کے لیے بہت ہی قیمتی ماخذ بن گیا ہے، یہ ترجمہ ۱۹۲۲ء میں لوزک اینڈ کولندن کی طرف سے شائع ہوا ہے، اس سے پہلے اس کا ایک انگریزی ترجمہ ارسکن اور لیڈن نے مل کر ۱۸۲۶ء میں کیا اس کا ایک ترجمہ Pavet De Courtelle نے بھی ۱۸۷۱ء میں کیا، بابر کی تزک میں ۴-۱۵۰۳ء، پھر 1518-۱۵۰۸ء اور پھر ۲۵-۱۵۲۰ء تک کے حالات نہیں ہیں، مسز بیورج نے اپنے ترجمہ میں 1519ء-۱۵۰۸ء یعنی ۹۲۵-۹۱۴ھ کے واقعات لکھ کر تسلسل قائم رکھنے کی کوشش کی ہے، (ص ۳۶۶-۳۴۹) 1519ء یعنی ۹۲۵ھ کے واقعات آگئے ہیں لیکن ۲۵-۱۵۲۰ء یعنی ۹۳۲ھ-۹۲۶ھ کے واقعات سے تزک خالی ہے۔

ولیم ارسکن، اسٹینلی لین پول کیل ڈی کوٹ، ال اف رش بردک ولیمس، اس ام اڈورڈس، فرنتڈ گرینارڈ نے بابر پر مستقل کتابیں لکھ کر اس کو خراج عقیدت پیش کیے ہیں مثلاً ولیم ارسکن لکھتا ہے:

> "بابر ان تمام حکمرانوں میں جنھوں نے مشرق کے تخت کو زینت بخشی ایک نہایت مشہور و معروف اور قابل ذکر شہنشاہ تھا، اس کی شخصیت بڑی ہمہ گیر اور دلچسپ تھی، اس کی شخصیت میں زیادہ تر وہ تمام خوبیاں ایک جگہ جمع ہوگئی تھیں، جن کی موجودگی ایک اچھے حکمراں اور بلند ترین انسان میں ضروری ہوتی ہیں، وہ بہادر، حوصلہ مند اور پرجوش انسان تھا، اس کی شخصیت اتنی مکمل اور جاذب نظر تھی کہ وہ دوسروں کو پوری طرح مسحور کر کے ان پر حکومت کرتا

---

[1] اس تفصیل کے لیے دیکھو، مضمون فتاویٰ بابری، معارف جولائی، ۱۹۵۰ء۔

تھا، وہ بڑا سادہ مزاج، اعتماد کرنے والا اور رنس مکھ قسم کا انسان تھا، وہ تمام عمر جوان رہا اور اس کے ہر عمل سے جوانوں کی تازگی ظاہر ہوتی تھی، اس کے باوجود اس کا قلب محبت کی گرمی سے بھرا ہوا تھا، وہ اپنے دوستوں، عزیزوں اور رشتہ داروں پر جان نثار کرتا تھا، اسی طرح اس کے دل میں عالم گیر محبت اور اخوت کا سمندر موجزن تھا، وہ ہر طبقہ اور ہر قسم کے انسان کی خوشی اور رنج کی کیفیات سے بخوشی آشنا تھا، وہ حسن پرست تھا، ہر خوبصورت چیز اس کو اپنی طرف دعوت نظارہ دیتی تھی، اس نے ہر قسم کا علم بڑی دقت نظر کے ساتھ اور پوری کامیابی کے ساتھ حاصل کیا تھا، ہر قسم کی کامیابی اُس کے سمند ناز پر تازیانہ کا کام کرتی تھی، یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں ہزارہا مشکلات کے باوجود بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کیں، اس نے یہ تمام کامیابیاں خود اپنی شجاعت، بہادری اور جواں مردی سے حاصل کیں، اس سلسلہ میں بہت کم لوگ اس کی برابری کر سکتے ہیں۔

بابر کی پوری زندگی میدانِ جنگ میں گذری وہ لڑائی میں بڑا ماہر اور لڑائی کا شوقین تھا لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ امن کی زندگی سے الگ تھا، اپنی ہنگامہ خیز اور مصروف زندگی سے جب بھی فرصت کے چند لمحات میسر آتے تو وہ اسی جوش وخروش کے ساتھ اپنے ان قیمتی لمحات کو ملک کی حالت درست کرنے اور رعایا کے آرام وآسائش کے لیے عملی اقدام کرنے میں گذارتا تھا، وہ قدرتی طور پر بڑا ذہین تھا، اس لیے اسے ہر قسم کے فنون لطیفہ سے گہری دلچسپی تھی، اس میں باغبانی اور عمارتیں بنانے کا شوق بھی شامل تھا، اس نے اپنی مملکت کے بہت سے حصوں میں اپنے لیے محل تعمیر کرائے، جگہ جگہ باغات لگائے، وہ پھولوں کا عاشق تھا، ہر حسین چیز کا مداح تھا، وہ ماہر نباتات بھی تھا، اس نے چند ایسے پودے جو مختلف مقامات کے لیے بالکل نئے تھے، وہاں لگائے، جواب تک لگائے جاتے ہیں، اسے اپنی اس کامیابی پر بھی اتنی ہی خوشی ہوتی تھی جتنی کسی جنگ میں فتح حاصل کرنے پر اور سب سے زیادہ تعجب خیز چیز یہ ہے کہ وہ یہ تمام کام لڑائی، خطرات اور جنگ میں گھرے رہنے کے باوجود کرتا رہا، جب وہ زندگی کی عظیم ترین مہمات اور خطرات میں گھرا ہوتا تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے لگائے ہوئے باغوں اور تعمیرات کی رفتار ترقی معلوم کرتا ہے اور اپنے ان دوستوں، عزیزوں

اور رشتہ داروں کو یاد رکھتا ہے جن سے وہ پیار کرتا اور ان کی خیریت معلوم کرتا نظر آتا ہے۔

اس کے دوست اس کا بڑا قیمتی سرمایہ تھے اور اس نے ان کا ذکر اس انداز سے کیا ہے جس طرح اس نے خود اپنی زندگی کے واقعات پیش کیے ہیں، وہ بھی اس کی تزک کا ایک حصہ بن گئے ہیں، وہ ان کی کہاوتوں کو یاد کرتا ہے، ان کے حادثات اور ان کی بیماریوں کا ذکر کرتا ہے، ان کی زندگی کے کارناموں کو قلم بند کرتا ہے اور بعض اوقات ان کی حماقتوں کا مذاق اڑاتا ہے۔

بابر کی رنگارنگ اور دلفریب شخصیت میں کوئی چیز بھی اتنی زیادہ قابل تعریف نہیں، جتنی بابر کی عظیم الشان دوستی اور شرافت نفسی ہے، اگر تزک کے دامن پر چند ظالمانہ داغوں کے دھبے ہیں تو وہ اس عہد کی پیداوار ہیں اور اس سے بابر کی عظیم شخصیت پر کوئی حرف نہیں آتا، البتہ یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ جہاں پر بابر نے اپنے عہد سے بغاوت کرکے ہزاروں مرتبہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو ان کے بغاوت جیسے سنگین جرم میں معاف کردیا، بابر کے عہد کے تاریخ نویس کہتے ہیں کہ جب بھی اس کے کسی امیر یا بھائی نے بغاوت کی یا کوئی سازش کی تو جوں ہی اس نے بابر کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کیا، بابر نے اسے فوراً معاف کردیا، بلکہ اسے اس کے سابقہ عہدہ پر بھی بحال کردیا، خافی خاں کے بیان کے مطابق ''اس عہد کے شہنشاہوں کو مثلاً ہندوستانی عرب اور ہندوستان کے دستور کے برخلاف اس نے نہ صرف ان باغیوں کو معاف کردیا بلکہ اس کے بعد کبھی ان کے خلاف اپنے دل میں کوئی برا خیال نہ آنے دیا[1]''

اس ام اڈورڈس اپنی کتاب بابر، ڈائرسٹ اینڈ ڈسپوٹ میں لکھتا ہے:

''اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ بابر ایک حوصلہ مند آدمی تھا، وہ خود اس کا اعتراف کرتا ہے لیکن جس میں غیر معمولی ہمت اور جرأت ہوتی ہے، اس کا ایسا ہونا ضروری ہے، یہ بھی صحیح ہے کہ اس کی سزائیں بڑی ظالمانہ ہوتی تھیں اور وہ انسانی زندگی کے تقدس کا لحاظ کم یا بالکل نہ کرتا لیکن جس زمانہ میں وہ ہوا، اس کے اسپرٹ اور آداب اور ساتھ ہی ساتھ

[1] یہ ترجمہ انگریزی کتاب کے مترجم حسین انور کے اردو ترجمہ سے لیا گیا ہے، ص ۶۰-۵۵۹، ۵۵۵، ۵۵۴۔

اس کے نسلی اثرات کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے۔

بابر کی کمزوریاں خواہ کچھ بھی ہوں لیکن یہ اس کی اچھائیوں کے بارے دب کر رہ جاتی ہیں، کارلائل کے فقرے کے مطابق وہ ایک پیدائشی شریف آدمی تھا، جس کی شرافت غیر منفک تھی۔"

نپولین کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ کھلی ہوئی جگہوں کو دیکھتا تو اس کے دل میں جوش امنڈ پڑتا، وہ سمندر کی پوشیدہ آوازوں اور خالص تارے بھرے آسمان کے حسن سے متاثر ہوتا لیکن وہ فطرت کے ایسے حسن کو دیکھنا پسند نہیں کرتا جو خود مائل نہیں کرتا، پھولوں کے رنگ اور وضع سے متاثر نہیں ہوتا، پرندہ کے نغمہ سے لطف نہیں اٹھاتا، جاڑوں میں ایک درخت کے نقش و نگار کو نہیں دیکھتا اور اگر ان کی طرف نظر جاتی تو یہ کہہ کر نظر انداز کرتا کہ یہ جوانوں کے لطف لینے کی چیز ہے، یہیں پر اس میں اور بابر میں فرق پایا جاتا ہے، بابر قدرت کے آرٹ کے ادنیٰ سے ادنیٰ شاہکار کا مشاہدہ کرتا، خزاں میں پتیوں کا رنگ ہو، یا لالہ کی لالہ کاری ہو، یا خربزہ کی خوشبو ہو، یہ تمام باتیں اس کی نظر تحسین کو مائل اور اس کے جذبات میں لہریں پیدا کرتی رہتی تھیں، پھولوں سے اس کو عشق تھا اور اسی کی وجہ سے ہندوستان کے باغوں میں روش اور طرح بندی شروع ہوئی اور ہندوستانی فن میں مغلوں کا یہ عظیم ترین کارنامہ ہے۔

"بابر کی ذات میں جو سب سے قیمتی چیز تھی وہ نپولین میں نہ تھی، یعنی ایک گہرے اور سچے قسم کا اخلاص جو ایک بہادر آدمی کی اولین خصوصیت ہے، اسی وصف نے اس کو اپنی بادشاہت کے ابتدائی دور کے ہنگاموں میں بے داغ اور بے الزام بنائے رکھا، اسی بنا پر وہ نافرماں برداری اور غداری کو نظر انداز کرتا رہا، اسی خوبی کی وجہ سے وہ اپنے زمانہ اور اپنی نسل کی بدترین برائیوں سے محفوظ رہا اور اسی اچھائی کی وجہ سے اسلامی شعار سے اس نے عارضی طور پر جو انحراف کیا، اس کے لیے سچی توبہ کی اور اسی وصف کی وجہ سے وہ اپنے ساتھیوں، وسط ایشیا کے بازار کے لوگوں اور اجڈ قبیلہ والوں میں محبوب رہا، جو اس کے جھنڈے کے نیچے اس کے لیے لڑے اور ایک ایسی شان دار سلطنت کی بنیاد ڈالی جس کو اس کے پوتے اکبر نے آخری طور پر مکمل کیا۔

''بابر ایک ایسے عہد میں گذرا جس میں چارلیس پنجم، فرانسیس اول، ہنری ہشتم اور سلیمان اعظم جیسے حکمراں گذرے ہیں لیکن یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان تمام حکمرانوں میں وسط ایشیا کے صحرا کا یہ طفل سب سے بڑا اور سب سے زیادہ دلکش تھا۔'' (ص ۱۳۸-۱۴۳)

فرتنڈ گرینارڈ لکھتا ہے:

''بابر کے اوصاف کا شاہ کار یہ تھا کہ وہ اپنے لشکریوں اور ساتھ رہنے والوں کے دلوں کی تسخیر کرتا رہتا، اس میں سب سے بڑی دل آویزی یہ تھی کہ اس کو اپنے اوپر اعتماد رہتا، جو وقت کی ناسازگاری اور مسافت کی دوری کے باوجود اس میں برابر موجود رہا، وہ فیاض تھا، مہربانیاں ضرورت سے زیادہ کرتا، سخاوت قابل الزام حد تک کرتا رہتا، بڑا احساس اور شفیق تھا، وہ اپنے دوستوں سے بڑی محبت کرتا، ایک مرتبہ ایک دوست کی موت پر بہت دنوں تک بے چین رہا، اس کو اپنے دوستوں پر غرور تھا، ان کی خوبیوں پر فخر کرتا، ان کی بیش بہا خدمات کا ذکر بار بار کرتا اور اپنی فتوحات کے قیمتی سرمایہ میں ان کو شریک بناتا، اس میں تصنع نہیں تھا، اس نے ضرورت کے مطابق رسمیات کو اپنی دلآویز بے تکلفی سے ملا رکھا تھا، وہ اپنی خوش مزاجی اور بذلہ سنجی سے اپنی بدترین مصیبتوں کو آسانی سے برداشت کر لیتا، وہ تمام چیزوں سے ہنسی مذاق کر کے لطف لیتا، البتہ دو چیزوں میں ہنسی مذاق کو راہ نہ دیتا، ایک تو جب کوئی فوجی حکم صادر کرتا اور دوسرے جب فوجی ہمراہیوں میں یکجہتی کی ضرورت ہوتی، ان ہی باتوں کی وجہ سے وہ ان شورش پسند اور مشکل سے قابو میں آنے والے لوگوں کو اپنے قبضہ میں رکھتا، جو ہمیشہ بغاوت کرنے یا علاحدہ ہو جانے کے لیے تیار ہوتے، ورنہ بابر کے دل اور ذہن کی صفائی میں رحم دلی اتنی تھی کہ اس میں تند خوئی کی مطلق گنجائش نہ تھی، سفاکی سے وہ نفرت کرتا اور اس کو لڑکوں کی شر انگیزی سمجھتا، دوستوں اور حسین چیزوں سے محبت کرتا اور ان کے لیے جان تک دینے کے لیے تیار رہتا۔

اس میں ایک سچے سپہ سالار کی لچک دار سرگرمی تھی لیکن یہ لچک فولاد کی تھی، جو لوگ اس کا ساتھ دینے کو تیار نہ رہتے، ان کی مدد کو حقارت کی نظر سے دیکھتا لیکن جو اس کو دکھ پہنچاتے یا رنجیدہ کرتے ان کو فیاضی سے معاف کر دیتا اور پھر ان کے ساتھ بڑا حسن سلوک کرتا جن کو اس

کے سلوک کی ضرورت ہوتی، تیمور اور چنگیز خاں نے جو عظیم الشان لیکن فضول قسم کی ہولنا کی انجام دی، اس قسم کا الزام اس پر رکھ کر اس کی ملامت نہیں کی جا سکتی لیکن جب سختی کی ضرورت ہوتی تو اس کو عمل میں لانے میں بھی نہیں ہچکچاتا، اس نے بعض اوقات اشتعال اور ظلم کا اظہار تشدد آمیز طریقہ پر کیا، اس کے کلچر میں بڑی وسعت اور غیر معمولی حد تک نفاست تھی، اس نے اپنے ترک اور منگول آباؤ اجداد سے دلیری جرأت اور جفاکشی پائی، اس وراثت کے ساتھ اس نے ایرانیوں کی تربیت اور لیاقت کی آمیزش کردی تھی۔" (ص ۴۰، ۲۳۹)

ال، اف رش بروک ولیمس نے لکھا ہے کہ بابر مشرقی تاریخ میں سب سے زیادہ رومان خیز شخصیت ہے۔ (این امپائر بلڈر آف دی سکسٹینتھ سنچری ص ۱۹)

لین پول رقمطراز ہے کہ بابر نے غافل ہندوؤں کو منگولوں کی سرگرمیوں اور ترکوں کی ہمت اور صلاحیت کا پیام لا کر دیا۔

بابر کی موت: بابر کی موت کی تفصیل ابوالفضل نے اکبر نامہ میں یہ لکھی ہے:

"حضرت بادشاہ نے حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کو کچھ دنوں اپنے پاس رکھ کر سنبھل بھیج دیا کیوں کہ یہ ان کی جاگیر میں تھا، وہ چھ مہینے تک سنبھل میں عیش و عشرت سے رہے، یکایک ان کو بخار آ گیا اور یہ عارضہ طویل ہو گیا، حضرت بادشاہ اس جاں کاہ خبر کو سن کر بے قرار ہو گئے اور فرط محبت میں دہلی پھر وہاں سے کشتی پر آگرہ لانے کا حکم دیا، تا کہ ان کی نظر کے سامنے حاذق طبیبوں کا علاج ہو، پایہ تخت میں دانا طبیبوں کی ایک بڑی جماعت تھی، ان سے کہا گیا کہ وہ علاج سوچ رکھیں، چند دنوں میں حضرت جہاں بانی (ہمایوں) دریا کے راستے لائے گئے، معالجہ کی تمام تدبیریں کی گئیں لیکن مزاج صحت کی طرف رجوع نہ ہوا، جب مرض طویل ہو گیا تو ایک دن حضرت بادشاہ جمنا کے کنارے دانایانِ عصر کے ساتھ بیٹھے علاج کی تدبیریں سوچ رہے تھے، میر ابوالبقا بڑے افاضل روزگار میں تھے، انھوں نے عرض کیا کہ پہلے زمانہ کے عقل مندوں نے بتایا ہے کہ ایسی حالت میں جب اطبا علاج سے عاجز ہو رہے ہوں تو پھر دوسری تدبیر یہ ہے کہ بہترین چیز صدقہ میں دی جائے تا کہ درگاہِ الٰہی سے صحت ہو جائے، حضرت بادشاہ نے فرمایا کہ ہمایوں کے نزدیک میں ہی بہترین چیز ہوں اور

وہ مجھ سے زیادہ اور کوئی چیز قیمتی نہیں رکھتا ہے، میں خود ہی اس کے لیے فدا ہو جاؤں گا، ایزد جہاں آفریں قبول کریں، خواجہ خلیفہ اور دوسرے مقربانِ بساط نے عرض کیا کہ وہ (یعنی ہمایوں) عنایت الٰہی سے جلد شفا پا جائیں گے اور آپ کے سایۂ دولت میں اپنی طبعی عمر کو پہنچیں گے، ایسی بات اپنی زبان اقدس پر نہ لائیں، پہلے زمانہ کے بزرگوں نے جو کچھ کہا ہے اس کے نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بہترین مال تصدق کیا جائے، وہ بیش قیمت ہیرا جو غیبی طور پر ابراہیم کی جنگ میں ہاتھ آ گیا ہے اور جس کو آپ نے ان (ہمایوں) کو دے دیا ہے وہی صدقہ کر دینا چاہیے، فرمایا مال دنیا کیا وقعت رکھتا ہے، جو ہمایوں کا بدلہ ہو سکے، اپنے کو میں فدا کرتا ہوں کہ اس پر سخت وقت آ پڑا ہے، اب میری طاقت سے باہر ہے کہ اس کی بے چینی کو دیکھوں، اس کے بعد وہ خلوت مناجات میں گئے اور خاص عبادت کی جو ایسے پاک طبقہ والوں کے لیے مناسب ہوتی ہے اور تین بار حضرت جہاں بانی جنت آشیانی (ہمایوں) کے گرد چکر لگایا، جب ان کی دعاؤں کو اجابت کی عزت حاصل ہوگئی تو انھوں نے گرانی محسوس کی اور فرمایا، برداشتیم، برداشتیم، فوراً ان کو عجیب قسم کا بخار آ گیا اور حضرت جہاں بانی (ہمایوں) کے مرض میں کمی ہونے لگی اور تھوڑی مدت میں صحت کامل ہوگئی اور حضرت بادشاہ کی بیماری روز بروز بڑھتی گئی اور اختلال مزاج زیادہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ رحلت کے آثار ظاہر ہونے لگے، دل بیدار اور باطن حقیقت میں ارکان دولت اور اعیان دولت کو جمع کیا اور دست ہمایونی پر بیعت خلافت لے کر ان کو اپنی جانشینی اور ولیعہدی کے لیے مقرر فرمایا اور تخت پر بٹھا کر خود سریر خلافت کے پایہ کے پاس صاحب فراش ہو گئے۔" (ص ۱۱۸، ۱۱۶)

مذکورۂ بالا روایت کو ایشیاٹک سوسائٹی جرنل اور کلکتہ ریویو کے ایک مقالہ نگار نے ابوالفضل کا محض ذہنی اختراع قرار دیا ہے، چنانچہ اس کو جھوٹ ثابت کرنے کے لیے اس نے جو دلیلیں قائم کی ہیں وہ بھی ملاحظہ ہوں۔

"ہمایوں نومبر ۱۵۲۹ء میں کالنجر بھیج دیا گیا، جہاں وہ چھ مہینہ رہا، اس کے فوراً ہی بعد شاید اپریل ۱۵۳۰ء میں وہ بیمار پڑا، جب اس کی علالت تشویش ناک ہوگئی تو وہ دریا کی راہ سے آگرہ لایا گیا، یہاں اطبا نے ہر طرح کا علاج کیا لیکن بے سود ثابت ہوا، ہمایوں کی

حالت نازک ہوگئی، تو بابر گھبرایا، شہزادہ کی صحت کے لیے دوا کے علاوہ اور بھی تدبیریں سوچی گئیں، میر ابوالبقا نے جو اس عہد کے برگزیدہ ولی تھے، ہمایوں کے نام سے ایک قیمتی چیز صدقہ کرنے کا مشورہ دیا کہ شاید قسمت سے ہمایوں شفا پا جائے، کسی نے ڈرتے ڈرتے کوہ نور جس کی قیمت دنیا کے نصف روزانہ اخراجات کے برابر، تھی خدا کی راہ میں دے دینے کے لیے کہا لیکن بابر کی رومان پسند طبیعت نے اس کو پسند نہیں کیا، اس نے اس چیز کو قربان کرنا چاہا جو اس کو سب سے زیادہ محبوب تھی، یعنی اپنی جان کو اس نے سونچا کہ جان کے عوض میں جان ہی دے کر ہمایوں کو موت کے پنجے سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے، بعض درباریوں نے بیٹے کے ساتھ اتنی شدید محبت اور شفقت کا اظہار کرنے سے روکنا چاہا، بابر ابھی کل ۴۷ سال کا تھا، اس نے ہندوستان میں صرف چار سال تک بادشاہت کی تھی، مغلوں کی حکومت گو وسیع ہوگئی تھی لیکن ابھی مستحکم نہیں ہونے پائی تھی، اس کی موت سے مغلوں کے لیے مختلف مسائل کے پیدا ہو جانے کا خطرہ تھا، ہمایوں بابر کا کوئی اکلوتا لڑکا نہ تھا، اس کے کئی لڑکے تھے جو ہمایوں کی طرح اس کے جانشین ہو سکتے تھے، اس کے علاوہ کیا بابر کو امید تھی کہ اس کی دعا قبول ہو جائے گی؟ یہ تو ایک معجزہ کے ظہور ہونے کی امید کرنا تھا، گو دعا مانگنے کے معنی معجزے کا ظہور ہی ہوتا ہے لیکن بابر میں کوئی معجزے کی قوت تو تھی نہیں، اس سے قبل وہ کنواہا کی جنگ کے موقع پر اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے تائید الٰہی کا خواہاں ہوا تھا لیکن ہمایوں کے لیے جان دینا تو محض اس کی رومان پسند فطرت کا اقتضا تھا، اپنی ایک علالت کے موقع پر بھی اس نے قسم کھائی تھی، کہ شعر و شاعری کی آلودگیوں کو ترک کر دے گا اور اس کے بدلے مذہبی رموز و نکات میں اپنے کو مشغول رکھے گا، ممکن ہے بابر کو یقین ہو کہ ایک باپ کی شدید محبت کے اظہار سے خدا اس کے لڑکے کی جان بچالے گا، یا ممکن ہے کہ ہمایوں کی زندگی سے مایوس ہو کر اس نے محبت میں ایسا کر لیا ہو لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کو سچ مچ یقین تھا کہ قسام ازل اس کی بات کو منظور کر ہی لے گا اور وہ محض ہمایوں کی خاطر قبل از وقت مر گیا، گلبدن بیگم کے بیان سے تو یہ مشکوک ہے کہ بابر کو واقعی اس قسم کا کوئی یقین پیدا ہو گیا تھا۔"

بابر نے محض جذبات سے متاثر ہو کر بیٹے کی محبت میں اتنا رومانی طریقہ اختیار کیا، ا

یک دن قبل وہ علیؒ سے ہمایوں کی جاں بخشی کا خواہاں ہوا تھا اور اب وہ ہمایوں کے گرد گھوما اور دعا کی کہ اے خدا! اگر جان کے عوض میں جان بدلی جاسکتی ہے تو میں (بابر) اپنی زندگی اور عمر کے بقیہ سال ہمایوں کو دیتا ہوں" یہ کہنے کے بعد بابر فوراً ہی نہیں بلکہ اس روز کے کسی وقت میں ہمایوں اس لائق ہوگیا کہ غسل صحت کرے اور زنانخانے سے باہر آجائے لیکن بابر کی مسلسل دعا اور جذباتی ہیجان جو اس پر گذرا، اس کے لیے سخت ثابت ہوا، وہ علیل ہوگیا اور اسے حرم کے اندر لے جایا گیا۔

بابر کی یہ علالت سخت نہیں رہی، وہ جلد اچھا ہوگیا اور کام بھی کرنے لگا، اس کی علالت سے اتنی کم تشویش باقی رہ گئی کہ ہمایوں سنبھل چلا گیا۔

لیکن ہمایوں جب سنبھل میں تھا تو بابر جولائی ۱۵۳۰ء میں پھر علیل ہوگیا، اس کا مرض بڑھا تو بھی ہمایوں کو اس کی علالت سے بے خبر رکھا گیا، امیر نظام الدین خلیفہ ہمایوں کی جانشینی نہیں چاہتا تھا، اس لیے موقع پاکر مہدی خواجہ کو بادشاہ بنادیا۔

ہمایوں جلد از جلد سنبھل سے آگرہ پہنچا، باپ کی حالت دیکھ کر بہت متعجب ہوا اور چلایا "میں نے تو ان کو اچھا چھوڑا تھا، پھر یکا یک یہ کیا ہوا" اس کے بعد بابر کچھ اچھا ہوگیا، چنانچہ اس نے دو شہزادیوں کی شادی کرنے کا حکم دیا لیکن بابر کی علالت پھر تشویش ناک ہوگئی، ہمایوں نے ایک طبی مجلس منعقد کی اور باپ کی بڑھتی ہوئی تکلیف کو دور کرنا چاہا، مشورے ہوتے رہے، آخر میں اطبا نے یہ کہا کہ بابر کا مرض اس زہر کا نتیجہ ہے جو چند سال قبل ابراہیم لودی کی ماں نے ان کو دیا تھا، چنانچہ طبیبوں نے اس مرض کے علاج سے اپنی مجبوری ظاہر کی، بابر نے ہمایوں کو اپنا جانشین مقرر کیا اور تین دن بعد بروز دوشنبہ تاریخ ۲۵ر دسمبر ۱۵۳۰ء کو انتقال کرگیا۔

"مندرجۂ بالا واقعات کی سادہ تفصیل سے یہ بات کہیں سے ظاہر نہیں ہوتی ہے کہ ہمایوں کے بستر علالت کے قریب کوئی معجزہ ظاہر ہوا، بابر کو یہ امید بالکل نہیں تھی کہ اس کی دعا مقبول ہوگئی، گلبدن نے تو محض اس کو مشروط لکھا ہے، گرچہ بابر اسی روز علیل ہوا اور محل کے اندر لے جایا گیا لیکن وہ پھر بہت جلد اچھا ہوگیا، اگر بابر علیل رہتا تو ہمایوں آگرہ چھوڑ کر سنبھل نہ جاتا، یہی نہیں بلکہ ہمایوں جب آگرہ واپس آیا تو اس نے شکایت کی کہ اس کی غیر

موجودگی میں بابر پھر کیسے علیل ہوا، گلبدن بیگم کے بیان سے ظاہر ہے کہ ہمایوں کی واپسی کے بعد بابر ایک ہفتہ سے زیادہ زندہ نہیں رہا، پھر امیر خلیفہ ایک دوسرے شخص کی تخت نشینی کے لیے کوشاں تھا، تو یہ بات قابل قبول نہیں معلوم ہوتی ہے کہ ہمایوں کی ماں اس کو بابر کی علالت سے بے خبر رکھتی، خصوصاً جب یہ نازک ہو رہی تھی، لہٰذا یہ ظاہر ہے کہ اس کی علالت ہمایوں کی آمد سے صرف دس روز قبل تشویش ناک ہوئی اور اس کی سخت علالت دسمبر کے دوسرے ہفتہ سے شروع ہوئی، یہ بات تاریخ خاندانِ تیموریہ سے بھی پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے، جس میں بابر کی علالت کی تاریخ رجب لکھی ہوئی ہے، رجب میں تو بابر کے مرے دو مہینے ہو چکے تھے، رجب غلطی سے ربیع الثانی کے بجائے لکھ گیا ہے، چنانچہ اس لحاظ سے بابر کی سخت علالت کی تاریخ یا تو نومبر کا آخر یا دسمبر کا آغاز ہے۔

احمد یادگار کی تاریخ سے واضح ہے کہ بابر کی علالت ہمایوں کی صحت یابی کے فوراً ہی بعد نہیں، بلکہ ہمایوں کے سنبھل جانے کے دو تین مہینے کے بعد شروع ہوئی، گلبدن بیگم کا بیان ہے کہ بابر دو تین مہینے تک بیمار رہا، تو اس لحاظ سے وہ اکتوبر ۱۵۳۰ء میں علیل ہوا۔

پھر بابر کے اطبا نے اس کی علالت کا سلسلہ اس کے ایثار اور قربانی سے ظاہر نہیں کیا، وہ بابر کی طرح اس کی بیماری کو خدا کی خوشنودی اور رضامندی سے تعبیر کر سکتے تھے لیکن انھوں نے ہمایوں سے یہ کہا کہ بابر کا مرض زہر کا نتیجہ ہے۔

مرزا محمد حیدر، عبدالقادر بدایونی، نظام الدین احمد اور فرشتہ اس باب میں بالکل خاموش ہیں، ان کی خاموشی معنی خیز ہے۔

اس لیے ابوالفضل کا بیان کہ بابر نے ہمایوں کی خاطر جان دی، محض اس کا ذہنی اختراع ہے، جس کو یقین کرنے کے لیے کوئی وجہ نہیں ....[1]

فاضل مقالہ نگار نے مذکورۂ بالا نتیجہ دس سال کے غور و فکر کے بعد نکالا ہے، اس کا پہلا مضمون ایشیاٹک جرنل میں ۱۹۲۶ء میں نکلا تھا، اسی کو از سر نو ترتیب دے کر اور معلومات میں مزید اضافہ کر کے ستمبر ۱۹۳۶ء کے کلکتہ ریویو میں شائع کیا ہے، سوال یہ ہے کہ بابر محض فطری موت مرا یا

---

[1] کلکتہ ریویو، ستمبر ۱۹۳۶ء۔

اپنی روحانیت کی قوت سے یا اپنے محبوب بیٹے کی شفقت میں قربان ہو کر مرا، تو اس کے واضح اور نہ واضح ہونے سے تیموریوں کی تاریخ کے واقعات کی ترتیب میں کون سی کمی یا زیادتی ہو گئی یا ان کی تہذیب اور معاشرت میں کس چیز کا اضافہ یا فقدان ہو گیا، جس کے لیے تحقیق و تدقیق میں عمر کی ایک کافی مدت خرچ کی جائے، البتہ ایک باپ بیٹے کے قلبی تعلقات کے پرکیف جذبہ میں انتشار پیدا کرنا مقصود ہو تو پھر ہر قسم کی ذہنی کاوش جائز ہو سکتی ہے۔

مضمون ہذا کے پہلے حصہ میں مضمون نگار کو بابر کی علالت اور موت کے واقعات کی ترتیب میں بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے، اسی لیے کچھ ژولیدہ بیانی آ گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ موصوف کے معلومات کا ماخذ گلبدن بیگم کا ہمایوں نامہ ہے لیکن اس میں کچھ تفصیلات ایسی ہیں جن کے اقرار یا انکار سے اس کے مقصد کی کوئی تکمیل نہیں ہوتی ہے، پھر بھی وہ اپنی مسرت کا اظہار کرتا ہے، کہ اسی ہمایوں نامہ کے ذریعہ سے بابر کی موت کی مشہور روایت کی تکذیب ہو جاتی ہے، اب ہمایوں نامہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

"اس اثنا میں دہلی سے مولانا محمد فرغلی کا ایک عریضہ آیا جس میں لکھا تھا کہ ہمایوں مرزا بیمار ہیں، ان کا عجیب حال ہو گیا ہے، اس خبر کو سن کر حضرت بیگم فوراً دہلی آ جائیں، کہ مرزا بہت بے قرار ہیں، یہ خبر سن کر حضرت آکام بہت بے چین ہو گئیں، اس طرح جیسے پانی کے بغیر کوئی پیاسا ہو، وہ دہلی روانہ ہو گئیں، دونوں کی ملاقات متھرا میں ہو گئی، جیسا کہ سنا تھا، اس سے دس گنا زیادہ ہمایوں مرزا کمزور اور مجہول نظر آئے، وہاں سے دونوں یعنی ماں اور بیٹے مریمؑ اور عیسیٰؑ کی طرح آگرہ کی طرف روانہ ہوئے اور جب وہ آگرہ پہنچے تو یہ حقیرہ اپنی بہنوں کے ساتھ حضرت فرشتہ خصال کی خدمت میں حاضر ہوئی، وہ زیادہ سے زیادہ کمزور ہو رہے تھے، اس پر بھی جب بیہوشی سے ہوش میں آ جاتے تو اپنی زبان درفشاں سے ہم لوگوں کے بارے میں پوچھتے اور فرماتے بہنو! خوش آمدید!! آؤ تم کو گلے لگائیں، اب تک تم کو گلے نہیں لگایا، تین مرتبہ سر اٹھا کر اپنی زبان گوہر افشاں سے یہی کہہ کر سرفراز کیا اور جب حضرت بادشاہ آئے اور انھوں نے بیماری کا حال معلوم کیا اور ان کو دیکھا تو ان کا چہرۂ نور افشاں کلفت سے بھر گیا اور ان پر رقت طاری ہو گئی اور زیادہ سے زیادہ پریشانی ظاہر کرنے لگے، اس اثنا

میں حضرت آکام نے کہا آپ میرے لڑکے سے غافل ہیں، آپ کو کیا غم ہے، آپ کے تو اور دوسرے لڑکے بھی ہیں، مجھ کو غم ہے کہ یہ میرا اکلوتا ہے، حضرت بادشاہ نے جواب دیا، ماہم! اگر چہ میرے اور بھی لڑکے ہیں لیکن کسی کو تمہارے ہمایوں کے برابر محبوب نہیں رکھتا ہوں، یہ سلطنت، یہ بادشاہی اور یہ روشن دنیا صرف اس یگانۂ جہاں نادرۂ دور اور کامگار برخوردار فرزند دل بند ہمایوں کے لیے چاہتا ہوں نہ کہ دوسروں کے لیے۔

جب تک وہ بیمار رہے، حضرت بادشاہ ان کے گرد چکر لگا کر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو نگاہ کے سامنے رکھتے، یہ چکر بدھ کے دن تک لگاتے رہے اور منگل ہی سے ان پر اضطراب و بے طاقتی ظاہر ہونے لگی، ہوا بہت گرم تھی، ان کے دل وجگر جلنے لگے اور چکر لگاتے وقت دعا کرتے کہ اے خدا!! اگر جان کے بدلے جان بدلی جاسکتی ہے تو میں بابر اپنی عمر اور جان ہمایوں کو دے دیتا ہوں، انہی دنوں حضرت فردوس مکانی بیمار پڑے اور ہمایوں بادشاہ نے غسل کیا اور باہر آکر دربار کیا، میرے حضرت بادشاہ بابا کو بیماری کی وجہ سے اندر لے جایا گیا۔" (ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم، مرتبہ مسز بیورج ص ۲۳)

ہمایوں نامہ کی اس عبارت اور اکبر نامہ کے بیان میں کچھ معنوی حیثیت سے زیادہ اختلاف نہیں، فاضل مضمون نگار کو بھی اپنے مضمون کی ابتدا میں اس سے انکار نہیں ہے کہ بابر ہمایوں کی علالت سے متاثر ہو کر اس کے گرد گھوما، خدا کی بارگاہ میں گڑگڑایا اور پھر اسی روز بیمار ہوا، مگر مقالہ نگار نے اپنے مضمون کے آخری حصہ میں ہمایوں نامہ کو چھوڑ کر ایک دوسری تاریخ کا سہارا لیا ہے اور وہ رقمطراز ہیں کہ بابر کی علالت ہمایوں کی صحت یابی کے فوراً ہی بعد نہیں بلکہ ہمایوں کے سنبھل جانے کے دو تین مہینے کے بعد شروع ہوئی، اس کے لیے ان کا ماخذ احمد یادگار کی تاریخ سلاطین افاغنہ ہے، اب اس کی عبارت ملاحظہ ہو:

"اس کے بعد بادشاہ آگرہ کی طرف روانہ ہوا، یہاں سے محمد ہمایوں شاہزادہ کو ایک بھاری لشکر کے ساتھ صوبہ سنبھل بھیجا اور اس کو اپنا ولی عہد بنایا اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ جاڑے کی ایک رات میں بادشاہ نے شراب کا پیالہ نوش جان کر کے محمد ہمایوں مرزا کو کسی کام کے لیے طلب کیا، جب یہ نونہال شاہی بادشاہ کے سامنے آیا تو وہ نشہ میں تھا، اس لیے وہ تکیہ پر

سر رکھ کر سو گیا، شاہزادہ اسی طرح دست بستہ کھڑا رہا، بادشاہ نے آنکھ کھولنے کے بعد دیکھا تو فرمایا، تم کب آئے، عرض کیا جب آپ نے یاد فرمایا تھا، بادشاہ کو یاد آیا تو بہت خوش ہوا، فرمایا، اگر خداوند تعالیٰ تم کو تخت وتاج دے، تو اپنے بھائیوں کو قتل کرنے سے اغماض کرنا، شاہزادہ نے اپنا سر زمین پر رکھا اور منظور کر لیا، یہی وجہ تھی کہ میرزا کامران، میرزا عسکری اور میرزا ہندال نے سیکڑوں مرتبہ بے ادبی کی اور لڑائی بھی لڑے اور جب ان پر فتح ہوئی تو ان کے ناشائستہ افعال کو نظر انداز کر دیا گیا اور جب وہ سامنے آئے تو ان کے ساتھ سیکڑوں مہربانیاں کی گئیں اور انھوں نے جو کچھ کیا ان کو ان کے سامنے یاد نہیں دلایا گیا، ہمایوں میرزا کو بھاری لشکر کے ساتھ سنبھل بھیجا گیا، دو تین مہینہ کے بعد حضرت بادشاہ کے بدن پر بیماری ظاہر ہوئی، دریا کے کنارے جو باغ تھا، اس میں لے جایا گیا، امیر نظام الدین نے بادشاہت کا کاروبار جاری رکھا، جب بیماری روز بروز بڑھتی گئی تو بادشاہ کے دل میں یہ بات آئی کہ ایسی فکر کرنی چاہیے کہ یہ صاحب قراں ہی کا ملک رہے، کسی اور کے پاس نہ جائے، اس لیے اپنے گذشتہ انتخاب کی تصدیق کی، حضرت بادشاہ کی بیماری بڑھتی گئی اور وہ ۹۳۷ھ میں آگرہ میں اس جہان فانی سے بہشت جاودانی اور اس گلشن خار سے جنت گلزار کو سدھارے۔"

اس عبارت میں شروع سے آخر تک جو غلط بیانیاں ہیں وہ ایک حقیقت بیں مورخ پر ظاہر ہیں، الیٹ نے اس کتاب اور مذکورۂ بالا عبارت پر خصوصاً جو اپنی رائے لکھی ہے وہ لائق توجہ ہے:

"احمد یادگار کو عجیب وغریب اور مضحکہ خیز قصے لکھنے میں بڑی دلچسپی ہوتی ہے لیکن وہ تاریخ (سنین) لکھنے میں کم توجہ کرتا ہے، اس نے بہت ہی کم سنین لکھے ہیں اور ہمایوں کی موت کے مستند واقعہ کے بیان میں تو وہ بالکل غلط ہے[1]۔"

احمد یادگار نے اپنی کتاب بابر کی وفات کے کم از کم چھیالیس سینتالیس برس بعد لکھی ہے، اب ظاہر ہے کہ احمد یادگار خصوصاً گلبدن بیگم (بابر کی بیٹی اور ہمایوں کی بہن) کی موجودگی میں زیادہ مستند قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

---

[1] الیٹ، جلد ۵، ص ۲۔

مقالہ نگار نے گلبدن بیگم کی روایت کو کہیں جھوٹی دکھانے کی کوشش نہیں کی ہے، اس روایت سے اس کو اختلاف اگر کچھ ہے تو یہ کہ بابر نے جو کچھ کرامت دکھانے کی خاطر نہیں کیا بلکہ محض ہیجانی کیفیت میں ایک رومانی طریقہ اختیار کیا اور پھر یہ کہ وہ اس روز علیل ضرور ہوا لیکن پھر اچھا ہوا اور پھر بیمار پڑ کر مر گیا۔

تو یہ اکبرنامہ کی عبارت سے کب ظاہر ہے کہ بابر سے معجزہ صادر ہوا، بابر کوئی پیغمبر کوئی ولی یا کوئی خدا رسیدہ بزرگ نہ تھا، جو اس سے کرامت یا معجزہ ظاہر ہوتا، بیٹے کی محبت میں سرشار ہو کر اور اس کی تشویش ناک علالت سے گھبرا کر اس نے خدائے قدوس کی بارگاہ میں دعائیں کیں اور اپنی محبوب ترین اولاد[1] کے لیے بطور صدقہ بارگاہ ایزدی میں اپنی جان پیش کی، اب اس کو نفسیاتی قوتِ تاثیر سمجھئے، یا ایک مضطرب دل کی سچی دعا کہ ادھر منہ سے نکلی اور ادھر قبول ہوئی، اسی وقت وہ بیمار پڑا اور ہمایوں اچھا ہونے لگا، یہاں تک کہ وہ بالکل تندرست ہو گیا اور بابر نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

نفسیاتی قوت تاثیر جو شدت یقین کا نتیجہ ہے، آج مسمرازم اور روحانیت کی تاثیر کی عینی شہادت بن گئی ہے، واقعہ واقعہ ہے، اب مادہ پرستی کے دور میں جس کا جی چاہے جس تاویل و تشریح سے اپنی تسکین کر لے۔

---

[1] فاضل مضمون نگار کو اس میں شک ہے کہ ہمایوں بابر کا سب سے زیادہ چہیتا لڑکا تھا، اسی لیے وہ کہتا ہے کہ اس کے کئی لڑکے تھے، جو ہمایوں کی طرح اس کے جانشین ہو سکتے تھے لیکن ہمایوں نامہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

"اور جب حضرت بادشاہ آئے اور انہوں نے بیماری کا حال معلوم کیا اور ان کو دیکھا تو ان کا چہرہ نور افشاں کلفت سے بھر گیا اور ان پر رقت طاری ہو گئی اور زیادہ سے زیادہ پریشانی ظاہر کرنے لگے، اس اثنا میں حضرت آکام نے کہا، آپ میرے لڑکے سے غافل ہیں، آپ بادشاہ ہیں، آپ کو کیا غم ہے؟ آپ کے تو اور دوسرے لڑکے بھی ہیں، مجھ کو غم ہے کہ یہ میرا اکلوتا لڑکا ہے، حضرت بادشاہ نے جواب دیا، ماہم! اگر چہ میرے اور بھی لڑکے ہیں لیکن کسی کو تمہارے ہمایوں کے برابر محبوب نہیں رکھتا ہوں، یہ سلطنت، یہ بادشاہی اور یہ روشن دنیا صرف اسی یگانہ جہاں، نادرہ دوراں اور کامگار برخوردار و فرزند دلبند ہمایوں کے لیے چاہتا ہوں، نہ کہ دوسروں کے لیے۔"

اب رہا یہ سوال کہ بابر اس دعا کے فوراً ہی بعد اس دنیا سے چل بسا یا پھر صحت یاب ہو کر مرا، اکبر نامہ کی عبارت سے یہ ظاہر نہیں کہ بابر دعا مانگنے کے ساتھ ہی مر گیا، اگر ایسا ہوتا تو قدرتِ خداوندی کا ایک غیر معمولی مظاہرہ ہوتا، جس کو ہم بابر کی کرامت کہہ سکتے تھے، ابوالفضل کے بیان سے تو صاف واضح ہے کہ وہ کچھ مدت تک بیمار رہا لیکن اس کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی، اکبر نامہ کی عبارت پھر ملاحظہ ہو:

"وہ ذات معلیٰ صفات حضرت گیتی ستانی فردوس مکانی زبان گراں تر می شد تا بہ حدے رسید کہ اختلال در مزاج تزاید و تضاعف گرفت، و امارات رحلت و انتقال از وجنات حال ہویدا گشت۔"

بابر کی علالت کئی مہینے تک جاری رہی، مگر ہمارے فاضل مضمون نگار نے یہ لکھا ہے کہ بابر کی یہ علالت سخت نہیں رہی، وہ جلد اچھا ہو گیا اور کام بھی کرنے لگا اور اس کی علالت سے اتنی کم تشویش باقی رہ گئی کہ ہمایوں سنبھل چلا گیا لیکن یہ کسی تاریخ سے پتہ نہیں چلتا کہ بابر اس علالت سے شفایاب ہو گیا، مقالہ نگار نے محض قیاس سے کام لیا ہے کہ اگر بابر کی علالت تشویش ناک ہوتی تو اس کو چھوڑ کر ہمایوں سنبھل نہیں جاتا اور اپنے قیاس کی بنیاد کو اس سے مستحکم بنانے کی کوشش کی ہے کہ جب ہمایوں بابر کے دم واپسیں کی خبر پا کر آگرہ لوٹا تو اس کو دیکھ کر چلایا:

"من ایشاں را تندراست گذاشتہ رفتہ بودم، یکبارگی چہ شدہ[1]۔"

ہمایوں باپ کو چھوڑ کر سنبھل ضرور گیا مگر یہ بالکل بیجا قیاس ہی ہے کہ بابر اچھا ہو گیا تو ہمایوں گیا، کیونکہ ہمایوں نامہ میں صاف درج ہے:

"قریب دو سہ ماہ صاحب فراش بودند، و میرزا ہمایوں بجانب کالنجر رفتہ بود[2]۔"

ہمایوں قریب تین مہینے باپ کے بستر علالت کے پاس رہا، اس سے زیادہ رہنا ملک گیری اور حکم رانی کے سراسر منافی تھا، ایک ایسے ملک میں جو ابھی ابھی فتح ہوا تھا اور جس کے اطراف و جوانب دشمنوں سے غیر مامون تھے، ایک مدت تک باپ کا بیمار اور بیٹے کا تیماردار رہنا کہاں تک عقل و ہوش مندی کے مطابق ہوتا، چنانچہ بابر نے خود ہمایوں کو کالنجر بھیج دیا، فرشتہ

---

[1] ہمایوں نامہ، ص ۲۴ [2] ہمایوں نامہ، ص ۲۴۔

میں ہے:

"تا آنکہ از حیات مایوس شدہ، شہزادہ محمد ہمایوں را کہ بہ تسخیر قلعہ کالنجر تعین کردہ بود طلب نمودہ قائم مقام خود گردانید[1]"

ہمایوں بابر کو چھوڑ کر سنبھل گیا تو اس کی حالت بہت زیادہ تشویش ناک نہ تھی لیکن واپس آیا تو اس کے شفیق اور محبوب باپ کو سب رونے کے لیے تیار تھے، اضطراب اور بے چینی میں فطری طور پر ایسے موقع پر جو کہنا چاہیے تھا، وہی اس نے کہا۔

مضمون نگار کا خیال ہے کہ اس نازک حالت کے بعد بھی بابر اچھا ہو گیا، چنانچہ اس نے اپنی دو لڑکیوں کی شادی خانہ آبادی کے رسوم بھی ادا کیے، مگر گلبدن بیگم کے ہمایوں نامہ کی اصل عبارت یہ ہے:

"دور حین بیماری حکم کردند یا کام کہ گلرنگ و گلچہرہ بیگم را کد خدا باید کرد[2]"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ بابر نے اپنی عین علالت کے زمانہ میں شہزادیوں کی شادی انجام دی، وہ جانتا تھا کہ وہ چند دنوں کا مہمان ہے، اس لیے اپنے لخت ہائے جگر کی تقریب شادی اپنی آنکھوں سے انجام ہوتی دیکھ کر شاید مطمئن مرنا چاہتا تھا، ورنہ بستر علالت پر دراز ہو کر لڑکیوں کی شادی کرنے کے کیا معنی تھے؟

مضمون نگار نے ایک سوال یہ پیدا کیا ہے کہ امیر خلیفہ ہمایوں کے خلاف ایک دوسرے شخص کو تخت بابری کا وارث بنانے کی کوشش کر رہا تھا، تو ہمایوں کی ماں نے اس کو سنبھل سے کیوں نہیں بلایا، خصوصاً جب بابر کی حالت نازک ہو رہی تھی، امیر خلیفہ کی سازش باضابطہ عمل میں نہیں آئی، اس کا خیال تھا کہ خواجہ مہدی کو اپنا آلہ کار بنائے، مگر یہ محض خیال ہی رہا اور وہ بہت جلد اس سے باز آ گیا، اسی اثنا میں بابر کی حالت نازک ہو رہی تھی، چنانچہ جیسا کہ طبقات اکبری میں لکھا ہے، امیر خلیفہ نے خود

"بہ سرعت تمام کس بطلب محمد ہمایوں میرزا فرستاد[3]"

---

[1] تاریخ فرشتہ، ص ۲۱۰، نول کشور پریس [2] ہمایوں نامہ، ص ۲۴ [3] تفصیل کے لیے دیکھو، طبقات اکبری، جلد دوم، ص ۲۹-۲۸ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی۔

لیکن گلبدن بیگم کے بیان کے مطابق خود بابر نے ہمایوں کو بلا بھیجا:

"میرزا ہمایوں بجانب کالنجر رفتہ بودند، چوں تشویش حضرت بادشاہ بیشتر شد بطلب حضرت ہمایوں بادشاہ کس فرستادند۔"

ہمایوں کو اس موقع پر آنا چاہیے تھا اور آیا، یہ سوال ہی باقی نہیں رہتا کہ اس کی ماں نے کیوں نہیں بلایا؟

اب ہمایوں نامہ کے اس حصہ کی عبارت پر عمیق نظر ڈالنے کی کوشش کیجئے، جس کی بنا پر ہمارے فاضل مضمون نگار کا خیال ہے کہ وہ ایک ایسی حقیقت کا انکشاف کر رہا ہے، جس سے صدیوں کی مسلم روایت محض کذب وافترا کی داستان بن جاتی ہے اور اس سے وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ بابر اس زہر کے اثر سے مرا جو ابراہیم لودی کی ماں نے اس کو دیا تھا، ہمایوں سنبھل سے واپس آتا ہے، باپ کی نازک حالت دیکھ کر غیر معمولی طور پر متاثر ہو جاتا ہے، خدمت گاروں سے علالت کے متعلق استفسارات کرتا ہے، وہ خاموش رہتے ہیں تو طبیبوں کو بلاتا ہے، ان سے مرض کی شدت اور نوعیت کے بارے میں پوچھتا ہے لیکن وہ کچھ نہیں بتاتے ہیں۔

"حکما و اطبا چیز مائے گفتند[1]"

بابر کی علالت اور بھی زیادہ نازک ہو جاتی ہے، ہمایوں بے چین اور پریشان ہو کر پھر طبیبوں کو اپنے حضور میں طلب کرتا ہے لیکن وہ پھر کوئی معقول جواب دے کر اس کو مطمئن کرتے ہیں:

"اطبا و حکما را طلبید و گفتند نیک ملاحظہ کردہ علاج تشویش حضرت نمایند، اطبا و حکما جمع شدہ گفتند کہ کم طالیہ مایان است کہ داروی کارگر نمی شود، امید داریم از حضرت حق سبحانہ کہ از خزانہ غیب کہ شفائے عاجل عطا کند۔"

ایک بار پھر ہمایوں کا اضطراب بڑھتا ہے، وہ پھر طبیبوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس بار وہ ہمایوں سے کہتے ہیں کہ یہ علالت اس زہر کا نتیجہ ہے، جو ابراہیم کی ماں نے دیا تھا:

---

[1] مسز بیورج نے اس جملہ کا جو انگریزی ترجمہ کیا ہے وہ ملاحظہ ہو: They said this and that in reply۔

"اطبا بعرض رسانیدند کہ علامت ہماں زہر است کہ والدۂ سلطان ابراہیم دادہ بود۔"

گلبدن بیگم نے طبیبوں کی رائے کا محض حوالہ دیا ہے اور اس زہر دینے کے واقعہ کی طرف اشارہ کر کے وہ دوسرے واقعات کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے، اگر اس رائے میں کچھ اصلیت ہوتی تو بابر کے مرض کی تشخیص میں طبیبوں کی بیچارگی اور عاجزی کا اظہار بار بار نہیں کرتی اور اگر بابر کی موت اسی زہر کے اثر سے ہوئی تو اس کو اس واقعہ کو درج کرنے کی کیا ضرورت تھی، جس سے بابر کی دعا اور ایثار سے حسن عقیدت خواہ مخواہ پیدا ہو جاتا ہے اور پھر چار برس کے بعد[1] اس زہر کا مہلک ہونا اور اس کی تشخیص بابر کی کئی مہینوں کی علالت کے درمیان میں نہیں، بلکہ ٹھیک موت کے قبل کرنا، ایک زود اعتقاد عورت کی دلچسپی کا تو سامان ہو سکتا ہے، مگر ایک مورخ کا اس کو تسلیم کر لینا اس کی فرض شناسی اور بصیرت کی دلیل نہیں بن سکتا، یہ واقعہ تو ایسا تھا کہ افغانوں اور لودیوں کے خلاف نفرت اور اشتعال پیدا کرنے کی خاطر تیموری دربار اور اس عہد کا ہر مورخ اس کی طرف اشارہ کرتا، مگر گلبدن بیگم کے ایک خفیف سے اشارہ کے علاوہ کسی اور تاریخ میں اس کا ذکر مطلق نہیں پایا جاتا ہے۔

شکر ہے کہ ہمارے مضمون نگار کی دوررس نگاہیں اور دور تک نہیں پہنچیں، ورنہ ایک یورپین مورخ نے تو بڑی باریک بینی سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بابر کی موت اس زہر سے ہوئی جو ہمایوں نے خود اس کو دیا، اس کی چند سطریں ملاحظہ ہوں۔

"بابر کو زہر دیا گیا، گلبدن بیگم صاف لکھتی ہے کہ یہ رائے ان اطبا کی تھی جو بادشاہ کے پاس آخر وقت میں موجود رہے، ایک آدمی اس فعل سے مفید ہونا چاہتا تھا اور صرف ایک ہی آدمی احتیاط سے اس جرم کے ارتکاب کا ذریعہ رکھتا تھا، وہ ہمایوں تھا، اس کی حمایت میں بہت کچھ باتیں بنائی گئی ہیں، جس سے اس کے متعلق شک اور بھی نمایاں ہو جاتا ہے، اسی لیے بیٹے کی معصومیت کو اتنی بلند آہنگی سے بار بار دہرانے کی ضرورت ہے[2]۔"

مذکورۂ بالا بیان اور استدلال کی تردید کی کوشش کرنا محض وقت اور محنت کو ضائع کرنا ہوگا، اب ایک سوال اور رہ جاتا ہے کہ بابر کی دعا اور اس کے معجز نما اثرات کا ذکر مرزا حیدر دوغلت،

---

[1] بابر کو زہر ماہ صفر ۹۳۳ھ میں دیا گیا۔ [2] فرینڈ گری نارڈ، بابر فرسٹ آف دی مغلس، ص ۲۳۲۔

ملا عبدالقادر بدایونی اور فرشتہ کی تاریخوں میں کیوں نہیں ہے، مرزا حیدر کی تاریخ رشیدی دراصل وسط ایشیا کے مغلوں کی تاریخ ہے چنانچہ وہ انہی کی تاریخ تفصیل کے ساتھ لکھتا ہے، بابر کے حالات ضمنی طور پر تحریر کرتا ہے، حالاں کہ وہ اس کا خالہ زاد بھائی تھا، بابر اور ہمایوں کی معیت میں ہندوستان بھی آیا اور ان کی جانب سے ہندوستان ہی میں سرکاری عہدوں پر ممتاز رہا لیکن پھر بھی بابر اور ہمایوں کے حالات لکھنے میں ہر جگہ بخل اور اختصار سے کام لیتا ہے، بابر نے ہندوستان میں جو اہم کارنامے انجام دیے، اُن کو چند سطور میں لکھ کر ختم کر دیتا ہے، ملاحظہ ہو:

> "بابر بادشاہ تمام قلمرو سلطان اسکندر افغان را متصرف شد، و رانا سنگھ راجہ ہندو بود با چند لک لشکر آمد و مصاف کرد، بادشاہ او را شکست داد، و در مناشیر خود غازی نوشت و بعد ازاں بطرف چتور رفت، آنجا غزوات شگرف و فتح ہائے ژرف کردہ مراجعت نمود، و دواعی ضبط تمام ہندوستان داشت۔"
>
> در شہور سنہ سبع و ثلاثین و تسع مائۃ، چند مرض مضمن بر مزاج شریف مستولی شد، اطبا ہر چند آنکہ سعی نمودند مفید نیفتاد۔
>
> چوں مشرف بموت شد ہمایوں مرزا کہ از بدخشاں طلب داشتہ و تمام امراء و خلق جہاں را بوئے سپرد و جہاں را بہ جہاں آفریں داد، انار اللہ برہانہ و نور مضجعہ[1]۔"

ظاہر ہے کہ ان چند سطور میں بابر کی زندگی اور موت کی تفصیلات تلاش کرنا اور ان کو نہ پاکر محض قیاس سے کوئی ایک رائے قائم کرنا، ایک فرض شناس اور ذمہ دار مورخ کا کام نہیں ہوسکتا ہے۔

ملا عبدالقادر بدایونی نے بابر کے پورے حالات صرف تین ورق میں لکھے ہیں، ان کے یہاں تو بہت سی اہم تفصیلات اختصار کے خیال سے نظر انداز کر دی گئی ہیں، طبقات اکبری میں منتخب التواریخ سے زیادہ تفصیلات ضرور ہیں لیکن پھر بھی بہت سی باتوں میں تشنہ ہے، رانا سانگا کے مغلوب اور پسپا ہونے پر مسرت کا اظہار کر کے اس کا مصنف بابر کی موت کی تاریخ اور اس پر چند اشعار لکھ کر ختم کر دیتا ہے، حالانکہ فتح پور سیکری کی جنگ اور بابر کی موت کے

---

[1] تاریخ رشیدی از میرزا حیدر دوغلت، قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ۔

درمیان بہت سے ایسے اہم واقعات ہیں جن کا ذکر کرنا ایک مورخ کے لیے بہت ضروری تھا، فرشتہ نے بابر کے حالات طبقات اکبری سے بھی زیادہ مفصل لکھے ہیں، مگر بابر کی علالت کے زمانہ کے واقعات کو وہ بھی نظرانداز کر گیا ہے، چنانچہ امیر خلیفہ کی معاندانہ کارروائیوں اور بابر کی آخری نصیحتوں کی طرف اشارہ اس نے مطلق نہیں کیا ہے۔

اگرچہ یہ لوگ خاموش ہیں لیکن اس عہد اور اس کے بعد کے ہر دور کی تاریخوں میں اس واقعہ کی تفصیل موجود ہے، مآثر رحیمی اور دوسری تاریخوں کے مصنفوں نے اس واقعہ کے بیان میں اسی عقیدت اور اخلاص کا اظہار کیا ہے، جو اس غیر معمولی سانحہ کی اثر پذیری کا نتیجہ ہونا چاہیے، اگر یہ لوگ بھی خاموش رہتے تو گلبدن بیگم کی ''ہمایوں نامہ'' اس واقعہ کو تازہ رکھنے کے لیے کافی تھی، جس میں معنوی حیثیت سے وہی بات پائی جاتی ہے جو اکبر نامہ کے مصنف نے لکھی ہے اور یہی وجہ ہے کہ مسز بیورج کو بھی اس واقعہ کے یقین کرنے میں تامل نہیں ہوا ہے[1]۔

ولیم ارسکن اور رش بروک ولیمس نے بھی اس واقعہ پر شک کا اظہار نہیں کیا ہے۔

---

[1] بابرنامہ، ترجمہ انگریزی، ص ۷۰۲۔

بابر اور ہندو مؤرخین

سجان رائے بٹالوی مصنف خلاصۃ التواریخ

''سجان رائے بٹالہ کا رہنے والا تھا، ذات کا کھتری تھا، خاندانی پیشہ منشی گری تھا، اس نے خلاصۃ التواریخ ۱۱۰۷ھ مطابق ۱۶۹۵ء میں لکھی، جس میں قدیم ہندوستان سے اورنگ زیب کی جانشینی کے عہد تک کے حالات ہیں، اس میں ہندوستان کی پیداوار، مشہور شہروں کا حال اور ہندوستان کی اور دوسری خصوصیات کا جو ذکر ہے، وہ بہت ہی مفید اور پراز معلومات ہے، مسلمان اور انگریز دونوں مورخین اس کو ایک قابل قدر تاریخ سمجھتے رہے ہیں، سیر المتاخرین کے مصنف غلام حسین طباطبائی نے تو اس سے بڑا استفادہ کیا ہے، ہم نے سیر المتاخرین سے بابر سے متعلق جو اقتباسات پیش کئے ہیں، ان کو اور سجان رائے کے حسب ذیل اقتباسات کو ملا کر پڑھنے کے بعد ناظرین کو اندازہ ہوگا کہ سیر المتاخرین کے مصنف نے تھوڑی سی ترمیم کر کے خلاصۃ التواریخ کی پوری عبارت نقل کر دی ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ سجان رائے کی تاریخ عام طور سے علمی حلقہ میں مقبول رہی۔

ذیل کے اقتباسات سے بابر سے متعلق کوئی نئی بات نہیں معلوم ہوتی ہے، سجان رائے نے جو کچھ لکھا ہے، بابر کے حالات کا محض ایک سرسری جائزہ ہے، وہ بابر کے حملوں میں چوتھے حملہ کی تاریخ تو صحیح لکھتا ہے لیکن اور حملوں کی تاریخ غلط ہے، پانچویں حملہ کی تاریخ تو لکھی ہی نہیں، وہ یہ بھی غلط لکھتا ہے کہ انعامات کی تقسیم دہلی میں ہوئی ہے اس نے دہلی اور آگرہ کے قیام کے ذکر کو خلط ملط کر دیا ہے، اس کا یہ بیان بھی غلط ہے کہ سلطان ابراہیم کی ماں نے قیمتی ہیرا پیش کیا کیوں کہ بابر کا خود بیان ہے کہ یہ ہیرا ہمایوں کو راجہ بکرماجیت کی اولاد سے ملا، اس کتاب میں ملتان کی تاریخ کی تفصیل کچھ زیادہ ہے، جس میں یہ بتایا گیا ہے

کہ یہ سلاطین دہلی کے قبضہ سے نکل کر پھر بابر کے لڑکے شہزادہ کامران کے قبضہ میں آ گیا۔

سجان رائے نے بابر کا نام جابجا احترام سے لیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مغلوں کی بادشاہت کو ایک قومی بادشاہت سمجھ کر بابر کو اس کے بانی کی حیثیت سے قابل عزت تصور کرتا ہے، اسی لیے اس کے قلم سے بابر کی شان میں تعظیمی الفاظ برابر نکلے ہیں اور جب وہ رانا سانگا سے لڑائی کا ذکر کرتا ہے تو کچھ اشعار لکھ کر بابر کو گھڑیال، باز، عقاب، شیر نر اور رانا سانگا کو محض ایک مچھلی، ممولا، کبوتر اور لومڑی کہتا ہے۔

وہ اپنی تاریخ نویسی میں بکثرت اشعار نقل کر کے اس فن میں رنگ و بو پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، جس سے اس کی تاریخ نویسی میں انشا پردازانہ رنگ پیدا ہو گیا ہے۔"

ہندوستان پر بابر کے حملے: بابر بادشاہ پہلی مرتبہ ۹۱۳ھ تربیلہ (توابع ملتان) دوسری مرتبہ ۹۱۳ھ میں خرد کابل کی راہ سے مندراول عرف لمغان، تیسری مرتبہ ۹۲۵ھ میں بھیرہ پنجاب تک، چوتھی بار ۹۳۲ھ تک آئے جب کہ سلطان ابراہیم کی بدسلوکی اور ظلم سے ہندوستان کے اکثر امرانے برگشتہ ہو کر ملک کے اطراف میں فتنہ وفساد برپا کر رکھا تھا، سلطان کے نوکروں نے بغاوت کر رکھی تھی، دولت خاں اور غازی خاں نے لاہور سے بادشاہ (بابر) کے پاس ایک عرض داشت بھیجی کہ وہ یہاں تشریف لائیں، دولت خاں لاہور سے کابل روانہ ہوا، اس لیے بابر بادشاہ نے ہندوستان کا قصد کیا، انھوں نے اپنے سے پہلے بعض امرا کو لاہور اور اس کی طرف بھیجا اور حضرت بادشاہ بھی دولت اور اقبال کے ساتھ روانہ ہوئے اور آفتاب کی طرح ایک برج سے دوسرے برج اور ستاروں کی طرح ایک مقام سے دوسرے مقام کی منزلیں طے کیں اور دریائے سندھ کے کنارے پہنچے، انھوں نے اپنے لشکر منصور پر نظر ڈالی تو سپاہیوں میں سواروں اور پیادوں، پھر سوداگروں، بڑوں اور مسافروں میں سے سب ملا کر دس ہزار ہوئے۔

دولت خاں کی بدعہدی: اس اثنا میں خبر ملی کہ دولت خاں اور غازی خاں نے اپنے عہد و پیمان کو توڑ کر چالیس ہزار سواروں اور پیادوں کو جمع کر لیا ہے اور حصار کلانور کو اپنے تصرف میں لے آئے ہیں اور جو شاہی امرا پہلے لاہور پہنچ چکے تھے، ان سے لڑائی کا ارادہ رکھتے ہیں، سیال کوٹ کے شاہی لشکر سے بھی لڑائی کرنے پر آمادہ ہیں، حضرت بادشاہ یہ خبر سن کر تیزی سے آگے

بڑھے اور دریائے چناب کے کنارے قصبہ بہلول پور میں نزول اجلال فرمایا اور حکم دیا کہ سیالکوٹ کو تباہ کر کے وہاں کے لوگوں کو بہلول پور میں آباد کیا جائے اور وہاں سے آگے روانہ ہوئے۔

سلطان ابراہیم سے اس کے امرا کی لڑائی: اس سے کچھ روز پہلے اتفاقاً عالم خاں اور دوسرے امرا نے سلطان ابراہیم سے منحرف ہو کر مخالفت کا جھنڈا بلند کیا اور چالیس ہزار سواروں کو جمع کر کے سلطان ابراہیم سے لڑنے کے لیے دہلی کا عزم کیا، جب سلطان ان کے مقابلہ کے لیے آیا تو ان لوگوں سے لڑنے کی صلاح نہ کی، بلکہ شبخون مارا اور بہت سے لشکریوں کو مارا اور خستہ کیا، دوسرے دن سخت لڑائی ہوئی اور یہ لوگ شکست کھا گئے، وہ سہرند پہنچے تو ان کو سیالکوٹ میں حضرت بادشاہ کے نزول اجلال کی خبر ملی، ان کے یہاں حاضری کو غنیمت جانا اور جب ان کے یہاں حاضر ہوئے تو ان کے ساتھ الطاف بیکراں کیے گئے، حضرت بادشاہ سیالکوٹ سے بڑھ کر پرسرور کے راستے سے کلانور پہنچے اور وہاں سے کوچ کر کے قلعہ ملوٹ کی تسخیر کی، دولت خاں اپنے وعدے سے پھر گیا تھا، اس لیے شرمندگی میں حاضر نہیں ہوا لیکن جب نادم ہو کر آیا تو خیر خواہوں کے مشورے سے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو قلعہ ملوٹ میں قید کر دیا گیا اور وہیں اس کی روح بدن کے قفس سے پرواز کر گئی۔

فیروزہ کی تسخیر: حضرت بادشاہ وہاں سے روانہ ہو کر انبالہ پہنچے اور اس منزل سے شاہزادہ ہمایوں میرزا کو حصار فیروزہ کی تسخیر کے لیے رخصت کیا، شاہزادہ جواں بخت نے اس سرزمین میں آکر مردانگی اور دلاوری کی داد دی اور اس علاقہ کو فتح کر کے حضرت بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس خدمت کے انعام میں اس کو حصار فیروزہ اور ایک کرور تنکے مرحمت ہوئے۔

پانی پت کی جنگ: انبالہ میں خبر پہنچی کہ سلطان ابراہیم ایک لاکھ سواروں بہت سے توپ خانوں اور ایک ہزار کوہ شکوہ ہاتھیوں کے ساتھ دہلی سے جنگ کرنے کے لیے نکل پڑا ہے اور منزلیں طے کر رہا ہے، حضرت بادشاہ انبالہ سے چل پڑے اور منزلیں طے کر کے پانی پت شہر کے حوالی میں نزول اقبال فرمایا، سلطان ابراہیم بھی اس شہر کے نواح میں پہنچا اور لڑائی کے لیے تیار ہوا، روزانہ طرفین کی طرف سے دلاوروں نے جنگ کی اور داد مردانگی دی، شاہی لشکر کے

مجاہد تائید الٰہی سے غالب آئے اور مورد تحسین وآفریں ہوئے۔

سلطان ابراہیم نے بہت ہی شوکت اور حشمت اور پوری صلابت ومہابت کے ساتھ لڑائی لڑنے کے لیے آسمان شکوہ ہاتھی پر سوار ہو کر لڑائی کی طرف رخ کیا، اس لڑائی میں افغانوں نے کوہ پیکر ہاتھیوں کا انتخاب کیا اور ان کو تجیم (پاکھر) اور دوسرے ہتھیاروں سے آراستہ کر کے بادشاہی لشکر کی طرف ہانکا اور یہ عفریت پیکر ہاتھی اپنی تند خوئی اور عربدہ جوئی سے جس طرف دوڑ جاتے مغلوں کی صف کو برہم کر دیتے، وہ جس جانب رخ کرتے مغلوں کی جمعیت کو منتشر کر دیتے، مغلوں کے گھوڑوں نے ایسی مہیب صورت نہیں دیکھی تھی، اس لیے وہ ان کے سامنے جانے کی تاب نہ لاتے اور شاہی لشکر میں سے جو بہادر سپاہی جرأت اور جسارت کر کے آگے بڑھتے، وہ ہاتھیوں کی سونڈوں میں گرفتار ہو کر خاک میں مل جاتے۔

چو جنبید خرطوم فیلانِ مست — در اعضا مغلاں در آمد شکست
زخرطومِ فیلان پر عربدہ — بلائے سیہ از آسماں آمدہ
ز دندان بزخم آتش انگیختند — ہمہ خاک باخون در آمیختند
یکے را بدنداں بر آویختند — یکے را بزانو در آمیختند

اس وقت حضرت بادشاہ نے اپنے لشکریوں کو دیکھا اور ہاتھیوں کے غلبہ اور بہادروں کے اضطراب کو ملاحظہ کیا، عتاب بھری باتیں اپنی زبان مقدس پر لا کر ان کی ہمت بڑھائی اور فرمایا ''سپاہیو! کوشش کرو، تا کہ عورتوں کا لباس نہ پہنو'' اسی وقت انھوں نے کمر ہمت باندھی اور دلاوری کو جان نثاری کا ہمدوش اور دلیری کو جاں شکاری کا ہم آغوش کر کے حملہ کیا اور بہادری اور مردانگی کی داد دی اور رستم افراسیاب کی طرح اور اسفندیار اور سہراب کے مثل جنگ میں مشغول ہو گئے۔

دو دست آوریدہ بکوشش بروں — بہر دست شاں تیغ الماس گوں
بہر جا کہ بازو بر افراختی — سر فیل را زیر انداختے
بیک زخم خرطوم می شد جدا — تو گوئی کہ از کوہ افتاد اژدہا
بپاشید خرطوم فیلاں ز تیغ — تو گوئی ہمی مار، بارد ز میغ

طرفین کی طرف سے زلزلہ فگن توپوں اور ان کی کوہ شکن ضربوں سے ایک آگ بھڑکی اور ان کی آواز سے زمین اور زمانہ میں زلزلہ آ گیا، کون و مکان سے حیرت کا غلغلہ بلند ہوا، سننے والوں کا پتہ پانی ہو گیا، ان کے کان پھٹ کر رہ گئے، ضرب زن کی زد سے خرمن ہستی جل کر رہ گیا اور موت کا دھواں اکثر لوگوں کے دماغ میں پیچ و تاب کھاتا رہا، دھوئیں کی کثرت سے لڑائی کا میدان ایسا تاریک ہو گیا کہ ایک مدت تک آدمی اور گھوڑے کے چہرے دکھائی نہیں دیتے، ابخرے ہوا کو ابر سیاہ کی طرح ایسا تاریک بنائے ہوئے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ اندھیری رات نے تاریکی کا نقاب دن کے رخ پر ڈال دیا ہے اور دیوانوں کی طرح الجھے ہوئے بالوں کے ساتھ زمین پر مضطرب ہو کر ہر طرف دوڑ رہی ہے اور دھواں ہوا کے گرد کے ساتھ اوج فلک تک پہنچ رہا تھا۔

زبس دود آید فراز از فرود — سیہ شد بہ یک بار چرخِ کبود
چناں دود شد سوی گردوں شتاب — کہ شد چشم ہائے کواکب پُر آب

ارادت ازلی اور مشیت لم یزلی یہ ہو چکی تھی کہ لودیوں کی سلطنت کا سلسلہ منقطع ہو جائے اور ہندوستان اس خاندان والاشان کی عنایت کے جھنڈے کے سایہ کے نیچے آ کر مورد امن و امان ہو جائے، اس لیے قضا نے سلطان ابراہیم کی جان کا گریبان موت کے ہاتھ میں دے دیا، سلطان اقبال مند شاہی لشکر کے بہادروں کے مقابلہ کے لیے بڑھا لیکن یہ لشکر سدروئیں کی طرح لباس میں آراستہ اور فتح کے زیور سے پیراستہ تھا، دونوں طرف کے لڑنے والوں نے داد جاں فشانی و جاں ستانی دی، خوب لڑائی اور خونریزی ہوئی، زبردست جنگ رہی، لڑائی کی آگ اچھی طرح بھڑکی، بالآخر فتح و ظفر کی نسیم چلی اور غنچۂ مراد آمال کے گلبن کے لیے شگفتہ ہوئے، سلطان ابراہیم یکایک ایک گوشہ میں مارا گیا اور اس کے اکثر سپاہی تیغ بے دریغ کے نشانہ بن گئے اور زاغ و زغن کے خوراک ہوئے اور جو بچے، شکست کھا کر جنگل کی طرف چلے گئے۔

نہ زانگو نہ پیکار آمد پدید — کہ مشروع گردد بگفت و شنید
زبس کشتگاں شد زمین ناپدید — تو گفتی کہ روز قیامت رسید
دراں رہ زبس کو عدو کشتہ شد — بیابان ہمہ پشتہ بر پشتہ شد

شد از کشتہ برکشتہ بالا و پست | بتاراج جاں مرگ بکشاد دست
زبس کشتہ افتاد در کوہ و دشت | جہاں گفت بس بس کہ از حد گذشت
گر ایں جنگ رستم بدیدی بخواب | شدی در بہشت دلش زہرہ آب

تائید ایزدی سے ایسی فتح ہوئی جو اس سے پہلے بادشاہوں کو میسر نہ ہوئی تھی اور یہ تمام ہندوستان کی فتوحات کا مقدمہ تھی، سلطان ابراہیم کے دولت وحیات کا خرمن حضرت بادشاہ کی برق تیغ سے جل کر رہ گیا، ایسی عجیب وغریب فتح کے بعد حضرت بادشاہ نے اپنی جبین نیاز زمین عجز پر رکھی اور شکر وسپاس کے سجدے درگاہ حقیقی میں کیے، پھر دہلی کی طرف بڑھے، یہ شہر سلاطین کا تخت گاہ رہا ہے، یہاں پہنچ کر اپنے نام کا سکہ جاری کرایا اور خطبہ پڑھوایا۔

ظہیر الدین محمد شاہ بابر | سکندر دولت بہرام صولت
بدولت کرد فتح خطۂ ہند | کہ تاریخ آمدش فتح بدولت

تقسیم انعامات: سلاطین نے جو خزانے جمع کیے تھے، اُن کے دروازے کھول دیے گئے، ستر لاکھ سکندری تنکے شاہزادہ ہمایوں کو دیے اور ایک خزانہ کا گھر بھی اس کے ساتھ انعام میں عطا کیا، جس کے متعلق یہ تحقیق نہ ہوسکی کہ یہ کس کا تھا، دس دس لاکھ تنکے امرا کو مرحمت کیے، تمام بہادروں بلکہ لشکر کے ہر لشکری کو انعام دیا، جو شاہزادہ ہائے کام گار کابل میں رہ گئے تھے، ان کے اور شبستان اقبال کی پردہ نشین بیگمات کے لیے ان کے درجات اور مراتب کے مطابق نقد و جنس روانہ کی گئی، وہ امور دہلی کی تنظیم اور تنسیق کے بعد آگرہ آئے اور اس دل کشا شہر کے مالی وملکی نظم ونسق کے لیے کچھ دن ٹھہرے۔

مخالفت واطاعت: دہلی کے سوا ملک کے ہر طرف افغانوں نے مخالفت کا جھنڈا بلند کر رکھا تھا لیکن حضرت بادشاہ نے اپنی صائب تدبیروں سے وقت گذرنے پر اکثر مخالفوں کو اپنا اطاعت گذار اور مطیع بنالیا اور ہر شخص کو اس کے رتبہ کے مطابق اپنی مہربانیوں سے نوازا، نئے اور پرانے امرا کو بھی ان کی لیاقت کے مطابق جاگیریں مرحمت کیں، سلطان ابراہیم کی ماں اس کے لڑکوں اور ساتھ رہنے والوں کے ساتھ بھی عنایتیں کیں، ان کی دولت اور خزانے ان کو مرحمت کیے، بلکہ اس میں یہ اضافہ کیا کہ سلطان کی ماں کے لیے بطور سیورغال سات لاکھ تنکے مقرر کیے، سلطان کی

ماں اس عنایت سے بہت ممنون ہوئی، ایک قطعہ ہیرے کا وزن آٹھ مثقال تھا، جواہر شناس مصر اس کی قیمت دنیا کے روزمرہ اخراجات کی آدھی رقم لگاتے تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ یہ ہیرا سلطان علاء الدین کے خزانہ کا تھا، جو اس نے راجہ بکرماجیت کی اولاد سے حاصل کیا تھا، یہ ہیرا سلطان ابراہیم کی ماں نے حضرت بادشاہ کو پیش کیا۔

حضرت بادشاہ آگرہ میں نزول اجلال کرکے اس کے انتظام میں لگے رہے، برسات کا موسم آیا تو عیش و عشرت میں گذارا، کیوں کہ یہ موسم ہوا کی نزاہت، بادلوں کے رشحات، زمانہ کی تازگی، زمین کی سرسبزی اور میوؤں کے پکنے کی وجہ سے ہندوستان کی بہار ہے، حضرت بادشاہ نے اس موسم میں بھی اپنے عدل وانصاف سے رونق بخشی اور انعام واکرام دے کر سب کو خوش کیا۔

آسودہ جہاں بدولت او افروختہ نظر بہ طلعت او

جب برسات ختم ہوئی، دن رات کی بارش رُکی اور آسمان کا چہرہ سحاب کے حجاب اور زمین کا رخ پانی کے نقاب سے نمودار ہوا، ہوا کی لطافت نے افلاکیوں اور خاکیوں کے درمیان سے ابر کا پردہ اٹھایا، آفتاب کی شدت اور گرمی کی زیادتی رُکی، جو خطۂ وجود کے ساکنوں اور عالم مشہود کے متوطنوں کے لیے تب وتاب کا باعث ہوتی ہے، تمام لوگوں کا کاروبار پانی اور کیچڑ کی کثرت اور آفتاب کی گرمی کی وجہ سے معطل ہوجاتا ہے، اس کے بعد ہی وہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے کمر ہمت باندھتے ہیں، اسی کے بعد جوانانِ شجاعت اپنے بادپایان برق رفتار پر اپنی جولانگری دکھلاتے ہیں، حضرت بادشاہ نے دسہرہ کے بعد ہی جو جشن ہندی ہے، مخالفان بے اعتدال اور معاندان بدآل کو پامال کرنے کے لیے متوجہ ہوئے۔

رانا سانگا سے لڑائی: اس اثنا میں رانا سانگا نے جو ہندوستان کے بہت بڑے راجاؤں میں سے تھا، حسن خاں میواتی کے اغوا سے ایک بہت بڑے لشکر اور بہت سے توپخانہ کے ساتھ جرأت اور بے باکی سے اپنی جگہ سے روانہ ہوا اور حضرت بادشاہ سے لڑائی کے قصد سے بیانہ پہنچا جو آگرہ سے متصل ہے، اسی کے ساتھ افغانی امرا کا ایک گروہ جو سلطان ابراہیم سے بھی مخالفت رکھتا تھا، پچاس ہزار سواروں اور بہت سے ہاتھیوں کو لے کر قنوج کی طرف بڑھا، پہاڑ

خاں ولد دریا خاں کو حکومت پر بٹھا کر سلطان محمد کا لقب دیا، ہر طرف ایک شورش اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور فتنہ و فساد برپا تھا۔

کابلی امرا سرد ملک کے عادی تھے، وہ عاجز آ گئے تھے، ان میں سے اکثر گرمی کی تکلیف مسلسل لڑائیوں، رانا سانگا اور افغانوں کے غلبہ اور اپنی بے ہمتی کی وجہ سے واپس جانے کا قصد کرنے لگے، مشورے کے موقع پر انھوں نے حضرت بادشاہ سے عرض کیا کہ ہر طرف دشمنوں کا ہجوم ہے، ملک ابھی تک پورے قبضہ میں نہیں آیا ہے، اس لیے بہتر ہے کہ یہاں پر کچھ قلعوں کو مضبوط کر کے پنجاب میں جا کر مقیم ہوں ، ر وہاں انتظار کیا جائے کہ غیب سے کیا ہوتا ہے، حضرت بادشاہ نے فرمایا:

> ''اتنا بڑا ملک بہت ہی مشقت سے حاصل کیا ہے اور خود اپنے ہم مذہبوں کی کثیر جماعت کو قتل کیا ہے، اگر امرا اور وزرا ایک کافر سے لڑائی کیے اور کسی شرعی عذر کے بغیر واپس ہو جائیں تو اطراف کے بادشاہ ہم کو کس زبان سے یاد کریں گے، اس سے قطع نظر کہ حشر کے میدان میں ہم کیا عذر پیش کریں گے، افسوس افسوس یہ وہ وقت ہے کہ ہمت کو شجاعت کا ہم دوش اور دلیری دلاوری کا ہم آغوش کر کے ایسی مردانہ لڑائی لڑیں کہ اگر تائید الٰہی سے فتح ہوئی تو غازی ہو جائیں اور اگر مارے گئے تو شہادت کا درجہ پائیں۔''

اسی طرح کی مردانہ باتیں اور عالی ہمتانہ نصیحتیں کر کے لشکریوں کا دل بڑھایا اور ان کو ہمت بخشی، انھوں نے بھی یہ باتیں قبول کیں اور موت کے لیے تیار ہو گئے، وہ آگرہ سے باہر نکلے، صفیں آراستہ کیں، دوسری طرف رانا سانگا بھی لڑائی کے لیے تیار ہوا، قوی دل بہادر لڑائی کے میدان میں اس طرح آئے جس طرح شیر زنجیر کو توڑ دیتا ہے اور ایسی لڑائی لڑے کہ دیکھنے والے رستم و افراسیاب کو بھول گئے اور اسفندیار اور سہراب کی روحیں آسمان کی بلندی پہ سے تعریف کر رہی تھیں۔

بہ جنبش در آمد دو لشکر چو کوہ	ازاں جنبش آمد زمیں در ستوہ
ز پولاد پوشانِ لشکر شکن	تنِ کوہ لرزید بر خویشتن
ز باریدنِ تیغ ہمچو تگرگ	بہر گوشہ برخاست طوفان مرگ
ز ہر جاں دلیراں زور آوراں	کشیدند شمشیر کیں از میاں

زخوں جو یہا شد سبک تر رواں　　یکے جاں فشاں و یکے جانستاں

تائیدات الٰہی اور تمدیداتِ لم یزلی اور فرخندہ بال اولیائے دولت کے ساتھ تھے، اس لیے فتح کی صبح مطلع اقبال سے ظاہر ہوئی اور ظفر کا چہرہ حسب خواہش نمودار ہوا اور جس طرح تیز ہوا کے سامنے مچھر نہیں نکلتا ہے، یا جس طرح ایک سخت سیلاب کے آگے دیوار نہیں رکتی، وہی حالت رانا سانگا کی ہوئی، وہ شکست کھا گیا، بڑی محنت و مشقت سے افتاں وخیزاں اپنے گھر پہنچا اور اس کے لشکری تیغ بے دریغ کے لقمے بن گئے مخالفوں کے خون سے لڑائی کا میدان لالہ زار بن گیا:

اگر ماہی از سنگ خارا بود　　شکار نہنگان دریا بود
کجا صعوہ را ایں میسر شود　　کہ با باز روزی برابر شود
کبوتر کہ پہلو زند با عقاب　　بقصد سر خویش دارد شتاب
شغال از کند پنجہ با نرشیر　　سر بختِ خودرا بر آرد بزیر
بجائے کہ شیران بر آرند جنگ　　چہ یارائے روبہ کہ ایستد بہ جنگ

حضرت بادشاہ نے اس فتح پر واہب العطایا کی درگاہ میں بہت سجدے کیے اور آگرہ کی طرف لوٹے اور اپنی مناسب تدبیروں سے دشمنوں اور باغیوں کے خس وخاشاک کو اس ملک سے پاک کیا اور ہندوستان کے علاقے تصرف میں آگئے، قنوج کی طرف افغانوں نے جو ہنگامہ برپا کر رکھا تھا، وہ بھی درہم برہم ہوگیا، ان فتوحات پر کابلی امرا کی دلجمعی ہوئی، وہ حاضر ہوئے تو حسب مدعا انھوں نے جاگیریں پائیں، ان کا خیال کابل کی طرف سے جاتا رہا اور جہاں انتشار تھا، وہ نئے سرے سے انتظام کیا گیا، سلطنت کا نظم قائم ہوا، انبساط کا ظہور ہوا، داد ودہش کی گئی، پست حوصلہ والوں کو مسرت کی فراخی حاصل ہوئی، سادہ دلوں کے ہاتھوں میں دانش کا سررشتہ آگیا اور وہ بھی ہمت عالی سے کام لے کر رعایا کے احوال کی ترقی اور ملک کو آباد کرنے میں مصروف ہوگئے۔

شاہزادہ ہمایوں کو سنبھل کی پراگندگی کو دور کرنے اور اس کے انتظام کے لیے بھیجا گیا، شاہزادہ کامراں میرزا کو لاہور اور ملتان جاگیر میں مرحمت کیے گئے، اس کو کابل سے طلب کیا گیا،

وہ کابل سے لاہور آیا اور ملتان کو جو مدتوں سے سلاطین دہلی کے قبضہ سے نکل چکا تھا، اپنے حسن تدبیر، شمشیر ہمت اور حضرت بادشاہ کے اقبال کی تائید سے تسخیر کرلیا، ملتان ابتدائے ۸۵۷ھ سے ۹۳۷ھ یعنی اسی برس تک دہلی کے فرماں رواؤں کے تصرف سے باہر تھا لیکن اب پھر سلطنت دہلی میں داخل ہوگیا، جب کہ شاہزادہ کامراں اس پر قابض ہوگیا۔

ہمایوں کی علالت اور بابر کا مرض الموت: اسی زمانہ میں بابر کے حضور میں یہ عرض کیا گیا کہ شاہزادہ ہمایوں مرزا کو جو سنبھل کے نظم ونسق کے لیے گیا ہوا تھا، ایک سخت بیماری لاحق ہوگئی ہے، حکم ہوا کہ وہ دریا کے راستہ سے اس کے پاس پہنچادیا جائے، شاہزادہ حکم بجالا کر آگرہ پہنچا، اس کو مختلف امراض اور متضاد شکایتیں تھیں، ایک مرض کا علاج ہوتا تو دوسرا بڑھ جاتا، تجربہ کار اور مسیحا نفس طبیبوں نے علاج کی بہت کوشش کی لیکن صحت و شفا نہ ہوئی، مرض علاج کی حد سے گذر گیا، یہ طویل ہوگیا تو طبیبوں نے علاج روک دیا، آخر کار دربار کے تجربہ کار داناؤں اور خیر اندیشوں نے یہ مشورہ دیا کہ جب شفا نہیں ہو رہی ہے، تو عمدہ سے عمدہ سامان اور قیمتی سے قیمتی چیزیں جن سے بہتر دربار میں کچھ اور نہ ہوں وہ شفا کی نیت سے شاہزادہ پر صدقہ کردی جائیں، حقیقی حکیم کے فضل سے شفا ہو جائے گی اور انھوں نے اس ہیرے کے صدقہ کرنے کی تجویز کی، جو سلطان ابراہیم کی ماں نے نذرانے میں دیا تھا، اس سے زیادہ قیمتی چیز خزانہ میں کوئی اور نہ تھی، حضرت بادشاہ نے کچھ تامل کے بعد فرمایا کہ ہمایوں کی جان اس قدر عزیز ہے کہ دنیا کا کوئی مال اس کے لیے صدقہ نہیں کیا جاسکتا، میں اپنے کو اس کے لیے صدقہ کرتا ہوں اور اسی وقت اٹھے اور شاہزادہ کی چارپائی کے گرد گھومے، قادر علی الاطلاق کی قدرت میں دنیا کی زندگی اور موت ہے، دنیا کی بیماری اور صحت اسی کی حکمت کے قبضہ اور قدرت کے ہاتھ میں ہے، اسی وقت بلا توقف شاہزادہ کے نورانی چہرہ پر صحت کے انوار اور حضرت بادشاہ پر بیماری کے آثار ظاہر ہونے لگے اور دیکھنے والوں کو تعجب ہوا کہ تھوڑی مدت میں شاہزادہ تو تندرست ہوگیا اور حضرت بادشاہ روز بروز زیادہ بیمار ہوتے گئے، انچاس سال اور بعض قول کے مطابق پچاس سال کی عمر میں اس فانی دنیا سے رخصت ہوئے، ان کی لاش کابل لے جائی گئی اور ایک نہر کی گذرگاہ کے ساحل پر سپرد خاک ہوئی، ان کی سلطنت کی مدت ۳۸ سال تھی، جس میں پانچ سال پانچ روز کی مدت ہندوستان میں رہی۔

پنڈت جواہر لال نہرو

پنڈت جواہر لال نہرو اپنی مشہور کتاب (Discovery of India) میں لکھتے ہیں:

بابر نے دہلی کا تخت ۱۵۲۶ء میں حاصل کیا لیکن وہ ہندوستان کے لیے اجنبی تھا اور برابر اجنبیت محسوس کرتا رہا، وہ شمال سے آیا تھا، جہاں اس کے وطن میں تیموریوں کا نشاۃ الثانیہ فروغ پذیر تھا اور ایران کے آرٹ اور کلچر کے اثرات قوی ہو گئے تھے، اس نے ہندوستان میں اپنے دوستوں کی ایسی مجلس نہیں پائی جس کا وہ عادی تھا، اس کو وہ خوشگوار بات چیت بھی نہیں ملی اور نہ زندگی کی وہ راحتیں اور لطافتیں میسر آئیں جو بغداد اور ایران میں آچکی تھیں، اس کی نظریں شمالی پہاڑی علاقوں کے ژالے اور برفباری کو ڈھونڈتی رہیں، وہ فرغانہ کے اچھے گوشت، پھول اور پھل یہاں بھی چاہتا تھا لیکن اس مایوسی کے باوجود وہ کہتا ہے کہ ہندوستان بڑی حد تک عمدہ ملک ہے۔

وہ ہندوستان آنے کے چار سال کے بعد ہی وفات پا گیا، اس کا زیادہ تر وقت لڑنے بھڑنے یا آگرہ کے شان دار دارالسلطنت کی تعمیر میں گذرا، جس کے لیے اس نے قسطنطنیہ کے ایک مشہور معمار کی خدمات حاصل کر لی تھیں، یہ زمانہ سلیمان اعظم کا تھا، جب قسطنطنیہ میں عمدہ سے عمدہ عمارتیں بن رہی تھیں۔

اس نے ہندوستان کی بہت کچھ چیزوں کو نہیں دیکھا تھا، وہ اپنے مخالفوں سے گھرا رہا، اس لیے اس کو بہت سی چیزوں کو دیکھنے کا موقع نہ ملا، اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شمالی ہند میں بڑی ثقافتی غربت پیدا ہو گئی تھی، اس کا سبب کچھ تو تیمور کا حملہ تھا اور کچھ یہ تھا کہ ہنرمند اور پیشہ ور اور دوسرے قابل لوگ جنوب کی طرف منتقل ہو گئے تھے[1]، پھر یہ بھی سبب تھا کہ ہندوستانیوں کہ ہندوستانیوں میں باکمال لوگوں کی پیداوار ختم ہو گئی تھی، بابر کہتا ہے کہ ماہر کاریگروں اور پیشہ وروں کی کمی نہیں ہے لیکن اس کی میکانکی ایجادات میں کوئی جدت اور مہارت نہیں، یہ بھی ظاہر

---

[1] پنڈت جواہر لال نہرو کا اشارہ بابر کے حسب ذیل بیانات کی طرف ہے: (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۴ پر)

ہوتا ہے کہ زندگی کی راحتوں اور تعیش پسندیوں میں ہندوستان ایران سے بہت کچھ پیچھے تھا، میں یہ نہیں جانتا کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہندوستانیوں کو فطری طور پر اس قسم کی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں رہی، یا اس کی طرف وہ دیر کر کے مائل ہوتے، غالباً ایرانیوں کے مقابلہ میں اس زمانہ کے ہندوستانی نفاست اور تعیش پسندی کی طرف زیادہ متوجہ نہیں ہوتے، اگر ان کی طرف وہ مائل ہوتے تو وہ ایران سے بہت کچھ لے سکتے تھے، کیونکہ دونوں ملکوں میں برابر آمدورفت رہی لیکن قرین قیاس یہی ہے کہ وہ ان چیزوں کی طرف دیر سے مائل ہوئے، جو ان کی ثقافتی غیر لچکداری اور ہندوستان کی زوال پذیری کی دلیل ہے۔

عہد قدیم کے کلاسیکل ادب اور مصوری دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں کافی نفاست پیدا ہو چکی تھی اور معیار زندگی بھی بلند اور پیچیدہ ہو گیا تھا، بابر شمالی ہند آیا تو جنوب میں فرنگی سیاحوں کے بیانات کے مطابق وجیانگر میں آرٹ، کلچر، نفاست اور راحت پسندی کا معیار بہت بلند تھا۔

لیکن شمال میں ثقافتی زوال نمایاں طور پر نمودار ہو چکا تھا، مقررہ اعتقادات اور غیر لچکدار معاشرتی نظام کی وجہ سے معاشرتی ترقی کی کوشش میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے، ہندوستان میں اسلام آیا اور بہت سے بیرونی لوگ پہنچے، تو وہ مختلف قسم کے طرز رہائش اور مکتبۂ فکر کے حامل تھے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۷) ہندوستان میں لطافت کم ہے، لوگ نہ حسین ہیں نہ میل جول کے اچھے ہیں، نہ ان کا ادراک اعلیٰ درجہ کا ہے، نہ ان میں مروت مہربانی اور ادب ہے، ہنروں اور کاموں کی ترکیب بھی اچھی نہیں، گھوڑا یہاں عمدہ نہیں ہوتا، گوشت اچھا نہیں ہوتا، انگور، خربزے اور میوے اچھے نہیں ہوتے، برف نہیں، ٹھنڈا پانی نہیں، بازاروں میں جو کھانے اور روٹیاں بکتی ہیں، وہ سب خراب، حمام، مدرسہ، شمع، مشعل اور شمع دان کا نام نہیں، شمع اور مشعل کی جگہ چیکٹ اکٹھا کر کے جلاتے ہیں اور اس کو ڈیوٹی کہتے ہیں...... سوائے ندیوں اور بڑے دریاؤں کے نالوں وغیرہ میں پانی ہمیشہ جاری نہیں رہتا، باغوں اور مکانوں میں نہریں نہیں ہوتیں، عمارتیں ہوادار، مصفا اور خوش قطع نہیں، عوام ننگے پاؤں پھرتے ہیں، ناف سے دو مٹھی نیچے ایک کپڑا باندھتے ہیں، اس کو لنگوٹا کہتے ہیں...... عورتیں ایک لنگی باندھتی ہیں، آدھی کمر میں باندھتی ہیں اور آدھی سر سے اوڑھتی ہیں۔ (تزک بابری اردو ترجمہ، ص ۲۸۹)۔

ان کی وجہ سے یہاں کے اعتقادوں اور معاشرتی ڈھانچوں پر کافی اثر پڑا، بیرونی فتوحات میں برائیاں ضرور ہیں لیکن ان سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگوں کے ذہنی افق کو وسیع اور ان کو اپنے دائرہ سے باہر ہوکر سوچنے پر مجبور کرتی ہیں وہ اس حقیقت سے آگاہ ہوجاتے ہیں کہ یہ دنیا ان کے خیال کی دنیا سے زیادہ عظیم اور متنوع ہے، افغانوں کی فتح سے ہندوستان متاثر ہوا اور یہاں بہت سی تبدیلیاں ہوئیں، مغل، افغانوں سے طرز زندگی میں زیادہ متمدن اور ترقی یافتہ تھے، ان کی وجہ سے بھی ہندوستان میں بڑی تبدیلیاں ہوئیں، انھوں نے خاص طور پر وہ تمام نفاستیں پیدا کیں، جن کے لیے ایران مشہور تھا، حتی کہ دربار کی بہت سی مصنوعی اور باقاعدہ آداب و مراسم بھی رائج کردیے، جن سے امرا کی زندگی پر بڑا اثر پڑا، جنوب میں بہمنی سلطنت کالی کاٹ کی راہ سے ہندوستان سے براہ راست تعلقات رکھتی تھی۔

ہندوستان میں بہت سی تبدیلیاں ہوئیں، نئے اثرات سے آرٹ، فن تعمیر اور دوسری ثقافتی چیزوں میں تازگی اور زندگی پیدا ہوئی اور یہ پرانی دنیا کے دو تمدنوں کے لیے ملنے کا نتیجہ تھا، دونوں کی ابتدائی قوت اور تخلیقی سرگرمیاں ختم ہوچکی تھیں لیکن ان کے غیر لچکدار ڈھانچے قائم تھے، ہندوستانی کلچر بہت پرانا اور فرسودہ ہوچکا تھا، عرب ایرانی کلچر کے عروج کا زمانہ بھی ختم ہوگیا تھا، پرانے عجائبات اور طرح طرح کی ذہنی سرگرمیوں کے لیے عرب ضرور ممتاز ہوگئے تھے لیکن یہ سب اس وقت تک ختم ہوچکی تھیں۔

ایسے زمانہ میں بابر ایک دلکش شخصیت ہے اور نشاۃ الثانیہ کے دور میں نمونہ کا ایک رہنما تھا، بہادر تھا، مہم جو تھا، آرٹ، لٹریچر اور اچھی زندگی کا شائق تھا۔

ڈاکٹر راجند پرشاد

ڈاکٹر راجند پرشاد جو ہندوستان کی جمہوری حکومت کے پہلے صدر تھے، ۱۹۴۶ء میں ایک کتاب India Divided لکھی تھی، اس میں ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری کا ذکر بھی کرتے ہیں، اس سلسلہ میں بابر نے اپنے لڑکے شہزادہ نصیرالدین محمد ہمایوں کو جو کچھ پوشیدہ نصیحتیں لکھ کر دی تھیں، ان کو نقل کیا ہے، یہ نصیحتیں فرمان کی شکل میں تھیں، جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ یہ جعلی فرضی اور من گھڑت ہیں لیکن اس کا حوالہ اب بہت سی تاریخوں اور کتابوں میں آنے لگا ہے، حتی کہ ڈاکٹر راجندر پرشاد نے بھی اپنی کتاب میں اس کو درج کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

یہاں پر اُن پوشیدہ نصیحتوں کو درج کرنا مفید ہوگا جو ظہیرالدین محمد بابر بادشاہ غازی بابر نے شہزادہ محمد ہمایوں کو کیں۔

اے فرزند! ہندوستان کی سلطنت مختلف مذاہب سے بھری ہوئی ہے، خدا کا شکر ہے کہ اس نے تم کو اس کی بادشاہت عطا کی، تم پر لازم ہے کہ تم اپنے لوح و دل سے تمام مذہبی تعصبات کو مٹادو اور ہر مذہب کے طریقے کے مطابق انصاف کرو، تم خاص کر گائے کی قربانی کو چھوڑ دو، اسی سے تم ہندوستان کے لوگوں کے دلوں کو تسخیر کرسکو گے، پھر اس ملک کی رعایا شاہی احسانات سے دبی رہے گی۔

جو قوم حکومت کے قوانین کی اطاعت کرتی ہے، اس کے مندروں اور عبادت گاہوں کو منہدم نہ کرو، عدل وانصاف اس طرح کرو کہ بادشاہ رعایا اور رعایا بادشاہ سے خوش رہے، اسلام کی ترویج ظلم کی تلوار سے زیادہ احسانات کی تلوار سے ہوسکتی ہے، شیعوں اور سنیوں کے اختلافات کو نظر انداز کرتے رہو، ورنہ اسلام میں ان سے کمزوری پیدا ہوتی رہے گی۔

مختلف عقائد رکھنے والی رعایا کو اسی طرح ان عناصر اربعہ کے مطابق ملنے دو جس طرح

کہ انسانی جسم ملا رہتا ہے، تاکہ سلطنت کا ڈھانچہ اختلافات سے پاک رہے، تزک تیموری کا برابر مطالعہ کرتے رہو تاکہ سلطنت کے نظم ونسق کا تجربہ حاصل ہو۔ (یکم جمادی الاول ۹۳۵ھ)

کے ایم پنیکر

کے، ایم، پنیکر ہندوستان کے موجودہ دور کے بڑے اہم مورخ سمجھے جاتے ہیں،

وہ اپنی کتاب A Survey of India میں رقم طراز ہیں:

بابر ۱۵۰۰ء میں سمرقند میں تخت پر بیٹھا لیکن اس کے دوسرے سال ہی اوزبکوں نے اس کو وہاں سے نکال باہر کیا، تین سال کے بعد اس نے کابل پر قبضہ کرلیا، جس کو اس نے ایک محاذ بنا کر دہلی کی تسخیر کا انتظام کیا، اپریل ۱۵۲۶ء میں دہلی کی سلطنت اس کے حملہ کے آگے جھک گئی اور شاہی تخت و تاج تیموریوں کے قبضہ میں آ گیا، دہلی کے بعد اس کو پنجاب مل گیا، بقیہ حصہ کے لیے اس نے لقب تو اختیار کرلیا لیکن اس کی فتح اس کو اور اس کے جانشینوں کو کرنی پڑی، عام طور سے مورخین اس بات کو نظر انداز کردیتے ہیں کہ گنگا کی وادی کی مخالفت کے بعد بابر کو سب سے بڑی مشکل ہندوؤں سے لڑائی لڑنے میں ہوئی، گوالیار ایک ہندو راجہ بکرماجیت کے زیر نگیں تھا، بابر کو اپنے ولی عہد ہمایوں کو اس پر حملہ کرنے کے لیے بھیجنا پڑا، بابر کو اپنی فتح کے سلسلہ میں سب سے بڑی مخالفت راجپوتوں کی طرف سے دیکھنے میں آئی، میواڑ کی قیادت میں کمبھ کے جانشینوں نے پرانے گرجا کے ہندو راجاؤں کا ایک جتھا تیار کیا، ان کو ایک بہادر قائد رانا سانگا کی ذات میں مل گیا اور یہ بھی ایک اہم بات ہے کہ محمود لودی نے بابر سے مقابلہ کرنے کے لیے سانگا کا ساتھ دیا، اس اتحاد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے تعلقات میں تبدیلی ہو رہی تھی اور ہندوؤں کی قوت از سر نو ابھر رہی تھی اور دونوں مذاہب کے پیروؤں میں دوستانہ تعلقات پیدا ہوگئے تھے، بیانہ میں ہندوؤں کی فوج نے بابر کے لشکر کا مقابلہ کیا، بابر کو فتح ہوئی، اس سے ہندوؤں کی طاقت بالکل ختم تو نہیں ہوگئی لیکن اسی کے بعد مغلوں کا استیلا دہلی پر ہوگیا اور وہ لودیوں کی حکومت پر قابض ہوگئے۔

ڈاکٹر رام پرشاد تر پاٹھی

ڈاکٹر رام پرشاد تر پاٹھی الہ آباد یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے صدر رہ چکے ہیں، اس کے بعد ساگر یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے، ان کی ایک مشہور تصنیف ''رائز اینڈ فال آف دی مغل امپائر'' ہے، اس میں انھوں نے بابر سے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کے اقتباسات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

ابراہیم لودی کے امرا: سکندر لودی نے نومبر ۱۵۱۷ء میں وفات پائی، اس کے لڑکے ابراہیم کو اپنی قوت تسلیم کرانے کے لیے آزمائشوں میں مبتلا ہونا پڑا، سلطنت کی تقسیم کے جھگڑوں میں افغانوں میں پھوٹ پڑی ہوئی تھی، جو افغان ایک متحد سلطنت کے حامی تھے، ابراہیم لودی کے گرد جمع ہوگئے اور ایک خانہ جنگی شروع ہوگئی، جس میں ابراہیم کو فتح ہوئی، اس جنگ میں اعظم ہمایوں شروانی کا کردار بڑا مشکوک رہا، وہ موقع بموقع ایک دوسرے کے ساتھ ہوتا رہا، اس پر یہ الزام رکھا گیا کہ اس نے شاہزادہ جلال خاں کو گوالیار کے قید خانہ سے فرار ہونے کا موقع دیا، یہ شہزادہ اس گروہ کا سرغنہ تھا، جو سلطنت کی تقسیم چاہتا تھا، اعظم ہمایوں شروانی کو اس کے ایک لڑکے کے ساتھ قید میں ڈال دیا گیا تھا، اس پر اس کے دوسرے لڑکے اسلام خاں نے کھلی بغاوت کی اور اس نے بڑھ کر دارالسلطنت آگرہ پر قبضہ کرلیا، ابراہیم لودی اس کے مقابلہ کے لیے بڑھا لیکن اس کے امرا میں سے اعظم ہمایوں لودی نور سعید خاں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور انھوں نے اعظم ہمایوں شروانی کی رہائی کا مطالبہ کیا لیکن سلطان ابراہیم نے ان کی بات نہ مانی، اس نے باغیوں کو شکست دی اور اسلام خاں کو قتل کرڈالا، اعظم ہمایوں شروانی یا تو قید خانہ میں مرگیا یا مروا ڈالا گیا، ایک دوسرے امیر شیخ حسین میاں معروف قرملی سلطان کو چھوڑ کر راجپوتوں سے ایسے نازک موقع پر مل گیا جس سے سلطان کی فوج تقریباً شکست کھا گئی، میاں بھوہ سکندر لودی کے زمانہ میں مالیات کا خاص عہدیدار تھا، معمر اور تجربہ کار ہونے کی وجہ سے عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، وہ

ابراہیم کو محض ایک بچہ سمجھتا، اس لیے اس کے اقتدار کو خاطر میں نہ لاتا اور مالی امور کا نظم اپنی خواہش کے مطابق کرتا اور سلطان کی رائے نہ لیتا، اس لیے وہ بھی برطرف کر دیا گیا اور اس کی جگہ پر اس کا لڑکا مقرر ہوا۔

ابراہیم لودی اپنے غیر وفادار اور سرکش امرا سے بڑی سختی سے پیش آیا، رشتہ، عہدہ اور حیثیت کا خیال نہیں کیا، اس کا جو نتیجہ ہونا چاہیے، وہ ہوا، اس کی سلطنت کے مرکزی حصہ میں اس کا اقتدار مضبوطی سے قائم ہو گیا، وہ اپنی سختی میں حق بجانب تھا، کیونکہ حسین خاں اور نصرت شاہ بنگال سے جنوبی بہار کی طرف بڑھ رہے تھے، رانا سانگا مشرقی راجپوتانہ میں اپنے اثرات بڑھا رہا تھا اور بابر مغرب میں حملے کی دھمکی دے رہا تھا، سلطنت تین سرحدوں پر خطرہ میں تھی، اس وقت نہ تو ایک لمبی خانہ جنگی گوارا کی جا سکتی تھی اور نہ قبائلی تقسیم کی تنگ نظری اور مفسدانہ روش کو کھل کھیلنے کی اجازت دی جا سکتی تھی، ابراہیم اپنے باپ ہی کے نقش قدم پر چل رہا تھا، البتہ بدلے ہوئے حالات میں اس کو عجلت سے کام لینا ضروری تھا۔

دولت خاں کی سرگرمیاں: ابراہیم کو مشرقی پنجاب اور یوپی میں کامیابیاں حاصل ہوئیں تو اس سے طاقتور امرا خوف زدہ ہوئے جو آگے بڑھنے کی تیاری کر رہے تھے، مشرق میں لوحانی تھے جو بہار میں مضبوط ہو چکے تھے، مغرب میں ابراہیم کے رشتہ دار لودیوں نے پورا اقتدار حاصل کر لیا تھا، بہلول لودی کے زمانہ سے انھوں نے بادشاہ کے لقب کے سوا سب کچھ حاصل کر رکھا تھا، اسی لیے وہ پنجاب کو اپنی سلطنت سمجھنے لگے تھے، ان کا قائد تاتار خاں کا لڑکا دولت خاں سلطان سکندر لودی کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھا، وہ بیس برس سے لاہور میں بے تاج کا بادشاہ بنا ہوا تھا، اس کے ساتھ عالم خاں لودی تھا، جو ابراہیم لودی کا چچا اور آگرہ کے تاج کا پرانا دعویدار تھا، ابراہیم نے دولت خاں کی اطاعت گذاری پر یقین کامل کرنے کی خاطر اس کو دربار میں طلب کیا لیکن وہ نہیں آیا اور اپنے بجائے اپنے ایک لڑکے کو بھیج دیا، سلطان کو یہ حرکت پسند نہیں آئی اور ضرورت کے وقت اس کے خلاف اقدام کرنے کی دھمکی دی، دولت خاں کا لڑکا غازی خاں واپس گیا تو اس نے اپنے باپ کو سلطان کا ارادہ بتایا اور جن امرا میں بے اطمینانی تھی ان کے دبے ہوئے جذبات کو بھی اطلاع دی، دولت خاں کی زندگی کا مدعا یہ تھا کہ پنجاب

میں اس کا اقتدار باقی رہے، اسی کے خاندان نے اس علاقہ میں افغانوں کی حکومت بڑھائی تھی اور مغربی پنجاب سے مغلوں کو بے دخل کیا تھا، وہ دریائے سندھ کے مغرب میں بابر کی نقل و حرکت سے قدرتی طور پر خوف کھاتا تھا۔

بابر کی فوج کشی: ۱۵۱۹ء میں بابر نے سندھ کو عبور کیا اور بھیرہ پر فوج کشی کی، جس کا حاکم دولت خاں کا بیٹا علی خاں تھا اور وہاں کے لوگوں کو باجگذار ہونے پر مجبور کیا اور پھر وہاں سے اس نے ابراہیم لودی کے پاس ملا مرشد کو بھیجا کیونکہ وہ ابراہیم ہی کو لودی سلطنت کا قانونی حکمراں سمجھتا تھا اور یہ پیام دیا کہ مغربی پنجاب کا وہ علاقہ جو اس کے چچا افغانستان کے الغ بیگ میرزا کے قبضہ میں تھا، اس کو واپس کر دیا جائے، دولت خاں نے اس ایلچی سے ملنے سے انکار کر دیا اور اس کو لاہور سے آگے بڑھنے نہیں دیا، اس کو شاید خوف پیدا ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ابراہیم ان علاقوں کو واپس کر کے بابر سے دوستانہ تعلقات پیدا کر لے یا اگر اس نے بابر کی بات نہیں مانی تو پھر پنجاب میں ایک جنگ چھڑ جائے گی، بابر اُس وقت ہندوستان میں زیادہ دنوں تک قیام نہ کر سکا، اس لیے اس نے معاملہ کو آگے نہیں بڑھایا لیکن اس نے پورا عزم کر لیا تھا کہ وہ اس علاقہ کو صلح یا جنگ سے ضرور حاصل کرے گا جب وہ سندھ کو پار کر کے واپس گیا تو افغانوں نے اس کے حاکموں کو مار بھگایا اور اس علاقہ کو پھر تصرف میں لے آئے۔

دوسرے سال بابر نے بھیرہ پر قبضہ کر لیا اور سیالکوٹ اور سید پور (امین آباد) تک بڑھ کر چلا آیا، وہ اور آگے بڑھتا لیکن جب اس کو قندھار کے شاہ بیگ ارغون کے حملہ کی خبر ملی تو وہ واپس ہو گیا، اب تک بابر کے حملہ کی نوعیت محض دیکھ بھال کی خاطر آزمائشی تھی، اس کو یہ معلوم ہو گیا کہ سندھ کو عبور کرنے کے بعد پنجاب کا راستہ صاف ہے، افغانوں میں اس کو روکنے کا دم خم نہیں، یا کسی اور وجہ سے وہ لوگ اس سے باضابطہ جنگ کرنے کی ہمت نہیں رکھتے لیکن ہندوستان پر وسیع پیمانہ پر حملہ کرنے سے پہلے قندھار کی تسخیر ضروری تھی، افغانستان کو محفوظ اور پرامن رکھنے کے لیے بھی اس پر قبضہ لازمی تھا، یہیں سے ہندوستان پر حملہ کیا جا سکتا تھا، ہرات کابل اور ہندوستان سب ہی کے لیے قندھار ایک بہت ہی اہم جنگی مقام تھا، بابر کا بیان ہے کہ بھیرہ، خوشاب، چناب اور چینوٹ پر ترکوں کا قبضہ ۱۵۰۴ء تک تھا جب اس کے چچا الغ بیگ میرزا کی وفات کے بعد

انتشار پیدا ہوا تو افغانوں نے ان علاقوں کو پنجاب سے ملالیا، ان پر قبضہ کرنے کے لیے بابر ۱۹ھ/ ۱۵۱۸ء میں دو حملے کیے، پہلا حملہ تو بھیرہ پر کیا جو ہندوستان کا دروازہ تھا، دوسرا حملہ سیالکوٹ پر کیا، ۱۵۱۹ء میں اس نے ابراہیم کے پاس ملا مرشد کو ایلچی بنا کر اس پیام کے ساتھ بھیجا کہ مغربی پنجاب کے یہ علاقے اس کو منتقل کر دیے جائیں، دولت خاں نے نہ صرف اس کو ابراہیم کے دربار میں پہنچنے سے روکا بلکہ اس سے ملاقات کرنے سے بھی انکار کر دیا، اس سے بابر برہم ہوا۔

دولت خاں کی حکمت عملی: دولت خاں اپنی حکمت عملی سے بابر اور ابراہیم لودی دونوں سے لڑائی لڑنا نہیں چاہتا تھا، وہ پنجاب میں رہ کر مشرق اور مغرب دونوں طرف کے واقعات کا مطالعہ کرنا پسند کرتا تھا، تاکہ موقع ملتے ہی وہ اپنی خواہش کے مطابق کوئی فیصلہ کر بیٹھے، وہ ابراہیم کے ارادوں سے واقف تھا لیکن اس کو امید تھی کہ امرا جو ابراہیم کے مخالف تھے، وہ اس سے کوئی نہ کوئی مصالحت کرلیں گے، وہ بابر سے لڑنا بھی پسند نہیں کرتا تھا تاکہ وہ نہ صرف محفوظ رہے بلکہ ابراہیم پر یہ ظاہر ہو کہ مغرب کے خطرہ کی وجہ سے اس طرف کی سرحد کی مدافعت کے لیے اس کی ذات اہم ہوگئی ہے، ایک طرف ابراہیم اور دوسری طرف بابر کی کامیابیوں سے وہ بڑی کشمکش میں پڑ گیا، اس کو کچھ نہ کچھ فیصلہ کرنا تھا، ابراہیم لودی نے اس کو ملاقات کرنے کا ایک موقع دیا تھا لیکن وہ یا تو مجرم ضمیر یا خود غرضی یا خوف کی وجہ سے نہ ملا، اس کو سلطان کی طرف سے دھمکی ملی تو اس کے ہوش حواس اور باختہ ہوئے، اس کے لیے یہ بھی خوفناک خبر تھی کہ قندھار جو بابر کے لیے ایک کانٹا تھا، اس کے تصرف میں آگیا ہے اور شاہ ایران اس کو نہ بچا سکا، اب بابر کے لیے پنجاب پر بڑے پیمانہ پر حملہ کرنے میں کوئی بڑی رکاوٹ حائل نہ تھی، بابر دولت خاں سے برہم ہونے میں حق بجانب تھا، کیونکہ اس کے ہندو بیگ اور دوسرے حاکموں کو افغانوں نے ان علاقوں سے نکال باہر کیا تھا، جہاں وہ تعینات کیے گئے تھے، اب دولت خاں کے لیے کوئی آخری فیصلہ کرنے کا موقع آگیا تھا۔

ملک کے عام سیاسی حالات: ابراہیم لودی دولت خاں سے جنگ کرنے کا زیادہ خواہاں نہ تھا، وہ اپنی قوت کو مجتمع رکھنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا، راجپوتانہ میں پنجاب ہی کی طرح حالات نازک ہو رہے تھے، رانا سانگا نے ۱۵۱۹ء میں مالوہ کے حکمراں محمود ثانی پر فتح پا کر اس کو گرفتار

کرلیا تھا، اس نے ۱۵۲۰ء میں مبارز الملک کو شکست دے دی تھی اور احمد نگر پر قبضہ کرلیا تھا، ان فتوحات کی وجہ سے وہ گجرات میں بھی لڑائی لڑ رہا تھا، جن کے نتائج لودی سلطنت کے لیے اہم تھے، گجرات کی فوجیں راجپوتوں پر غالب آرہی تھیں، ابراہیم لودی کو ان لڑائیوں میں کسی کی فتح سے دلچسپی تو نہ تھی لیکن یہ ضرور تھا کہ اگر راجپوتوں کو فتح ہوتی تو وہ مشرقی راج پوتانہ کی طرف ضرور بڑھتے اور اگر وہ ہار جاتے تو گجرات کے حوصلہ مند حکمراں مظفر شاہ ثانی کے لیے آگرہ کا راستہ صاف تھا۔

مشرقی سرحد پر صورت حال اتنی نازک تو نہ تھی لیکن وہاں بھی معاملات اچھے نہ تھے، ۱۵۲۱ء میں نصیرالدین نصرت شاہ اپنی فوج بہار تک لے آیا تھا، اس نے ترہت پر قبضہ کرلیا اور اپنی سلطنت کے حدود مونگیر اور حاجی پور تک بڑھا لئے تھے، خیال تھا کہ اگر اس کو لوحانی روکنے میں ناکام ہوئے تو وہ جون پور اور چنار تک بڑھتا چلا آئے گا اور اگر دونوں مل گئے تو سلطنت کا پورا مشرقی علاقہ خطرہ میں آجائے گا، کیونکہ وہاں لودیوں کا پورا تسلط نہیں ہونے پایا تھا اور وہاں فتنہ و فساد ظہور پذیر ہو رہے تھے۔

ابراہیم کو پنجاب کے معاملات پر پورا قابو حاصل نہ تھا، دولت خاں نے بابر کے ایلچی کا اغوا کرلیا تھا، پھر پنجاب کے حالات پر ایک آہنی پردہ ڈال دیا تھا، کیونکہ اس کو یہ خطرہ رہا کہ اگر بابر اور ابراہیم میں کوئی سمجھوتہ ہوگیا تو اس کی اہمیت کم ہوجائے گی اور پنجاب کی حکومت یا تو بابر یا ابراہیم کے ہاتھوں چلی جائے گی، ابراہیم اپنے شمال مغربی سرحد کے حالات کو صحیح طور پر سمجھ نہ سکا، اگرچہ اس کو بابر کے حملوں کی خبریں برابر مل رہی تھیں، اب تک بابر کے حالات زندگی میں کوئی ایسا تعجب خیز واقعہ پیش نہیں آیا تھا، جس سے ہندوستان کا کوئی اہم حکمراں خوفزدہ رہتا، بابر نے جس طرح کے حملے کیے وہ کچھ نئے نہ تھے، سلاطینِ سادات کے زمانے میں بھی ایسے حملے ہوتے رہے۔

بابر کو افغانی امرا کی دعوت: ۱۵۲۳ء میں گجرات اور میوات کے درمیان صلح ہوگئی، ابراہیم اب کچھ اقدام کرنے میں آزاد تھا، لاہور کے امرا نے عالم خاں اور دولت خاں کے لڑکے دلاور خاں کو بابر کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا اور یہ پیام دیا کہ وہ آکر ابراہیم لودی کو ہٹا کر اس کی جگہ پر عالم خاں کو

تخت پر بٹھائے، اس کے لیے یہ اسباب بتائے گئے کہ ابراہیم کی ظالمانہ روش میں اصلاح نہیں ہوسکتی ہے اور افغان امرا اس سے عاجز آچکے ہیں، اس کے بعد عالم خاں کا رویہ بابر کے ساتھ دوستانہ اور عقیدت مندانہ ہوگا، اس خیال سے کہیں ان پر غداری کا الزام نہ آئے، انھوں نے ابراہیم لودی کی برائیوں، حماقتوں، اشتعال انگیزیوں اور حریفانہ روشوں کے مبالغہ آمیز بیانات دے کر اس کی بدترین تصویر پیش کی، انھوں نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ بابر کے احکام کا پابند رہ کر اس کی ہدایتوں پر عمل کریں گے، لاہور کے امرا چاہتے تھے کہ بابر کی توجہ دلاور خاں اور اس کے حکام کی طرف سے ہٹ کر ابراہیم لودی کی جانب ہو جائے، انھوں نے کوئی خاص پابندی اپنے اوپر عائد نہیں کی لیکن اس کا اظہار ضرور کیا کہ وہ لودی سلطان کو معزول کرنے میں ہر طرح کی مدد کریں گے، اس قسم کے رویے سے ان کے لیے گنجایش تھی کہ وہ اپنے وعدوں کی تعبیر اپنی مرضی کے مطابق ضرورت کے وقت کرسکیں، دلاور خاں نے اپنی چالاکی سے اپنے وعدوں کو مبہم رکھا، تو بابر نے بھی اپنی دانش مندی سے ان کی وضاحت نہیں کرائی، البتہ بابر کو یہ پورا اندازہ ہوگیا کہ افغانوں میں یکجہتی نہیں رہی اور اس کے حملہ کے لیے مناسب موقع آگیا ہے، اب تک بابر کو مغربی پنجاب کے ان ہی علاقوں کی فکر تھی جو کابل کی سلطنت میں شامل رہے، اب وہ پوری لودی سلطنت نہ سہی تو پورے پنجاب کو ملحق کرنے کا خواب دیکھنے لگا، اس نے خیال کیا کہ اگر اس کی کوشش کامیاب ہوگئی تو وہ ہندوستان میں اپنے کارناموں سے تیمور سے بازی لے جاسکتا ہے اور وسط ایشیا میں اس کو جو ناکامی ہوئی تھی، اس کی تلافی بھی ہو جائے گی، اس کے علاوہ اس کی اقتصادی اور مالی مشکلات بھی حل ہو جائیں گی، جس کے لیے اس نے اپنی توجہ اور سرگرمی پنجاب کی طرف منتقل کرنے کی کوشش کی تھی۔

ابراہیم لودی کی احتیاطی تدبیریں: ممکن ہے کہ ابراہیم لودی کو بابر سے دولت خاں اور عالم خاں سے جو نامہ و پیام ہوئے، اس کی تفصیل تو نہیں معلوم ہوئی ہوگی لیکن اس کو اس نوعیت کا اندازہ ضرور ہوگیا تھا، اس لیے اس نے لاہور پر قبضہ کرنے کے لیے ایک فوج بھیجی، بہن اور مبارک خاں بغیر کسی مخالفت کے لاہور پہنچ گئے اور اس پر قبضہ کرلیا، دلاور خاں نے اس شہر کو خالی کر دیا اور ملتان چلا گیا، جہاں شاید اس کو بابر کا انتظار رہا ہو، ابراہیم لودی کی جس فوج نے لاہور پر

قبضہ کیا وہ زیادہ مضبوط ثابت نہیں ہوئی، اس لیے وہ اس پر پورا تسلط قائم نہ کرسکی، یہ بابر سے شکست کھاگئی جس نے اس پر قبضہ کرکے اس میں آگ لگا کر غارت کردیا، بابر کو اتنی آسانی سے فتح حاصل ہوگئی تو وہ دیبال پور کی طرف بڑھ گیا اور اس کو ۱۵۲۴ء میں تصرف میں لے آیا، یہاں آکر دولت خاں نے ملاقات کا شرف حاصل کیا، بابر نے خوش ہوکر اس کو جالندھر، سلطان پور اور دوسرے علاقوں کا حاکم مقرر کیا لیکن دولت خاں نے صرف اسی کے لیے سودابازی نہیں کی تھی، اس کی عزت کے ساتھ لاہور پر اس کی حکومت بھی جاتی رہی، تو اس کی آنکھیں کھلیں۔

دولت خاں سے بابر کی ناراضگی: دولت خاں اب بابر سے فوری طور پر چھٹکارا حاصل کرنے کی فکر کرنے لگا تاکہ وہ پھر آزادانہ طور پر کوئی اور تدبیر سوچ سکے، اس نے بابر کو یہ صلاح دی کہ وہ آگے بڑھنے سے پہلے اپنی فوج کو ان افغان باغیوں کی سرکوبی کے لیے بھیجے جو ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے پاس جمع ہوگئے ہیں، اس اثنا میں دولت خاں نے بابر کے یہاں درخور حاصل کرلیا تھا اور وہ اپنے مقاصد کی تکمیل میں لگا ہوا تھا، اس لیے اس نے بابر کو یہ بتایا کہ اس کے باپ کی اس چال سے اس کی فوج منقسم ہوجائے گی، جس کے بعد وہ آسانی سے تباہ ہوسکتی ہے، یہ معلوم کرکے کہ بابر نے دولت خاں اور غازی خاں کو گرفتار کرلیا، دولت خاں کے لیے یہ تلخ ترین گھونٹ تھے، بابر جب کابل واپس ہوا تو ان کو قیدی بنا کر نوشہرہ تک لے گیا، جہاں ان کو چھوڑ دیا، بابر کی یہ مہم ناکام رہی، پنجاب میں اس کی خاص پذیرائی نہیں ہوئی، دولت خاں اور غازی خاں بھی اپنے وعدے سے پھر گئے تھے، بدخشاں میں ازبک حملے کررہے تھے، اس کے امرا بھی لمبے اور سخت حملوں کے لیے تیار نہ تھے۔

بابر سے دولت خاں کا معاندانہ رویہ: اس اثنا میں دولت خاں کو ابراہیم لودی کی طرف سے ایک پیام ملا جس میں اس نے دولت خاں کے اس فعل پر لعنت کا اظہار کیا کہ اس نے بیرونی اشخاص کو بلا کر افغانوں کے معاملات کو سدھارنے کی کوشش کی، اسی کے ساتھ ابراہیم نے اس سے وعدہ کیا کہ پنجاب میں اس کے حقوق اور مراعات پہلے کی طرح قائم ہوجائیں گے، دولت خاں نے الزامات کو تو قبول نہیں کیا لیکن ابراہیم کو بھی اس کی تنگ نظری اور ظالمانہ روش کی وجہ سے موردالزام نہیں ٹھہرایا لیکن اس پیام کے بعد اس نے مغلوں کی طرف سے پورا معاندانہ رویہ اختیار

کر لینے کا قصد کیا، اس نے دو تلواریں اپنی کمر میں باندھ لیں، شاید وہ پنجاب کے لیے بابر اور ابراہیم دونوں سے لڑنا چاہتا تھا لیکن وہ یہی رویہ پہلے اختیار کرتا اور بابر سے ۱۹-۱۵۱۸ء میں مقابلہ کرتا تو زیادہ بہتر ہوتا، دولت خاں نے دلاور خاں کو گرفتار کر لیا اور عالم خاں کو اس کی جاگیر سے مار بھگایا جو بابر نے اس کو دی تھی۔

عالم خاں کی سرگرمیاں: عالم خاں لودی کے اپنے منصوبے تھے، اس نے بابر کے سامنے تجویز پیش کی کہ اگر وہ اس کو آگرہ کا تخت دلانے میں مدد کرے گا تو وہ پنجاب اس کے سپرد کر دے گا، بہت ممکن ہے کہ راناسانگا نے بابر سے ساز باز کر لیا ہو کہ اگر بابر نے ابراہیم لودی پر حملہ کیا تو وہ مداخلت نہ کرے گا، بشرطیکہ راجپوتانہ کے مشرقی علاقے اس کے حوالے کر دیے جائیں، جو میواڑ اور لودیوں کے درمیان متنازعہ فیہ ہو رہے تھے، ان تجویزوں کی وجہ سے بابر بڑے پیمانہ پر ہندوستان پر حملہ کرنے پر آمادہ ہوا، وہ جانتا تھا کہ اس کے بعد اس کو لودی سلطان سے بھی برسر پیکار ہونا پڑے گا۔

عالم خاں بابر کو چھوڑ کر دولت خاں سے مل گیا اور دوسرے امرا کے مشورے سے ایک نئی راہ عمل نکالی گئی، یہ طے ہوا کہ عالم خاں اور دلاور خاں دہلی پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کریں اور دولت خاں اور غازی خاں پنجاب میں رہ کر اپنی قوت کو ازسرنو حاصل کریں، ان امرا کا یہ بھی مقصد تھا کہ پنجاب کے حالات کو درست کر کے بابر کا مقابلہ پوری طرح کریں، جب وہ اپنی بڑی فوج کے ساتھ حملہ آور ہو، یہ امید تھی کہ اس صورت حال سے عالم خاں اور دولت خاں دونوں مطمئن ہو جائیں گے اور بابر کو مداخلت بھی نہ کرنی پڑے گی، اگر ان باتوں میں کامیابی ہوئی تو یہ امرا ابراہیم اور بابر دونوں کا مقابلہ کر سکیں گے۔

عالم خاں نے ان مغل حکام کو ان کا ساتھ دینے کو کہا جن کو بابر نے پنجاب میں مقرر کر رکھا تھا، اس نے ان سے کہا کہ بابر بادشاہ اسی وقت ہندوستان آسکیں گے جب ان کو بلخ کی مہم سے فراغت ہو گی لیکن مغل امرا نے عالم خاں کی بات یہ کہہ کر نہیں مانی کہ یا تو یہ حکم بابر بادشاہ کی طرف سے آئے یا نہیں تو حاجی خاں یا غازی خاں کے لڑکے یرغمال کے طور پر بھیجے جائیں، عالم خاں نے مغل امرا کی رفاقت کا خیال کیے بغیر پنجاب کو دولت خاں کے حوالے کیا اور دہلی کی طرف

بڑھ گیا اور اس کے دہلی پہنچنے تک اس کے ساتھ تیس چالیس ہزار فوج جمع ہوگئی، ابراہیم کو خبر ملی تو وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھا، ان سے لڑا اور شکست دے کر ان کو منتشر کیا، دلاور خاں اور عالم خاں بابر کے پاس بھاگ کر چلے گئے اور اس طرح ساری تدبیریں ناکام ہو کر رہ گئیں۔

بابر کا آخری حملہ: ۱۵۲۵ء کے دسمبر کے اوائل میں بابر ہندوستان کی طرف روانہ ہوا، بابر ہندوستان کا لفظ اپنی تزک میں استعمال کرتا ہے لیکن ہندوستان سے کون سا علاقہ مراد تھا، یہ پتہ لگانا مشکل ہے، وہ دراصل پنجاب کو پھر سے فتح کرنا چاہتا تھا، اس کا خیال تھا کہ پنجاب کو لینے میں ابراہیم لودی سے بھی لڑنا پڑے گا، جس کے بعد وہ پنجاب سے آگے ہندوستان میں بھی داخل ہوسکتا ہے لیکن اس کے ذہن میں یہ بات نہ آئی ہوگی کہ وہ لودی سلطنت کا خاتمہ کر کے اپنی حکومت قائم کرلے گا، جب اس کو معلوم ہوا کہ دولت خاں لاہور کی طرف بڑھ رہا ہے تو اس نے تیزی سے کوچ کیا لیکن جب دولت خاں کے ہمراہیوں کو بابر کے آنے کی خبر ملی تو انھوں نے بڑی تعداد میں دولت خاں کا ساتھ چھوڑ دیا، اس کے بعد دولت خاں کے لیے یہی چارہ کار تھا کہ وہ بابر کے سامنے آکر سپر ڈال دے، اس کی جائداد ضبط کرلی گئی لیکن اس کی ذات اور خاندان کو کوئی ضرر نہیں پہنچا۔

دولت خاں کے سپر ڈالنے اور غازی خاں کے فرار ہونے کے بعد کسی مخالفت کے بغیر پنجاب پر بابر کا قبضہ ہوگیا، اس کا وقار بڑھا اور اس میں اور بھی زیادہ ہمت ہوئی کہ وہ اب سلطان ابراہیم سے باضابطہ ٹکر لے۔

پانی پت کی لڑائی: ابراہیم بھی نچنت نہیں بیٹھا تھا، وہ بابر سے جنگ کرنے کے لیے ایک بڑے لشکر کے ساتھ دہلی سے روانہ ہوا، حصار فیروزہ کا شقہ دار حمید خاں سلطان ابراہیم کا ساتھ دینے کے لیے آرہا تھا کہ ہمایوں سے اس کی مڈبھیڑ ہودال میں ہوئی جہاں وہ شکست کھا گیا، شہزادہ ہمایوں کو اس فتح کے انعام میں حصار فیروزہ دیا گیا، حاتم خاں ایک ہراول کے ساتھ بڑھ رہا تھا کہ جنید برلاس نے اس کو شکست دی، بابر نے صورت حال کو اب اہم تصور کیا، اس لیے وہ پانی پت میں ٹھہر گیا اور جنگ کی تیاری میں مشغول ہوگیا، اس کی فوج میں تقریباً آٹھ سے بارہ ہزار لشکری تھے، اس کے پاس بڑی فوج نہ تھی، اس لیے اس نے ایسی مدافعانہ حیثیت اختیار کی جو بہتر صورت حال کے

وقت جارحانہ اقدام میں تبدیل ہو سکے، لڑائی میں اس کے تجربات وسیع تھے، اس کو منگولوں، ازبکوں اور ایرانیوں کے طریق جنگ سے واقفیت تھی، اس کے ساتھ دو رومی افسر بھی تھے، جو عثمانیوں کے طریقہ جنگ اور آتشیں اسلحہ کے موثر استعمال سے اچھی طرح واقف تھے، افغانوں کو پہلی دفعہ ایسی جنگ سے سابقہ پڑا جس میں سواروں اور آتشیں اسلحہ کی موثر ہم آہنگی تھی۔

بابر نے اپنی فوج کے ایک حصہ کو پانی پت کے شہر کی آڑ لے کر محفوظ کر لیا، دوسرے حصہ کی حفاظت کے لیے خندق کھدوائی اور درختوں اور خاردار جھاڑیوں کی باڑ لگا دی اور سامنے سیکڑوں ارابے نصب کئے جو کچے چمڑوں سے بندھے ہوئے تھے، ان ارابوں (گاڑیوں) کی قطاریں مسلسل نہ تھیں، ان گاڑیوں کے درمیان تھوڑی تھوڑی جگہیں خالی رکھی گئی تھیں، جہاں جالی کے خانے تھے، ان چھکڑوں اور جالیوں کی آڑ میں گولہ انداز کھڑے ہو کر گولے مارتے، یہ راستے ضرورت کے وقت سواروں کے استعمال کے لیے بھی تھے، اس صف کے پیچھے بابر نے اپنی فوج کو تیموری روایت کی طرز پر مرتب کیا، جس کی مدد کے لیے بازو میں اوزبک طریقے سے تیز رو سوار موجود تھے۔

ابراہیم بہت بڑے لشکر کے ساتھ میدان جنگ میں اترا، اس کی فوج کی تعداد اندازاً ایک لاکھ بتائی جاتی ہے لیکن شاید پچاس ہزار سے کم نہ تھی، اس کے پاس بلاشبہ دو ہزار ہاتھی تھے، جن کو جدید قسم کی آتشیں اسلحہ کا سامنا کرنے کی تربیت دی گئی تھی، اس طرح وہ اگر بہت بڑے خطرے نہ بھی تھے تو رکاوٹ ضرور تھے، دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ایک ہفتہ تک رہا، بابر چاہتا تھا کہ لڑائی کی ابتدا ابراہیم کی طرف سے ہو، دونوں تاخیر سے گھبراتے تھے کہ کہیں اس سے انتشار اور پیچیدگی نہ پیدا ہو، مغلوں کی چھیڑ چھاڑ سے ابراہیم گھبرا گیا تو اس نے اسپارٹنوں اور راجپوتوں کی طرح ایک بزم جشن منعقد کی، اس میں اپنے فوجی عہدیداروں اور لشکریوں کو جواہرات سونا اور موتی عطا کئے، جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا اور یہ سب دے کر ان کو ایک فیصلہ کن جنگ کے لیے آمادہ کیا، اس کے دوسرے دن باضابطہ حملہ شروع کر دیا گیا۔

افغانوں کی فوج نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر مغلوں کے اگلے حصے پر حملہ کیا لیکن دشمن کا یہ حصہ تنگ اور دشوار گذار تھا، اس لیے افغان رکے، مگر پھر سمٹ کر حملہ آور ہوئے، ایسا کرنے

میں لشکر کی ترتیب بگڑ گئی اور ساری فوج دشمن کے قلب پر جھک پڑی، بابر اسی موقع کے انتظار میں تھا، اس نے اپنے تولغمہ کو حکم دیا کہ غنیم کے سامنے اور عقب سے حملہ کریں اور آتشیں اسلحہ کو حرکت میں آنے کا بھی حکم دیا، ان طریقوں سے افغان کی فوج ایک بھیڑ میں منتقل ہوگئی، یہ مفلوج ہوکر رہ گئی اور مناسب طریقہ سے کام نہ کرسکی، آتشیں اسلحہ کی پوری زد میں آگئی اور اس میں پورا انتشار پھیل گیا، محمود خاں نے ابراہیم لودی سے میدانِ جنگ چھوڑ کر محفوظ مقام پر چلے جانے کو کہا تا کہ وہ دشمنوں کے نرغے سے بچ جائے لیکن سلطان ابراہیم نے اس کو ایک شرمناک فعل تصور کیا اور شہادت کے لیے تیار ہوگیا، پانچ چھ ہزار جاں نثار لشکریوں کے ساتھ گھمسان لڑائی میں کود پڑا اور دشمنوں میں گھر کر عدم کی راہ لی، افغان فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور اس کا قتل عام ہوا، ۲۱ر اپریل ۱۵۲۶ء بابر کی کامیابی میں ماہرانہ قیادت، باقاعدہ طریقۂ جنگ، بہتر قسم کے جنگی اسلحہ اور خوش قسمتی کو بڑا دخل تھا، یہ جنگ پورے ہندوستان کے لیے تو نہیں لیکن لودی سلطنت کے لیے فیصلہ کن تھی، دہلی اور آگرہ پر بابر کا قبضہ ہوگیا۔

لڑائی کے بعد کے مسائل: پانی پت کی فتح کے بعد بابر کی سیاسی دلچسپیاں آگرہ منتقل ہوگئیں، اس کے سامنے نئے مسائل تھے، جن کو اس کو حل کرنا تھا، پہلا مسئلہ اس کو عام لوگوں میں اپنا اعتماد پیدا کرنا تھا، جو یا تو شہروں کو چھوڑ کر فرار ہوگئے تھے یا ان کے پھاٹک بند کرکے اندر بیٹھ گئے تھے، یا اپنی مدافعت میں ان کی سمجھ میں ان سے جو بھی بن پڑ رہا تھا، اس کو عمل میں لا رہے تھے، افغان فوجوں کی تنظیم تو ختم ہوگئی تھی لیکن قبائلی سردار اپنے ساتھیوں کے ساتھ ادھر ادھر چکر لگا رہے تھے، گو ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب وہ کیا کریں، بڑے بڑے افغان امرا نے تو اپنی آزادی کا اعلان کردیا، صلح اور امن اسی حال میں قائم ہوسکتا تھا، کہ یا تو وہ نئے فاتح کی رحم دلی اور فیاضی سے اس کے سامنے جھک جاتے، یا پھر ان کو فوجی قوت کے ذریعہ سے اس کا اقتدار تسلیم کرایا جاتا، ان میں سے بعض امرا مثلاً نصیر خاں لوحانی اور معروف فرملی نے قنوج سے آگے کے علاقوں پر اپنا تصرف کرلیا تھا، ان کی پشت پناہی بہار کے لوحانی حکمراں نے کی، جس نے ابراہیم لودی کے زمانہ ہی سے اپنی آزادی کا اعلان کر رکھا تھا، بابر نے دونوں طریقے اختیار کیے، جن امرا نے اس کی حکومت تسلیم کرلی، ان کو اس نے امن کے ساتھ بڑی بڑی جاگیریں دیں، مثلاً بایزید

فرملی کو اودھ میں ایک کرور کی جاگیر عطا کی، اسی طرح اور افغان امرا بابر کے ساتھ ہو گئے، جن سے وہ بڑی فیاضی سے پیش آیا۔

بقیہ اور امرا کے مقابلہ کے لیے بابر نے غیر مفتوحہ علاقوں کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا اور اپنے امرا کو عطا کیا، جہاں پہنچ کر ان کو امن و امان، سیاسی اور مالی نظم قائم کرنے کا حکم ہوا، اس طرح سنبھل، اٹاوہ، قنوج، دھول پور اور دوسرے علاقوں پر اس کا اقتدار قائم ہو گیا، قنوج کے پورب کی طرف افغان کے جنگی امرا نے کچھ مختلف حیثیت اختیار کر لی تھی، وہ بہت طاقتور ہو گئے تھے اور ان پر قابو پانے کے لیے بڑے پیمانہ پر باضابطہ موثر جنگی کارروائی کرنے کی ضرورت تھی۔

پانی پت کی لڑائی فیصلہ کن ہو چکی تھی، اسی دن (۲۱/اپریل ۱۵۲۵ء) ہمایوں کو آگرہ اور مہدی خواجہ کو جو بابر کا داماد تھا، دہلی پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کیا گیا، جمعہ ۲۷/اپریل کو بابر کے نام سے دہلی کی جامع مسجد میں خطبہ پڑھا گیا، غربا اور مساکین میں خیرات تقسیم کی گئی، دہلی سے بابر آگرہ گیا جہاں وہ ۱۰/مئی کی سہ پہر کو پہنچا اور سلطان ابراہیم لودی کے محل میں مقیم ہوا۔

پانی پت کی لڑائی کے بعد بابر کی ہندوستانی فتوحات کا دوسرا دور ختم ہو گیا، لودی خاندان کی قسمت پر مہر اسی طرح لگ گئی جس طرح کہ تیمور نے تغلقوں کے خاندان پر لگائی تھی، اس سے افغانوں کی قوت پر بڑا اثر پڑا اور ان کا نظام حکومت اور بھی کمزور ہو گیا، فاتح کے خوف سے لشکریوں اور کسانوں میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی، شہر کے حصار کے پھاٹک بند کر دیے گئے اور ہر جگہ لوگ مدافعت کے لیے تیار ہونے لگے، افغانوں کی خیالی یکجہتی جاتی رہی، مختلف قبیلوں کے سرداروں کا سیاسی اخلاق اختلاف کی وجہ سے بگڑ گیا، رانا سانگا پانی پت کی جنگ میں کوئی حصہ اس لیے نہ لے سکا ہوگا کہ شاید اس کو گجرات کے مظفر شاہ سے برابر خطرہ لاحق تھا، مظفر شاہ کی وفات ۵/اپریل ۱۵۲۶ء کو پانی پت کی لڑائی سے پندرہ روز پہلے ہوئی، اس لیے رانا سانگا کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اتنی جلدی ایک لشکر تیار کر کے پانی پت پہنچ جاتا، پانی پت کی فتح کے بعد مغلوں کی ایک ایسی عظیم الشان سلطنت کی بنیاد پڑی جو اپنی شان و شوکت، قوت اور کلچر کے لحاظ سے اسلامی دنیا کی عظیم ترین حکومت سمجھی جاتی تھی، بلکہ وہ رومن امپائر کے برابر ہی

سمجھنے کا دعویٰ کر سکتی تھی۔

بابر کی فیاضی: بابر نے اپنے امرا اور لشکریوں کو دہلی اور آگرہ کے خزانوں سے بڑی فیاضی کے ساتھ رقمیں دیں، وہ تحائف اور نذرانے دینے میں سمرقند، عراق، خراسان اور کاشغر کے اپنے رشتہ داروں اور سمرقند، خراسان، مکہ اور مدینہ کے بزرگان دین کو بھی نہیں بھولا، اس فیاضی کی وجہ سے اس کو قلندر کہا گیا۔

بابر کے امرا کی بددلی: پھر بھی اس کے بہت سے امرا اور بہادر لشکریوں نے ہندوستان میں رہنے سے انکار کیا اور اپنی بددلی کا اظہار کرنے لگے، جو بلا وجہ بھی نہ تھی، شمالی ہند کے رہنے والوں کو اس فتح کے بعد ایسی شدت کی گرمی کا سامنا کرنا پڑا کہ اس سے پہلے کئی سال سے ایسی گرمی نہیں پڑی تھی، شدت کی لو چلی اور اس کے ساتھ گرد آلود ہوا بھی چلتی رہی، جس سے لوگ تودۂ خاک نظر آتے تھے، اس کے علاوہ باہر سے آنے والوں کے لیے ہندوستان کی سوسائٹی بھی نئی تھی، پہاڑوں اور وادیوں کے باشندوں کے لیے یہاں کا ماحول بھی ان کی طبیعت کے مطابق نہ تھا، ملکی باشندے فاتحوں کے ڈر اور نفرت سے ادھر ادھر بھاگ کر چلے گئے، جس سے معمولی چیزوں کا دستیاب ہونا مشکل ہو گیا، گھوڑوں کے لیے بھی غلہ اور چارہ نہ ملتا اور جب بابر نے یہ طے کر لیا کہ وہ ہندوستان میں قیام کرے گا تو اس کے یہ معنی تھے کہ پانی پت کی جنگ سے بڑا فائدہ تو ضرور ہوا تھا لیکن ہندوستان کی فتوحات کی پہلی ہی منزل تھی، بابر کے ہمراہیوں کو اس خیال سے تکلیف ہونے لگی کہ ان کو ناخوشگوار میدانی علاقوں میں طویل قیام کرنا ہو گا اور ابھی بہت سی لڑائیاں لڑنی پڑیں گی، بابر نے ایک مجلس طلب کی اور اس نے اپنی امتیازی خطیبانہ شان کے ساتھ بڑی صفائی کے ساتھ کہا کہ:

> ”ہم نے کئی سال کی محنت کے بعد، ہر قسم کی مشقتوں کو برداشت کر کے، لمبی مسافت طے کر کے، اپنے آپ کو اور اپنی فوج کو لڑائی میں جھونک کے ہولناک خونریزی کر کے تائید الٰہی سے دشمنوں کی ایک بڑی جماعت کو شکست اس لیے دی ہے کہ ہم ان کے وسیع علاقے کو قبضہ میں لائیں اور اب کیا مجبوری پڑ گئی ہے اور ایسی کیا ضرورت آ پڑی ہے کہ کسی معقول وجہ کے بغیر ایسے ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں جس کو جان پر کھیل کر حاصل کیا ہے،

کیا یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا تھا کہ ہم پھر کابل میں جا کر غربت کی زندگی بسر کریں، اب سے جو میرے بہی خواہ ہیں، وہ ایسی گفتگو نہ کریں لیکن جو لوگ استقلال اور ہمت میں کمزور ہیں اور جو جانا چاہتے ہیں وہ چلے جائیں۔"

بابر نے جب اپنے غیر متزلزل عزم کا اظہار اس صفائی اور غیر مبہم طریقہ پر کیا تو اس کے ہمراہیوں کے دلوں سے خوف جاتا رہا لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو یہاں ٹھہرنا پسند نہ کرتے تھے، ان میں خواجہ کلاں بھی تھا، اس کے ساتھ اس کے کچھ اور ہمراہی بھی تھے، وہ اپنے وطن کے لیے کچھ ایسا بے قرار رہا کہ جب وہ دہلی سے جانے لگا تو اپنی قیام گاہ کی دیوار پر یہ لکھ گیا:

اگر بخیر و سلامت گذار سند شود   سیاہ روئے شوم گرد ہوائے ہند شود

خواجہ کلاں اور اس کے ساتھیوں کے جانے کے بعد بابر کی فوج کی تعداد میں کوئی کمی نہیں ہوئی کیونکہ بعض افغان امرا اس کے ساتھ ہو گئے۔

رانا سنگ۔ رام سنگھ: بابر نے جب ہندوستان میں قیام کرنے کے ارادہ کا اظہار کیا تو پھر میواڑ کے طاقتور ترین راجپوت حکمراں رانا سنگ رام سنگھ سے اس کا تصادم لازمی ہو گیا، رانا اٹھارہ لڑائیاں جیت چکا تھا، اس کے حوصلے بلند تھے، وہ بابر کے مقابلہ میں لودیوں کو ترجیح دیتا تھا کیونکہ لودی بہت زیادہ طاقت ور ہمسایہ نہ تھے، گر چہ وہ پرتھوی راج کے دارالسلطنت سے شمالی ہند کی سلطنت پر حکومت کرنے میں ناکام رہا تھا، اسی لیے اس نے اندر پرست کے بجائے چتوڑ جیسے حصار میں اپنے اقتدار کا پرچم لہرانا پسند کیا تھا، رانا کے حوصلے کی وجہ سے افغان سرداروں کی ہمت بڑھی، کیونکہ ان کو اب تک بابر کی قوت کو آزمانے کا تجربہ نہیں حاصل ہوا تھا، گر چہ وہ کھوئی ہوئی سلطنت کو جاں بازی کے ساتھ حاصل کرنے اور اپنے وقار کو قائم کرنے کی فکر میں تھے۔

افغان امرا کی مخالفت: بابر نے رانا کے خلاف فوج کشی کی مہم کو ملتوی کیا اور پہلے افغانوں کو فرو کرنے کی کوشش کی، بیانہ، دھول پور، سنبھل، راپری، اٹاوہ اور کالپی اب تک افغان حاکموں کے تصرف میں تھے، قنوج سے بنگال کی سرحد تک کے علاقوں پر نوحانی (لوحانی) اور فرملی قبیلوں کے آزاد سرداروں کا قبضہ تھا، بابر نے پرانا طریقہ اختیار کیا، یعنی جو علاقے اب تک تسخیر نہیں ہوئے تھے، ان کو اپنے ممتاز ہمراہیوں کے درمیان تقسیم کر دیا اور ان کو حکم دیا کہ وہ ان علاقوں کو فتح کر کے

وہاں مستحکم حکومت قائم کریں، یہی طریقہ کار قابل عمل تھا، قنوج کے پوربی علاقے ناصر خاں لوحانی اور معروف فرملی کے تصرف میں تھے، بابر نے ان کے خلاف اپنے بڑے لڑکے ہمایوں کو بھیجا جن کو سر کرنے کے لیے ہمایوں نے خود اپنے کو پیش کیا، شہزادہ ۲۱ راگست کو آگرہ سے روانہ ہوا اور جیسے جیسے وہ آگے بڑھا، افغان پیچھے ہٹتے گئے، یہاں تک کہ اس نے جون پور اور غازی پور کو لے لیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ افغانوں نے پوری قوت سے لڑنے کے بجائے آئندہ صورت حال کا انتظار کرنا زیادہ بہتر تصور کیا۔

بابر غالباً افغانوں اور راجپوتوں کے رویہ پر نظر رکھنے کی خاطر آگرہ میں مقیم رہا، اس کا دماغ آنے والے طوفانی واقعات کے خیال سے خالی تو نہیں ہوا، پھر بھی وہ باغات، کنوئیں اور حمام بنانے میں مشغول رہا، وہ چاہتا تھا کہ رانا سے جنگ کرنے سے پہلے دھول پور، بیانہ اور گوالیار کے چھوٹے چھوٹے افغان سرداروں کی سرکوبی کرلے، اس کے حکم سے بیانہ اور دوسرے قلعوں پر گولہ اندازی کے لیے استاد علی خاں نے ایک بڑی توپ تیار کی۔

بیانہ راجپوتانہ کا گویا پھاٹک تھا، میواڑ کی شمالی سرحد میں پہلا خال کا قلعہ تھا جو جنگی لحاظ سے بڑا اہم تھا، بابر کی فطری خواہش یہ ہوئی کہ اس پر اس کا قبضہ ہوجائے، کیونکہ اس سے اس کی سلطنت کو مدافعت میں بڑی مدد ملتی، یا پھر اسی کو محاذ بنا کر وہ راجپوتانہ میں داخل ہوسکتا تھا، یہ نظام خاں کے قبضہ میں تھا، اس کا بڑا بھائی عالم خاں کردلی میں تو ہن گڑھ کے قلعہ میں قلعہ دار تھا، وہ بابر کے ساتھ ہوگیا تھا، تردی بیگ کو ڈھائی ہزار لشکریوں کے ساتھ اس کے خلاف روانہ کیا گیا، عالم خاں بھی اس کی مدد میں پہنچا، نظام خاں کے پاس فوج کافی تھی، اس نے اسی پر بھروسہ کرکے ایسا حملہ کیا کہ حملہ آور فرار ہوگئے، بابر کو اس مہم میں ناکامی ہوئی، تو اس نے نظام خاں کو سرِ دست اس کے علاقہ میں رہنے دیا اور اس سے چھیڑ چھاڑ نہیں کی۔

رانا سانگا سے لڑائی: رانا سانگا نے کندار کے قلعہ پر قبضہ کرلیا جو رتھنبھور سے کچھ میل دور پورب کی طرف تھا، بابر اس سے چوکنا ہوا، رانا نے اس وقت تک اس کو نظر انداز کررکھا تھا، بابر نے اس کو محسوس کیا لیکن اس کے پاس کافی فوج نہ تھی، اس کے قریبی دشمن افغان تھے، اسی لیے وہ اب تک رانا سے فوری لڑائی لڑنے میں رکا رہا لیکن جب بابر نے بیانہ کی تسخیر کی کوشش کی اور

نظام نے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو ایک اہم صورت حال پیدا ہو گئی، رانا کے لیے اب بابر کے بڑھتے ہوئے اثرات کی طرف سے آنکھیں بند کیے رہنے کا موقع نہ تھا، خصوصاً جب بابر نے بیانہ پر حملہ کیا، رانا سے لڑائی کرنے میں جو صورت حال پیدا ہوئی، بابر کو اس کا اندازہ تھا، اس لیے اس نے اس کو جہاد کا رنگ دیا، اس نے ۳۰ر نومبر ۱۵۲۶ء کو ہمایوں کے پاس ایک قاصد کے ذریعہ ایک حکم بھیجا کہ وہ جون پور کو معتمد حکام کے حوالے کر کے جلد آگرہ پہنچ جائے کیونکہ کافر رانا سانگا قریب پہنچ گیا ہے۔

چھوٹے چھوٹے سرداروں کے لیے رانا سے مقابلہ کرنا مشکل تھا، اس لیے جب بابر نے ان کو اپنی حفاظت میں لینا چاہا تو وہ اس کے لیے فوراً آمادہ ہو گئے، بابر نے اس کے بدلے ان کو دوسری جاگیریں محفوظ علاقوں میں دینے کا وعدہ کیا، اس طرح گوالیار، بیانہ، دھول پور اور دوسرے قلعے اس کے تصرف میں آ گئے اور اس نے وہاں مغل امرا متعین کیے لیکن وہ حسن خاں میواتی کو اپنی طرف لانے میں ناکام رہا، وہ افغان سرداروں میں سب سے بڑا سردار تھا، اس کا لڑکا (ناہر یا طاہر خاں) پانی پت کی لڑائی میں بابر کے ہاتھ آ گیا تھا لیکن بابر نے اس کو اس کے باپ کے پاس بھیج دیا، حسن خاں میواتی کا لڑکا جب اس کے پاس پہنچ گیا تو وہ بابر کے خلاف اپنے عناد کا اظہار کرنے لگا، بابر کو اپنی اس فراخ دلی پر افسوس ہوا، حسن نے اپنے بھائی ابراہیم لودی کے بعد محمود لودی کو اس کے تخت کا وارث قرار دیا اور رانا سانگا کی حمایت حاصل کی۔

دونوں طرف سے لڑائی کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ یکایک بابر مرتے مرتے بچا، ابراہیم لودی کی بوڑھی ماں نے بابر کے ایک ہندوستانی چاشنی گیر احمد کے ذریعہ سے اس کو زہر دینے کی کوشش کی، خوش قسمتی سے یہ زہر کھانا پکانے کے برتن میں نہیں ملایا گیا تھا، بلکہ کھانے پر چھڑک دیا گیا تھا، بابر زیادہ کھانا کھانے نہ پایا تھا کہ اس کا دل اکھل بکھل کرنے لگا، اس کو شبہہ ہوا اور تحقیقات سے سازش کا پتہ چلا، سازش کرنے والوں کو پوری سزا دی گئی اور ابراہیم خاں کی ماں کابل روانہ کر دی گئی، راستہ میں جب وہ دریائے سندھ عبور کر رہی تھی تو اس نے اس میں کود کر جان دے دی، بابر کی قسمت اچھی تھی، اگر وہ مر گیا ہوتا تو پھر اس سلطنت کو کوئی بچا نہیں سکتا تھا، جس کی وہ تعمیر کر رہا تھا، پھر راجپوتوں کا اقتدار پورے ہندوستان پر ہو جاتا۔

بیانہ سے برابر خبر مل رہی تھی کہ رانا تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے، اس لیے بابر ۱۱ر فروری ۱۵۲۷ء کو آگرہ سے جہاد کے لیے باہر نکلا، اور شہر سے باہر اپنا خیمہ نصب کیا، جہاد کے نعرہ سے بابر کو اخلاقی مدد ملی اور مسلمانوں میں بھی رانا کے خلاف ایک متحدہ کوشش کے لیے جوش پیدا ہونے کی توقع ہوئی، بابر کو خبر ملی کہ حسن خاں اور رانا سانگا بیانہ پہنچ گئے ہیں اور بیانہ کی فوج ان حملہ آوروں سے شکست کھا گئی ہے، بہادر فوجی افسروں مثلاً شاہ منصور برلاس، قسمتی اور بیانہ سے آنے والے لشکریوں نے کفار کی شجاعت اور خوف ناکی کی تعریف کی، بابر نے بیانہ کے لشکریوں کو کہلا بھیجا کہ وہ وہاں سے جلد از جلد چل کر اس سے آملیں۔

بابر کو معلوم تھا کہ سیکری کے علاوہ کہیں پانی کا اچھا انتظام نہ ہو سکے گا، سیکری میں ایک جھیل تھی، اس کو خطرہ ہوا کہ کہیں رانا اس پر قبضہ نہ کر لے، اس لیے اس نے اپنے لشکریوں کو بھیجا کہ وہ جھیل کے قریب اپنا کیمپ نصب کر لیں، اس اثنا میں پندرہ سو کا ایک قراولی دستہ عبدالعزیز کی رہنمائی میں گیا لیکن رانا کے لشکریوں سے یہ شکست کھا گیا، اس کی مدد کے لیے جو کمک بھیجی گئی وہ بھی بری طرح ناکام رہی۔

ان ناکامیوں سے بابر پریشان نہیں ہوا، وہ اپنی فوج کے ساتھ آگے بڑھا اور جھیل کے ایک کنارہ میں اپنا کیمپ لگا کر اس کو محفوظ کیا، اس کے سامنے پانی پت کی طرح مضبوط آرابوں کی ایک قطار لگائی گئی جو خاص اسی موقع کے لیے تیار کیے گئے تھے، ان آرابوں کو آہنی زنجیروں سے متصل کیا گیا اور بیچ میں سات آٹھ گز کا خلا چھوڑ دیا گیا، یہ قطار کچھ تو دشمنوں کے جارحانہ حملوں کے روکنے کے لیے تھی لیکن یہ دراصل تفنگ اندازوں اور گولہ اندازوں کی حفاظت کے لیے تھی، جو اس کے پیچھے کھڑے کیے گئے تھے اور جہاں ارابے نہیں پہنچائے جا سکتے تھے، وہاں خندق کھودی گئی تھی، جس سے لشکریوں کی ہمت اور طاقت بڑھتی نظر آتی تھی، اس مدافعت سے پورا کیمپ محفوظ ہو گیا تھا اور جہاں ارابے نہ تھے، وہاں لکڑی کی گاڑیاں چمڑے کی ارچی سے سات سات آٹھ آٹھ گز کے فاصلے پر باندھ دی گئی تھیں، یہ پہیہ دار گاڑیاں جو آگے اور پیچھے حرکت کر سکتی تھیں نہ صرف نئی چیز تھیں بلکہ ان سے بڑا فائدہ پہنچا، وہ گولہ اندازوں کی متحرکانہ حفاظت کرتی تھیں۔

بابر خود تو بڑی سرگرمی سے لڑائی کی تیاری اور مدافعت میں ہر قسم کی احتیاط لو بروئے کار

لا رہا تھا لیکن اس کے امرا اور لشکری خوفزدہ ہو کر لرزہ براندام تھے، ان کو خبر ملی تھی کہ رانا سانگا شمالی ہند کا بڑا ہی طاقتور راجہ ہے، اس کا مقابلہ دہلی، گجرات، مانڈو کے سلاطین نہیں کر سکتے تھے، اس کے پاس بہت بڑی فوج تھی، جس کا تخمینہ ایک لاکھ کیا جاتا تھا اور اس میں ایسے پیدائشی سپاہی تھے جو رانا کی آواز پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے، بیانہ میں شکست ہو چکی تھی، قراولی دستے بھی پسپا ہو گئے تھے، ان شکستوں سے بابر کے لشکریوں کی ہمت کمزور پڑ رہی تھی اور ان پر خطرات چھائے ہوئے تھے، اسی اثنا میں خبر ملی کہ افغان سرداروں نے راپری، کوئل، چندوار، سنبھل اور قنوج پر پھر سے قبضہ کر لیا، ممتاز افغان سرداروں میں عالم خاں، ہیبت خاں اور حسن خاں نے بھی غداری کر کے بابر کا ساتھ چھوڑ دیا، کسی کی زبان سے مردانگی کی بات سنائی نہیں دیتی، اس موقع پر بابر نے ایک مجلس منعقد کی، اس نے ایک پرجوش تقریر کی اور ان سے لڑ کر مر جانے کی قسم لی، یہ اپیل موثر ثابت ہوئی، حاضرین میں سے جتنے بیگ اور لشکری چھوٹے اور بڑے موجود تھے، سب نے خوشی خوشی ہاتھوں میں کلام پاک لیا اور مل کر قسمیں کھائیں۔

بابر نے جنگ کو فیصلہ کن بنانے کے سلسلہ میں تائید ایزدی چاہی، اسی لیے شراب نوشی سے توبہ کی، چاندی اور سونے کے ساغروں کو توڑ کر غربا اور فقرا میں تقسیم کروایا، اس کی تقلید تین سو بیگوں یعنی امرا نے بھی کی اور جہاں شراب انڈیل کر برباد کر دی گئی تھی، وہاں ایک خیرات خانہ بنانے کا حکم دیا گیا اور ایک عام حکم جاری ہوا کہ منشیات نہ تیار کی جائیں نہ استعمال ہوں اور نہ فروخت کی جائیں، مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے ایک فرمان صادر ہوا کہ کسی شہر، قصبہ، سڑک، گھاٹ، گذرگاہ اور قلعہ میں ان سے تمغا وصول نہ کیا جائے لیکن ان احکام اور فرامین کو عمل میں اسی وقت لایا جا سکتا تھا، جب اچھا سیاسی نظم و نسق قائم ہو جاتا، جو اس وقت تک نہیں ہو سکا تھا لیکن ان وعدوں سے اچھے دن آنے کی توقع ضرور پیدا ہو گئی۔

سنیچر کے روز ۱۷ر مارچ ۱۵۲۷ء کو بابر ایک ایسے میدان جنگ میں اترا جہاں اس نے راجپوتوں سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، کچھ خیمے نصب کر لئے گئے تھے، کچھ اور لگائے گئے تھے، جب دشمنوں کے بڑھنے کی خبریں ملیں تو بابر لکھتا ہے کہ میں گھوڑے پر سوار ہوا اور ہر لشکری کو اپنی اپنی جگہوں پر رہنے اور پوری صف کو ارابوں سے محفوظ کرنے کا حکم دیا۔

راجپوتوں کی فوج بابر کے لشکر سے کئی گنا زیادہ تھی، ان کی ہمت بھی بڑھی ہوئی تھی، انھوں نے بابر کے دائیں بازو کے آخری حصہ پر ساڑھے نو بجے دن کو حملہ کیا، بابر کا یہ حملہ تولغمہ کے لیے تھا، جو جارحانہ حملہ تو بڑی خوف ناکی سے کرتا تھا لیکن مدافعانہ جنگ میں کمزور ثابت ہوتا تھا، بابر نے اس خطرہ کا اندازہ فوراً کرلیا اور اس نے اس دباؤ کو راجپوتوں کے بائیں بازو پر ایک زوردار حملہ کر کے دور کیا، یہ حملہ چین تیمور سلطان کی نگرانی میں منگول لشکریوں نے کیا، اس سے راجپوت کے بائیں بازو اور مرکز کے درمیان ایک خلا پیدا ہو گیا، مصطفیٰ رومی اس سے فائدہ اٹھا کر آگے بڑھا اور تباہ کن آتش بازی کی، راجپوت پھر بھی جمے رہے اور ان کے جاں باز لشکری موجوں کی طرح مغلوں کے دائیں بازو کی طرف بڑھے، بابر اس بازو کو اپنے مرکز کی ساری قوت کو اس طرف منتقل کر کے بچا سکا۔

دائیں بازو میں جنگ بہت خوفناک اور طویل ہوگئی، راجپوتوں کی امیدیں بر نہ آئیں، وہ بابری فوج کے قلب پر حملہ نہ کر سکتے تھے، کیونکہ وہاں تفنگچی پوری کامیابی کے ساتھ گولہ اندازی کر رہے تھے، راجپوت مغلوں کے بائیں بازو کی طرف بڑھے، جس پر وہ ہول ناک طریقہ سے حملہ آور ہوئے، مغل بڑی پامردی کے ساتھ جمے رہے، ایک فٹ بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹے، حالانکہ ان پر بڑا دباؤ پڑ رہا تھا، اس اثنا میں بابر کی فوج کے تولغمے حرکت میں آئے اور راجپوتوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا، پھر قلب کے چاروں طرف سے بابر کی خاص شاہی فوجوں نے خوفناک حملے کئے، ہر طرف گھمسان کی لڑائی ہونے لگی، قلب سے بڑے بڑے گولے پھینکے جانے لگے، جن سے بڑی ہیبت ناکی پیدا ہوئی، تفنگچیوں نے بڑی سرگرمیاں دکھائیں، خاص شاہی فوج نے راجپوت کی مرکزی فوج کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا اور آتش باری سے کشتوں سے پشتے لگ گئے، راجپوتوں نے پھر ہمت باندھی اور وہ بابر کے بازوؤں پر حملہ آور ہوئے لیکن ان کو پیچھے ڈھکیل دیا گیا، ایک ایسا موقع بھی آیا جس سے بظاہر یہ معلوم ہوا کہ مغلوں کے بائیں بازو کو شکست ہو رہی ہے لیکن مغل بھی جان کی بازی لگائے ہوئے تھے، جنگی نقطۂ نظر سے ان کو بڑے فوائد حاصل ہو چکے تھے اور وہ اپنے آتشیں اسلحہ سے اپنے دشمنوں کو بڑی حد تک موت کے گھاٹ اتار چکے تھے، بالآخر دس گھنٹے کی خوفناک لڑائی کے بعد راجپوت پیچھے ہٹے، تو ان کے دشمنوں کے

بازوؤں کے لشکریوں نے بڑھ کر نتیجہ خیز حملے کیے، راجپوت پسپا ہوئے، انھوں نے اپنی قسمت اور جدید جنگی اسلحہ کو برا بھلا کہا، کیونکہ ان اسلحہ کے سامنے بہادروں کے دل اور ہتھیار بیکار ثابت ہوئے، افق میں آفتاب ڈوبنے سے پہلے یہ فیصلہ کن جنگ بند ہوگئی اور یہ خونیں افسانہ بے رحمانہ قتل عام کے ساتھ ختم ہوگیا۔

بابر نے ایک بار پھر اپنی بہتر سپہ گری، بردباری، ماہرانہ جنگی تدبیروں اور توپوں کے ذریعہ سے فتح و کامرانی حاصل کی، اگر رانا بابر کو جنگی تیاریاں کرنے کا موقع نہ دیتا اور بیانہ پر قبضہ کرنے کے بعد پوری سرگرمی سے کام لیتا تو نتیجہ کچھ اور مختلف ہوتا لیکن اس کی تقدیر اس کے خلاف کام کر رہی تھی، وہ لڑائی کے ابتدائی دور ہی میں زخمی ہوگیا اور میدان جنگ سے بے ہوشی کے عالم میں ہٹادیا گیا لیکن فوج کو منتشر ہونے سے بچانے کی خاطر اس کی جگہ پر جلدی سے جھالا اجا کو شاہی لوازم کے ساتھ ہاتھی پر بٹھادیا گیا، راجپوت لشکریوں کو یہی یقین رہا کہ رانا ان کی رہنمائی کر رہا ہے لیکن دراصل وہ اس کی جنگی لیاقت، تجربہ اور قیادت سے محروم ہو چکے تھے لیکن اس کے لشکریوں نے آخر آخر وقت تک دھوکے اور غداری سے کام نہیں لیا۔

اس جنگ کے نتائج بہت دوررس تھے، اس کے بعد راجپوتوں کا اتحاد جاتا رہا، جو کسی نسل یا فرقہ یا مذہب یا تمدن کے روشن خیال تخئیل سے وجود میں نہیں آیا تھا، بلکہ اودے پور کے وقار اور اس کے نبرد آزما رہنماؤں کی جنگی اور سیاسی کامیابیوں کی وجہ سے عمل میں آگیا تھا، اس اتحاد کے ختم ہونے کے بعد ہندوؤں کے اقتدار کا خواب پریشان ہوگیا جس سے شمالی ہند کی مسلمان ریاستیں برابر متردد رہیں، اس جنگ میں بڑے بڑے راجپوت سورما اور سردار مارے گئے، رانا سانگا کے بعد راجپوتوں کی یک جہتی جاتی رہی، جس کے بعد راجپوتانہ ہمسایہ قوتوں کے برباد کن حملوں کی زد میں آگیا، کنواہہ کی جنگ کے بعد مغلوں کی حکومت کے لیے جو زبردست رکاوٹ تھی وہ بھی جاتی رہی، بابر نے غازی کا لقب اختیار کرلیا اور ہندوستان میں اس کا تخت محفوظ ہوگیا اور اس کی قوت کا مرکز کابل سے ہندوستان منتقل ہوگیا، راجپوتوں کی شکست سے افغان بھی کمزور پڑ گئے، راجپوتانہ کے طاقتور اور آزاد سرداروں کی مدد پاکر وہ مغلوں کے زبردست حریف ہوسکتے تھے لیکن تنہا ہوکر وہ کچھ نہ کرسکے۔

رانا سانگا کو بسوا (جے پور) لے جایا گیا، جہاں سے وہ رنتھنبور منتقل ہو گیا، کہا جاتا ہے کہ اس نے قسم کھالی تھی کہ وہ اُس وقت تک چتوڑ واپس نہ جائے گا، جب تک کہ وہ بابر کو شکست نہ دے لے گا، وہ دوسری جنگ کی تیاری کرنے لگا اور جب اس کو معلوم ہوا کہ بابر چندیری پر فوج کشی کررہا ہے، تو وہ اپنی فوج لے کر بڑھا تا کہ وہ بابر کے عقب پر حملہ آور ہو سکے، اس کے امرا نے اتنی جلد نئی لڑائی لڑنے سے منع کیا لیکن اس نے ان کے مشورہ کو قبول نہیں کیا تو سازش کر کے اس کو زہر دے دیا گیا، وہ کالپی میں ۳۰ رجنوری ۱۵۲۸ء کو مرا لیکن اس کی لاش منڈل گڑھ لا کر جلائی گئی۔

مزید فتوحات: اس فتح کے بعد بابر بیانہ کی طرف بڑھا، اس کا ارادہ راجپوتانہ کے اندر تک جانے کا تھا لیکن گرم موسم کی وجہ سے میوات (الور) سے آگے نہ جا سکا، میوات کو آگے چل کر وہ اپنے تصرف میں لے آیا، اس نے اپنی فیاضی اور دوراندیشی کی وجہ سے نہار خاں کو معاف کر دیا اور اس کو کئی لاکھ کی جاگیر دی، حالانکہ اس کا باپ اس کا دشمن تھا۔

بابر کی پوزیشن اب محفوظ ہو گئی تھی، اس لیے اس نے اپنے ان امیروں اور لشکریوں کو جانے کی اجازت دے دی، جو کابل اور بدخشاں کی برفستانی پہاڑیوں کے لیے بے چین تھے لیکن وہ خود یہاں نچنت نہیں بیٹھا، پورب میں افغانوں کے خلاف لشکر کشی جاری رہی۔

بابر راجپوتانہ کی مہم کو جلد از جلد جاری کرنے کے لیے بے چین رہا لیکن پورب میں صورت حال نازک رہی، بنگال کے حکمراں نصرت شاہ نے لودی حکومت کے افغانی امیروں کی نہ صرف پشت پناہی کی، بلکہ ابراہیم لودی کی لڑکی سے شادی بھی کر لی، اس طرح افغانوں کی قیادت کا حق حاصل کر لیا، وہ ان کے معاملات سے پوری دلچسپی لینے لگا، افغانوں کو اس سے قوت ملی تو وہ سمجھے کہ پانی پت کی لڑائی میں بابر کی قوت بڑی حد تک زائل ہو چکی ہے، اس لیے انھوں نے مغل حکام کو ان کی جاگیروں سے مار بھگایا اور اپنی آزادی کا اعلان کر دیا، دوآب میں الیاس خاں چندوار میں قطب خاں، راپری میں حسین خاں لوحانی، اودھ میں بین (سین) اور دوسرے ہندو سرداروں نے مغلوں کے اقتدار کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، بابر نے پورب کے افغانوں کی سرکوبی کے لیے اپنے بہترین فوجی سردار بھیجے اور وہ خود الور سے سنبھل تک کی سیر کرتا رہا۔

چندیری: بابر کو یقین رہا کہ اس کے امرا (بیگ) افغانوں کی سرکوبی کرلیں گے، اس لیے اس نے ان کا انتظار کیے بغیر چندیری پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کردی، چندیری تجارتی اور جنگی محاذ کے لحاظ سے ایک اہم قصبہ تھا، اس کی خوش حالی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے حصار کے اندر بارہ ہزار مسجدیں، ۳۸۴ بازار اور چودہ ہزار خوبصورت ترشے ہوئے پتھروں کے مکانات تھے، قصبہ کے اوپر ایک پہاڑی ٹیلہ پر ۲۳۰ فٹ کی بلندی پر چندیری کا مشہور قلعہ تھا، اس کی جنگی اہمیت، اس کی پوزیشن کی وجہ سے تھی، یہ مالوہ اور بندیل کھنڈ کی سرحدوں پر واقع تھا اور یہاں سے مالوہ اور ہندوستان کی طرف سڑکیں جاتی تھیں، اس کی تاریخ میں بڑا نشیب و فراز رہا، ایک ہی نسل کے زمانہ میں تین قسم کے حکمراں بدلے، مالوہ کے تخت کے ایک دعویدار کو سلطان سکندر لودی نے مدد دی، تو اس نے شکر گذاری کے جذبہ سے چندیری سلطان سکندر لودی کے حوالہ کردیا لیکن جب اس کے حامی اس کو مالوہ کا تخت نہ دلا سکے تو چندیری میدنی رائے کے قبضہ میں آگیا، جس نے مالوہ کے محمود ثانی کی حمایت کی تھی لیکن میدنی رائے سے مسلمان امرا کو حسد ہوگیا اور جب میدنی رائے نے چندیری کی حکومت میں جارحانہ مداخلت شروع کردی تو مالوہ کے سلطان کے لیے وہ ناقابل برداشت ہوگیا اور جب وہ سرکش اور آتشیں مزاج راجپوت راجہ کو قابو میں نہ لاسکا تو اس نے گجرات کے مظفر شاہ کی مدد چاہی، ان مضبوط طاقتوں کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے میدنی رائے رانا سانگا کی پناہ کے سایہ میں آگیا اور اس نے وعدہ کیا کہ اگر چندیری اس کو مل گیا تو وہ یہاں رانا کا محض جاگیردار بن کر رہے گا، محمود نے چندیری پر حملہ کیا لیکن شکست کھا کر قیدی بن گیا، اس طرح چندیری رانا کے تصرف میں آگیا، میدنی رائے بابر کے خلاف رانا کے ساتھ لڑا تھا، بابر نے جب فتح پائی تو میدنی رائے نے اپنی جاگیر اس کے حوالے کرنے اور اس کے سامنے جھکنے سے انکار کیا، بابر نے ابراہیم اور سانگا کو شکست دے کر چندیری پر اپنا دوہرا حق قائم کرلیا تھا، اس نے میدنی رائے کو سزا دینے کے لیے ایک بڑی فوج روانہ کی لیکن بعد میں کمک پہنچنے کے باوجود یہ شکست کھاگئی، ایسے وقت میں جب کہ بابر افغانوں کے خلاف لشکرکشی کرنے کی تیار کررہا تھا، یہ شکست بدشگونی کی حیثیت رکھتی تھی۔

بابر نے راجپوتانہ میں لشکرکشی کرنے میں بڑی دوراندیشی سے کام لیا تھا، وہاں

مسلمانوں اور راجپوتوں میں بڑی حریفانہ چشمک تھی، ظاہر ہے کہ اس کی وجہ سے اس کو مسلمانوں کی پوری مدد حاصل ہو جاتی، چندیری میں بیٹھ کر وہ گنگا اور جمنا کی وادی اور راجپوتانہ کی صورت حال کا صحیح جائزہ لے سکتا تھا، مالوہ بڑا دولت مند صوبہ تھا، یہاں سے بابر کو اپنی لڑائیوں کے لیے پوری مدد مل سکتی تھی، یہاں سے وہ مالوہ ہو کر راجپوتانہ کے اندرونی حصوں میں بھی نفوذ کر سکتا تھا، اگر وہ مالوہ کو فتح کر لیتا تو نہ صرف راجپوتانہ کو گھیر لینے میں کامیاب ہو جاتا، بلکہ اس کے دشمن وہاں اور پورب میں اس کے خلاف مشکل سے سر اٹھاتے، اسی لیے اس نے مسلمانوں کے مختلف گروہوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے اس لڑائی کو جہاد کا رنگ دے دیا۔

دسمبر ۱۵۲۷ء میں بابر نے اپنی فوج جمع کی اور ۲۱/جنوری ۱۵۲۸ء کو چندیری پہنچ گیا، اس نے میدنی رائے کو کہلا بھیجا کہ یا تو وہ اطاعت گذار ہو جائے یا پھر آخر آخر تک لڑنے کو تیار رہے، اس نے وعدہ کیا کہ اگر وہ اطاعت گذار ہو گیا تو اس کے ساتھ عنایتیں کی جائیں گی اور اس کو چندیری کے بدلے شمس آباد مرحمت کیا جائے گا لیکن میدنی رائے نے اس کو منظور نہیں کیا، ۲۸/جنوری کی تاریخ حملہ کے لیے مقرر ہوئی، اس دن صبح کو خلیفہ جو وزیر اعظم کی حیثیت رکھتا تھا، یہ بری خبر لایا کہ پورب میں افغانوں نے مغلوں کی فوج کو شکست دے دی ہے اور ان کو لکھنؤ چھوڑ کر قنوج کی طرف کوچ کرنے پر مجبور کر دیا ہے، خلیفہ تو اس خبر سے بہت گھبرا گیا لیکن بابر نے کسی پریشانی کا اظہار نہیں کیا اور چندیری کے حملہ کو بدستور جاری رکھا، بلکہ پورے عزم کے ساتھ اس کو تسخیر کرنے کے لیے آگے بڑھا۔

دوسرے دن صبح کو پورے زور سے قلعہ پر حملہ کیا گیا اور تقریباً ایک گھنٹہ میں اس پر قبضہ ہو گیا اور یہ بتانا مشکل ہے کہ بہادر راجپوتوں اور ان کے جری رہنما میدنی رائے نے اتنی کم مدت میں قلعہ پر کیسے قبضہ ہونے دیا، وجہ کچھ بھی ہو، جب یہ قلعہ خالی ہونے لگا تو قتل عام میں تین سے چھ ہزار تک آدمی مارے گئے، چندیری احمد شاہ کو دے دیا گیا، جو مالوہ کے حکمران خاندان کا ایک فرد تھا، میدنی رائے کی دو لڑکیاں قبضہ میں آئیں تو ایک کامران کے پاس بھیج دی گئی اور ایک ہمایوں کو دی گئی۔

بابر کا ارادہ تھا کہ وہ رائے سین، بھیلسا اور سارنگ پور پر قبضہ کر کے چتوڑ پر حملہ کرے

لیکن پورب سے پریشان کن خبریں پہنچیں تو وہ اس طرف افغانوں کے خلاف روانہ ہونے پر مجبور ہو گیا، چندیری احمد شاہ کے حوالہ کر کے وہ ۲رفروری کو پورب کی طرف چل کھڑا ہوا، اس کو راستہ میں یہ خبر ملی کہ افغانوں نے قنوج اور شمس آباد پر قبضہ کر لیا ہے، یہ سن کر اس نے کوچ کو اور بھی تیز کیا اور ۲۵رفروری کو قنوج پہنچ گیا۔

افغانوں کی سرکوبی: بابر کی آمد کی خبر سن کر افغان گنگا کے پورب جانب چلے گئے اور وہاں سے اس کے راستے کو مسدود کرنے کی کوشش کی، توپوں کے گولوں سے دشمنوں کو دور رکھ کر گنگا کے اوپر ایک پل بنایا گیا، جس پر سے دشمنوں کی پوری مخالفت کے باوجود مغلوں کی فوج پار ہوئی، افغانوں نے اپنے کو بے بس پایا تو وہ منتشر ہو گئے، چین تیمور کو ان کا پیچھا کرنے کے لیے روانہ کیا گیا اور خود بابر لکھنؤ ہو کر اجودھیا کی طرف چلا، افغان بہار اور بنگال کی طرف بھگا دیے گئے، بابر خود بکسر تک آیا۔

دھول پور: افغانوں کی طرف سے سر دست خطرہ جاتا رہا، اس لیے بابر آگرہ واپس چلا آیا، جہاں اس نے برسات کا موسم علمی مشاغل اور ایک باغ (چار باغ) لگانے میں گذارا، ستمبر میں وہ شکار کے لیے دھول پور کی طرف گیا، جہاں سے اس نے دھول پور اور گوالیار کی بھی سیر کی، افیون زیادہ کھانے کی وجہ سے وہ بیمار پڑ گیا لیکن اس بیماری کے باوجود اس نے مان سنگھ اور وکرماجیت کی عمارتوں کو دیکھا، جو ایک تعمیری حسن کی وجہ سے مشہور تھیں، یہی عمارتیں آگے چل کر فتح پوری سیکری کے محل کے لیے نمونہ بنیں، جو اکبر کی جلالت کا ثبوت اب تک دے رہا ہے۔

رانا سانگا کا خاندان: رانا سانگا نے تین لڑکے اپنے بعد چھوڑے، ان میں سے ہر ایک کو رانا سانگا کا جانشین بننے کی توقع تھی لیکن اس کے تیسرے لڑکے رتن سنگھ کو لوگوں نے اس کا جانشین بنایا، اس کی ماں جودھول پور کی تھی اور اس میں راجپوتوں کی جنگی خوبیاں پورے طور پر تھیں، اس کے چھوٹے بھائی وکرمادیت اور اودے سنگھ اس وقت اپنی ماں کے ساتھ رن تھنبور میں تھے، ان کی ماں بوندی کی تھی، رانا سانگا نے رن تھنبور ان کی جاگیر میں دیا تھا اور ان کا ماموں سورج مل ہاڈا ان کا نگراں تھا، رتن سنگھ جب میواڑ کا راجہ ہوا تو اس نے وکرمادیت سے اپنے باپ کا تاج اور طلائی کمر بند منگوا بھیجا جو اس کے قبضہ میں تھے لیکن وکرمادیت نے ان چیزوں کے دینے

سے انکار کیا، رتن سنگھ کو یہ بھی پسند نہ تھا کہ تقریباً پچاس لاکھ کی جاگیر وکرمادیت اور اودے سنگھ کے پاس رہے، وکرمادیت کو خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں صورت حال بدتر نہ ہو جائے، اس لیے اس نے بابر کے پاس اپنا ایک نمائندہ اشوک مل کو بھیجا اور یہ پیام دیا کہ اگر اس کو ستر لاکھ کی سالانہ رقم ملتی رہے تو وہ اس کا اطاعت گذار ہو جائے گا، بابر نے یہ شرط منظور کر لی اور غالباً وہ رن تھمبور کے قلعہ کا طلب گار ہوا، گوالیار میں اشوک مل بابر سے پھر ملا اور یہ پیام دیا کہ اس کا آقا بیانہ کے بدلے رن تھمبور دینے کے لیے تیار ہے، بابر یہ سودا کرنے پر راضی نہیں ہوا لیکن بیانہ کے بجائے شمس آباد دینے کو تیار تھا، اس نامہ و پیام میں کافی دن لگ گئے، اس کی زیادہ تاریخی اہمیت نہیں ہے، وکرمادیت اپنے بھائی پر صرف یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اگر اس پر دباؤ ڈالا گیا تو وہ کس حد تک جا سکتا ہے، رتن سنگھ نے معاملہ کو آگے نہ بڑھا کر اپنی عقل مندی کا ثبوت دیا، اسی لیے وکرمادیت نے بھی بابر سے اپنی تجویز پر مزید گفت و شنید نہیں کی اور بالآخر یہ ختم ہو گئی۔

سمرقند کے معاملات: بابر نے اب تک اپنے آبائی سلطنت کا خیال ترک نہیں کیا تھا، اسی لیے وہ سمرقند کو پھر سے تسخیر کرنے کی خواہش رکھتا تھا، یہ شہر اس کے خواب کی جنت تھی، اسی لیے وہاں کے ازبکوں کے سیاسی نشیب و فراز کی طرف اس کی نظر اٹھی ہوئی تھی، اس کو یہ سن کر پریشانی ہوئی کہ ازبکوں نے پھر سے اپنی بڑی قوت جمع کر لی ہے اور ایرانیوں پر غلبہ پالیا ہے اور ہمایوں وہاں سرگرمی دکھانے اور محنت کرنے کے بجائے اپنی کاہلی اور کمزوری کا اظہار کر رہا ہے اور موقع پا کر وہاں کی صعوبتوں اور مشقتوں سے گریز کرنے کی فکر میں ہے، کہا جاتا ہے کہ بابر نے اس موقع پر کابل جانے کا اعلان بھی کر دیا لیکن یہ بیان بہت ہی مشکوک ہے، نومبر میں اس کی فکر میں بڑی کمی ہو گئی، جب اس کو یہ خبر ملی کہ نوجوان شاہ طہماسپ نے ستمبر ۱۵۲۸ء میں جام میں اوزبکوں کو شکست دے کر ان کا قتل عام کیا ہے، اس نے ہمایوں کو ایک سخت خط لکھا جس میں اس کو سرگرم، دوراندیش اور محتاط ہو کر واپسی کے خیال سے باز آنے کی نصیحت کی اور حصار، ہرات اور سمرقند کو فتح کرنے کی تاکید کی، یہ خط پا کر ہمایوں نے ایک بڑی فوج جمع کی، اوزبک پریشان ہو کر ہمایوں سے امن و امان کے طلب گار ہوئے، کیونکہ ان کو جو بھی شکست ہوئی تھی، اس سے سنبھل نہ سکے تھے۔

پورب کے معاملات: دسمبر ۱۵۲۸ء میں بابر نے ایک مجلس شوریٰ منعقد کی، جس میں کچھ بحث

کے بعد یہ طے پایا کہ عسکری میرزا کو پورب کی طرف روانہ کیا جائے، امرا کے نام عاجلانہ احکام جاری کیئے گئے کہ وہ عسکری میرزا سے جا ملیں اور افغانوں کی سرکوبی کریں، جو بہار اور بنگال میں پناہ لے کر مفسدانہ کارروائیاں کر رہے تھے، ان کو یہ بھی ہدایت دی گئی کہ وہ بنگال کے حکمراں سے مغلوں کی حکومت کی طرف سے اس کے رویہ کی وضاحت کرائیں، بابر بنگال کے نصرت شاہ سے غیر ضروری اور قبل از وقت چھیڑ چھاڑ نہیں چاہتا تھا، کیونکہ اس سلطان کی روش مصالحانہ تھی اور اس نے بابر کی خدمت میں پیش کش بھی بھیجی تھی۔

بابر بلوچیوں کے خلاف بھی ایک فوج بھیجنا چاہتا تھا کیونکہ وہ شاہی سلطنت کے رقبے پر حملہ آور ہوتے تھے لیکن اس کو ایک پریشان کن خبر ۱۳ر جنوری ۱۵۲۹ء کو ملی کہ سکندر لودی کے لڑکے محمود لودی نے بہادر کو قید کر لیا ہے اور فوج جمع کر کے بہار کا مالک بن بیٹھا ہے، یہ سن کر بابر اپنی اور سرگرمیاں ختم کر کے آگرہ واپس چلا آیا۔

پانی پت کی جنگ کے بعد حسن خاں میواتی اور رانا سانگا نے ابراہیم لودی کے بھائی سلطان محمود کو ابراہیم کا جائز جانشین قرار دیا تھا، جو بابر کے خلاف کنواہہ کی لڑائی میں بھی شریک ہوا تھا لیکن شکست کے بعد میواڑ میں پناہ لیے ہوئے تھا، وہاں سے افغانی امرا مثلاً ببن، بایزید اور اس کے خسر اعظم خاں نے اس کو بہار بلا لیا، اس کو صورت حال خاطر خواہ نظر آئی، کیونکہ لوحانیوں کی قوت ختم ہو رہی تھی، شیر شاہ سوری نے ابھی تک اپنی طاقت کو مجتمع نہیں کیا تھا، بنگال کی طرف سے کوئی خطرہ نہ تھا، کیونکہ وہاں کا حکمراں افغانوں کا دوست بنا ہوا تھا، اس لیے محمود نے بڑی خوشی سے دعوت قبول کر لی اور ۱۵۲۸ء کے آخر میں افغان امرا سے جا ملا، جنھوں نے اس کا خیر مقدم ایک حکمراں کی حیثیت سے کیا اور اس کے پرچم کے نیچے ایک بڑی فوج جمع کر لی۔

۲۰ر جنوری ۱۵۲۹ء کو بابر آگرہ سے افغانوں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا، اس نے تیز گامی سے کوچ نہیں کیا، وہ کرہ کے پرگنہ دگدگی پہنچا تو وہاں عسکری آ کر ملا، اس نے یہ اطلاع دی کہ افغان تین طرف سے حملہ آور ہونا چاہتے ہیں، بایزید اور ببن کو سرور کی طرف بھیجا گیا ہے، فتح خاں شیروانی اور سلطان محمود گنگا کے ساحل سے چنار کی طرف بڑھ رہے ہیں، شیر خاں سور اور دوسرے امرا نے دریا کو عبور کر لیا ہے اور بنارس کے قریب ہیں، بابر نے اب بڑی احتیاط سے کوچ

کرنا شروع کیا اور یہ طے ہوا کہ وہ گنگا کے ایک طرف اور عسکری گنگا کی دوسری طرف سے آگے بڑھے، دونوں کی فوجیں ساتھ ساتھ کوچ اور قیام کریں، ۲۳؍ مارچ کو بابر چنار پہنچا تو اس نے اس کے قلعہ کی سیر کی، جب وہ بنارس سے تھوڑی دور پر تھا تو اس کو معلوم ہوا کہ سلطان محمود لودی دریائے سون کے قریب ہے، اس لیے وہ تیزی سے آگے بڑھا، جب وہ غازی پور پہنچا تو محمود خاں لوحانی اور جلال خاں نے اس کے پاس پہنچ کر اپنی اطاعت گذاری کا اظہار کیا، دوسرے افغان امرا میں جلال خاں، فرید خاں اور شیر خاں سور نے خطوط لکھ کر اپنی اطاعت گذاری کے ارادے ظاہر کیے، افغان بنگال کی طرف بھاگ گئے تھے اور وہاں کے سلطان سے گفت وشنید کر رہے تھے، اس لیے بابر آگے بڑھا اور گنگا اور کرم ناسا کے سنگم پر پہنچا، بابر اور نصرت شاہ سے خط وکتابت ہوئی لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا، بابر بنگالیوں سے جنگ کرنا پسند نہیں کرتا تھا لیکن ان کا رویہ مبہم اور غیر تشفی بخش تھا، یہ واضح نہ تھا کہ بنگالی مغلوں سے خوفزدہ ہو رہے ہیں یا افغانوں سے ملے ہوئے ہیں، یا افغانوں کو اپنے حدود میں داخل ہونے نہیں دینا چاہتے ہیں لیکن اس میں شک نہ تھا کہ انھوں نے حاجی پور کے حاکم مخدوم عالم کی رہنمائی میں ایک بڑی فوج روانہ کر دی تھی، جو گنڈک کے ساحل پر مقیم تھی، بہار کے افغانوں اور بنگال کے حکمراں کی معاندانہ روش کو مدنظر رکھتے ہوئے بابر نے بہار محمد زماں مرزا کے حوالہ کر دیا اور اس کو ایک چتر دے کر نوازا، جو ایک شاہانہ نشانی تھی، اس کے ساتھ مرشد عراقی کو اسکا دیوان مقرر کیا گیا، اس سے بابر کے دشمنوں کی آنکھیں کھلیں کہ اگر کوئی تشفی بخش حل عمل میں نہیں آیا تو بابر کس حد تک جا سکتا ہے۔

بابر نے ایک مجلس مشورت منعقد کی، جس میں یہ طے کیا گیا کہ گنگا کو عبور کیا جائے، پہلی مئی کو گنگا پار کیا گیا، اس کے تین دن کے بعد مغلوں کی فوج نے گھاگھرا دریا کو پار کرنے کی کوشش کی، عسکری کی فوج پہلے عبور کرنے والی تھی، بنگالیوں نے پوری قوت سے اس کو روکا لیکن بابر شدید گولہ باری کر کے آگے بڑھ ہی گیا، اس عزم اور طاقت کے بعد وہی نتیجہ برآمد ہوا جو ہونا چاہیے تھا، ۶؍ مئی کو بنگال کی فوج مقابلہ کے بغیر منتشر ہوگئی، بابر کے شاندار جنگی فتوحات کا تیسرا اور آخری دور تھا، جس کے بعد وہ شمالی ہند کا مالک بن بیٹھا۔

نصرت شاہ اور بہار کے افغانوں کا مزاج اب بدلا ہوا تھا، اس لیے بابر نے پورے

بہار کی تسخیر کی دھمکی دینا مناسب نہیں سمجھا، اس نے اپنے گذشتہ حکم میں کافی ترمیم کی اور بہار کے ایک بڑے حصہ کو جلال خاں کے ماتحت رہنے دیا اور ایک علاقہ کو شاہی خالصہ میں شریک کرلیا، جس کی آمدنی پانچ لاکھ روپے تھی اور محمد زمان مرزا کو صرف جون پور تک اپنے اختیارات محدود رکھنے کا حکم دیا، اس نے بہار کی پوری سلطنت کی تو تسخیر نہیں کی لیکن اس پر اپنا اقتدار اعلیٰ قائم کرلیا، یہ باتیں جلال خاں اور نصرت شاہ کے لیے قابل قبول رہیں اور انھوں نے ان شرائط کے احترام کرنے کا وعدہ کیا، پورب میں جن افغان سرداروں نے اطاعت گذاری کا وعدہ کیا، بابر نے ان کو بھی خوشی سے بڑی بڑی جاگیریں دیں، برسات کا موسم قریب تھا، اس لیے اس نے آگرہ کی طرف مراجعت کی۔

گھاگھرا کی جنگ کے بعد افغانوں کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ کر رہ گئی، پھر بھی ان کی سرکوبی پورے طور پر نہیں ہوئی تھی، افغانوں کے دو بہادر سپہ سالار بجن اور بایزید نے گھاگھرا پار کر کے لکھنؤ پر قبضہ کرلیا، جو اب رام پور میں شاہ آباد کہلاتا ہے لیکن جب ان کو پچھم کی طرف بابر کے کوچ کی خبر ملی تو وہ بہت خوفزدہ ہوئے اور دلمئو کی طرف چلے گئے لیکن جب بابر نے ان کا پیچھا کرنے کے لیے ایک لشکر بھیجا تو وہ مہوبا کی طرف فرار ہوگئے۔

بابر ۲۴ر جون کو آگرہ پہنچا، اس نے ۱۵۷ میل کی مسافت ۴۵ گھنٹے میں طے کی۔

وسط ایشیا کے سیاسی حالات: وسط ایشیا میں جو واقعات پیش آرہے تھے، ان سے بابر خوش نہ تھا، اوزبکوں نے خراسان پر قبضہ کرلیا تو ہمایوں نے اس سے فائدہ اٹھا کر سمرقند، حصار اور قبادیان میں اپنی فوجیں بھیجیں، موخرالذکر دونوں جگھوں میں تو اس کو کچھ کامیابی حاصل ہوئی لیکن اس سے مزید کمک طلب کی گئی، ہمایوں اور کامراں ایک عام حملہ کے لئے تیار ہوئے لیکن جنوری ۱۵۲۸ء کی ایک فیصلہ کن جنگ سے صورت حال بدل گئی، اوزبک اپنی قوت کو از سر نو اکٹھا کرنے میں مشہور تھے، تیموریوں کے حملے کو روکنے کے لئے وہ اپنی اپنی جگھوں پر واپس آگئے، ہمایوں کا ارادہ اور بابر کا خواب ختم ہو کر رہ گیا، صرف اتنا فائدہ حاصل ہوا، کہ قبادیان مغلوں کی سلطنت سے ملحق ہوگیا اور اوزبکوں سے صلح ہوگئی، وسط ایشیا میں ناکامی ہمایوں کی وجہ سے ہوئی۔

جب بابر پورب کی مہم سے واپس آیا تو اس نے ہمایوں کو بدخشاں سے طلب کرلیا اور

اس کی جگہ پر ہندال کو مامور کیا، ہمایوں نے بدخشاں کو ہندال کے استاد میر فخر علی کے حوالہ کر کے ۶؍جون ۱۵۲۹ء کو کابل روانہ ہو گیا، جہاں اس نے ہندال اور کامراں کے ساتھ عید منائی اس کے بعد آگرہ چل کھڑا ہوا اور تیزی سے کوچ کر کے ۲۷؍جون کو وہاں پہونچ گیا، باپ بیٹے کو دیکھ کر خوش ہوا، بدخشاں سے ہمایوں کی اچانک روانگی کو وہاں کے حکام اور لوگوں نے پسند نہیں کیا، کیونکہ وہاں کے حالات کے لئے یہ خطرہ سے خالی نہ تھا، اوزبکوں کے خوف سے وہاں کے لوگوں نے کاشغر کے حکمراں سعید خاں کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی، خوش قسمتی سے ہندال وہاں سعید خاں کے آنے سے پہلے پہونچ گیا، پھر بھی سعید خاں تین مہینے تک وہاں کے قلعہ کا محاصرہ کئے رہا، گو اس کو مایوس ہو کر واپس جانا پڑا، وہ اس محاصرہ کو اور طویل کر سکتا تھا لیکن جاڑے کی برف باری سے اس کو راستے کے مسدود ہونے کا خطرہ ہوا، اس لئے واپس چلا گیا، اس کے علاوہ بابر نے سلیمان مرزا کو بدخشاں کا حاکم بنا کر بھیجا، جہاں اس کا باپ حکومت کر چکا تھا، بدخشاں کے حالات سدھر گئے، تو بابر لاہور سے آگرہ واپس آ گیا۔

بابر کی موت: ۱۵۲۸ء سے بابر کی صحت روز بروز گرتی جا رہی تھی، اس کی زندگی بڑی مشغول رہی، جس سے اس پر برابر بار پڑتا رہا، ہندوستان کی گرم ہوا اس کے موافق نہیں ہوئی، اس کو جوز ہر دیا گیا تھا، اس کا بھی بعد میں اثر رہا، پھر وہ شراب نوشی کا ضرورت سے زیادہ عادی تھا، دوسری نشلی چیزوں کی بری لت بھی اس میں تھی، وہ افیون، بھانگ، پارہ اور اسی قسم کی دوسری چیزوں کا بھی استعمال کرتا رہا، ان تمام چیزوں سے اس کی مضبوط تندرستی پر اثر پڑا، اس پر بخار کا طویل حملہ برابر ہوتا رہتا، اس کی صحت خراب ہوتی گئی، ذہنی خلجان کا بھی مریض رہا، کبھی وہ حکومت کرنے میں تکان محسوس کرنے لگتا، جس سے اس کی خواہش ہوتی کہ اس کو زرافشاں باغ میں جا کر ایک خاموش اور پر سکون زندگی بسر کرنے کا موقع مل جاتا، اس کی صحت اور بھی خراب ہوگئی، جب اس کو یہ یقین ہو گیا کہ ہمایوں کو بچانے کی خاطر خدا نے اس کی جان کی قربانی قبول کر لی ہے تو اس نفسیاتی اثر سے اس پر یہ خیال غالب ہو گیا، کہ اس کے خاتمہ کا وقت قریب آ گیا ہے، ہمایوں کی شفایابی کے ۵ پانچ ۶ چھ مہینے کے بعد بابر کی تندرستی تیزی سے خراب ہوتی گئی اور وہ جولائی میں بستر پر دراز ہو گیا لیکن اس کا مرض دسمبر تک طویل ہو گیا، جب اس کی زندگی کی امید جاتی رہی تو بابر ہمایوں کی صحت یابی کے فوراً ہی

بعد یا اپنی طویل علالت کے زمانے میں بابر نے ہمایوں کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔

یہ کہا جاتا ہے، کہ بابر کے مرض الموت کے آخرہ زمانہ میں اس کے وزیر اعظم نظام الدین خلیفہ کو نو زائیدہ مغل سلطنت کے ساتھ اپنے مستقبل کی بھی فکر رہی، اس لئے اس نے ہمایوں یا اس کے بھائیوں میں سے کسی کو تخت پر بٹھانے کے بجائے بابر کی بہن خانزادہ بیگم کے شوہر مہدی خواجہ کے سر پر تاج رکھنے کا ارادہ کیا، خلیفہ ہمایوں سے خوفزدہ تھا، اس کے اسباب کچھ ذاتی اور کچھ غیر مبہم تھے، اس کے علاوہ وہ ہمایوں کی صلاحیتوں کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتا تھا، اس کا خیال تھا کہ وہ اچھا حکمراں نہ ہو سکے گا لیکن اس کی آنکھ اس وقت کھلی جب دیوان بیوتات مقیم ہروی نے اس کو یہ بتایا کہ مہدی خواجہ تخت پر بیٹھنے کے بعد اسکی غداری کی وجہ سے زندہ اس کی کھال اتروالے گا، اس کے بعد خلیفہ نے رائے بدل دی اور مہدی خواجہ کو ایک گھر میں نظر بند کر دیا اور ہمایوں کو دارالسلطنت میں مدعو کیا۔

یہ واقعہ متنازعہ فیہ ہو گیا اور موجودہ دور کے مورخوں نے طرح طرح کی قیاس آرائیاں کر کے مختلف نتیجے نکالے ہیں، یہ روایت طبقات اکبری کی ہے، جو مقیم ہروی کے لڑکے کی لکھی ہوئی ہے، آئین اکبری میں بھی اس کا کچھ اشارہ ہے لیکن طبقات اکبری کی روایت کا ناقدانہ جائزہ لینے کے بعد اس کے مصنف کی نیت صاف نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ اس روایت میں شک وشبہ ہونے کے علاوہ کچھ تضاد بھی پایا جاتا ہے، یہ بیان صاف اور واضح ضرور ہے لیکن یہ اس کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہدی خواجہ اپنے ذاتی اغراض اور بلند حوصلوں کی تکمیل کی خاطر خلیفہ کو اپنا دوست اور مہربان بنا کر اس کے نام سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا لیکن جب خلیفہ کو اس کے اصلی ارادے سے واقفیت ہوئی تو اس نے اس کو نظر بند کر دیا اور ہمیشہ کے لیے اس کی خواہش ختم کر دی، اس واقعہ کی اصلیت کچھ بھی ہو لیکن اس کی اہمیت زیادہ نہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ خلیفہ اپنے آقا کا بڑا وفادار اور خدمت گذار سمجھا جاتا تھا لیکن اس کی وفاداری اور خدمت گذاری پر حرف ضرور آ گیا۔

بدقسمتی سے ہمایوں اپنے مریض باپ کے بستر علالت کے پاس نہ رہ سکا، بابر نے اس کو کالنجر کے [illegible] افغانوں کے خلاف لشکر کشی کے لیے بھیج دیا تھا جو بابر کی علالت سے

فائدہ اٹھا کر اس کے حدود سلطنت پر حملہ کر رہے تھے، بابر ۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء میں وفات پا گیا، ہمایوں اس وقت تک سنبھل سے نہیں آیا تھا، اس لیے بابر کی موت پوشیدہ رکھی گئی لیکن اس کی خبر پھیل ہی گئی، خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں لاقانونیت نہ پھیل جائے، اس لیے یہ اعلان کرایا گیا کہ بابر نے درویشی اختیار کر لی ہے اور ہمایوں کو اپنا جانشین بنا دیا ہے، ولی عہد شہزادہ چار دن کے بعد پہنچا اور ۳۰ دسمبر ۱۵۳۰ء کو تخت نشین ہوا، بابر کی لاش جمنا کے کنارہ آرام باغ میں دفن کر دی گئی، شیر شاہ کے عہد میں افغانی بیوہ بی بی مبارک نے اس کو کابل منتقل کیا، جہاں ایک حسین اور رنگین باغ میں اب تک ابدی نیند سو رہا ہے۔

بابر کے اوصاف: بابر غیر معمولی ذہین اور صلاحیت کا مالک تھا، اس میں گوناگوں عمدہ اوصاف جمع ہو گئے تھے، جو تیموریوں میں مشکل سے کسی اور میں پائے جاتے ہیں، انسان کی حیثیت سے وہ بڑا فراخ دل، فیاض، رحم دل، ہمدرد اور صاف باطن تھا، وہ ایک اچھا دوست، شفیق شوہر، محبوب باپ اور دلچسپ ہم جلیس رہا، وہ ایک قوی ذہن رکھنے کے علاوہ گوناگوں کلچر کا بھی مالک تھا، وہ فارسی اور عربی کا عالم تھا، اسی کے ساتھ اس کو ترکی زبان میں بڑی مہارت حاصل تھی، جس میں وہ انتہائی لطیف اور موثر انداز میں تحریریں قلم بند کرتا، نثر نگاری میں وہ اپنی مثال آپ تھا اور اس کی خود نوشتہ سوانح عمری دنیا کے لٹریچر کے شاہکاروں میں شمار ہوتی ہے، اس میں غیر معمولی باریک بینی، قوت مشاہدہ اور حقیقت پسندی تھی، جو چیزیں اس کی وسیع نظر اور متجسس ذہن کے سامنے آ جاتیں خواہ وہ کسی آدمی کی سیرت ہو، یا تحریکیں ہوں، یا مسلک اور لوگوں کی خصوصیات ہوں، یا پھل اور پھول ہوں یا کسی قوم کے معاشرتی اور عمومی حالات ہوں، ان کو بہت دلچسپ اور ماہرانہ انداز میں ضرور قلمبند کر دیتا، وہ فارسی اور ترکی میں اشعار بھی کہتا اور عام شعرا سے زیادہ بہتر کہتا، ترکی زبان میں میر علی شیر بیگ نوائی کے بعد وہی بہترین شاعر خیال کیا جاتا ہے، اس نے ترکی زبان میں ایک مثنوی اپنے لڑکے کامران کے لیے کہی، جس کا نام مبین ہے، اس میں دو ہزار مذہبی اور اخلاقی اشعار ہیں، اس کے علاوہ اس نے ترکی زبان میں اپنے مرشد خواجہ عبید اللہ کی ایک تصنیف رسالہ

---

[1] ان بیانات کی تصدیق ان تاریخوں سے نہیں ہوتی ہے جن کے اقتباسات ہم نے گذشتہ صفحوں میں درج کیے ہیں۔ "مرتب"

والدیہ کا منظوم ترجمہ کیا، فن عروض پر ''رسائل عروض'' تصنیف کی اس نے ایک خاص قسم کی کتابت بھی ایجاد کی، جو خط بابری کے نام سے موسوم ہے، اس کے علمی کارنامے اس کے جنگی فتوحات کی طرح قابل توجہ ہیں۔

ایک سپاہی اور ایک سپہ سالار کی حیثیت سے اس کا مقام بہت اونچا ہے، اس میں ترکوں اور منگولوں کی طرح سپاہیانہ سرگرمی اور سخت جانی تھی اور ایرانیوں کی طرح جرأت اور ہمت تھی، وہ ایک عمدہ شمشیر باز، ماہر تیرانداز اور غیر معمولی قسم کا شہسوار تھا، وہ شکستوں سے ہمت نہیں ہارتا اور زندگی کی مشقتوں سے گریز نہیں کرتا، وہ اپنے دشمنوں کی تعداد سے گھبرا کر بزدلی نہیں دکھاتا، وہ حرکت وعمل کو محبوب رکھتا، گھمسان لڑائی میں جب نازک وقت آجاتا تو وہ اپنی ماہرانہ تدبیروں سے کام لیتا، جو لڑائی کے نشیب وفراز میں بڑی لچکدار ہوتیں، جنگی کاروائیوں اور طریقوں میں وہ اپنے افغانستان اور ہندوستان کے دشمنوں پر بلا شک وشبہ بڑی فوقیت رکھتا تھا، اس سے بحث نہیں کہ اس میں جنگی عبقریت تھی یا نہیں لیکن وہ اپنے زمانہ کے ہندوستانی سپہ سالاروں میں بہترین سپہ سالار تھا۔

ایک عظیم سپاہی، سپہ سالار اور اہل علم ہونے کے باوجود اس کو اور دوسری چیزوں سے بھی دلچسپی رہی، اس کو باغات لگانے کا بڑا شوق تھا، باغبانی میں طرح طرح کے تجربے کرتا، پھولوں اور باغوں سے اس کو محبت قومی اور ذاتی تھی، وہ باغبانوں کا شہزادہ کہا جاتا ہے، وہ باغوں کے لگانے کا نقشہ بناتا اور ان کو لگاتے وقت خود ان کی نگرانی کرتا، وہ بیلچہ لے کر خود کاموں میں لگ جاتا اور ہر دن اور ہر موسم میں اپنی محنت اور تجربہ کے نتیجہ کا انتظار کرتا، اسی کے تجربوں کی وجہ سے ہندوستان میں انگوروں اور تربوزوں کی کاشت میں خاطر خواہ ترقی ہوئی۔

اس کو فن تعمیرات سے بھی دلچسپی رہی، اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ راجپوتانہ کی سرحد پر ٹھنڈی سکونتی عمارتیں بنوائے، اسی کی نگرانی میں آگرہ، سیکری، بیانہ، دھول پور، گوالیار، کوئل اور دوسری جگہوں میں عمارتیں تعمیر ہوئیں۔

وہ موسیقی کو بھی محبوب رکھتا، اچھی طرح گا بھی سکتا تھا لیکن لے اور دھن کے بنانے کا زیادہ شوقین رہا، خود اعتراف کرتا ہے کہ کبھی کبھی وہ نغموں کو ترتیب دیتے وقت جذبات سے مغلوب

ہوجاتا، اس کو شراب، نغموں، شعروں، پھولوں، باغوں، جھرنوں، آبشاروں اور عمارتوں سے بڑی محبت رہی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایرانیوں کی صحبت میں رہا، جس میں اس کے اس قسم کے ذوق کی نشو ونما خوب اچھی طرح ہوئی۔

یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ بابر ایک بہادر سپاہی اور قابل قدر اہل علم ضرور تھا لیکن وہ مدبر نہ تھا، یہ بیان اس لحاظ سے تو درست ہے کہ اس نے کوئی ایسا ادارہ نہیں چھوڑا جو اس کی طرف منسوب کیا جائے، یا ہندوستان اور افغانستان کے نظم ونسق میں کوئی نئی اصلاح بھی نہیں کی لیکن افغانستان میں جو معاشرتی اور سیاسی نظام تھا، اس کا تعلق قبیلوں کے جذبات سے زیادہ تھا، جو ان کی زندگی میں ایسے جاں گزیں ہوگئے تھے کہ اگر ان میں مداخلت یا اصلاح کی جاتی تو یہ بات خطرہ سے خالی نہ ہوتی، اس نے افغانستان میں ایک بار کچھ اقتصادی تبدیلیاں کرنے کی کوشش کی تو اس کے نتیجہ میں اس کو ایسے انقلاب کا سامنا کرنا پڑا کہ اس نے جو کچھ کرنا چاہا تھا، اس کو ملتوی کردیا، پانی پت کی لڑائی کے بعد بابر تین سال اور آٹھ مہینے زندہ رہا، اس مختصر مدت میں اس کو راجپوتوں اور افغانوں دونوں کی مخالفت کو دبانا پڑا، ملک میں جو بڑا انقلاب آگیا تھا اس سے بے چینی پیدا ہوگئی تھی، لوگ خوفزدہ تھے، وقت کا تقاضا یہ تھا کہ عام لوگوں میں اعتماد پیدا کرکے امن وامان قائم کیا جاتا اور جب تک اس سرزمین کے قانونوں، اداروں اور رسموں سے پوری واقفیت حاصل نہ کرلی جاتی، ملک میں کسی قسم کی انتظامی، زراعتی اور مالی اصلاحات کے لیے اقدام کرنا سراسر احمقانہ فعل ہوتا، اس سے پہلے علاء الدین خلجی اور محمد بن تغلق اور ان کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کو یہاں کے لوگوں سے بڑے تلخ تجربے ہوئے، جب کہ انھوں نے غلط طریقے کی اصلاحات نافذ کرنے کی کوشش کی، بابر یہاں کی سرزمین کے لیے بالکل ہی اجنبی تھا، ان حالات میں اس کے لیے بہترین چارہ کار یہی تھا کہ یہاں کی روایات، رسم ورواج اور قواعد وقوانین کا احترام کرتا، اس حکمت عملی سے امن وامان بھی قائم رہا، لوگوں میں اعتماد بھی پیدا ہوا اور بابر کو وقت اور موقع بھی ملا کہ وہ اس ملک کے معاشرتی یا اقتصادی ڈھانچہ کا مطالعہ کرے، اس کا یہ فیصلہ عقلمندانہ تھا، جب کہ اس نے ذمہ دار امرا کو ملک کے اشتعال کو فرو کرنے اور انہی کو یہاں کا نظم ونسق چلانے کا کام سپرد کیا، انھوں نے مقامی عہدیداروں کی مدد سے یہاں کی روایات ورواج

کو برقرار رکھ کر نظام چلایا، اس کے علاوہ بابر کی حکومت میں آگرہ اور کابل کے درمیان کی سڑکوں پر بالکل امن رہا، اس نے ہر پندرہ میل کی دوری پر سرائیں بنوائیں، اس کے حکم سے سلطنت کے مختلف مقامات کی مسافت کی پیمائش کرائی گئی، اس نے ڈاک کا انتظام بھی ازسرنو قائم کیا۔

بابر نے جو کچھ نہیں کیا یا نہیں کر سکا اس سے کوئی اندازہ لگانا صحیح نہیں ہوگا، اس نے جو کچھ کیا یا کرنے کی کوشش کی، اسی سے اس کے متعلق رائے قائم کرنی چاہیے، اس کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ فیروز شاہ تغلق کے بعد تخت و تاج کا وقار جاتا رہا تھا لیکن اس کی وجہ سے ازسرنو قائم ہوگیا، بلبن، علاء الدین خلجی اور محمد بن تغلق کا خوف لوگوں کے دلوں میں ضرور رہا لیکن لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت نہ تھی، فیروز تغلق محبت اور عزت کی نظر سے ضرور دیکھا جاتا تھا لیکن لوگوں کے دلوں میں اس کا کوئی خوف نہیں تھا، افغان اپنے کو طاقتور ترین حکمراں نہ بنا سکے تھے لیکن بابر سے لوگ ڈرتے بھی رہے اور اس کی عزت بھی کرتے رہے، ایک رہنما کی حیثیت سے اس پر لوگوں کا اعتماد رہا اور ایک حکمراں کی حیثیت سے لوگ اس سے محبت کرتے رہے، وہ جانتا تھا کہ امرا سے انفرادی اور اجتماعی طریقہ سے کس طرح پیش آنا چاہیے، اس میں رواداری، رحمدلی اور عفو کے ساتھ سختی اور حرکت و عمل کی بھی خوبیاں تھیں، لوگ اپنے کو خطرہ میں ڈال کر ہی اس کی عدول حکمی کر سکتے تھے، جب وہ کسی سے برسرِ جنگ ہوتا تو تعجب خیز سفاکانہ رویہ اختیار کرتا، یہ خصوصیت اس نے اپنے ترک اور منگول اسلاف سے وراثت میں پائی تھی لیکن جنگ کے بعد جب صلح ہوجاتی تو وہ اپنی رعایا کے لیے بہت ہی مہربان، عدل پسند اور رحم دل حکمراں ہوجاتا، پھر فرقہ اور مذہب کی تفریق نہیں کرتا۔

بابر اپنے مذہب کا بڑا احترام کرتا تھا، علما، مشائخ اور فقہا کی بڑی عزت کرتا لیکن وہ اپنے سیاسی معاملات میں ان کو دخل نہیں دینے دیتا اور نہ کسی فرقہ وارانہ مشورہ کو قبول کرتا، اس کے دیار یا نجی صحبت میں مذہبی یا طبقاتی اختلافات رونما نہیں ہوتے، وہ ایک سنی مسلمان تھا لیکن اس میں وہ مذہبی جنون نہ تھا، جس نے ایران اور توران کی معاصر تاریخوں کو داغ دار کر رکھا تھا، یہ صحیح ہے کہ وہ ہندوؤں کو کفار اور افغانوں کو ناقابل اعتبار کہتا رہا لیکن اس کا رویہ ہندو افغان امرا اور رعایا کے ساتھ مہذبانہ، شریفانہ اور دوستانہ رہا، اس نے دو بار جہاد کے نعرے بلند کیے،

اس کے اسباب پر بحث پہلے کی جا چکی ہے لیکن یہ نعرے جنگ کے موقع کے عام رواج کے مطابق تھے، یہ بھی صحیح ہے کہ اُس نے ایک موقع پر مسلمانوں کو باج و تمغا کی معافی دے دی تھی لیکن اس کی کہیں وضاحت نہیں ہے کہ اس پر واقعی عمل بھی ہوا، غالباً اس کو وہ اپنی خواہش کے باوجود عمل میں نہ لا سکا، بعض پر جوش لوگوں نے ایک دو مندروں کو نقصان بھی پہنچایا لیکن اتنے بڑے سیاسی انقلاب کے زمانہ میں اس کی مثالیں کم ہیں، جس پر حیرت ہوتی ہے، کہیں سے یہ ثابت نہیں کہ مذہبی ایذا رسانی حکومت کی پالیسی میں داخل ہوگئی تھی، یا بابر نے اس کی اخلاقی تائید کی، اسی زمانہ میں مشرق قریب اور مغرب وسطیٰ میں شیعوں اور سنیوں کے درمیان پھر مغربی ممالک میں جو کچھ ہو رہا تھا، اُس کے مقابلہ میں ہندوستان میں جو کچھ ہوا وہ بالکل ہی غیر اہم ہے۔

بابر نے ہندوستان کی ریاستوں کی قوتوں کا توازن برباد کر کے یہاں کا نقشہ ہی بدل دیا اور ایک ایسی سلطنت کی بنیاد ڈالی جس کی روایتیں بالکل نئی تھیں، سولھویں صدی میں دنیا میں ہر جگہ بادشاہت ہی کی طرز حکومت تھی، اس لیے ایک متحدہ ہندوستان شاہی حکومت ہی کی نگرانی میں قائم ہو سکتا تھا، بابر نے لودیوں اور راجپوتوں کی قیادت کو ختم کر دیا تھا، جس کے بعد اس کے لیے ایک حکومت قائم کرنے کا راستہ صاف ہوا اور اس حکومت کے ذریعہ سے اس کو اس مقصد کی تکمیل میں مدد ملی جو اس کے منگول اسلاف کے ذہن میں رہا، یہ مقصد سیاسی تھا، جو عمل میں لایا جا سکا، اس نے جو مرکزی حکومت کا نظام قائم کیا، اس میں شاہنشاہ کے ہاتھوں میں سارے اختیارات اور محکمے منتقل ہو کر نہیں رہ گئے اور نہ وزرا محض پٹھو بن کر رہ گئے، شیر شاہ کہا کرتا تھا کہ مغل بادشاہ اپنے تمام کاموں کو وزرا کے سپرد کر دیا کرتے ہیں، بابر نے جو راہ عمل اختیار کی اس میں شہنشاہ کا فرض صرف اتنا تھا کہ وہ وزرا پر یہ نگرانی رکھتا تھا کہ جو کام اُن کے سپرد کئے گئے ہیں ان کو وہ پوری سرگرمی، ذمہ داری، ایمان داری اور ہوش مندی سے انجام دیتے ہیں، جب تک ان کا کوئی فعل ریاست اور لوگوں کے مفاد اور شہنشاہ کی عام پالیسی کے خلاف نہ ہوتا، اُن کے کاموں کی انجام دہی میں رکاوٹ نہیں پیدا کی جاتی اور تمام کاموں کی نیک نامی اور بدنامی ان ہی کے سر ہوتی۔

جب کسی وزیر میں کوئی خامی ہوتی یا وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ناکام ہوتا تو

شہنشاہ یا تو اس کی سرزنش کرتا یا اس کو اس کے عہدے سے ہٹا دیتا، یا اپنے اختیارات میں اضافہ کر لیتا، وہ ریاست کا اعلیٰ جج تھا، جس کے فرائض کو وہ اس طرح انجام دیتا کہ وہ انتظامی، مالی اور عدالتی محکموں سے اپنے کو بالکل الگ تھلگ رکھتا، اس کی حکمرانی محض اس لیے تھی کہ اس کی حکومت اچھی طرح چلتی رہے، اس کی حکومت کے خلاف عام لوگ اس کی طرف نظر اٹھائے رکھتے کہ وہ ان کے ساتھ ہمدردی اور انصاف کے ساتھ پیش آئے گا، اسی نظریہ کی تقلید بابر کے مشہور پوتے اکبر نے کی۔

بابر ایک اچھا موقع شناس سیاست داں تھا، جب اس کی سیاست ناکام رہتی تو وہ اپنی قوت استعمال کرتا وہ ہندوستانی اور افغان امرا پھر بہار اور بنگال کے حکمرانوں سے جس طرح پیش آیا وہ اس کے تحمل، رواداری، ہوش مندی اور چالاکی کی اچھی مثالیں ہیں، ان خوبیوں کی وجہ سے وہ اپنے دربار کے متضاد اور مختلف فرقوں اور قبیلوں کے جنگجو عناصر کو اپنے قابو میں رکھ سکا۔

ہندوستان کی تاریخ پر بابر نے گوناگوں اثرات چھوڑے، اس نے یہاں کے سیاسی حالات بدل دینے کے علاوہ اس کو مغربی اور وسطی ایشیا سے ایک بار پھر ملا دیا، کوشان راجاؤں کے بعد سے افغانستان، ہندوستان کا علاقہ نہیں رہا تھا، دہلی کے ترک سلاطین کے ابتدائی زمانہ میں ہندوستان کی سرحدیں مضبوط نہ تھیں، افغانستان کے فاتحین ان پر للچائی ہوئی نگاہ ڈال کر سندھ کو عبور کر لیتے اور پنجاب کو خطرے میں ڈال دیتے، اب جب کہ بابر نے افغانستان اور ہندوستان کو ملا کر آگرہ میں دارالسلطنت قائم کر لیا تو ہندوستان کی شمال مغربی سرحد کی حفاظت کی ایک نئی صورت عمل میں آگئی، اس جنگی اہمیت کے علاوہ اس سے جو تجارتی اور تہذیبی فوائد حاصل ہوئے وہ نظر انداز نہیں کیے جا سکتے۔

بابر کے طریقۂ جنگ سے ہندوستان میں لڑائی لڑنے کے طریقے بھی بدل گئے، یہاں فرنگیوں کی بندوقوں کے آنے سے پہلے سلاطین دہلی کے ابتدائی دور میں کچھ آتشیں اسلحہ ضرور استعمال ہوئے تھے لیکن پانی پت کی جنگ کے موقع ہی پر ہندوستان اور خصوصاً شمالی ہند کے حکمرانوں کو توپوں کی اہمیت کا اندازہ ہوا کہ ان ہی کے ذریعہ فیصلہ کن لڑائیاں لڑی جا سکتی

ہیں، اسی لڑائی میں ہندوستانی حکمرانوں کو یہ بھی معلوم ہوا کہ سواروں اور توپخانوں کے تال میل سے بڑی سی بڑی فوج پسپا کی جاسکتی ہے، اس لڑائی کے بعد قلعوں کی اہمیت بھی رفتہ رفتہ کم ہوتی گئی اور پرانا جاگیردارانہ نظام بھی روبہ زوال ہوا، مضبوط اور موثر توپ خانوں کے سامنے چتوڑ، رن تنھبور، مانڈو کالنجر اور چنار جیسے ناقابل تسخیر قلعے بے کار ثابت ہو گئے، ان جدید آتشیں اسلحہ کی ایجاد جنگی، معاشرتی اور اقتصادی نقطۂ نظر سے بڑی اہم تھی۔

مغل سلطنت کی شان وشوکت صرف اس کی فوجی قوت میں نہ تھی، بلکہ اس کا شکوہ غیر مسلم رعایا اور خصوصاً راجپوتوں کے ساتھ اس کی مذہبی رواداری میں بھی تھا اور پھر اس زمانہ میں کلچر کو جو فروغ ہوا وہ بھی ایک شاندار کارنامہ ہے، اکبر کو اس کے عظیم مرتبہ سے محروم نہیں کیا جاسکتا ہے لیکن اس پالیسی کا بیج اس کے ممتاز دادا ہی کی حکومت کے زمانہ میں ڈال دیا گیا تھا، ایک ایسی نئی سلطنت قائم ہوئی جس کی سیاست میں مذہبی اور طبقاتی اختلاف کا کوئی دخل نہیں رہا، تخت وتاج کی حیثیت ریاست میں خاطر خواہ طریقہ پر رکھی گئی، راجپوتوں کے مسائل دوستی اور شادی بیاہ کے رشتوں سے حل کئے گئے دربار کے تہذیبی پہلوؤں کو زیادہ اہم قرار دیا گیا لیکن ان تمام باتوں کی ابتدا بابر ہی کے زمانہ میں ہوگئی تھی، جس نے ایک نئی سلطنت قائم کرنے کا راستہ ہی ہموار نہیں کیا بلکہ کس طرح اس پر حکومت کی جانی چاہیے، اس کی پالیسی بنانے کا اشارہ بھی کر دیا تھا، اس نے ہندوستان میں ایک ایسا خاندان اور ایک ایسی روایت قائم کی جس کی مثال دوسرے ملکوں کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

بابر کے حالات کے عیسوی سنین

پیدائش	فروری ۱۴۸۳ء	ہندوستان میں داخلہ	۱۵۱۹ء
تخت نشینی	۱۴۹۴ء	بھیرہ اور سیالکوٹ پر حملہ	۱۵۲۰ء
سمرقند کی فتح	۱۴۹۷ء	قندھار پر قبضہ	۱۵۲۲ء
سمرقند پر شیبانی خاں کا قبضہ	۱۵۰۱ء	لاہور اور سرہند پر حملہ	۱۵۲۳ء
فرغانہ سے بے دخلی	۱۵۰۳ء	پانی پت کی جنگ	اپریل ۱۵۲۶ء
کابل پر قبضہ	اکتوبر ۱۵۰۴ء	کنواہہ کی جنگ	مارچ ۱۵۲۷ء
ملتان کی طرف کوچ	۱۵۰۴ء	چندیری پر قبضہ	۱۵۲۸ء
پادشاہ کا لقب	۱۵۰۷،۸ء	جام کی جنگ	ستمبر ۱۵۲۸ء
ہمایوں کی پیدائش	۱۵۰۸ء	قنوج کی جنگ	۱۵۲۹ء
مرو کی جنگ	۱۵۱۰ء	گھاگھرا کی جنگ	۱۵۲۹ء
کامران کی پیدائش	۱۵۱۰ء	بدخشاں سے ہمایوں کی واپسی	جون ۱۵۲۹ء
عسکری کی پیدائش	۱۵۱۶ء	بابر کی موت	۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء
ہندال کی پیدائش	۱۵۱۹ء		

ضمیمہ

میرزا محمد حیدر دوغلت مصنف تاریخ رشیدی

''میرزا محمد حیدر دوغلت ۹۰۵ھ یعنی ۱۵۰۰ء-۱۴۹۹ء میں تاشکند میں پیدا ہوا، جہاں اس کے باپ کی حکومت تھی، دوغلت ایک قبیلہ کا نام ہے، جو چغتائی شاخ سے تھا، میرزا محمد حیدر دوغلت بابر کا خالہ زاد بھائی تھا، اس کی ماں بابر کی ماں قتلق نگار خانم کی بہن تھی، وہ کابل میں بابر کے ساتھ لڑائیوں میں شریک رہا، پھر مغلستان جا کر اپنے چچازاد بھائی سلطان سعید خاں کے یہاں ملازم ہوگیا، اس کی ملازمت میں انیس سال تک رہا، سلطان سعید خاں نے اس کو لداخ کی مہم پر بھیجا، جس پر اس نے ۱۵۳۳ء میں قبضہ کیا، وہ کشمیر میں بھی لڑتا بھڑتا رہا لیکن وہاں سے لاہور آیا، کچھ دنوں کامراں کی ملازمت کی، پھر ہمایوں کا ملازم ہوگیا، جو اس سے بڑی عزت سے پیش آتا تھا، ہمایوں کو جب شیر شاہ سے شکست ہوگئی تو میرزا حیدر تھوڑی سی فوج لے کر ۱۵۴۰ء میں درۂ پونچھ سے کشمیر میں داخل ہوگیا اور اپنی فتوحات سے بالآخر وہاں کا حکمراں بن گیا اور دس سال تک حکومت کی، اس کی وفات اکتوبر ۱۵۵۱ء میں ہوئی، وہ کشمیر میں ہمایوں ہی کے نام سے خطبہ پڑھایا کرتا تھا، اس لیے بابری خاندان کا بڑا اطاعت گذار رہا، اس کے کارنامے اور حالات زندگی بابر کی یاد دلاتے ہیں، وہ بابر کی طرح نڈر سپاہی اور حوصلہ مند تھا، بابر کی طرح اس کو علم کا بھی شوق رہا، اس کی تاریخ رشیدی ایک مشہور تاریخ ہے، جو ۹۵۳ھ/ ۱۵۴۶ء میں مکمل ہوئی، یہ وسط ایشیا کے مغلستان اور کاشغر کے منگول حکمرانوں کی تاریخ ہے، جس میں بابر کے حالات بھی ضمنی طور پر آگئے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جو حالات ضمنی طور پر لکھے گئے ہوں ان میں وہ پوری تفصیلات نہ ملیں گی جو خود بابر کی خودنوشت سوانح عمری میں ملتی ہیں، پھر بھی ان حالات کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، میرزا حیدر دوغلت نے بابر کی بعض جنگی سرگرمیوں کے حالات بہت ہی مختصر لکھے ہیں، ہندوستان

میں بابر کے کارناموں کا ذکر تو بہت ہی سرسری اور سطحی ہے، پھر بھی وسط ایشیا میں بابر کی سرگرمیوں سے متعلق جو اقتباسات حسب ذیل صفحات میں ہیں، ان سے بعض مفید معلومات حاصل ہوں گے، تفصیلی حالات کے لیے بابر کی خودنوشتہ سوانح عمری کا مطالعہ ضروری اور ناگزیر ہے۔

لیکن بابر کی خودنوشتہ سوانح عمری میں کہیں کہیں خلا ہو گیا ہے، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، مثلاً اس میں ۹۱۴ھ سے ۹۲۵ھ/ مئی ۱۵۰۸ء سے جنوری ۱۵۱۹ء تک کے واقعات درج نہیں ہیں، اس لیے حسب ذیل اقتباسات میں کابل میں لڑائی، قندوز کی طرف کوچ ماوراء النہر میں بادشاہ کی تخت نشینی، باوراء النہر کے باشندہ کی مسرت، ماوراء النہر کے باشندوں کا تکدر، سمرقند کا قبضہ سے نکل جانا، بابر پر قاتلانہ حملہ، غزنین میں لڑائی وغیرہ کی بغلی سرخیوں کے تحت جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ بابر کی خودنوشتہ سوانح عمری کے خلا کو بڑی حد تک پورا کرتا ہے۔

بابر جب خراساں میں تھا تو کابل میں اس کی سوتیلی نانی شاہ بیگم نے سازش کر کے کابل کے تخت پر اپنے نواسہ میرزا خاں کو بٹھادیا اور یہ خبر پھیلادی گئی کہ بابر خراسان کے میرزاؤں کے ہاتھ گرفتار ہو گیا ہے اور وہ واپس نہ ہوگا، اس سازش میں میرزا حیدر دوغلت کا باپ محمد حسین میرزا بھی شریک تھا لیکن میرزا حیدر دوغلت نے اپنے باپ کی سازش پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے اور اس نے جو کچھ لکھا ہے، اس کی تردید بابر کے بیان سے ہو جاتی ہے، جس کو آئندہ صفحات میں حواشی میں درج کر دیا گیا ہے، بابر نے میرزا حیدر دوغلت کے باپ کے لیے سخت الفاظ استعمال کیے ہیں لیکن اس کے باوجود میرزا حیدر دوغلت نے بابر کا ذکر ہر جگہ بہت ہی ادب واحترام کے ساتھ کیا ہے۔

بابر کا خاندان: چغتائیوں اور مغلوں میں قدیم زمانہ سے بڑی عداوت تھی، امیر تیمور سے سلطان ابوسعید میرزا کے عہد تک چنگیز خاں کے لڑکے چغتائی خاں کی نسل سے کوئی نہ کوئی بادشاہت کے تخت پر بٹھایا جاتا اور اس کو بادشاہ کہا جاتا، گرچہ وہ محبوس ہی ہوتا، جیسا کہ شاہی فرامین سے ظاہر ہے، جب سلطان ابوسعید میرزا کی بادشاہت کا زمانہ آیا، تو یہ قاعدہ ختم کر دیا گیا، کسی شخص کو بھیج کر یونس خاں کو شیراز سے بلایا گیا اور اس کو اپنے بھائی ایسان بوغا خاں کے مقابلہ کے لیے مغولستان روانہ کیا گیا۔

سلطان ابوسعید نے یونس خاں سے کہا کہ پرانی رسم بدل دی گئی ہے، تم کو بھی پرانے دعوے ختم کر دینا چاہیے، یعنی اب شاہی فرامین (مناشیر) اس خاندان (طبقہ) کے نام سے جاری ہوں اور اب ہم لوگوں میں دوستی اور مودت ہونی چاہیے۔

جب یونس خاں مغولستان آئے تو تیس سال کی مشقت کے بعد وہ ایسان بوغا خاں پر غالب ہو سکے، ان کو سکون حاصل ہوا، اس طرح سلطان ابوسعید مرزا نے بھی ایک پرانے دشمن کو دوست بنالیا، یونس خاں بھی اس مہربانی کا بدلہ چکانا چاہتے تھے، انھوں نے سوچا کہ جس طرح سلطان ابوسعید میرزا نے ایک دشمن کو دوست بنالیا، اسی طرح وہ بھی ایک دوست کو اپنا رشتہ دار بنالیں، اسی لیے انھوں نے میرزا سلطان ابوسعید کے تین لڑکوں سلطان احمد میرزا، سلطان محمود میرزا اور عمر شیخ میرزا سے اپنی لڑکیوں کی شادی کر دی، جن کے نام یہ تھے، مہر نگار خانم، سلطان نگار خانم اور قتلق نگار خانم۔

عمر شیخ میرزا کا علاقہ فرغانہ مغولستان کی سرحد پر واقع تھا، اسی لیے یونس خاں کو عمر شیخ میرزا سے اس کے بھائیوں کے مقابلہ میں زیادہ موانست پیدا ہوگئی، یونس خاں نے اس میں اور اپنے اور لڑکوں میں کوئی امتیاز نہیں کیا، دونوں جب چاہتے ایک دوسرے کے علاقے میں بے تکلف آتے جاتے رہتے۔

جب بابر بادشاہ کی پیدائش ہوئی تو ایک قاصد یہ خوشخبری لے کر یونس خاں کے پاس گیا، جو مغولستان سے آکر کچھ دنوں عمر شیخ کے ساتھ رہے، جب بابر کا عقیقہ ہوا تو ہر شخص نے جشن منایا، یونس خاں اور عمر شیخ میرزا میں جو موانست تھی وہ کسی اور دو بادشاہوں میں نہ تھی۔

بابر کی پیدائش: بابر بادشاہ ۶ محرم ۸۸۸ھ میں پیدا ہوئے، مولانا منیر مرغینانی الغ بیگ میرزا کے دربار کے جید علما میں تھے، انھوں نے تاریخ پیدائش شش محرم سے نکالی، ان سے نام کے لیے بھی التماس کیا گیا، تو انھوں نے ظہیرالدین محمدؐ نام رکھا۔

بابر کا نام: اس زمانہ میں چغتائی آج کل کی طرح نہ تھے، وہ مشکل سے ظہیرالدین محمد کا نام لے سکتے تھے، اس لیے انھوں نے بچہ کو بابر کہنا شروع کیا، خطبے اور فرامین میں ظہیرالدین محمد بابر کے نام سے مہر لگائی جاتی لیکن بابر بادشاہ کے نام سے مشہور رہا۔

نسب نامہ: باپ کی طرف سے ان کا نسب نامہ یہ ہے: عمر شیخ گورگان ابن سلطان محمد میرزا ابن میران شاہ میرزا ابن امیر تیمور گورگان۔

ماں کی طرف سے نسب نامہ یہ ہے: قتلق نگار خانم بنت ولیس خاں بن شیر علی خاں ابن محمد خاں بن خضر خواجہ بن تغلق تیمور خاں۔

فضائل: بابر بادشاہ طرح طرح کے فضائل سے آراستہ اور خصائل سے پیراستہ تھے، جن میں سے ان کی شجاعت اور مروت کی خوبیاں زیادہ غالب تھیں، ترکی شاعری میں امیر علی شیر کے بعد ان کے برابر کوئی اور نہ تھا، ان کا ایک ترکی دیوان بھی ہے، جس میں بڑے میٹھے اور سلیس اشعار ہیں، ان کی ایک منظوم تصنیف مبین ہے، فقہ میں بھی ان کا ایک رسالہ ہے، جو بہت ہی مفید اور مقبول خلائق ہے، ترکی شاعری کے عروض پر ایک تصنیف ہے، ان سے پہلے کسی نے ترکی عروض پر اتنی لطافت کے ساتھ نہیں لکھا تھا، اپنے مرشد کے رسالہ والدیہ کو بھی منظوم کیا، وقائع کے نام سے تاریخ لکھی، اس سے مراد بابر کی خودنوشتہ سوانح عمری ہے جس میں سلاست اور روانی کے ساتھ پاکیزہ اور منقح اور قریب الفہم عبارتیں ہیں، اس میں سے بعض واقعات اس کتاب میں لیے گئے ہیں، بابر کو موسیقی میں مہارت حاصل تھی، ان سے پہلے ان کے خاندان میں سے کسی میں اتنی خوبیاں نہ تھیں اور جو عجیب اور حیرت انگیز واقعات ان کے ذریعہ سے عمل میں آئے، ان کی نسل میں سے کسی اور سے ظہور میں نہیں آئے۔

تخت نشینی اور سمر قند پر قبضہ: وہ بارہ سال کے تھے کہ میرزا عمر شیخ اس دنیا سے چل بسے، یہ واقعہ ۱۴۹۹ء کا ہے، اپنے والد کی وفات کے بعد بابر بادشاہ بارہ سال کی عمر میں شاہی تخت پر بیٹھے، سلطان محمود بن سلطان بن سعید میرزا کے لڑکوں بایسنغر اور سلطان علی میں بڑی مخالفت تھی، اس لیے ان دونوں میں سے کوئی بھی سمر قند کو محفوظ نہیں رکھ سکتا تھا، جب اس کی خبر اندیجان پہنچی تو بادشاہ (یعنی بابر) سمر قند پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا، میرزا کمزور ہو چکے تھے، پھر بھی انھوں نے پوری مدافعت کی لیکن آخر میں بایسنغر کی طاقت جاتی رہی اور وہ شہر چھوڑ کر حصار کی طرف بھاگ گئے، جہاں خسرو شاہ کے ہاتھوں مارے گئے، بابر بادشاہ نے سمر قند پر قبضہ کر لیا اور اندیجان کی کچھ فوج کو سمر قند میں نگہداشت کے لیے چھوڑ دیا، کچھ فوجی اجازت لے کر اور کچھ بلا اجازت اندیجان چلے آئے۔

سمرقند کا ہاتھ سے نکل جانا: تنبل کے آنے کے بعد کچھ امرا نے دوسرے امرا سے مل کر بابر کے چھوٹے بھائی جہانگیر میرزا کو تخت پر بٹھایا، اندیجان کے قاضی بہت ہی متورع اور متقی بزرگ تھے، انھوں نے پوری مساعی جمیلہ کے ساتھ بابر بادشاہ کا ساتھ دیا تھا، ان کو مذکورۂ بالا امرا نے بے گناہ قتل کر دیا، قاضی کے شہید ہونے سے کچھ پہلے بادشاہ کے دولت خواہوں نے جنھوں نے اندیجان کے قلعہ کو مستحکم بنا رکھا تھا، ان کے پاس عرض داشت بھیجی کہ اگر وہ بہت جلد نہ پہنچے تو اندیجان ہاتھ سے جاتا رہے گا، اسی کے ساتھ سمرقند پر بھی قبضہ نہ رہ سکے گا، یہ عرض داشت پاکر بادشاہ سمرقند سے اندیجان کی طرف روانہ ہوئے اور وہ ابھی خجند ہی پہنچے تھے کہ ان کو خبر ملی کہ دشمنوں نے غلبہ پالیا ہے، بادشاہ ایک جگہ کو چھوڑ چکے تھے، دوسری جگہ بھی ہاتھ سے نکل گئی تو وہ پریشان ہوکر اپنے ماموں سلطان محمود کے پاس چلے گئے۔

سمرقند پر دوبارہ قبضہ اور پھر بے دخلی: بادشاہ کی والدہ اور ان کی ماں ایسان دولت بیگم اپنے لڑکے اور بہن کے پاس چلی آئیں، بادشاہ کی ماں کی بہن میری والدہ تھیں، اسی لیے بادشاہ ہم لوگوں کی ولایت میں ٹھہر گئے، اس مہمان عزیز کے لیے میزبانوں نے وہ سب کچھ کیا جو ان سے بن پڑا، بڑی مشقت اور فتح و ہزیمت کے بعد ان کے تصرف میں سمرقند پھر آ گیا، ان کو بہت سی لڑائیاں لڑنی پڑیں، کیوں کہ سمرقند کے بہت سے دعویدار پیدا ہو گئے، ان لڑائیوں میں فتح بھی ہوئی اور شکست بھی، بالآخر وہ یہاں محصور ہو گئے اور جب مقابلہ کی طاقت ان میں نہیں رہی تو انھوں نے اپنی بہن خانزادہ بیگم کا نکاح شاہی بیگ خاں سے کر دیا اور صلح کر کے سمرقند سے باہر چلے آئے، سمرقند بھی شاہی بیگ خاں کے قبضہ میں آ گیا۔

بابر کی پریشانیاں: بادشاہ پھر اپنے ماموؤں کے پاس چلے آئے، اپنے دل سے سمرقند کا خیال نکال دیا اور اندیجان لینے کی کوشش میں لگ گئے، بادشاہ کے دونوں ماموؤں نے بھی پدری محبت کے ساتھ کمر ہمت باندھی، انھوں نے اندیجان واپس لینے کی پوری کوشش کی، آخر لڑائی میں بادشاہ کے دونوں ماموں شاہی بیگ خاں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے، بادشاہ فرغانہ کی جنوبی پہاڑیوں کی طرف چلے گئے، جہاں ان کو بڑی مشقت اور مصیبت اٹھانی پڑی، ان کی والدہ ان کے ساتھ تھیں اور ان کے اکثر ملازم بھی اپنے بال بچوں کے ساتھ ان کی معیت میں رہے، بڑی صعوبتوں کے

بعد بادشاہ حصار کے حدود میں پہنچے، جو خسرو شاہ کا دارالسلطنت تھا، خیال تھا کہ وہ بادشاہ کے ساتھ انسانیت سے پیش آئے گا، جس کے لیے وہ مشہور تھا لیکن وہ بھی فلک کی طرح بدل گیا اور انسانیت سے روگردانی کر کے اس صاحب مروت سے بے مروتی کی لیکن خیرت یہ ہوئی کہ اور کچھ نہیں کیا؛ بادشاہ اپنے لوگوں کے ساتھ شکستہ وریختہ ہو کر غوری اور بکلان کی طرف چلے گئے، وہ جب یہاں پہنچے تو ان کی قوت کی پشت ٹوٹ چکی تھی اور ان کے لڑنے بھڑنے کے پاؤں بندھ چکے تھے، وہ یہاں کچھ دنوں ٹھہر گئے۔

بادشاہ کا وہاں ٹھہرنا بہت ہی شاق تھا لیکن اس میں حکیم برحق اور حاکم مطلق جل جلالہ کی مہربانیاں تھیں، جن کی مصلحتیں ہر دیکھنے والے کی آنکھوں کے سامنے نہیں آتی ہیں، اس انتشار کے زمانہ میں شاہی بیگ خاں حصار کی طرف بڑھا اور محمود سلطان نے قندوز کی طرف ایلغار کیا، جس سے خسرو شاہ کے غرور کے ڈھول کا پول کھل گیا اور وہ بھاگ کر غوری کے پہاڑوں میں پہنچا، یہاں آ کر اس کے ساتھیوں کو معلوم ہوا کہ بادشاہ بھی اسی علاقہ میں ہیں، تو ایک رات اس کے ساتھ کے تمام خدم وحشم خورد و بزرگ، میر و شاگرد سب ہی بادشاہ سے آ کر مل گئے، خسرو شاہ کے لیے بھی حاضری کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا، یہ وہی شخص ہے جس نے بادشاہ کے چچازاد بھائی سلطان مسعود میرزا کی آنکھیں نکلوالی تھیں اور اس کے بھائی بایسنغر میرزا کو تخت پر بٹھا کر تابوت کے تختہ پر سلا دیا تھا اور جب بادشاہ اس سلطنت کے حدود میں پہنچے تھے تو بڑی بے مروتی کے ساتھ ان کے اخراج کا حکم دیا تھا، اس وقت میرزا خاں بادشاہ کے ساتھ تھا، وہ مظلوم میرزاؤں کا چھوٹا بھائی تھا، اس کے ماں باپ بادشاہ کے ماں باپ کے قریبی رشتہ دار تھے، وہ بادشاہ کی صعوبتوں اور مشقتوں میں برابر ساتھ رہا، جب خسرو شاہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرزا خاں نے عرض کیا، اس کے بھائیوں کا قصاص لے کر خسرو شاہ کو مقصوص بنایا جائے، بادشاہ میں مروت کی بڑی صفت تھی، میرزا خان کو بڑے لطف و کرم سے سمجھایا کہ حیف، ہزار حیف تم دو فرشتوں کا مقابلہ ایک شیطان سے کرتے ہو، انھوں نے محبت کے موتی رحم کے ہیرے کی لڑیوں میں اس طرح پرویا کہ میرزا خان راضی ہو گیا اور کچھ نہ بولا، خسرو شاہ کی نظر بادشاہ اور میرزا خاں پر پڑی تو اس کی جبین جہالت پر عرق خجالت آنے لگا، جس کو بادشاہ نے اپنے عفو اور کرم کی آستینوں سے صاف کیا اور جب دربار

کی مجلس ختم ہوئی تو بادشاہ نے خزانچیوں کو حکم دیا کہ جو سامان خزانے اور گھوڑے لا کران کے سامنے پیش کیے گئے ہیں وہ سب واپس کردیے جائیں، اس وقت بادشاہ کے پاس صرف ایک گھوڑا تھا جو ان کی والدہ مکرمہ کے استعمال میں رہتا تھا، ان کی ضروریات کا قیاس کیا جاسکتا ہے لیکن ان مذکورۂ بالا چیزوں میں سے کوئی چیز اپنے مصرف کے لیے نہیں رکھی، اس نے حکم دیا کہ خسرو کے مال میں سے کوئی چیز نہ لی جائے، بادشاہ کو اس وقت بڑی احتیاج تھی لیکن اس نے پیش کش میں سے کوئی چیز قبول نہیں کی اور تمام خزائن اور اسلحہ کو چھوئے بغیر خسروشاہ کو واپس کردیے، بادشاہ کی سیرت کی ہزاروں خوبیوں میں سے یہ ایک خوبی تھی، خسروشاہ بادشاہ سے رخصت ہو کر خراسان کی طرف چلا گیا، تعجب یہ ہے کہ وہ اتنے لشکر رکھنے کے باوجود اپنے ملک کی حفاظت نہ کرسکا، خراسان میں کچھ مدد پا کر قند.ز پر حملہ کیا، جہاں وہ مارا گیا، مخدوم یا مخدوم زادہ کو مارنے کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے تھا۔

کابل پر قبضہ: بادشاہ ایک رات میں بیس ہزار لشکریوں کا آقا ہو گیا اور بڑے بڑے امرا مثلاً باقی چغتائیاں، سلطان احمد قراول، باقی نیلہ فروش وغیرہم ان کے ساتھ ہو کر کابل کی طرف روانہ ہو گئے، بادشاہ کے چچا الغ بیگ میرزا کی وفات کے بعد سلطان حسین کی اولاد میں سے مقیم الدین ذوالنون ارغنوں کابل کا حکمراں بن بیٹھا تھا، جب بادشاہ وہاں پہنچے تو وہ ان کے مقابلہ کے لیے بڑھا لیکن وہ بادشاہ کی فوج کی زیادہ تعداد سے شکست کھا کر کابل کے قلعہ میں بند ہو گیا لیکن آخر میں اپنے میں قوت نہ دیکھ کر امان کا طلب گار ہوا اور قلعہ کو حوالہ کردیا، بادشاہ نے اپنے وعدہ کے مطابق اس کو اسباب اور متعلقین کے ساتھ قندھار بھیج دیا، اس وقت سے اب تک یعنی ۹۰۹ھ تک کابل بادشاہ اور ان کے جانشینوں کے تصرف میں ہے۔

بابر کے خلاف ریشہ دوانیاں: کابل میں امن رہا، بابر بادشاہ خراسان چلے گئے، جہاں زیادہ دنوں تک ٹھہر گئے، اس اثنا میں طرح طرح کی خبریں گشت کرتی رہیں، ہزارہ کے لٹیروں سے راستے بھی مسدود ہو گئے۔

شاہ بیگم سے جھگڑا: پہلے ذکر آچکا ہے کہ یونس خاں کی پانچ لڑکیاں اور دو لڑکے تھے، ان کی بیوی ایسان دولت بیگم سے تین لڑکیاں ہوئیں، ۱- مہر نگار خانم جو سمرقند سے شاہ بیگم کے ساتھ کابل آئیں، ۲- قتلغ نگار خانم، بادشاہ کی والدہ تھیں، شاہ بیگم اور میرے والد کے کابل پہنچنے سے

پہلے وفات پاگئیں[1] ۳- میری والدہ جن کی وفات تاشکند کے صلح (امانی) کے زمانہ میں ہوئی، یونس خان کو شاہ بیگم سے چار اولاد تھی، ۱- سلطان محمود خاں، ۲- سلطان احمد خاں، ۳- سلطان نگار خانم، جو میرزا سلطان محمود بن میرزا سلطان ابوسعید کی بیوی اور میرزا خاں کی ماں تھیں، ۴- دولت سلطان خانم جو کہ تیمور سلطان بن شاہی بیگ خاں کی بیوی تھیں، اس طرح شاہ بیگم میری اور بابر بادشاہ کی سوتیلی نانی اور میرزا خاں کی سگی نانی تھیں، جب خواتین کی شکست کے بعد بابر بادشاہ حصار کے پہاڑی علاقہ کی طرف چلے گئے تو وہاں میرزا خان بھی پہنچا اور وہ بادشاہ کے ساتھ ہر جگہ رہا، بادشاہ اس کو اپنا فرزند ہی سمجھتے رہے، کیوں کہ میرزا کے ماں باپ اسی خاندان سے تھے جس سے بادشاہ کے ماں باپ تھے، بادشاہ کی پریشانیوں کی وجہ سے میرزا خاں ان کے ساتھ نہ جاسکا اور اپنی نانی شاہ بیگم کے ساتھ رہنے لگا، اسی اثنا میں خراسان سے بابر بادشاہ اور میرزاؤں کے متعلق طرح طرح کی خبریں آنے لگیں، شاہ بیگم کے دل میں مادری محبت کی وجہ سے خیال آیا کہ بابر بادشاہ خراسان میں میرزاؤں کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے ہیں، کیوں کہ سلطان حسین میرزا اور ابوسعید میرزا میں بڑی عداوت تھی اور دونوں کے درمیان بڑی خوں ریزی ہو چکی تھی، شاہ بیگم نے سوچا کہ جب بادشاہ گرفتار ہو چکے ہیں تو کبھی رہا نہ ہوسکیں گے، جو خبریں مل رہی تھیں ان سے اس خیال کی تائید ہوتی تھی، اس لیے شاہ بیگم کو خیال ہوا کہ اب اس کا وقت آگیا ہے کہ میرزا خان کو بادشاہ کی جگہ پر بادشاہ بنایا جائے اور جب یہ تجویز میرے والد کے سامنے پیش ہوئی تو انھوں نے اس کو سننا پسند نہیں کیا، جھگڑا شروع ہوگیا، شاہ بیگم کے رویہ سے خواتین کو تکلیف پہنچی، میرے والد کو بڑی دشواری پیش آئی، بالآخر انھوں نے کہا "میرے کہنے سے کوئی بات نہیں رکتی ہے، تو میں تمہارا مشیر (متصدی) بھی نہیں رہوں گا لیکن اس کے باوجود بادشاہ کے امرا کابل کے قلعہ سے باہر نکل کر میرے والد کے پاس برابر آتے رہے، ایک مہینہ کے جھگڑے کے بعد شاہ بیگم نے میرزا خان کو اپنی خواہش کے مطابق بادشاہ بنادیا، میرے والد نے امرا سے خفیہ طور پر کہا کہ اب وہ ان کے پاس نہ آئیں، یہی مصلحت ہے اور جب امرا قلعہ واپس ہوگئے تو میرے والد آب باران چلے گئے، جو

---

[1] بابر نے اپنی تزک میں اپنی والدہ کی وفات کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کے لیے زیر نظر کتاب کا صفحہ ۱۹۲ دیکھیے۔

کابل سے ایک دن کی راہ پر واقع تھا، وہاں وہ تمام کاموں سے الگ تھلگ رہے، شاہ بیگم اور دوسرے مغلوں نے میرزا خان کے نام سے خطبہ پڑھوایا، انھوں نے کابل کے قلعہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، اس سلسلہ میں بڑی لڑائیاں ہوئیں تو شاہ بیگم نے میرے والد کو طلب کیا اور چونکہ حد سے زیادہ اصرار تھا اس لیے میرے والد ناچار آ گئے، چوبیس روز تک قلعہ کا محاصرہ رہا، اس اثنا میں بابر بادشاہ خود پہنچ گئے۔

بابر کا سفر خراسان اور واپسی: بابر بادشاہ جہانگیر میرزا کے لیے خراسان روانہ ہوئے تھے اور جب وہ ہزارہ کے پہاڑی علاقے میں پہنچے تو جہانگیر میرزا کو پالیا، ایک مجلس گنکاش میں یہ قرار پایا کہ خراسان چلے چلنا ہی مصلحت ہے، تاکہ ان کی مدد سے شاید حسین میرزا کے لڑکے شاہی بیگ خاں کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو جائیں، جب وہ خراسان پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے دونوں بھائیوں کو خوش آمدید کہا، دونوں میرزا بھی خوش ہوئے لیکن دونوں میرزاؤں میں اتفاق نہ تھا اور جب بادشاہ کو یہ معلوم ہوا تو وہ اسی نتیجہ پر پہنچے کہ اتفاق کے بغیر کوئی مہم سر نہیں ہوسکتی ہے، جہانگیر میرزا شراب نوشی کی کثرت سے اسہال دموی اور تپ محرقہ کا مریض ہوگیا اور یہ خبر پھیلی کہ خدیجہ بیگم نے عادت قدیم کے مطابق شراب میں زہر ملا دیا تھا، ان اسباب کے بنا پر بابر بادشاہ نے واپس جانے کی اجازت چاہی اور وہ کابل چلے آئے۔

کابل کی واپسی: وہ جب ہزارہ کے پہاڑی علاقہ میں پہنچے تو ان کو خبر ملی کہ میرزا خان اور محمد حسین میرزا کابل کا محاصرہ کیے ہوئے ہیں، میرزا جہانگیر بیمار تھے، ایک محافہ میں سفر کر رہے تھے، بابر بادشاہ نے بھاری سامان تو میرزا جہانگیر کے سپرد کیے اور چند آدمیوں کے ساتھ کابل کی طرف ایلغار کیا، ہندوکش کے پہاڑ کا علاقہ برف سے بھرا ہوا تھا، ہر قسم کی صعوبتیں اٹھائیں لیکن اسی طرح سرعت سے ایلغار کرتے ہوئے کابل کی طرف بڑھتے گئے اور ایک روز صبح کو کابل پہنچ گئے، جو لوگ قلعہ سے باہر رہ کر قلعہ کے اندر کے لوگوں کو تنگ کر رہے تھے، ادھر ادھر چھپ گئے، اندر کے لوگ باہر آ گئے اور جو کچھ اندر باہر تھا لوٹ لیا، بادشاہ مروت ذات اور مجستہ صفات کے پیکر تھے، وہ کسی رنجش اور کدورت کے بغیر بہت خوش خوش اپنی سوتیلی نانی کے پاس آئے[1]، جنھوں نے اپنی

---

[1] بابر نے اپنی خودنوشتہ سوانح عمری میں جو کچھ لکھا ہے، وہ میرزا حیدر دوغلت کے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۶ پر)

محبت سے ان کو محروم کر دیا تھا اور اپنی نواسہ کو ان کی جگہ پر بادشاہ بنا کر بٹھایا تھا، شاہ بیگم بہت ہی

بیان سے کچھ مختلف ہے، وہ لکھتا ہے:

''یہیں سلطان سنجر کو (اس کو میں نے تومان نیکنہار دیا تھا اور یہ بھی اس بغاوت میں شریک تھا) پکڑ کر اور اس کی گردن باندھ کر گھسیٹتے ہوئے لائے، وہ گھبرانے لگے اور لگے چیخنے ''ہائے ہائے'' لوگوں نے کہا کہ تیرا جرم اس سے بڑھ کر ہے، کیوں کہ ان سب کا سرغنہ تو ہی ہے، چوں کہ میرے ماموؤں کی ماں شاہ بیگم کا وہ بھانجا تھا، اس لیے میں نے حکم دیا کہ اتنا بے عزت نہ کرو اور کشاں کشاں نہ لاؤ، یہاں سے نکل کر احمد قاسم کوہ برکو، جو امرائے متعینہ قلعہ میں سے تھا، خان میرزا کی تلاش میں روانہ کیا، اسی باغ کے ایک گوشہ میں شاہ بیگم اور خانم مقیم تھیں، میں ان دونوں سے ملنے گیا، شہر کے لچے گنڈے لاٹھیاں لیے ہوئے لوٹ مار پر پل رہے تھے اور کونہ کونہ ٹٹولنا چاہتے تھے، یہ دیکھ کر میں نے لوگوں کو مقرر کیا کہ ہر طرف سے بلوائیوں کو مار کر نکال دیا جائے، شاہ بیگم اور خانم ایک ہی جگہ تھیں، جہاں میں اترا کرتا تھا، وہیں اترا، جس طرح پہلے ادب و تعظیم سے پیش آتا تھا، ان سے اسی طرح پیش آیا، دونوں بہت ہی کچھ گھبرائی ہوئی اور شرمندگی سے سر جھکائے ہوئے تھیں، نہ کوئی عذر معقول کر سکیں، نہ محبت سے پیش آئیں، مجھے ان سے ایسی توقع نہ تھی، یہ لوگ جنہوں نے فساد برپا کیا، ایسا نہ تھا کہ بیگم اور خانم کی بات نہ سنتے، خان میرزا تو ان کا سگا نواسہ ہی تھا، رات دن انہیں کے پاس رہتا تھا، اگر اور لوگ ان کی نہ سنتے تو خان میرزا کو یہ روک سکتی تھیں، زمانہ کی ناسازگاری سے کئی دفعہ ایسا ہوا ہے، تخت، ملک اور نوکر چاکروں سے الگ ہو ان کے پاس گیا ہوں اور التجا کی ہے، میری والدہ بھی ساتھ تھیں، انہوں نے آنکھ تک نہیں ملائی، خان میرزا مجھ سے چھوٹا بھائی ہے، وہ اس کی ماں سلطان خانم آباد ملک کے مالک تھے، میں اور میری ماں ملک تو درکنار ایک گاؤں اور ایک جانور بھی نہ رکھتے تھے، کیا میری ماں یونس خاں کی بیٹی نہ تھی اور میں یونس خاں کا نواسہ نہ تھا، شاہ بیگم کے آتے ہی میں نے ملک لمغان کو جو کابل کے اعلیٰ علاقوں میں سے ہے، ان کی نذر کر دیا، دوسرے ہر طرح کی خدمت گذاری میں اور بیٹا بننے میں ذرا کمی نہ کی، سلطان سعید خاں کاشغری کئی دفعہ پیدل اور ننگا آیا، میں اس سے سگے بھائیوں کی طرح ملا، لمغان کے علاقوں میں سے مندادور کا پرگنہ میں نے اس کی تواضع کیا، جس زمانہ میں شاہ اسماعیل صفوی نے شیبانی کو قتل کر ڈالا اور اس قوی دشمن کو ہمارے سر سے ٹالا تو میں ادھر گیا، قندز سے چلتے وقت اندجان والے میرا منہ تکنے لگے، بعض نے اپنے حکام کو نکال دیا، بعض نے اپنے شہروں کا انتظام کر لیا (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۷ پر)

ہی مضطرب اور محجوب ہوئیں اور وہ کچھ بولنا چاہتی تھیں لیکن کچھ نہ کہہ سکیں، بادشاہ اپنے زانوں کے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۹۶) اور میرے پاس آدمی بھیجے، میں نے سلطان سعید خاں کے ساتھ اپنے آدمی کر دیے، اپنی فوج کمک کے لیے دی اور اندجان کا ملک اس کو دے دیا، سردار بنا کر ادھر روانہ کر دیا، آج تک جو وہاں سے آتا ہے میں اس کو عزیزوں سے کم نہیں جانتا، چنانچہ چین تیمور سلطان، اویس تیمور سلطان، توغنہ بوغا سلطان اور بابا سلطان اب میرے پاس ہیں، میں سب کو اپنے حقیقی رشتہ داروں سے زیادہ جانتا ہوں اور ہر طرح سے ان کی خاطر و رعایت کرتا ہوں، اس لکھنے سے میرا مدعا شکایت نہیں ہے، بلکہ ایک سچی حکایت ہے جو لکھ دی گئی، میں کچھ اپنی تعریف کرنی نہیں چاہتا، جو گزرا ہے وہ تذکرتا بیان کر دیا، میں نے یہ التزام کر لیا ہے کہ اس تاریخ میں سچی سچی باتیں لکھی جائیں، کوئی بیان غیر واقعی نہ ہو، باپ ہو یا بھائی ہو، اپنا ہو یا بیگانہ، جس کی جو برائی یا بھلائی تھی، وہ صاف صاف بیان کر دی، جس کا جو عیب وہنر تھا، پورا پورا لکھ دیا، ناظرین معاف فرمائیں اور اعتراض نہ کریں، یہاں سے میں اٹھ کر چار باغ آیا، جس میں خاں میرزا اترا ہوا تھا، سب طرف فتح نامے بھیجے گئے، اس کام کے بعد سوار ہو کر ارک میں ہم آئے، محمد حسین میرزا ڈر کے مارے خانم کے توشہ خانے میں آ کر چھپ گیا تھا، توشک کے بوغبند میں لپٹ رہا، قلعہ کے متعینوں میں سے میرم دیوان وغیرہ کو حکم دیا کہ ان گھروں کی تلاشی لے لو اور محمد حسین میرزا کو ڈھونڈھ لاؤ، یہ لوگ خانم کے دروازے پر آئے، خوب ڈانٹا اور دھمکایا، بہر حال محمد حسین میرزا کو پکڑ لائے اور قلعہ میں لے آئے، میں نے حسب دستور تعظیم دی اور اس کے منہ پر کوئی سخت بات نہ کہی، محمد حسین میرزا (میرزا حیدر دوغلت کا باپ) کے اگر میں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا تو بجا تھا، طرح طرح کے عذاب دیتا تو وہ اس کی سزا تھی، کیوں کہ اس نے ایسی نالائق حرکت کی اور ان سارے فتنوں کی جڑ وہی تھا لیکن ایک طرح کی سگارت تھی، میری سگی خالہ خوب نگار خانم (میرزا دوغلت کی ماں) کا وہ خاوند تھا، صاحب اولاد تھا، ان حقوق سے میں نے اسے ذرا نہ ستایا اور خراسان جانے کی اجازت دے دی، یہ بے مروت حق ناشناس میری اس نیکی کو کہ میں نے اس (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹۷) کی جان بخشی کر دی، بالکل بھول گیا، شیبانی کے آگے میری شکایتیں کیں اور مجھے برا بھلا کہا، چند ہی روز میں شیبانی خاں نے اس کو قتل کر ڈالا، کم بخت نے اپنے کیے کی سزا پائی۔

(ص ۲۰۳-۲۰۲)

نوید کنندہ خود و ابر و روزگار سپار کہ روزگار ترا چاکر یست کینہ گذار (اردو ترجمہ، ص ۲۰۲ و ۲۰۳)

اس واقعہ کی کچھ تفصیل گل بدن بیگم کی کتاب ہمایوں نامہ میں بھی ملے گی، سلسلہ کے واقعات کے لیے زیر نظر کتاب کا صفحہ ۱۹۵-۱۹۴ دیکھیے۔

بل جھک گئے اور اپنی سوتیلی نانی کے گلے سے لگ گئے اور فرمایا، ''جب ماں کی محبت ایک فرزند کے لیے ہو جائے تو دوسرے فرزند کو رنجش نہ ہونی چاہیے، ماں کا حکم ماننا لڑکوں کے لیے ضروری ہے'' پھر انھوں نے فرمایا ''میں تمام رات جاگتا رہا ہوں اور بڑے دور سے آ رہا ہوں'' یہ کہہ کر اپنا سر شاہ بیگم کے سینہ پر رکھ دیا، جزاک اللہ خیراً یہ کہہ کر انھوں نے سونے کی کوشش کی تاکہ شاہ بیگم کو ہر طرح اطمینان ہو جائے، وہ مشکل سے سوئے ہوں گے کہ مہر نگار خانم آ گئیں، بادشاہ اچھل پڑے اور بڑے مہر و محبت کے ساتھ اپنی پیاری خالہ کے گلے سے لگ گئے، خانم نے ان سے کہا ''تمہارے فرزند اور اہل و عیال تم سے ملنے کے مشتاق ہیں، شکر ہے کہ تمہارے دیدار سے مشرف ہوئی، اٹھو اور اپنے اہل و عیال کے پاس قلعہ چلو، میں بھی وہاں آتی ہوں'' بادشاہ قلعہ گئے، امرا اور لوگوں نے اس نعمت الٰہی پر شکر ادا کیا اور انھوں نے بادشاہ مروت شعار کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنایا، خانم نے میرزا خان اور میرے والد کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا، جب یہ دونوں نزدیک آئے تو بادشاہ نے بڑھ کر استقبال کیا، خانم نے کہا ''اے جان مادر! اپنے نواسہ گناہ گار اور برادر ناسازگار کو تمہارے پاس لائی ہوں، ان کے متعلق تم کیا کہتے ہو، یہ کہہ کر انھوں نے میرے والد کی طرف اشارہ کیا، جب بادشاہ نے میرے والد کو دیکھا تو ان کی طرف تیزی سے بڑھے اور پہلے کی طرح تعظیم کی، پھر ہنس کر اور شگفتہ ہو کر بغل گیر ہو گئے اور ہر طرح کی باتیں پوچھ کر اپنی محبت کا اظہار کیا، اس کے بعد میرزا خان کو گلے سے لگایا، اس کے ساتھ بھی بہت محبت و شفقت سے پیش آئے، پوری مجلس میں اخلاق اور مہربانیاں ایسی دکھائیں کہ اٹھنے بیٹھنے اور آنے جانے میں کسی پر شرمندگی کے آثار ظاہر ہونے نہیں دیا، بادشاہ مروت شعار نے خجالت کے زنگ کو اپنی مروت اور انسانیت کے صیقل سے دور کرنے کی کوشش ضرور کی، پھر بھی افعال کی گرد خجالت آئینۂ آمال پر جم چکی تھی، وہ دور نہ ہو سکی، میرے والد اور میرزا خان نے قندھار جانے کی اجازت مانگی لیکن بادشاہ نے شاہ بیگم اور خانم کو پوری تعظیم اور منت سے روک رکھا، قندھار پہنچ کر میرزا خان تو وہیں رہ گیا لیکن میرے والد فرہ اور سیستان کی طرف اس مبارک نیت کے ساتھ چلے گئے جو انھوں نے خراسان میں کی تھی، جب وہ فرہ کے حدود میں پہنچے تو ان کو خبر ملی کہ شاہی بیگ خان خراسان کو فتح کر لیا ہے اور چغتائیوں کا خاتمہ ہو گیا ہے، راستے اور درے خطرناک حالت میں ہیں

اوروہ بھی مسدود ہیں، اس لیے ان کی عزیمت عمل میں نہ آسکی، یہ واقعہ ۹۱۲ھ/ ۷-۱۵۰۶ء کا ہے۔

کابل کے حالات، ہندوستان پر حملہ: پہلے ذکر آچکا ہے کہ بادشاہ نے ۹۰۹ھ میں کابل کو مقیم بن ذوالنون ارغون سے حاصل کیا، اس وقت بادشاہ کے ساتھ خسرو شاہ کے بیس ہزار لشکری تھے، اتنی بڑی تعداد کے لیے کابل میں گنجائش نہ تھی، اس لیے بادشاہ نے ہندوستان کی طرف رخ کیا لیکن راستے کی ناواقفیت کی وجہ سے وہ ایسی جگہوں سے گذرے جہاں کھانے کا سامان بہت کم تھا، اس لیے بہت سے چوپائے اور لشکری تلف ہوگئے، کوئی لڑائی تو لڑنی نہیں پڑی لیکن لشکر کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا، جب کابل کو واپسی ہوئی تو خسرو شاہ کے اکثر لشکریوں نے بادشاہ کا ساتھ چھوڑ دیا، اسی زمانہ میں شاہ بیگم اور میرے والد کابل پہنچے اور بادشاہ خراسان چلے گئے۔

قندھار پر قبضہ: ہم لوگ جب قندھار روانہ ہوئے جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے، لوگ بڑی پریشانیوں میں مبتلا تھے، اسی زمانہ میں جہانگیر میرزا کی وفات ہوگئی، وہ بادشاہ کے لیے بڑا سہارا اور پشت پناہ تھا، ان واقعات کے بعد بادشاہ کی خواہش ہوئی کہ وہ اپنے کو کابل میں ہر طرح مضبوط بنالیں، اسی لیے شاہ بیگ کے پاس ایک ایلچی بھیجا، شاہ بیگ ذوالنون کا بیٹا تھا، ذوالنون میرزا سلطان حسین کے بڑے امرا میں تھا، جس کے زمانے میں اس نے قندھار اور زمینداور کی حکومت تیس سال تک سنبھالی تھی، وہ بہادر اور عقل مند آدمی تھا، اپنی بخالت کی وجہ سے بہت بڑی دولت جمع کرلی تھی، وہ میرزاؤں کی مدد کے لیے خراسان گیا تھا، جب شاہی بیگ نے ہرات پر حملہ کیا تو وہ تنہا اوزبکوں کے مقابلہ کے لیے پہنچا لیکن اس لڑائی میں مارا گیا، قندھار میں اس کا لڑکا شاہ بیگ اس کا جانشین ہوا، بادشاہ نے اس کے پاس ایلچی بھیج کر یہ پیام دیا کہ اب میرزا سلطان حسین کی اولاد میں سے کوئی نہیں رہا، اس لیے مناسب ہے کہ اطاعت و خدمت کا دروازہ کھول دیا جائے اور ہم لوگوں کی سلطنت میں تمہارے سوا کوئی نہیں ہے، جو صدر نشین ہو لیکن اس پیام کو شاہ بیگ نے منظور نہیں کیا وہ اپنے کو اس رتبہ سے بھی بلند تر سمجھتا تھا، اس کے بعد لڑائی کی نوبت آگئی، بادشاہ نے قندھار کی طرف کوچ کیا، اس کے آس پاس ایک خوں ریز لڑائی ہوئی لیکن بادشاہ کے لیے ظفر کی نسیم چلی اور ان کو فتح ہوئی اور شاہ بیگ کے لشکریوں کی آنکھوں میں شکست کی دھول پڑی، ان کی ایسی پسپائی ہوئی کہ وہ قندھار کے قلعہ میں بھی واپس نہ جاسکے، سازوسامان کے بغیر وہ سوی (یا سیبی) کی طرف

چلے گئے اور شاہ بیگ کا اقبال ادبار میں منتقل ہو گیا، ایک بڑا خزانہ بادشاہ کے ہاتھ آیا، جس میں سے شاہ رخیاں لشکر میں تقسیم کی گئیں۔

میرزا خان قندھار میں تھا، وہ پھر بادشاہ کے پاس آیا، بادشاہ نے بہت بڑی دولت اور مال غنیمت لے کر کابل میں نزول اجلال کیا اور قندھار سلطان ناصر میرزا کے حوالے کر دیا جو جہانگیر میرزا کا چھوٹا بھائی تھا۔

بدخشاں: جب بادشاہ کابل آئے تو بدخشاں سے خبر آئی کہ جب خسروشاہ کی ولایت پر اوزبکوں نے قبضہ کر لیا تو بدخشاں کے بعض باشندوں نے اوزبکوں کے قبضہ کو تسلیم نہیں کیا اور کئی مرتبہ اوزبک کے لشکر کو شکست دی، اس کے بعد ہر ہزاری میر سردار ہو گیا اور وہ اوزبکوں کے سروں کو اپنے نیزوں پر رکھنے لگے، ان کا سردار زبیر راغی تھا۔

شاہ بیگم نے بدخشاں پر یہ کہہ کر دعویٰ کیا کہ یہ ہم لوگوں کا تین ہزار برس سے موروثی ملک ہے، گرچہ میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور سلطنت کے لائق نہیں لیکن میرزا خان میرا نواسہ ہے، امید ہے کہ تمام لوگ میری اور خان میرزا کی خواہش کو رد نہ کریں گے، بادشاہ نے اس کی اجازت دے دی، شاہ بیگم اور میرزا خان بدخشاں روانہ ہوئے، میرا بھائی محمد شاہ بیگم کی ملازمت میں تھا، وہ بھی ان کے ساتھ گیا، جب وہ بدخشاں کے نزدیک پہنچے تو میرزا خان کو زبیر راغی کے پاس بیگم کا پیام لے کر بھیجا گیا تا کہ اس کو بیگم کے خیالات معلوم ہوں۔

میرزا خان کے روانہ ہوتے ہی کاشغر سے ابا بکر ایک فوج لے کر پہنچ گیا، بیگم کے ساتھ جتنے لوگ تھے، ان کو پکڑ کر کاشغر لے گیا، میرزا خان کسی طرح بھاگ کر زبیر راغی کے پاس پہنچا، شروع میں زبیر راغی پورے اعزاز کے ساتھ اس کی طرف ملتفت ہوا لیکن بعد میں اس کی توجہ ہٹ گئی، یہاں تک کہ میرزا خان کے پاس دو تین نوکروں سے زیادہ نہ رہنے لگے، جب یہاں تک نوبت پہنچ گئی تو میرزا خان کا ایک پرانا ملازم یوسف علی کوکلداش دیوانہ تھا، اس نے زبیر راغی کے اٹھارہ آدمیوں کو ملایا اور ایک رات زبیر راغی کے پاس پہنچ کر اس کو قتل کر ڈالا، پھر میرزا خان کو بادشاہ بنایا، اس تاریخ یعنی ۹۱۳ھ سے آخر وقت تک بدخشاں میرزا خان کے پاس رہا۔

کابل میں لڑائی: قندھار کی فتح کے بعد بادشاہ کابل میں تھے کہ خسروشاہ کے لشکریوں میں سے

جو مغل باقی رہ گئے تھے، ان کی تعداد تین ہزار تھی، انھوں نے عبدالرزاق میرزا ابن الغ بیگ کو بادشاہ بنالیا اور بابر بادشاہ کی مخالفت کی، بادشاہ کے پاس اس وقت پانچ سو لشکری تھے لیکن اتنی کم تعداد کے ساتھ باہر نکل کر جنگ کی، یہ بادشاہ کی بڑی لڑائیوں میں سے ایک لڑائی تھی، دست بدست لڑائی کے بعد بادشاہ نے دشمنوں کو شکست دی، اس میں وہ اپنے دشمن کے پانچ بہادروں مثلاً علی سید کور، علی سینا اور تین اور سے باضابطہ جنگ کی اور اُن کو اپنی تلوار کی دلیرانہ ضربوں سے مار بھگایا، عبدالرزاق میرزا بادشاہ کے ہاتھ گرفتار ہوا لیکن وہ اس کے ساتھ بھی مروت سے پیش آئے اور اس کو رہا کر دیا، اس کے بعد کابل میں بادشاہ کے حالات خاطر خواہ رہے، یہاں ان کا قیام ۹۱۶ھ/۱۵۱۰ء تک رہا، جبکہ شاہی بیگ خاں مارا گیا۔

قندوز کی طرف کوچ: ۹۱۶ھ/۱۵۱۰ء کے رمضان شریف کے اوائل میں ایک آدمی کابل میرزا خان کا خط لے کر بادشاہ کے پاس آیا، اس وقت دروں میں برف جم جانے کی وجہ سے راستے مسدود تھے، اس خط میں یہ لکھا تھا کہ شاہ اسمٰعیل نے عراق سے آکر شاہی بیگ خاں کو مرو میں شکست دے دی ہے، اس خط میں یہ تحقیق سے خبر نہیں دی گئی تھی کہ شاہی بیگ مارا گیا یا زندہ ہے، تمام اوزبک دریا عبور کر کے قندوز چلے گئے ہیں، جہاں امیر اروس دورمن موجود ہے، بیس ہزار مغول بھی اوزبک سے علاحدہ ہو کر قندوز پہنچ گئے ہیں، میرزا خان نے یہ بھی لکھا تھا کہ میں بھی قندوز آگیا ہوں، اگر آپ اپنی عنانِ دولت قندوز کی طرف موڑ دیں تو میں آپ کے ساتھ ہو جاؤں گا اور یقین کامل ہے کہ آپ کی موروثی سلطنت پھر آپ کو مل جائے گی۔

اس خط کو پا کر بادشاہ بڑی تیزی سے روانہ ہو گئے، جاڑوں کا موسم تھا، انھوں نے آب درہ کا راستہ اختیار کیا، جہاں بڑے بڑے درے نہ ملتے تھے، انھوں نے عیدالفطر بامیان میں منائی، پھر شوال کے شروع میں قندوز پہنچ گئے، میرزا خان اور ان مغلوں نے جو اوزبک کے ساتھ تھے، ان کا استقبال کیا، قندوز میں کچھ دن سفر کی تکان دور کرنے کے لیے ٹھہرے، اس کے بعد یہ رائے ہوئی کہ حصار کی طرف کوچ کیا جائے، جہاں حمزہ سلطان اور مہدی سلطان جیسے بڑے اوزبک حکمرانوں کی حکومت تھی، جاڑوں کے موسم کا آخری زمانہ تھا، جب کہ بادشاہ نے دریائے آمو کو توز تارام کے نزدیک عبور کیا، حمزہ سلطان کو اس کی خبر ہوئی تو وہ حصار سے باہر آیا اور وخش

پہنچا، بادشاہ کولک کے دشت کی طرف بڑھے، یہ ختلان کا ایک مشہور موضع تھا، یہاں آنے پر خبر ملی کہ حمزہ سلطان وخش پہنچ چکا ہے، راتوں رات بادشاہ ایک بالائی راستہ سے ہو کر سلطان حمزہ کے لشکر گاہ میں طلوع آفتاب کے وقت آپہنچے لیکن وہاں کوئی بھی نہ تھا، صرف رعایا میں سے کچھ لوگ تھے، وہاں معلوم ہوا کہ جب ظہر کے وقت حمزہ سلطان کے پاس یہ خبر پہنچی کہ بادشاہ نے دشت کولک میں نزول اجلال کیا ہے، تو وہ اسی وقت سوار ہو کر جنگل کی راہ سے کولک کی طرف روانہ ہو گیا، بادشاہ فوراً اس کے تعاقب میں اسی راستہ سے وہاں سے چلے جس سے حمزہ سلطان گیا تھا اور عصر کے وقت اس کے لشکر کی اس قیام گاہ کے پاس پہنچ گئے جہاں انھوں نے خود رات بسر کی تھی، حمزہ سلطان یہاں صبح کو پہنچ گیا تھا لیکن بادشاہ کے لشکر کو نہ پایا تو ان کے تعاقب میں وہ بھی روانہ ہوا اور نماز عصر کے وقت اپنی منزل پر پہنچا۔

بادشاہ اور ان کے لشکریوں کا خیال تھا کہ حمزہ سلطان ان کا مقابلہ نہ کر سکے گا، حمزہ سلطان کا یہ خیال تھا کہ بادشاہ کابل سے تھوڑے لشکری کو ساتھ لایا ہوگا اور ابھی اس کے مقابلہ کے لیے پوری طرح تیار نہ ہو سکا ہوگا، دونوں طرف کی یہ صورت حال تھی تو دونوں ایک دوسرے سے ہراساں ہوئے، بادشاہ اسی رات قندوز چلے آئے اور حمزہ سلطان حصار کی طرف بھاگ گیا، چند روز کے بعد دونوں کو ایک دوسرے کے بھاگنے کی خبر ملی اور دونوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

بادشاہ قندوز آئے تو شاہ اسمٰعیل کا ایک ایلچی دوستی کا پیام لے کر آیا، اسی اثنا میں بادشاہ کی ہمشیرہ خان زادہ بیگم خراسان سے آگئی تھیں، سمرقند کے محاصرہ کے موقع پر بادشاہ نے شاہی بیگ خاں سے خان زادہ بیگم کا نکاح کر کے صلح کر لی تھی، بیگم شاہی بیگ خاں کے حرم میں تھیں اور ایک لڑکے خرم شاہ سلطان کی ماں بھی ہو گئی تھیں، شاہی بیگ خاں کو وہم ہو گیا تھا کہ بیگم اپنے بھائی کی خاطر اس کی جان لے لیں گی، اسی لیے اس نے ان کو طلاق دے دی تھی اور سید ہادی سے عقد کرا دیا، جو سید اتائی کے بڑے سادات میں سے تھے، وہ خود اور تمام اوزبک ان کی بڑی عزت کرتے تھے، سید ہادی مرو کی جنگ میں مارے گئے، بیگم اور ان کا لڑکا دونوں ترکمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے لیکن جب اسمٰعیل شاہ کو معلوم ہوا کہ وہ بابر بادشاہ کی بہن ہیں تو ان کے ساتھ پوری رعایت کی اور ایک ایلچی کے ہمراہ بڑے بڑے تحائف کے ساتھ بادشاہ کے پاس بھیج دیا، جب

خان زادہ بیگم بادشاہ کے پاس پہنچیں تو وہ بہت خوش ہوئے اور میرزا خان کو تحائف اور ہدایا کے ساتھ شاہ اسمٰعیل کے پاس خراسان بھیجا اور اپنی اطاعت و انقیاد کا اظہار کر کے مدد کی التماس کی، شاہ اسمٰعیل نے میرزا خان کی اچھی طرح پذیرائی کی اور پھر واپس جانے کی اجازت دے دی۔

اسی اثنا میں میرے چچا کے یہاں سے خبر آئی کہ انھوں نے فرغانہ کو اوزبکوں سے خالی کرالیا ہے اور اس ولایت کو اپنے قبضہ میں لے آئے ہیں اور اب اوزبکوں کا استقبال اور ماوراء النہر پر قبضہ آسان ہو گیا ہے۔

ماوراء النہر میں بادشاہ کی تخت نشینی: میرے چچا سید محمد میرزا نے اندیجان سے مدد مانگی تو بادشاہ نے سلطان سعید کو مدد کے لیے بھیجا اور جب سلطان سعید خاں وہاں پہنچا تو میرزا خان بھی شاہ اسمٰعیل کے یہاں سے کمک لے کر آ گیا، اس طرح بادشاہ کو پوری قوت حاصل ہو گئی، اس کے بعد بادشاہ کسی تاخیر کے بغیر خود حصار کی طرف روانہ ہوئے، اوزبکوں کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے حمزہ سلطان، مہدی سلطان، تیمور سلطان اور دوسرے بڑے سلاطین کی سرداری میں ایک فوج جمع کی اور بادشاہ کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے، شاہی بیگ خاں کی جگہ پر کوچم خاں تخت پر بٹھایا گیا تھا، اس کے ساتھ سیونجک سلطان، جانی بیگ سلطان، عبید اللہ سلطان اور دوسرے سلاطین قرشی کے میدان میں جمع ہوئے، اس میدان کا اصلی نام نخشب ہے، جب بادشاہ پل سنگین کے پاس پہنچے تو حمزہ سلطان نے بڑھ کر اس پر قبضہ کر لیا، دونوں طرف کے لشکر ایک مہینہ تک ایک دوسرے کے سامنے مقیم رہے اور جب یہ معلوم ہوا کہ اوزبک کے لشکر کی تعداد زیادہ ہے اور اس کے ساتھ بڑے نامور سلاطین ہیں، ان کا مقابلہ کرنا مشکل ہے اور جب اوزبکوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ بادشاہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو وہ پل سنگین کے نچلے حصہ سے تیر کر دریا کو عبور کر گئے، جب بادشاہ کو یہ خبر ملی تو ظہر کے وقت انھوں نے وہاں سے کوچ کیا اور آبدارہ کی طرف چلے گئے، جہاں بڑے مضبوط پہاڑ تھے، وہ رات بھر کوچ کرتے رہے، یہاں تک کہ دوسرے دن ظہر کے وقت ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جو اہل رائے کے نزدیک ہر طرف سے محفوظ تھی، آدھی رات کو خبر ملی کہ اوزبک اپنی پوری فوج کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں، تو اچیوں نے تمام لشکر کو خبر دی کہ وہ سب صبح تک لڑائی کے لیے تیار ہو جائیں، طلوع آفتاب کے وقت خبر ملی کہ ازبک پہنچ گئے، بادشاہ اپنے

گھوڑے پر سوار ہوئے اور ایک اونچی جگہ پر چلے آئے، جہاں سے انھوں نے دیکھا کہ صرف ایک راستہ ہے جس سے لشکر گذر سکتا ہے، اونچی جگہ سے بائیں طرف ایک پشتہ ہے، ان دونوں کے بیچ ایک وادی سے بھی ایک راستہ گیا ہے، جب دشمن اس ہموار جگہ پر پہنچے تو ان کو معلوم ہوا کہ پشتہ کے اوپر جانا آسان نہیں، تیمور سلطان اور دوسرے سلاطین اپنی فوج میں سے دس ہزار لشکریوں کو لے کر باہر آئے اور اس بلندی پر چڑھنے کی کوشش کی، بادشاہ نے ان کے مقابلہ کے لیے میرزا خان کو اور دوسرے بہادروں کے ساتھ اپنے لشکر میں سے بھیجا، اس اثنا میں بادشاہ کی نظر لشکریوں کی ایک جماعت پر پڑی تو انھوں نے پوچھا کہ "تم سب کون ہو؟" جب میرے والد نے کابل چھوڑا تھا تو ان کے ساتھ موروثی ملازموں میں تین سو آدمی تھے، جو خراسان سے مغلوں کے ساتھ قندوز چلے آئے تھے، ان کے سرداروں کو تو بادشاہ نے اپنے یہاں ملازم رکھ لیا اور جو بچ گئے تھے، وہ میرے ساتھ ہوگئے، ان ہی پر بادشاہ کی نظر پڑی تو ان کے سوال پر انھوں نے جواب دیا "ہم میرزا حیدر کے ملازم ہیں، بادشاہ نے ان سے کہا، ابھی تم اتنی بڑی مہم میں شریک ہونے کے لائق نہیں ہو، میرے ساتھ رہو، مولانا محمد اور دوسرے بھی ہم راہ رہیں اور بقیہ میرزا خان کی مدد کو بھیج دیے جائیں۔

جب میرے ملازم میرزا خان کے پاس پہنچے تو اوزبکوں نے ان لشکریوں پر حملہ کیا جو میرزا خان کے سامنے تھے، یہاں تک کہ وہ میرزا کے پاس پہنچ گئے، اسی وقت میرے ملازم بھی پہنچ گئے، ان کا سردار آتکہ فقیر تھا، جس کا نام جان احمد آتکہ تھا، اس نے اپنے آدمیوں کے ساتھ اوزبکوں پر حملہ کیا اور ان کو مار بھگایا، اس لڑائی کی شدت سے میرے ایک ملازم نے ایک دشمن کو پکڑ لیا اور بادشاہ کے سامنے لایا، بادشاہ اس کو نیک فال سمجھے اور فرمایا کہ پہلا انعام میرزا حیدر کے نام لکھا جائے۔ لڑائی لشکر کے بائیں طرف شام تک جاری رہی، بادشاہ کے لشکر کی طرف سے لڑائی نہیں ہوئی، کیوں کہ اس طرف راستہ تنگ تھا اور دونوں طرف سے آسانی سے حرکت نہیں ہوسکتی تھی، ظہر کی نماز کے وقت بہادر لشکری بادشاہ کے سامنے سے ہٹ گئے اور گھوڑے پر سے اتر کر پاپیادہ ہوگئے، رات کے وقت دشمنوں کے لیے ٹھہرنا ممکن نہ ہوسکا، کیوں کہ وہاں پانی نہ تھا، پانی ایک فرسخ پر ملتا تھا، اس لیے وہ پانی کے نزدیک جا کر ٹھہرے، پاپیادہ لشکری پہاڑی سے نیچے اتر گئے اور دشمنوں کے پیچھے "ہے ہے" کہتے دوڑے، دشمنوں کی فوج کا ایک حصہ میرزا خان کے

مقابل میں کھڑا تھا، انھوں نے جب دیکھا کہ حمزہ سلطان جوان کے غول (فوج کے مرکزی حصہ) میں تھا پیچھے ہٹ رہا ہے، تو ان کا بھی پائے ثبات اکھڑ گیا، جب تک دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے کھڑی تھیں، کوئی ایک دوسرے پر غالب نہیں آرہی تھی لیکن جب دشمن پیچھے ہٹنے لگے تو میرزا خان کے لشکریوں نے یکا یک حملہ کیا، دشمن بھاگے، جب دشمن کی فوج کے غول (مرکزی حصہ) اپنے دوسرے حصہ کو شکست کھاتے دیکھا تو اس کے بھی چھکے چھوٹ گئے اور وہ بھی بھاگ کھڑے ہوئے، مغرب کی نماز کے وقت حمزہ سلطان، مہدی سلطان اور مماق سلطان گرفتار کر کے بادشاہ کے سامنے لائے گئے، انھوں نے ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جو شیبانی نے مغل خوانین اور چغتائی سلاطین کے ساتھ کیا تھا۔

رات سے صبح اور صبح سے دوسری رات تک ہمارے ملازموں نے اوزبکوں کا تعاقب در بند آہنیں تک کیا، تمام فاتح لشکری حصار میں جمع ہوئے جب کہ شاہ اسمٰعیل کی طرف سے بھی کمک پہنچ گئی، آس پاس کے قبیلوں کے آدمی بھی جمع ہو گئے، اس طرح پوری فوج کی تعداد ساٹھ ہزار ہوگئی، جو حصار سے کوچ کر کے قرشی پہنچی، اکثر اوزبک سلاطین سمرقند میں تھے، ان میں سے عبیداللہ خاں قرشی کے قلعہ میں بند ہو گیا تھا، بادشاہ کے ساتھ اہل رائے اور عقدہ کشائے امور ملک تھے، انھوں نے قرشی کے محاصرہ کی مصلحت نہیں دیکھی، انھوں نے عرض کیا کہ یہاں سے بخارا کی طرف چلے جانا ہی بہتر ہے، کیوں کہ اگر عبیداللہ مضبوطی سے قرشی کے قلعہ میں جمع رہتا ہے تو بخارا لشکریوں سے خالی رہے گا اور وہاں بے وقوف ہی رہیں گے، اس لیے یہ یعنی بخارا آسانی سے ہاتھ آجائے گا، قرشی میں ٹھہرنے سے کوئی مقصد حاصل نہ ہوگا، اس قلعہ کو چھوڑ کر آگے بڑھا جائے، بادشاہ نے اس رائے سے اتفاق کیا اور قرشی کو چھوڑ کر آگے مقیم ہوئے قراولوں نے خبر دی کہ عبیداللہ قلعہ سے باہر آکر بخارا کی طرف بڑھ رہا ہے، اسی لمحہ بادشاہ گھوڑے پر سوار ہو گئے اور اوزبکوں کے تعاقب میں تیزی سے روانہ ہوئے، وہ دن رات کوچ کرتے رہے، یہاں تک کہ شہر پہنچ گئے، اوزبکوں کو بخارا سے ترکستان کے جنگلوں کی طرف مار بھگایا جو راستے میں لوٹتے ہوئے بھاگے، جب سمرقند میں اوزبک سلاطین کو اس کی خبر ملی تو وہ بہت خوفزدہ ہوئے، وہ اطراف و جوانب میں حیران و پریشان ہو کر ترکستان کے مختلف حصوں میں چلے گئے۔

ماوراء النہر کے باشندوں کی مسرت: جب بادشاہ بخارا پہنچے تو انھوں نے شاہ اسمٰعیل کی بھیجی ہوئی کمک کو ان کی خدمات کی تعریف کر کے اور ان کو مناسب انعامات دے کر واپس کر دیا اور خود فاتح و کامران ہو کر سمرقند کی طرف روانہ ہو گئے، ماوراء النہر کے باشندوں میں بڑوں، چھوٹوں، خواص و عوام، شہزادوں اور کسانوں سب نے ان کے آنے پر خوشی اور شادمانی کا اظہار کیا، امرا نے ان کا استقبال کیا، لوگوں نے شہر کی آرائش کی، راستے اور بازار طرح طرح کے کپڑے اور دیبا سے آراستہ کیے گئے، ہر طرف نقوش اور تصویریں آویزاں کی گئیں، بادشاہ جب ۹۱۷ھ کی درمیانی تاریخوں میں ایسی شان و شوکت سے داخل ہوئے کہ پہلے کسی نے نہ دیکھی ہوگی، ملائکہ نے سلامتی کی ندا بلند کی اور لوگوں نے الحمد للہ رب العالمین کہا، ماوراء النہر اور خصوصاً سمرقند کے لوگ برسوں سے ان کی پناہ اور سایہ میں آنے کے لیے مشتاق تھے۔

ماوراء النہر کے باشندوں کا تکدر: بادشاہ نے ضرورت کے وقت قزلباش کا لباس پہن لیا تھا لیکن یہ بدعت بلکہ کفر سمجھا جاتا تھا، لوگوں کا خیال تھا کہ سمرقند میں جب بادشاہ شریعت نبوی کے تخت پر بیٹھیں گے اور اپنے سر پر سنت مصطفوی کا تاج رکھیں گے تو اپنے سر سے تاج شاہی اتار دیں گے، جس کا پہننا بدعت تھا اور جس کی شکل گدھے کی دم کی طرح تھی لیکن سمرقند کے لوگوں کی امید بر نہیں آئی، بادشاہ نے اب تک اپنے کو شاہ اسمٰعیل کی کمک اور مدد سے مستغنی نہیں پایا اور اوزبکوں سے مقابلہ کرنے میں اپنی تنہا قوت کو کافی نہیں تصور کیا، اسی لیے وہ قزلباش کے لباس میں نمودار ہوئے، اس سے ماوراء النہر کے لوگوں کا اشتیاق پہلے جیسا نہ رہا، بادشاہ بھی ضرورۃً ترکمانوں کی طرف مائل رہے۔

سمرقند کا قبضہ سے نکل جانا: بابر بادشاہ کے ترکمانی وضع کا لباس پہننے اور شاہ اسمٰعیل کے انقیاد پر ماوراء النہر کے علما اور اکابر اُن سے بددل رہے، جب جاڑے کا موسم ختم ہوا اور موسم بہار آنے پر بارش سے زمین سبز پوش ہو گئی تو اوزبک ترکستان سے بڑھے، ان کا بڑا حصہ تاشکند کی طرف روانہ ہوا لیکن عبید اللہ جی قودوق کے راستہ سے بخارا کے سمت چلا، تاشکند کے قلعہ کو امیر احمد قاسم کوہ بر نے مضبوط کر رکھا تھا، بادشاہ نے اس کی مدد کے لیے امیر دوست ناصر اور سلطان محمد دولادی وغیرہ کی نگرانی میں کمک بھیجی اور خود بخارا کی طرف بڑھے، جب ان کے قریب پہنچنے کی خبر عبید اللہ کو ملی تو

وہ جس راستہ سے آیا تھا، اسی سے واپس گیا، بادشاہ نے اس کا تعاقب کیا اور کول ملک پہنچ کر اس کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا، عبیداللہ کے پاس تین ہزار آدمی تھے، بادشاہ کے ساتھ چالیس ہزار لشکری تھے، عبیداللہ نے کلام پاک کی وہ آیت پڑھی، جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے حکم سے تھوڑی فوج بڑی فوج پر کبھی غالب آجاتی ہے، سخت مقابلہ ہوا، حق سبحانہ وتعالیٰ نے دنیا کے لوگوں اور خصوصاً ارباب دول پر یہ ظاہر کیا کہ لشکر کی کثرت اور اسلحہ کی طاقت پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا ہے، وہی جس کو چاہے، فتح دلا سکتا ہے، عبیداللہ خاں نے تین ہزار آدمیوں سے چالیس ہزار سواروں کی مسلح اور مرتب فوج کو پوری شکست دے دی، حالانکہ یہی آدمی اسی جگہ سے آٹھ مہینے پہلے ہار کر بھاگ چکے تھے، یہ واقعہ صفر ۹۱۸ھ کا ہے، بادشاہ نے سمرقند میں صرف آٹھ مہینے تک بادشاہت کی۔

جب بادشاہ سمرقند واپس آئے تو وہ تخت کو سنبھال نہ سکے، اس کو چھوڑ کر حصار کی طرف چلے گئے، شاہ اسمٰعیل کے پاس متواتر ایلچی بھیجے اور صورت حال بتا کر کمک مانگی، شاہ اسمٰعیل نے بادشاہ کی بات مان لی اور اپنے امیرالامرا امیر نجم کو ساٹھ ہزار لشکریوں کے ساتھ روانہ کیا، موسم بہار کے بعد جب جاڑے کا موسم آیا تو لشکر اوزبکوں کے خلاف روانہ ہوا، جب یہ قرشی پہنچا تو معلوم ہوا کہ عبیداللہ خاں کے ماموں شیخم میرزا نے یہاں کے قلعہ کو مضبوط کر رکھا ہے، قلعہ کا محاصرہ کرلیا گیا، جو جلد تسخیر ہوگیا، شیخم میرزا کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور قلعہ کے تمام وضیع وشریف کا قتل عام ہوا۔

اوزبک سلاطین میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے قلعہ کو مضبوط بنا رکھا تھا، جانی بیگ سلطان نے غجدوان کے قلعہ میں اپنے کو محصور کرلیا تھا، جب ترکمانوں نے قرشی پر قبضہ کرلیا تو انھوں نے بادشاہ سے ماوراء النہر کے اور قلعوں کے متعلق دریافت کیا، بادشاہ نے ان سے ہر ایک قلعہ کا حال بتایا، ان تمام قلعوں میں غجدوان کا قلعہ لینا آسان نظر آیا، اس لیے وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے، جب اوزبک سلاطین کو ان کے آنے کی خبر ملی تو وہ اسی رات کو جب کہ بادشاہ اور ترکمان قلعہ گیری کی تیاری میں مشغول تھے، غجدوان کے قلعہ کے اندر چلے گئے، صبح کو ان کی فوجیں صف آرا ہوئیں، اس طرف سے بھی لڑائی کی تیاری شروع ہوئی، اوزبک محلے کے بیچ میں تھے، اس لیے لڑائی کا میدان تنگ ہوگیا تھا، اوزبک بہادروں نے ہر گوشہ سے تیراندازی شروع کردی لیکن بہت جلد

اسلام کا پنجہ بدعت اور کفر کے ہاتھ پر غالب آیا اور اعلام اعلاء اسلام فتح وظفر کے ساتھ سر بلند ہوئے اور اسلام کی نصرت کی نسیم نے بدعتیوں کے ظلمت پیکر جھنڈوں کو نگوں سار کیا لیکن یکا یک انھوں نے ہمت کی، ان کے اکثر لشکری مارے جا چکے تھے لیکن انھوں نے انتقام کے تیر چلانے شروع کیے تو میر نجم اور تمام ترکمان امرا کو نار السقر کیا، بادشاہ شکستہ و ریختہ ہو کر حصار چلے آئے۔

بابر پر قاتلانہ حملہ: بادشاہ اور مغل امرا میں اختلاف پیدا ہو گیا، یہ وہ امرا تھے، جو خان کے اندیجان چلے جانے کے بعد بادشاہ کی ملازمت میں آ گئے تھے، ایک رات ایوب بیگ جک، میر محمد، یادگار میرزا اور نذر میرزا اور دوسرے مغلوں کے ساتھ بادشاہ کے سر پر آ دھمکے، بادشاہ بڑی مشکل سے برہنہ ہو کر حصار کے قلعہ میں داخل ہو سکے، ان مغلوں کو قلعہ کے اندر باہر جو کچھ ملا لوٹ لیا، بادشاہ ان کا مقابلہ نہ کر سکے، حصار کے قلعہ کو اپنے معتمد امرا کے حوالے کر دیا اور وہ خود قندوز چلے آئے، حصار کے قلعہ کے علاوہ پوری ولایت پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا، مغلوں کے یہاں ایک مثل ہے کہ جب کوئی جگہ خالی رہتی ہے تو سور کے بچے بھی اس کے سرے پر چڑھ جاتے ہیں۔

مغلوں کی شامت اعمال کی وجہ سے حصار اوزبکوں کے قبضہ میں آ گیا، ان کو جب تک حصار واپس لینے کی امید تھی تو وہ قندوز میں رہے، جہاں بڑی محتاجی کی زندگی گذاری، یہ ولایت میرزا خان کے پاس تھی، وہ برابر اطاعت کا اظہار کرتا رہا لیکن یہ ولایت ان کے حوالے کر کے اپنی انسانیت کا ثبوت نہیں دیا، بادشاہ نے اپنی صفت ذاتی کی وجہ سے تحمل سے کام لیا اور میرزا خان کے ملک میں مداخلت کر کے اس کو واپس لینے کی کوشش نہیں کی، جب حصار لینے سے مایوس ہو گئے تو وہ کابل چلے آئے۔

بادشاہ نے جب ماوراء النہر فتح کیا تھا تو کابل سلطان ناصر میرزا کے حوالہ کر دیا تھا، وہ کابل ہی میں تھا جب اس کو بادشاہ کے آنے کی خبر ملی تو ان کے استقبال کے لیے گیا اور اخلاص اور انسانیت سے جھک کر کہا، آپ نے چرخ واژگوں اور گردش گردوں کے تقاضے سے پھر یہاں نزول اجلال فرمایا ہے، تو اس ملک کے خزانۂ عامرہ کو ہم نے اچھی طرح معمور رکھ کر اس کی نگہداشت کی ہے، اگر آپ حکم دیں تو میں اپنی پہلی حکومت پر غزنیں چلا جاؤں، وہاں میرے ساتھ میری خدمت کے لیے کچھ امرا مقرر کر دیں، بادشاہ نے اس انسانیت سے متاثر ہو کر اس کو طرح طرح

ن سو ازستوں سے معزز کیا اور غزنین بھیج دیا، جہاں وہ ۹۲۱ھ میں وفات پا گیا۔

غزنین میں لڑائی: ناصر میرزا کی وفات کے بعد غزنین کے امرا میں نزاع شروع ہوکر بغاوت میں منتقل ہوگئی جس میں وہ تمام مغل امرا اور دوسرے لوگ شریک ہوگئے جو بادشاہ کی ملازمت میں تھے، ان میں میر شیرم بھی تھے، جو بادشاہ کی والدہ کے ماموں تھے، انھوں نے پوری زندگی بادشاہ کی ملازمت میں گذاری تھی، ان کے بھائی میر مزید کے علاوہ جکہ کول نذر وغیرہ بھی تھے، چغتائی اور تاجیک امرا کے علاوہ مولانا بابا بشاغری اور ان کے بھائی بابا شیخ بھی تھے، مولانا بابا سمرقند کے قریہ بشاغر کے شرکا میں تھے، بادشاہ ان پر اتنے مہربان تھے کہ جب انھوں نے ماوراءالنہر پر قبضہ کیا تو مولانا بابا کو سمرقند اور اتپہ کوہستان کے ایک حصہ کی حکومت دے دی اور جن لوگوں نے بغاوت کی ان کے نام میر احمد قاسم اور کتہ بیگ تھے، میر احمد قاسم تاشکند کا اور اس کا بھائی کتہ بیگ سیرام کا حاکم تھا، ان باغیوں اور بادشاہ کے درمیان ایک لڑائی ہوئی، جب دونوں طرف کی صفیں ایک دوسرے کے مقابلے میں کھڑی ہوئیں تو امیر قاسم توچیں کا لڑکا امیر قنبر علی قندوز سے ایک جرار لشکر لے کر پہنچا اور باغیوں کو شکست دی، کچھ گرفتار ہوئے اور اپنی سزا کو پہنچے اور کچھ بھاگ کر کاشغر چلے آئے، ان ہی میں میر شیرم اور اس کے بھائی تھے، وہ سب بہت ہی شرمندہ اور مایوس ہوئے، میر مزید معاش کی کمی سے مال غنیمت کی تلاش میں تبت چلا گیا، غزوہ میں ایک پتھر اس کے سر پر گرا جس سے وہ ہلاک ہوگیا، میر شیرم بادشاہ کے پاس چلا آیا، جنھوں نے اپنی مروت اور مکارم اخلاق سے اس کے کرتوت پر اپنی چشم غضب بند کرلی اور اس کی گذشتہ خدمات کی بنا پر اس کا اعزاز کیا لیکن وہ تھوڑے دنوں کے بعد ہی وفات پا گیا۔

کابل پر بادشاہ کا پورا اقتدار ہوگیا تو انھوں نے قندھار کی طرف توجہ کی، جو اس وقت شاہ بیگ ابن ذوالنون ارغون کے قبضہ میں تھا، اس کا محاصرہ پانچ سال تک کیا، شاہ بیگ بالآخر بھاگ کر سیوی چلا گیا، وہاں سے ٹھٹھ، اوچہ اور بکھر پر قبضہ کرلیا۔

بادشاہ قندھار پر قبضہ کرنے کے بعد ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے، انھوں نے کئی مرتبہ اس پر یورش کی لیکن ہر بار واپس ہوگئے، بالآخر سلطان اسکندر افغان کے بیٹے سلطان ابراہیم سے پانی پت میں جنگ کی، سلطان ابراہیم کی فوج ایک لاکھ سے زیادہ تھی، بادشاہ کے

پاس دس ہزار لشکری تھے، پھر انھوں نے اس کو شکست دی، ان کو اور ان کے لشکریوں کو اتنا خزانہ ہاتھ آیا کہ وہاں سے روم و خطا تک کے لوگ اس سے بہرہ ور ہوئے، دیبائے مذہب رومی اور اطلس مطلائے خطائی بڑی مقدار (خروارہا) میں حاصل ہوئیں۔

بادشاہ کی ایک تاریخ کہی گئی ہے:

ظہیر الدین محمد شاہ بابر — سکندر دولت و بہرام صولت

بدولت کرد فتح خطۂ ہند — کہ تاریخ آمدش فتحِ بدولت

۹۳۹ھ/۱۵۱۴ء

......میں (یعنی مصنف تاریخ رشیدی) میں ہندوستان آ گیا اور سرکار ہند کے انتظام میں لگا دیا گیا، بابر بادشاہ سلطان اسکندر افغان کے تمام قلمرو کو اپنے تصرف میں لے آئے۔

رانا سنگھ ایک ہندو راجہ تھا، کئی لاکھ لشکریوں کے ساتھ آگے بڑھا، جنگ کی لیکن بادشاہ نے اس کو شکست دی اور اپنے فرامین میں غازی لکھنا شروع کیا، اس کے بعد وہ چتوڑ کی طرف گئے، وہاں عجیب وغریب لڑائیاں لڑ کر بڑی فتوحات حاصل کیں، وہاں سے واپس ہو کر پورے ہندوستان کی نظم میں لگ گئے۔

۹۳۷ھ میں ایک بڑے مرض میں مبتلا ہو گئے، اطبا نے ہر طرح کی کوشش کی لیکن فائدہ نہ ہوا۔

چوں قضا از پشکہ روئے نمود — روغن بادام خشکی می فزود

از طبیب و طب نیاید یک شفا — علت و صحت ہمی داں از خدا

جب موت قریب آ گئی تو ہمایوں میرزا کو بدخشاں سے طلب کیا، تمام امیروں اور لوگوں کو ان کے حوالہ کیا اور اپنی جان کو جہاں آفریں کے سپرد کیا، انار اللہ برهانه ونور مضجعه۔

تمت

محمد ﷺ
سب کے لیے

مستشرقین
اور
انگریزی تراجم قرآن

قرآن مجید کی تفسیریں
چودہ سو برس میں

تعدیل رجال بخاری

تاریخ تحفظ سنت
اور
خدمات محدثین

تاریخ ارض القرآن
سید سلیمان ندوی

مکتبہ قاسم العلوم